

مکتبہ حق باضابطہ خزانہ



اِنَّمَا اِنَّا قَسَمٌ مِّنْ رَّبِّكَ يُعْطٰی

سِلْسِلَہٗ اَشْرَافِہٖ اَعْرَافُہٗ

بیادگار خطاب سلطان العلوم، علامت حضرت فاضل میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ تعالیٰ ملک

اشاعت اسلام

المعارف پبلشرز

دنیائے اسلام کی نوکر بھید

دارالترجمہ

مفت مولانا محمد رفیع الرحمن صاحب دہلی دارالعلوم دیوبند

بہار ہتھام

حضرت مولانا قاری محمد طیب و مولانا قاری محمد طاہر صاحبان مالکان مطبع قاسمی

مطبع قاسمی حلیہ الطہارۃ شہیدہ

اردوم ۱۰۰

روستائے دیوبند سب سے زیادہ دستی اور سستی کے ساتھ قاسمی دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین اشاعت اسلام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	علیہ اسدی کا دعویٰ نبوت اور سلمان ہونا	۱	اشاعت اسلام حصہ اول
	اہل بحرین کا مرتد ہونا اور سلاؤں کیلئے غیبی	۷	زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از بیعت
۶۳	تائید کا عجیب واقعہ۔		تاہبست
۶۶	مالک بن نویرہ کا مرتد ہو کر مسلمان ہونا۔	۱۷	حضرت عید الشہین سلام کا اسلام لانا۔
۷۳	فتنہ ارتداد کی غامض حکمتیں۔	۱۹	حضرت سلمان فارسی کا اسلام لانا۔
	صحابہ کا اشاعت و تبلیغ اسلام میں	۲۳	مدینہ منورہ میں منافقین۔
۷۵	مشغول ہونا۔	۲۵	صلح حدیبیہ۔
۷۹	دار بن کا فتح ہونا اور سمندر کا خشک ہو جانا۔	۲۷	بادشاہان عالم کو دعوت اسلام کے خطوط۔
۸۲	حضرت خالد بن ولید کا ملک عراق میں داخل ہونا	۲۷	قیصر کے نام نامہ مبارک۔
۸۲	حبیہ کا فتح ہونا۔	۲۸	قیصر ابو سنیان کا مکالمہ۔
۸۴	انجباؤں کا عجیب واقعہ۔	۳۱	نجاشی کے نام نامہ مبارک۔
۸۵	میدان یرموک میں جرجہ کا مسلمان ہونا۔	۳۱	کسری کے نام نامہ مبارک۔
	بہرہ شہر اور مدائن کا فتح ہونا اور لشکر	۳۲	بادشاہ غسان کے نام نامہ مبارک۔
۸۷	اسلام کا دجلہ کو طغیانی کی حالت میں عبور ہونا	۳۳	حاکم بحرین کے نام نامہ مبارک اور اس کا مسلمان ہونا
۹۵	جزیرہ صمدانیہ کی فتح اور سلاؤں کا	۳۶	فتح مکہ اور اعلان معافی۔
	غرق آب ہونا۔	۴۴	سنتہ الوفود۔
۹۶	روم کے بادشاہ کا خط۔	۵۳	حجۃ الوداع۔
۹۹	قیروان کی بنا ہزاروں بربروں کا مسلمان ہونا	۵۵	اشاعت اسلام حصہ دوم۔
	قیروان میں مسجد جامع کی تعمیر اور امت	۵۵	ارتداد و تمیائیں۔
۱۰۲	قبیلہ کی غیبی تعیین۔	۵۸	سیرت کا دعویٰ نبوت اور سلمان ہونا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۸	عنبر وہ موتہ -	۱۰۳	مار الفرس یعنی گھوڑے کا چشمہ -
۳۳۱	فتح مکہ مکرمہ -	۱۰۴	یوم الابطار -
۳۳۲	حنین میں حضرت خالد کی جاں نثاری	۱۱۷	محاصرہ حمص -
۳۳۲	عزنی کے گرائے کے لئے حضرت خالد کا مامور ہونا -	۱۲۰	سرداران فارس کا منہ لشکر عظیم
۳۳۳	حضرت خالد کا بنی جذیمہ کے لئے بھیجا جانا -		برغبت مسلمان ہونا -
۳۳۶	ایک شبہ کا جواب -	۱۲۴	ہجرت سہ سالہ اعظم فارس کے اسلام
۳۳۹	حضرت خالد کا دومتہ الجندل کی طرف جانا -	۱۸۱	اور مسلمانوں کے متعلق خیالات اور مسلمانوں کی اخلاقی و ماضی و ابلیتیں -
۳۳۹	فتنہ ارتداد میں حضرت خالد کی نمایاں خدمات -	۱۸۶	ہرمزان کا جیل سے امن حاصل کر کے مسلمان ہونا
۳۴۰	مالک ابن نویرہ کا واقعہ -	۲۱۸	مظفر عمر کی شہادت اور ہرمزان کا قتل اور واقعہ تنک کے ہم نتائج
۳۴۲	سیلہ کذاب کا واقعہ -	۲۲۰	جیلہ ابن اللہیم کا مرتد ہونا -
۳۴۳	حضرت خالد کی پیش قدمی عراق کی جانب -	۲۴۷	سدا رب یاسیل عزم -
۳۵۳	حضرت خالد کی پہلی معزولی -		حمیر و مشرک کا تناسب و تعلق -
۳۵۴	معزولی کے بعد کے واقعات -		خالد بن الولیدؓ دوران کی زندگی کے اہم واقعات
۳۵۹	حضرت خالدؓ کی دوسری مرتبہ معزولی	۳۱۳	شہر و شرافت خاندانی مسلمانوں کے ساتھ معرکے
۳۶۳	ایک لطیف و باریک نکتہ -		جنگ احد و معرکہ خندق میں حال
۳۶۵	تفصیل و تحقیق مسئلہ حریت -		بن الولید کے کارنامے -
۳۶۶	مسئلہ حریت ادا کی توضیح	۳۲۵	حصہ دوم زمانہ اسلام تا وفات
	خاتمہ حصہ دوم -		رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -
		۳۲۵	حضرت خالد بن الولیدؓ کا مسلمان ہونا
		۳۲۸	زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں
			حضرت خالدؓ کے کارنامے -

تقریر

جائین شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد صاحب

مہاجر مدنی امت بکاکاتم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

مذہب اسلام کی صداقت اور اس کے اصول کی حقانیت کچھ ایسی نہ تھی کہ قلوب عالم اور اوقات عامہ انسانیت میں مثل غذا و صانع خود بخود جذب ہو کر نہ پہنچتی، اس کی تعلیمات صحیحہ کی چمکتی ہوئی روشنی بھی کچھ ایسی کمزور نہ تھی کہ کفر و بطلان کی آنکھوں کو خیرہ اور چکا چوند نہ کر دیتی۔ ہاں ہاں اس کے سچے اصول اور حکم خداوند نے نہ صرف حکماء زمانہ کو ماخوذ کو منور اور درخشاں کیا، بلکہ اقوام عالم کے دور افتادہ اور گوشہ نشین عناصر کے عقول و ذہان کو بھی اپنی تیز روشنی شعاعوں سے جگمگا، اس کی روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاحات نے بھی نہ فقط حلقہ گو۔ شان ادیان سابقہ کو اپنا گرویدہ بنایا، بلکہ ریختانوں میں یاد یہ بنیائی کرنے والوں اور پہاڑوں میں، حشیانہ زندگی بسر کرنے والوں کو بھی اپنا رام کر لیا، یہی وجہ ہے کہ نہایت تہوڑی سی مدت میں ”بھرائٹنگ“ کے سواحل سے لیکر ”بحر یاسفک“ کے کٹ ڈال تک اور ”بحر منجھٹالی“ کے برستان سے لیکر صحرا ربیعہ افریقہ کی انتہائی اور گرم حدود تک ہزار ہا مائیں کی مسافت میں لا الہ الا اللہ کا ڈنکا بجے لگا، تلوار و لمبیں یہ قوت کہاں ہے اور ہتھیار نہیں یہ عالمگیر تہ کسہ طرہ آسکتی ہے؟

کہاں ہیں مشیر و متم اشخاص حقیقی روشنی سے بے بہرہ ہونے والے سچائی اور حقانیت سے بے فیض، مساندین اور بٹ دھرموں سے دھوکے کھانے والے آئین اور دیدہ بصیرت کہو لیں، تاریخ اسلام کے سنہرے اوراق کا مطالعہ کریں، نور اور ظلمت میں تمیز کریں، کہر سے اور کہوٹے کو پرکھیں، اسلام کی دلربائی اور اس کی محبوبیت کا نظارہ کریں اور علم حقیقی اور واقعی روشنی سے اپنے دل و دماغ کو منور کریں، زیادہ توفیق نہ ہو تو حضرت مولانا الاستاذ العلماء الحق مولانا حبیب الرحمن صاحب مد اللہ فلاحہ العالی کے اس مضمون (وینا میں اسلام کیونکر پھیلے) کو جو کہ مولانا دامت برکاتہم کے شیریں بھارتی تحقیق کا ایک قطرہ اور ان کی سچی تاریخی واقفیت کا ایک نقطہ بغور ملاحظہ کریں تاکہ متعصب پادریوں اور نادان و ہٹ دھرم آریوں کی دروغ گوئی، ابلہ فری کاپول کھلے اور اسلام کی جہانگیر صداقت کا پتہ چلے، بحسن اھم اللہ تعالیٰ فی الدامین احسن الخیراء آمین

کتبنا حقہ الطلبہ

حسین احمد غفرلہ

الشیخ (اباوی) رحمہ اللہ فی الدلو

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

الحمد للہ والمنة کہ فخر المسند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم جامعہ فاسم دارالعلوم دیوبند کا مشہور و معروف مضمون ”اشاعت الاسلام“ المعروف دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا“ زیور طبع سے آراستہ ہو کر آسمان اشاعت کا آفتاب بن گیا۔

اب مشتاق نظروں کی طرف نظر کر کہ دارالمؤمنین کی اس خدمت کی کما تک قدر کرتے ہوئے اس کے مستقبل حیات کو کامیاب بنانے کی سعی کریں گی۔

اس مبارک خدمت پر حضرت حکیم الامت مولانا الشاہ محمد شفیع صاحب امت برکاتہم نے جن بزرگ خیالات کا اظہار فرمایا ہے حق تعالیٰ انکو درجہ قبولیت سے نوازی ہماری بڑی کامیابی ہے کہ حضرات اکابرین کی خوشنودی اور دعاؤں کا شمول ہماری رہبری کرتا رہے۔

حضرت اقدس نے اس کتب پر جو ایک مضمون بصورت تقریظ ارسال فرمایا ہے اس کو بیجا و تبرکاً غفلت کرتے ہوئے درگاہ و اہل العلیات میں مست بدعا ہیں کہ بار بار لائق ہی ہمارے قلوب میں صادق حیات پیدا فرماتے ہیں اور وہی ہم کو ساحل ہر ادب تک پہنچا بیٹھا ہیں۔“ دارالکائنات دارالمؤمنین دیوبند

تقریظ حکیم الامت محی السنہ حضرت مولانا الشاہ محمد شفیع صاحب امت دارالعلوم دیوبند امت برکاتہم
موقع الحسام من اشاعة الاسلام
 یعنی

تقریظ برسرالاشاعت الاسلام مؤلفہ مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبند محی السنہ
 بعد الحمد والصلوة مخالفین اسلام کے اس شبہ کا کہ اسلام بڑھتی ہوئی پھیلا گیا ہے اصولی جواب تو خود اسلام کے قانون سے ملتا ہے جس کے بعض ضروری نجات ہیں (۱) قتل میں عورت و بچہ اور شیخ فانی اور ائمہ کے قتل باوجود ان کے جارحی انکفر کے جائز نہیں اگر سیف الکرہ علی الاسلام کیلئے ہوتی تو ان کی حالت پر کیسے چھوڑا جاتا۔

(۲) جزئیہ مشروع کیا گیا اگر سیف جزا کفر ہوتی تو باوجود بقاء علی السکھر کے جزئیہ کیسے مشروع ہوتا ہی (۳) پھر جزئیہ بھی سب کفار پر نہیں چنانچہ عورت پر نہیں اپنا بیع اور نابینا پر نہیں رہبان پر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیف کے جزئیہ جس لئے کفر نہیں۔ ورنہ سب کفار کو عام ہوتا جب جزئیہ کہ سیف سے اخف ہی خرائے کفر نہیں تو سیف جو کہ شدید ہے کیسے جزائے کفر ہوگی (۴) اگر کسی وقت مسلمانوں کی مصاحت ہو تو کفار سے صلح بلا شرط مالی بھی جائز ہے (۵) اگر حالات و قیہ متقاضی ہوں تو خود مال دیکر بھی صلح جائز ہے ان اجزا کی دونوں دفعات سے معلوم ہوا کہ جزئیہ جس طرح جزائے کفر نہیں جیسا دفعہ سے معلوم ہوا اسی طرح وہ مقصود بالذات بھی نہیں ورنہ صلح بلا مال یا یہ بذل مال جائز نہ ہوتی پس جب سیف یا جزئیہ نہ جزائے کفر نہیں مقصود بالذات ورنہ دفعات مذکور مشروع ہوتے تو ضرور اس کی کوئی ایسی علت ہو جو ان دفعات کی ساتھ جمع ہو سکتی ہے اور وہ حسب تصریح حکمائے اُمت رکما فی البدایہ وغیرہ سیف کی غرض لغو زین دفع فساد ہے اور جزئیہ کی غرض یہ ہے کہ جب ہم ہر طرح ان کی حفاظت کرتے ہیں اور اس حفاظت میں اپنی جان و مال صرف کرتے ہیں تو اس کا صلہ یہ تھا کہ وہ بھی حاجت کی وقت ہماری نصرت بانفس ہی کرتے مگر ہم نے ان کو قانوناً اس سے بھی سبکدوش کر دیا اس لئے کم از کم ان کو کچھ مختصر کس مالی ادا کرنا چاہئے تاکہ یہ نصرت بالمال اُس نصرت بانفس کا من و جبر بدل ہو جائے یہ اغراض ہیں سیف اور جزئیہ کے اور یہی وجہ ہے کہ جب اعدائے دین سے احتمال فساد کا نہیں ہوتا تو سیف رتفع ہو جاتی ہے جسکے تحقق کی ایک صورت قبول جزئیہ ہے ایک صورت صلح ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ نصرت بانفس پر جو کہ ان پر عقلاً واجب تھی قادر نہیں اُسے نصرت بالمال بھی معاف کر دی گئی ہے البتہ چونکہ احتمال فساد کا موثوق بانفس اعداء موقوف ہے حکومت و سلطنت پر چنانچہ تمام ملوک و سلاطین کا گوہ اہل مل بھی اصول یہ جماعی مسئلہ ہے اس لئے ایسی کسی صورت کو بحالت اختیار گوارا نہیں کیا گیا جس میں اسلام کی قوت و شوکت کو صدمہ پہنچے اس مختصر تقریر سے اصولی طور پر شبہ مذکور کا بائکلیہ قلعہ دفع ہوا جاتا ہے اور اس کا دوسرہ بھی باقی نہیں رہتا کہ شیعہ شاعت اسلام کیلئے وضع گئی ہو الحمد للہ کہ اس اعتراض کا بائکلیہ استیصال ہو گیا۔ رہا مرتد کا قتل اسلام کی طرف عہد کرنے کی حالت میں سوا کسی حقیقت اکراہ علی قبول الاسلام نہیں ہے بلکہ اکراہ علی ابقا را الاسلام بعد قبولہ ہے سو وہ ایک متقل مسئلہ ہے جو مسئلہ سبوت عنہما سے بالکل مغایر ہے اور اسکی بناء بھی وہی دفع فساد ہے جو اصل مسئلہ سیف کی بناء پر اتنا فوق ہے کہ کفر قبل الاسلام کا شر اور ضرر اخف ہے

نہ فرمودہ قدامت ہے نہ تکلف آمیز جدت جس سے وہ اس شعر کا مصداق ہو گیا ہے

دلفریب ان بناتی ہر زیر و بر بستند	دلبر راست کہ با حسن خداداد آمد
-----------------------------------	--------------------------------

چونکہ میں شمس زیادہ دعار کو اپنا وظیفہ سمجھتا ہوں اسلئے سبجائے ثنا کے اس عار پر ختم کرتا ہوں کہ اسے اندلس رسالہ کو نافع فرماؤ شہادت کیلئے دافع فرما۔ اس وقت ختم پر چھکویا دایا کہ انعام مور جدید کے کسی پرچہ پر مولانا اغوا علی صاحب مدرس مدرسہ موصوفہ نے ایک مضمون شروع کیا تھا جس کا عنوان ہوا اسلام سے لوگوں کو کس کس طرح روکا گیا اس بات تقابل کے سبب جسکی مسئلہ خاصیت ہو و فیض ہاتھ بنیں الاشیاء اس مقام پر اس کا ذکر کرنے کو بھی دل چاہا اس کو تلاش کر رہا تھا کہ انعام بابتہ رمضان المبارک ۱۲۵۵ھ میں بھی مل گیا اور اسی دوران میں انعام فیقہہ ۱۳۲۵ھ میں ایک اور مضمون مولانا ہی کا بعنوان اشاعت الاسلام کا تاریخی سلسلہ ملا جس میں مضمون بالابینی مانعیت عن الاسلام کی تکمیل کا وعدہ اور ساتھ ہی دیا میں اسلام کیونکر پھیلائی گئی کہ تم کا وعدہ ذکر فرمایا ہو۔ اس کے دیکھنے سے میرے سامنے تین نور جمع ہو گئے یعنی مولانا المدد صرح سابق کا اصل مضمون ۱۲ مولانا المدد و لاحقہ کا مضمون اشاعت جس کا اصل مضمون کا تم کہنا مناسب ہو ۱۳ ان ہی مولانا کا مضمون مانعیت جس کا اصل مضمون کا ضمیمہ کہنا مناسب ہے اور ہر نور نے ایک سرور پیدا کر کے یہ شعر صادق کر دیا ہے

سرور کے سرور فی سرور	و نور فوق نور فوق نور
----------------------	-----------------------

اور درحقیقت یہ مضمون مانعیت کا اصل مضمون کی شوکت مصلحت کا جلی اور قوی کرنے والا ہو جسکی تفسیر یہ ہو کہ اسلام میں وہ دیکھی ہو کہ باوجود مخالفین کے اتنے زحمت و مشاغل کے اسکے اثر میں کمی نہیں ہوئی پس اصل مضمون ہی اسلام کی اشاعت جیسی (یعنی محبوبیت) نمایاں ہو اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ اسی شان کے منظر یعنی حبیب العلماء کے قلم سے شروع ہوا اور مضمون مانعیت ہی اسلام کی شان اعزازی (یعنی عظمت) کہ اتنے مخالفین کو مغلوب کرتا رہا روشن ہو اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ اسی شان کے منظر یعنی اعزاز الفضل کے قلم سے شروع ہوا اگر مضمون بھی مثل اصل مضمون کے ایک معتد بہ قدر میں مدون ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہے گی اب مولانا المدرس نے اہم فیض کی نہ منتظرہ ہو اور مدد کے بغیر کسی محتاج اولیٰ اللہ تعالیٰ کی تکمیل میں حالت کی حاکم کہ وہ مضمون کو ختم کرتا ہوں یہ مسئلہ

کسبہ اشرف علی التھاوی، زیقہ ۱۳۲۵ھ

اشاعت اسلام

دنیا میں اسلام کی نوکری پھیلا حصہ اول

مذہب اسلام نے وجود میں قدم رکھے ہی جس سرعت اور تیزی کے ساتھ عالم میں اپنی قیادت کا سکہ بٹھلایا اُس کی نظیر دوسرا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ ہمارے سامنے دو سلسلے موجود ہیں۔ ایک ملکی فتوحات کا۔ دوسرا مذہب کی اشاعت کا۔ دونوں پر نظر ڈالتے ہیں تو حقانیت اسلام کے اعتراف کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ فتوحات ملکی نے چند ہی سالوں میں سیلاب عظیم کی طرح قدیم اور زبردست سلسلوں کو تہ و بالا کر کے تہذیب و تمدن کا نیا دور دنیا میں پھیلا دیا۔ مسیحی مذہب کو خیال کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نور آفتاب کی طرح ایک دم اُس نے تمام عالم کو منور کر دیا۔ حقانیت اسلام کا اثر بجلی کی رو کی طرح سرایت کرتا چلا گیا۔ اور سخت مسیحت معاندوں سے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اول درجہ کا بغض رکھتے تھے یہ کہلاؤ کہ ”دنیا میں کوئی شخص آپ سے زیادہ منور نہ تھا۔ مگر آپ کے زیادہ کوئی محبوب بھی نہیں ہی۔ بہت سے نادان قف یا متعصب معاند دونوں سلسلوں کو ایک سمجھ کر اشاعت اسلام کو فتوحات ملکی و محاربات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام دنیا میں نہ تو شمشیر پھیلا یا گیا ہے اُن کا دعویٰ ہے کہ اسلام نے اپنی قوم پر اور دنیا میں خاص سے لوگوں کو طبع نہیں بنا

بلکہ ایک جابرانہ قوت نے جبر واکراہ منوایا ہے اور اسی جبر واکراہ نے امتداد زمانہ کیساتھ رضا و رغبت کا لباس پہن لیا ہے۔

لیکن یہ دعویٰ سچائی اور استبازی سے خالی انصاف و حق پرستی سے بالکل بعید ہے اس دعوئے کے مدعیوں نے دیدہ و دانستہ واقعیت پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔

ہم جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں اُس سے انتشار اللہ تعالیٰ اس خیال کا بالکل قلع قمع ہو جائیگا کہ اسی اسلامی جماعت کو جو اشاعت و حفاظت اسلام کی کوششوں میں سرگرم ہوتے بھی معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کی خدمت و اعانت کرنیکے واسطے مسلمانوں کو کن اوصاف سے متصف ہونے کی ضرورت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو طویل عرصہ کہ آریوں سے سابقہ پڑا ہے اُنکے یہ محاربات جنگ جراحانہ ہوں یا دفاعی فتوحات ملکی کیلئے ہوں یا اعلان رکائے اللہ کیلئے سچا کہہ کر اسکی تحقیق کرنا مد نظر نہیں ہے۔ موقع ہوا تو دوسرے وقت اسکی بھی تحقیق کر دیا جائیگا اس وقت تک صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ ان محاربات و فتوحات کا مقصد اور حلال نہ تھا کہ کسی کو بزرگمان بنایا جائے۔

میں بہت زور کے ساتھ دعویٰ کرتا ہوں کہ اسلام نے محض اپنے ذاتی محاسن سے عالم میں مسوخ و مقبولیت حاصل کی ہے۔ اور جس سرعت کیساتھ قلوب کو مسح کیا ہے اُس کی نظیر کسی مذہب میں نہیں مل سکتی میرے اس دعوئے کی تائید کلمیئے شریعت اسلام کے اصول۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و حالات۔ اخلاق و طریقہ تعلیم مسلمانوں کا طرز عمل اور اسلام کی حقیقی خوبیوں سے آراستہ ہونا۔ کتب سابقہ کی پیشین گوئیاں۔ علمائے اہل کتاب کی تصدیقیں موجود ہیں۔

شریعت اسلام نے بزرگوں و تحریف کسی کو مسلمان بنانے کی سخت ممانعت کی ہے کلام اللہ میں صاف ارشاد ہے لَا إِلَهَ إِلَّا الْإِلَٰهُ الَّذِي دِينُ فِيهِ مِنْكُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْبَرُّونَ وَالْكَافِرُونَ (الکافروں کے دین میں سے کسی پرچہ نہیں، ایک اور جگہ ارشاد ہے وَأَفَافَتْ تَكْرُؤُ الْإِنْسَانِ عَلَىٰ نَفْسِهِ يَكُونُ أَمُومًا مُّذْنِبًا دَلَّے محمد کیا تم لوگوں پر جبر کرتے ہو کہ وہ ایمان لے آویں۔ سحرا کے عیسائی جب مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور مصالحت کر کے جزیہ دینا قبول کیا تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عہد نامہ لکھ کر ان کو دیا اُس میں مسلمانوں کی جانب سے یہ اقرار تھا کہ نصاریٰ انجیل کو کسی طرح تبدیل مذہب پر مجبور نہ کیا جائیگا اور نہ ان سے عشر لیا جائیگا۔ عہد نامے کے یہ الفاظ تھے
 وَجَعَلَ لَهُمْ ذِمَّةُ اللَّهِ وَنَحْنُ كَأَنْ لَا يَكْفُرُوا عَنْ دِينِهِمْ وَلَا يَغْتَابُوا -

یہ ہے شریعت کا حکم اور یہ ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا ان اُصول مقررہ و مسلہ کے بعد بھی کسی مسلمان کو یہ گنجائش نہیں ہے کہ جبراً مسلمان بنائے تاکہ ترکہ ہو تاکہ کوئی ایسا کرتا تو کیا اُس کا یہ فعل شریعت اسلام کے مطابق ہوتا۔ یا ایسا ہی سمجھا جائے جیسے دوسرے احکام شریعت کی خلاف ورزی۔

اس میں کچھ تردد نہیں ہو کہ مسلمانوں نے اس حکم کی پوری پابندی کی۔ یہی وجہ ہے کہ گو اسلام نے سرزمین عرب سے باہر قدم رکھتے ہی جلد جلد ممالک و م و شام و مصر و عراق کی کیا پلٹ دی اور انکو تہذیب و تمدن کے اُصولوں کی تعلیم دے کر اسلام کے محاسن کا گردیدہ بنا دیا مگر کسی ایک جگہ کے واسطے اس کا ثبوت ملنا مشکل ہو کہ وہاں کے باشندوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا یا اُس کے لئے طمع دلائیکے ایسے سامان کئے گئے ہوں جن سے وہ لوگ اپنے مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام قبول کر لیں۔ اسلام اور سلاطین اسلام نے اس بارہ میں جس استغناء سے کام لیا ہو اُس کے ثبوت کی واسطے یہی کافی ہے کہ اشاعت اسلام کیلئے مشن قائم نہیں کئے گئے نہ مناد و واعظ مقرر کئے گئے نہ سلطنت نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ یہود و نصاریٰ اُسی آزادی کے ساتھ مذہبی رسوم ادا کرتے تھے۔ جیسے مسلمان۔ اُن کو ممالک اسلامیہ میں وہی حقوق حاصل تھے جو خود مسلمانوں کو اُن کی جان و مال کی وہی قدر و قیمت تھی جو مسلمانوں کی۔ ایک معاہدہ و ذقی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کر دینا اسلام کا خاص مسئلہ ہے۔

اس میں شبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اشاعت اسلام کیلئے اگر اس قسم کی تدبیریں کیجاتیں جو عیسائیت کیلئے ہوئیں یا ہو رہی ہیں تو بلاد اسلامیہ میں کسی غیر مذہب کا وجود بھی باقی نہ رہتا اسلام کی ذاتی خوبیوں اور سادہ تعلیم کے ساتھ اگر سامانِ رغبت بھی جمع کر دیا جاتا تو کیا ایک

منفص بھی ایسا رہتا جو اسلام کو نہ قبول کر لیتا۔ اور کیا جس طرح اُنڈس جیسا وسیع ملک جہاں کروڑوں مسلمان آباد تھے۔ جہاں سات آٹھ صدیوں تک اسلامی جھنڈا لہتا رہا ایک دم اسلام کے نام لینے والوں سے خالی ہو گیا۔ روم و شام۔ مصر و عراق۔ ہند و سندھ وغیرہ اور خود اُنڈس کی ہی حال نہوتا۔ کہ سولے اسلام کے دوسرے مذاہب کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ اسلام نے مساوات اور آزادی کے وہ اصول قائم کئے جن کی وجہ سے سلطنت کے شباب اور زور کے زمانے میں یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس۔ پہلو۔ پرتے اور بڑے بڑے عہدے حاصل کرنے میں مسلمانوں سے فراحت کرتے تھے۔

خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں تیسری اور چوتھی صدی کے اندر ابراہیم بن ہلال صابی بہت بڑا ادیب و عالم گذرا ہے۔ ابراہیم پہلے خلیفہ کامیشی رہا۔ اُس کے بعد غزالدولہ ابن بویہ و ملی کا مییشی ہوا اور پھر ترقی کر کے درجہ وزارت تک پہنچ گیا۔ غزالدولہ کی جانب سے جو خطوط اُس کے بھائی عضد الدولہ کے نام لکھا کرتا تھا اُن میں عضد الدولہ کی نسبت تشکامیز اور رنجیدہ الفاظ استعمال کرتا تھا غزالدولہ کے بعد جب عضد الدولہ بادشاہ ہوا تو اُس نے ابراہیم کو قید کر کے ارادہ قتل کیا مگر ابراہیم کے فضل و کمال کی قدروانی اس درجہ تھی کہ عضد الدولہ جیسے زبردست اور بارعجب بادشاہ کے دربار میں بڑے بڑے درجہ کے مسلمان سفارتی کھڑے ہو گئے۔ عضد الدولہ نے قصور معاف کر کے سلطنت ولیمید کی تاریخ لکھنے کا عظیم نشان و متم نشان کام اُس کے سپرد کیا۔ ابراہیم کا انتقال ہوا تو مقبرہ شوشتری میں مدفون ہوا اور شریف رضی جیسے شخص نے اُس کے مرثیہ میں پر زور قصیدہ لکھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اس آیت ابن خباصیاء النادی

سرایت من حملوا علی العوام

جھک کر بھی بڑے لوگ جانیے پر کس کا ٹھکانے لے جائیں

بھٹک کر بھی بڑے لوگ جانیے پر کس کا ٹھکانے لے جائیں

ابراہیم قرآن مجید کا حافظ تھا مسلمانوں کے ساتھ رمضان شریف کے روزے برابر رکھتا تھا

مگر تے دم تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہا اور باوجود عزالدولہ بادشاہ کی رغبت و خواہش کے جو محض بے دردانہ تھی اسلام نہ لایا۔

ابراہیم کا پوتا ہلال بن محسن بھی بڑا فاضل و عالم ادیب و کاتب تھا ابوعلی فارسی جیسے ہم فن کا شاگرد تھا خطیب بغدادی جیسے حافظ و محدث نے اُس کی شاگردی کی تھی۔ ہلال کی بھی ساری عمر قدیم مذہب کی پابندی میں گزری کسی قسم کا دباؤ یا رغبت اُس کو اسلام لانے کا باعث نہ ہوئی البتہ آخر عمر میں توفیق الہی شال حال ہوئی تو خود بخود مسلمان ہو گیا۔

ابن تہلید نصرانی جس درجہ کا عالم و فاضل تھا اُس کا اندازہ صرف اس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ عماد صہبانی جیسے نبیر و ست عالم اُس کو سلطان الحکام کے لقب سے یاد کر کے اپنی کتاب میں جن الفاظ سے اُسکی تعریف کرتے ہیں اُسکے اندازہ کیلئے ذیل کے فقرات ملاحظہ کر لئے جائیں۔

هو مقصد العالم في علم الطب بقرا ط عصره في العبد المذنب من ان ختبه هذا العبد المذنب في الملکین من ملایع مداه في الطب عمر طويل وعاش نبلا جليلا ورأيت به وهو شيخ بهل منظر حسن الواسع عند المصطفى والحقني لطيف الروح وطريف الشخص بعيد العهد عالى المرتبة ذكى الخاطره صديق الفكر حاذم الراى شيخ النصارى وقتيلسه وراسهم ورئيسهم۔

ترجمہ۔ وہ علم طب میں عالم کا مقصود ہے اپنی زمانہ کا قبرا و جالیوس ہے گذشتہ لوگوں میں بھی کوئی عالم ملے کہ اندر اس درجہ کو نہیں پہنچا۔ بڑی عمر باقی اور جلالت و اقتدار کیساتھ عمر سبکی میں اُس کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک بڑھاڑوں میں والا تاتہ اور شیریں سہیت و صحت والا میٹھی گفتگو والا روح اُسکی لطیف اور سبب اُس کا ظریف ارادہ اور تہمت بلندیت ذکی فکر صاحب بڑے عمدہ مٹی نصاریٰ کا شیخ اور عالم تھا۔ اور اُن کا سردار اور افسر تھا۔

انصاف عماد صہبانی کے ان الفاظ کو دیکھنا چاہئے کہ ایک مسلمان عالم کیسے گلے دل سے ایک عیسائی کے فضل و کمال کا اعتراف کرتا ہو۔

ابن تہلید مذکور باوجود یکہ ایوان خلافت میں ذخیل اور کامل رسوخ یافتہ تھا۔ خلیفہ کی ہمنشین اور مناد مست کا فخر اُس کو حاصل تھا۔ مذہب داریوں کے عہدوں پر فائز تھا۔ مگر اپنے مذہب پر برابر

قائم رہا۔ کوئی امر اسکو ترک مذہب کیلئے داعی نہوا۔ عباد اصہبہانی فرماتے ہیں کہ مجھ کو ابن تلینہ کمال دیکھ کر سخت تعجب ہوتا تھا کہ باوجود کمال علم و فہم کے اسلام جیسی دولت سے کیونکر محروم رہا ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

شریعت اسلام کے مقررہ اصول کیساتھ اہل اسلام اور سلاطین اسلام کا برتاؤ دوسرے مذاہب کے مشیعین سے یہ ہے جس کا نمونہ ہم نے ان دو مثالوں میں دکھلایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کی اشاعت میں جبر و زبردستی یا کسی قسم کی نادانم و مبتذل تدبیروں کو ہرگز دخل نہ تھا۔ پھر بایں ہمہ الہی شریعت کیساتھ اسلام کا دنیا میں پھیل جانا اور بڑے بڑے منکروں کا اسلام کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو جانا اس کی وجہ صرف یہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اسلام کے اصول فطرت و عقل کی موافق۔ صداقت اور راستبازی کو ساتھ لئے ہوئے شرک فی العقیدہ والعلیٰ سے بالکل پاک تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اوصاف اطلاق حمیدہ اور خالق و مخلوق کے ساتھ کمال ربط۔ خالق کی درگاہ میں کامل عجز و نیاز کے ساتھ مخلوق کی بے انتہا ہمدردی و دلجوئی۔ طریقہ تعلیم و اخلاقیات نہایت القرب و مودت پر مشتمل یہ امور تھے کہ بسا اوقات زبان تعلیم کی نوبت بھی نہ آتی تھی۔ آپ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالتے ہی اسلام کی حقانیت کا یقین ہو جاتا تھا مسلمانوں کا اسلامی اصول اور احکام پر مضبوطی سے قائم ہونا صدق و یقین و اخلاص کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونا۔ عبادات و معاملات میں بے انتہا صفائی کے ساتھ سبقت و چالاک ہونا۔ حق کے مقابلہ میں مخلوق کی پروا نہ کرنا یہ باتیں تھیں جو بہ ہدایت مجموعی خود بخود ہدایت و ارشاد کا کلام دیتی تھیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں اور ان کے شانہ و زکے طرز عمل کو دیکھ لینا کافی اور اشاعت اسلام کے دوسرے طریقوں سے مستغنی کرنا والا تھا۔ اہل کتاب کے علماء کو پہلے سے طلع آفتاب اسلام کا علم تھا اور وہ اس کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔

مگر ہم نے دعویٰ کو دلائل مذکورہ سے ثابت کرنے پر قناعت کرنا نہیں چاہتے بلکہ اسکو وثائق اور حالات کی زبردست شہادت سے مضبوط اور دلنشین کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اسلامی تاریخ و سیرت

واقعات میں سے چند منتخب حالات کا بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جس سے ہمارا یہ دعویٰ اس طرح دلنشین ہو جائے کہ کسی کو گنجائش انکار باقی نہ رہے۔

ہم اسلام کی تیرہ صدیوں کو چار حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک حصے کے متعلق سیر تواریخ کے برابر حالات میں سے چند ایک کو بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے کہ شاعت اسلام کیلئے جو سن گھڑت اسباب پیدا کئے گئے ہیں وہ واقعت سے بالکل دور بہت دھرمی تعصب اور عناد کا نتیجہ ہیں پہلا حصہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از ہجرت : دوسرا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد از ہجرت : تیسرا حصہ قرن صحابہ رضی اللہ عنہم چوتھا حصہ زمانہ مابعد صحابہ رضی اللہ عنہم۔

زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از بعثت تا ہجرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی نازل ہونیکے بعد نیزہ سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے اس زمانہ میں آپ کو کسی سے جھگڑنے کی منازعت کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی بلکہ صبر کرنے اور تکالیف جھیلنے کا حکم تھا۔ کفار مکہ طرح طرح کی اذیت پہنچاتے تھے کوئی دقیقہ تکلیف دہی کا اٹھانہ رکھتے تھے۔ مگر آپ کی طرف سے بجز صبر و تحمل یا دعا سے ہدایت کچھ جواب نہ ہوتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ کوئی شخص اسلام لائے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور جو چننا آدمی مسلمان ہو گئے تھے تو ظاہر نہ ہو سکتے تھے اور اگر ظاہر ہوئے تو ان پر وہ عذاب اور مصیبتیں نازل ہوتی تھیں جن کو جھیلنا تو درکنار دیکھنا بھی دشوار تھا۔ لیکن اس سخت اندیشہ اور مصیبت کیوقت بھی اسلام کی جلوہ افروزی بڑھتی جاتی تھی۔ اسلام اندر ہی اندر ترقی کر رہا تھا۔ اُس کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ تھوڑے سے غور و تامل سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کی ترقی اور شاعت کی بنیاد ایسے وقت مستحکم ہوئی جبکہ مسلمانوں پر طرح طرح سے جو رستم کئے جاتے تھے اور ان کو دین سے ہٹا دینے کی کوئی کمن تدبیر بھی اٹھائی نہ جاتی تھی۔ اسلام اپنے پتے اور سادہ اصول کا سکھلا رہا تھا اور قریش کے بڑے بڑے گمروں میں اسلام کی شنائیں پہنچ رہی تھیں۔ اسلام کی قوت و شوکت کا جن پر زیادہ مدار ہے اور جو لوگ خلافت راشدہ کے درجہ پر پہنچے جن کے علم و عمل سے اسلام کو رونق ہوئی

وہ اسی سخت خوف و رعب و ہوشی کے زمانہ میں مسلمان ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا واقعہ کتب سیر و تاریخ میں مذکور ہے۔ گھر سے تلوار لیکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے چلے تھے راستہ میں ایک شخص نے پوچھا کہ اس طرح تلوار لئے ہوئے کہاں جاتے ہو۔ کہا اُس شخص کے قتل کیلئے جاتا ہوں جس نے قریش میں فتنہ قذال دیا۔ اُن کے دین کی علی الاعلان مذمت کی۔ اُس شخص نے کہا کہ اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہارے بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر غصہ میں بھرے بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا اور حضرت خبابؓ و دونوں کو کلام الہی کی تعلیم دے رہے تھے حضرت عمرؓ نے خبابؓ کی آواز سن لی۔ دروازہ کھلوا یا اور پوچھا کہ تم دونوں کیا پڑھتے تھے۔ دونوں نے انکار کیا کہ کچھ نہیں۔ کہا نہیں میں نے سنا ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی کو مارنے کھڑے ہو گئے۔ بہن نے چھڑا نچا یا تو اُن کو بھی زخمی کر دیا۔ بہن نے کہا بیشک ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ تم جو چاہو کرو حضرت عمرؓ بہن کو خون آلودہ دیکھ کر نرم ہوئے اور کہا کہ یہ کاغذ جو تم پڑھتے تھے مجھے مو۔ اُنہوں نے کہا کہ تم مشرک نجس ہو اور کلام الہی کو نجس ہاتھ نہیں لگا سکتا حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور سورہ طہ کو جو اُس میں لکھی ہوئی تھی پڑھ کر کہا کہ یہ کیسا اچھا کلام ہے۔ خبابؓ جو اندر چھپے ہوئے بیٹھے تھے حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ سن کر باہر نکلے اور کہا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے بارے میں قبول فرمائی آپؐ کے کل دعا کی تھی کہ الہی دین اسلام کو دو شخصوں میں سے ایک کے مسلمان ہونے سے تقویت پہنچا۔ ابو جہل بن ہشام یا عمر بن خطابؓ میں سے ایک مسلمان ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے خبابؓ سے کہا کہ مجھے آپؐ کی خدمت میں لے جاؤ کہ مسلمان ہو جاؤں وہاں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے کفار کی تکلیف دہی سے جب بالکل تنگ آ گئے اور کوئی صورت یہاں نہ رہے۔ زندگی بسر کرنے۔ ارکان اسلام ادا کرنے کی نہ رہی۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ اور نجاشی بادشاہ کی

امن و حفاظت میں ہیں۔ نجاشی نصرانی تھا اور وہاں کے باشندوں کا مذہب عیسائی تھا۔ نجاشی کو غائبانہ بیٹھے ہوئے آپ کے حالات سنکر اور مہاجرین کے طریق و انداز سے اسلام کی سچائی کا یقین ہو گیا۔

قرینن مکہ پہنچ کر کہ مسلمان تو حبشہ میں جا کر مطمئن ہو گئے اور آزادی سے ارکان اسلام ادا کرنے لگے۔ نجاشی نے انکی بہت مدداری کی۔ بہت گھبرائے اور مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی اُمیہ کو نجاشی اور اس کے درباری لوگوں کے واسطے قیمتی ہدایا دیکر بھیجا حبشہ کے بڑے بڑے سرداروں سے ملکر کہا کہ ہمارے یہاں کے چند نادان قدیمی مذہب کو چھوڑ کر ایک جدید مذہب کے تابع ہو گئے ہیں۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ بادشاہ سے کہلائیں کہ ہمارے سپرد کردار و بادشاہ کو ان سے بلا واسطہ گفتگو کرنے کی نوبت نہ آئے ورنہ ہمارے سپرد نہ کئے جاتیں گے۔ سرداروں نے وعدہ کر لیا کہ ہم اس بارہ میں پوری تائید کریں گے ان لوگوں نے نجاشی سے ملکر اپنا دعایاں کیا۔ اعیان دربار نے اس کی تائید کی کہ بیشک ان کو گونگوئے سپرد کردینا چاہئے۔ نجاشی نے غصہ ہو کر کہا کہ جو میری اس میں اگر رے ہیں ہرگز ان کو سپرد نہ کروں گا۔ تاوقتیکہ گفتگو نہ کروں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔

مسلمانوں کو اندیشہ تھا کہ آخر نجاشی عیسائی ہے۔ اگر ہم نے اسلام کے عقائد توحید وغیرہ کو صاف بیان کیا تو وہ بھی برہم ہو گا۔ مگر مشورے کے بعد یہ طے ہوا کہ بات سچی اور صاف کہیں گے کسی کو بری معلوم ہو یا بھلی۔

یہ تھا کمال ایمانی کہ جان بچانے کی واسطے وطن کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے مگر اسکی پڑاؤ کی کہ نجاشی ہر گز یہاں نہ دینگا یا ان لوگوں کو جو لینے آئے ہیں سپرد کر دے گا اور سچ اور صاف کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ سب میں سے حضرت جعفر گفتگو کرنے کیلئے منتخب ہوئے۔ نجاشی نے پوچھا کہ وہ دین کو نساہت کی جو قسم تم نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا اور ہمارے مذہب (عیسائیت) میں بھی داخل ہوئے اور نہ کسی اور مذہب میں حضرت جعفر نے بیان کرنا شروع کیا کہ ”ہم بت پرست

لوگ تھے اور ہر قسم کی بُرائیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل فرمایا ہماری طرف ایک رسول کو بھیجا جن کے نسب و حُنب صدق و دیانت امانت و پاکدامنی کو ہم خوب جانتے ہیں۔ انہوں نے ہم کو توحید کی تعلیم دی شرک سے بچایا۔ بتوں کی عبادت کو چھڑایا سچ بولنے۔ اولئے امانت۔ صلہ رحم ہمایوں کے ساتھ سلوک۔ حرام باتوں سے بچنے۔ لوگوں کی جان کی حفاظت اور بدکاری کے ترک کا حکم دیا۔ نماز اور رونے کی تعلیم دی۔ اسی طرح جملہ احکام اسلام بیان کر دیے ہم اُس رسول پر ایمان لائے۔ اُن کا اتباع کیا۔ ہماری قوم نے ہم کو طرح طرح کے عذاب دے کر یہ چاہا کہ ہم کو اس دین سے چھین لیں جب ہم پر بے انتہا ظلم ہوئے تو ہم مجبور ہو کر بادشاہ کی پناہ میں آئے اور بادشاہ کی ہمسائیگی کو سب پر ترجیح دی اور یہ امید کر کے آئے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ نجاشی نے کہا کہ تم کو اُس کلام میں سے کچھ یاد ہے جو تمہارے نبی لائے ہیں۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھیں جنکو سن کر نجاشی اور سب اہل دیار رونے لگے نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور جس کو حضرت عیسیٰ لائے تھے ایک ہی جگہ سے نازل ہوئے ہیں۔ اور قریش سے کہا کہ تم جاؤ میں ہرگز مسلمانوں کو تمہارے سپرد نہ کرونگا۔ دبا بنے نکل کر عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل کو ایسی بات نجاشی سے کہونگا جس سے وہ ان کو بالکل نیست نابود کر دیگا۔ اگلے روز عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ (یعنی سلمان) حضرت عیسیٰ کے بارے میں سخت بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا حضرت جعفر نے کہا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی نے فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اسکی روح اور کل ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی طرف اُلا ہے نجاشی نے سُن کر کہا حضرت عیسیٰ نے بھی یہی کہا ہے جو تم کہتے ہو یسُن کر رہ باری لوگوں نے ناک بھوں چڑھائی اور کچھ بڑبڑائے نجاشی نے کہا کہ اگرچہ تم کو ناگوار ہو مگر بات یہی ہے۔ اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن سے ہو میں ایک سونے کے پیاز کی عوض میں بھی تم میں سے کسی ایک کو ستا پند نہیں کرتا۔ قریش کے ہدایا واپس کر دیے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ ملک بغیر رشوت کے دیا ہے میں تم سے رشوت لیکر کس طرح ان لوگوں کو نکال دوں۔ نجاشی کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ملک مجھ کو بغیر رشوت کے دیا ہے ایک خاص واقعہ کی

طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ہم اس جگہ مناسب سمجھے ہیں نجاشی اپنے باپ کا تنہا ایک ہی بیٹا تھا کوئی بھائی نہ تھا۔ اور اُسکے چچا کے بارہ بیٹے تھے۔ اہل حبشہ سے مشورہ کیا کہ نجاشی کے باپ کو قتل کر کے اُس کے بھائی کو بادشاہ بنانا چاہئے کیونکہ اُسکی اولاد ہر سچے چنانچہ اُس کو قتل کر کے اُس کے بھائی یعنی نجاشی کے چچا کو بادشاہ بنا دیا۔ نجاشی اپنے چچا کی ترسیت میں آگیا۔ چونکہ عامل اور مدبر تھا۔ چچا کے یہاں اُسکی بات بہت بڑھ گئی۔

اہل حبشہ کو خوف ہوا کہ اگر نجاشی کا یہی اقتدار رہا تو ہم سے اپنے باپ کا بدلہ ضرور لیگا انہوں نے مشورہ کر کے ہادشاہ سے کہا کہ نجاشی کو قتل کر دو یا جلا وطن۔ بادشاہ نے مجبوراً جلا وطن کر نیکو منظور کیا۔ یہ لوگ نجاشی کو بازار میں لینگے اور ایک تاجر کے ہاتھ چھ سو درہم کے بدلے فروخت کر دیا۔ تاجر نجاشی کو لیکر کشتی میں سوار ہو گیا رات کو بادشاہ پر بجلی گری اور وہ مر گیا۔ اولاد میں کوئی کسی قابل نہ تھا اُس وقت لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ اگر ملک کی بھلائی منظور ہے تو نجاشی کو لا کر تخت پر بٹھلاؤ لوگ گئے اور نجاشی کو تاجر کے پاس سے واپس لا کر تخت نشین کیا۔

نجاشی نے اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھ کو تخت سلطنت عطا فرمایا تو کیا میں رشوت لیکر ناحق کا ارتکاب کروں۔

الحاصل کفار قریش بے نیل و ملام واپس ہوئے مسلمان نہایت آرام کے ساتھ حبشہ میں رہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے اُس وقت یہ لوگ بھی حبشہ سے مدینہ واپس آئے۔ آخر کار نجاشی بھی مسلمان ہو گیا۔ یہ اسلام کی پرزور تاثیر تھی اُس وقت جبکہ مسلمانوں کو دنیا میں امن سے رہنا بھی دشوار تھا۔ چہ جائیکہ کسی سے مقابلہ کرتے۔

اسلام کی ترقی اور اشاعت شوکت و قوت کا اصلی زمانہ ہجرت کے بعد کا ہے انصار مدینہ نے اپنے جان و مال آپ پر فدا کئے۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھیرایا۔ اپنی جائدادیں گھر باریں انکو حصہ دیا۔ اسلام کیلئے اپنی جانیں قربان کر دیں اور جو کچھ ہوا انہیں اُن کے حالات سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن انصار میں اسلام کب اور کیونکر شائع ہوا؟ یہ بھی اُسی وقت جبکہ اسلام کا لفظ زبان پر

آنا قول درجہ کا جرم تھا۔ اُن کے جان مال مباح سمجھے جاتے تھے۔

موسم حج میں آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جو قبائل حج کو آتے تھے اُن سے مل کر اسلام کی حقیقت اور اُس کی خوبیاں بیان فرماتے تھے۔ ایک سال مدینہ کے چند لوگوں کو دعوتِ اسلام دی۔ یہ لوگ یہود سے سُنا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی عرب میں مبعوث ہونے والے ہیں۔ اُنہوں نے سُن کر آپس میں کہا کہ یہی نبی مبعوث ہیں۔ مدینہ لوٹ کر گئے اور وہاں جا کر ذکر کیا تو گھر آپ کا ذکر پھیل گیا۔ اگلے سال بارہ آدمی مدینے سے اور آئے اور عقبہ پر آپ سے ملے اور اسلام لے آئے۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کو اُن کے ساتھ کیا کہ اُن کو تعلیم قرآن دیں دین کے احکام سکھلائیں۔

مصعب بن عمیر مدینے میں پہنچا سعد بن حذرہ کے یہاں ٹھہرے۔ وہاں مسلمان اُن کے پاس جمع ہو گئے۔ سعد بن معاذ بن اور اُسید بن حنیفہ دونوں سردار تھے اُن کو خبر ہوئی تو سعد نے اُسید سے کہا کہ تم جا کر اُن لوگوں کو روکو۔ اُسید گئے اور غصہ سے حضرت مصعب کو خطاب کر کے کہا کہ تم کیوں ہمارے نوجوانوں کو ہرکانے آئے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ مصعب نے کہا کہ یا ایسا ہو کہ آپ بیٹھ کر ہماری بات سُن لیں۔ اگر پسند ہو تو آپ بھی قبول کر لیں۔ اُسید نے کہا۔ اچھا مصعب نے اسلام کے احکام بیان کئے۔ اُسید نے سُن کر کہا کہ تو بہت ہی اچھی بات ہی اور اُسی وقت مسلمان ہو گئے اور کہا کہ ایک شخص اور ہیں (یعنی سعد بن معاذ بن) اگر وہ مسلمان ہو گئے تو پھر کوئی باقی نہ رہیگا۔ یہ کہہ کر اُسید لوٹے سعد نے دور سے دیکھ کر کہا کہ اُسید اس حال پر نہیں آئے جس پر گئے تھے یعنی مسلمان ہو گئے ہیں اُسید نے اگر کہا کہ اُن کی بات میں تو کچھ ہرج نہیں ہے۔ سعد خود وہاں گئے اُن کو بھی یہی پیش آیا کہ مصعب نے اُن کے سامنے احکام اسلام بیان کئے اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

سعد مسلمان ہو کر لوٹے تو اُسید کو اپنے ہمراہ لیکر اپنی قوم کے پاس گئے اور کہا کہ تم جھکو کیسا سمجھتے ہو؟ سب نے کہا کہ تم ہمارے سردار اور بڑے فضل ہو۔ سعد نے کہا کہ تو مجھ پر اُس وقت تک تمہارے سردار اور عورت سے گفتگو کرنا حرام ہے جب تک کہ تم سب مسلمان نہ ہو جاؤ۔ شام تک سعد کی

قوم یعنی نبی عبد اللہ اشہل میں ایک بھی باقی نہ رہا جو کہ مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ اس کے بعد مصعب بن عمیر نے
اسلام میں مصروف رہے اور انصار کے اکثر قبائل میں اسلام پھیل گیا۔

دوسرے سال مدینے سے شتر مسلمان کفار کے ساتھ ملے جلے ہوئے آئے اور اپنے
ارادے کو مخفی رکھا۔ مکہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقبہ میں ملاقات کی اور سب
نے آپ کے ہاتھ پر بیدیں مضمون بیعت کی کہ ہم آپ کی ایسی حفاظت کریں گے جیسی اپنے بچوں اور
عورتوں کی کرتے ہیں۔ یہ بیعت ذی الحجہ میں ہوئی اس کے دو ماہ بعد ربیع الاول میں آپ نے
مدینے کو ہجرت فرمائی۔

کفار مکہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ مدینے کے لوگ مسلمان ہو گئے اور آپ ہاں جانیوالے ہیں۔
تو انہوں نے مسلمانوں پر بہت ہی سختی شروع کر دی۔ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ مدینے کو ہجرت
کریں۔ چنانچہ مسلمان رفتہ رفتہ ہجرت کرنے لگے۔

یہ صورت ہے انصار کے مسلمان ہونے اور مدینے میں اسلام پھیلنے کی۔ انصار ہر
کے اسلام لانے سے اسلام کی ترقی و اشاعت۔ شوکت و حشمت کا دور شروع ہوا ہو۔
یہ چند واقعات اسلام کی اشاعت کے ہجرت سے پہلے کے ہیں جس وقت
جبر و اکراہ تو بجائے خود رہا۔ قتل و قتال لڑائی جھگڑے تک کی اجازت نہ تھی۔ لیکن اسلام اصولی
طور پر پوپستیا حکم ہو چکا تھا۔

ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں اسلام لانے کا نہ جان بچا نیکی وجہ سے
تھا نہ طمع جاہ و مال کی وجہ سے۔ بلکہ اسلام لاکر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا تھا۔ ان ہی خطرات اور
مصائب کے مقابلے کی وجہ سے مہاجرین فضیلت میں اوّل درجے پر ہیں۔ انصار بھی اسی
درجہ میں ہوتے لیکن اس وجہ سے کہ انصار کو وہ تکالیف چھیلنی نہیں پڑیں جو مہاجرین کو پڑی
تھیں اس لئے دوسرے درجہ میں آ گئے۔ درنہ اسلام لانے کی شان دونوں کی مساوی ہے
اور پھر اسلام کی حقیقی ترقی اور استحکام اُسی وقت ہوا۔ اور اُس کے تمام آئندہ عروج کی بنیاد

اُسی وقت پڑی تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کے ذاتی محاسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسخیر اخلاق مسلمانوں کا طرز عمل اسلام کی اصل اشاعت کے اسباب ہیں۔

ہجرت سے اسلام کی اصلی شوکت و عظمت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت میں اسلام کی ترقی کا زمانہ اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدا ہجرت سے لگائی لیکن ہمارے سابق بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی اسلام اصولاً مستحکم و مضبوط ہو چکا تھا۔ مکہ معظمہ کے سب بڑے بڑے خاندانوں میں باوجود سخت سے سخت مزاحمتوں کے اسلام اپنا رنگ جما چکا تھا۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ سے متجاوز ہو کر حبشہ تک اور ادھر مدینہ منورہ تک اسلام کا اثر پہنچ گیا تھا۔ مدینہ کے قبیلہ اوس و خزرج کے لوگ دو بعد میں انصاریکے مغز اور قابل فخر خطاب کے لقب ہوئے، اُس وقت مسلمان ہوئے۔ جبکہ اہل مکہ کے نزدیک اسلام سے بڑھ کر کوئی جرم نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان کے ساتھ کسی کو تلقین نہ فرما سکتے تھے۔ اہل مدینہ نے عقبہ پر بیعت ضرور کی لیکن اس طرح اخفا اور رازداری کے ساتھ کہ نہ اہل مکہ کو خبر ہوئی اور نہ اُن کے رفقاء کو جو مدینہ سے بقصد حج اُن کے ساتھ مکہ میں آئے تھے۔ مدینہ کے دونوں قبیلے جو صدیوں سے باہمی جنگ و جدل میں مبتلا تھے آپ کی زبان مبارک سے اسلام کے احکام اور محاسن سکھلا س فریقہ کی کے ساتھ مسلمان ہوئے کہ قبل از ہجرت ہی گویا عملاً تمام مدینہ مسلمان ہو چکا تھا۔ مدینہ کے چند ہی لوگوں نے جمال مبارک کی زیارت کی تھی اور اُن میں بھی کسی کو آپ کی خدمت میں رہنے اور فیض صحبت اُٹھانے کی نوبت نہ آئی تھی لیکن وہ کیسا قوی اور دیر پا اثر تھا کہ چند منٹ میں ایسے رنگے گئے کہ سارے مدینہ کو اُسی رنگ میں رنگ دیا۔ مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا اور وہاں کے مرد و عورت بچے پوڑھے اسلام پر فریقہ محبت خدا و رسول میں مشرار ہو گئے اور نہایت اشتیاق کے ساتھ آپ کی تشریف آوری کے دن گننے لگے اور جس وقت مدینہ میں یہ اطلاع پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ سے قصد مدینہ روانہ ہو چکے ہیں تو مدینہ میں عجب طرح کی خوشی پھیلی ہوئی تھی۔ روزِ نذرہ انصار مدینہ آپ کے استقبال کیلئے حرہ تک نکلے تھے

اور جب ٹھیک دہر ہو جانا تھا لوٹ آتے تھے جس روز آپ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے اُس روز بھی ایسا ہی ہوا کہ انصار صبح سے دہر تک منتظر بیٹھے رہے۔ اور جب ٹھیک دہر ہو گیا وہیں ہو گئے۔ سب سے اول ایک یہودی نے آیکو دیکھا اور انصار کو بآواز بلند پکار کر اطلاع دی۔ انصار اُٹھ کر سننے ہی نکلے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت برار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کبھی کسی چیز سے اس قدر خوش ہوئے جس قدر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں داخل ہوئے اُس کی ہر چیز روشن ہو گئی۔ پرہ نشین عورتیں کنواری لڑکیاں خوشی کی وجہ سے جلال مبارک کی زیارت کیلئے چھتوں پر چڑھ گئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے عورتیں اور بچے یہ شعر پڑھتے تھے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوُدَاعِ
چودھویں رات کے چاند نے	ثنیات وداع کی طرف سے ہم پر طلوع کیا
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	مَا دَعَا اللَّهُ دَاعٍ
ہم پر شکر واجب ہے	جبکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی پکار نہیو الا پکارے (قیامت تک)
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا	جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمَطَاعِ
اے ہم میں بھیجے گئے نبی	تو ایسے امر کو لیکر آئے ہو جس کی اطاعت واجب ہے

انصار کے قبیلہ بنی نجار کی چند لڑکیاں یہ شعر گاتی تھیں

تَحْنُ جَوَارِحُ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ	يَا حَبِّبَنَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ
ہم چند لڑکیاں ہیں بنی نجار کی	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اچھے پڑوسی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لڑکیوں سے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ میرے

لے ثنیۃ الوداع مدینہ منورہ کے قریب ایک گھائی کو کہتے ہیں۔ جہاں تک اہل مدینہ مسافروں کو جمعیت کہلے جاتے ہیں ۱۱

دل میں بھی تمہاری محبت ہو۔

اہل مدینہ میں یہ جوش - یہ ولولہ - یہ محبت - یہ عقیدت - یہ فریفتگی - یہ شیفنگی - یہ جان نثاری - یہ غمخواری - کب اور کیونکر پیدا ہوئی - یہ باتیں اُس وقت پیدا ہو چکی تھیں - جبکہ کسی پر جبر و اکراہ تو کیا مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو اپنی جان بچانی بھی بھاری ہو رہی تھی - اہل مدینہ کا مکہ معظمہ میں جانا اور مسلمان ہونا نہ کسی دباؤ کی وجہ سے ہوا اور نہ کسی دنیاوی غرض اور فائدے کے لئے بلکہ اسلام قبول کر کے تمام دنیا کو اپنا مقابل و مخالف بنا لیا اور اپنی جان مال و عزت و آبرو کو خطر و ہلاکی میں ڈالا۔

دوسری مرتبہ بیعت عقبہ کیلئے جب انصار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جمع ہوئے تو عباس بن نضلہ انصاری نے سخت کرنے کی غرض سے انصار کو خطاب کر کے کہا کہ اے جماعت انصار دیکھ تو لو تم کس بات پر اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو۔ تم دنیا کی مخالفت اور اسود و احمر کے مقابلے کے لئے بیعت کرتے ہو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ جب تمہارے اشرف قتل ہو جائیں تمہارے مال ہلاک ہو جائیں تو تم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار مکہ کے سپرد کر دو گے تو ابھی سے اس قصے کو چھوڑ بیٹھو کیونکہ اس صورت میں دنیا و آخرت کی رسوائی ہے۔ اور اگر تم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ پوری طرح وفاداری کرو گے تو اس میں شک نہیں کہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ سب نے کہا کہ ہم اسی بات پر بیعت کرتے ہیں کہ مال ہلاک ہو جائیں بہائے سوز اقل ہو جائیں مگر ہم آپ کے ساتھ ہیں گے۔

مدینہ منورہ میں اسلام کا جنم لگایا تمام عالم میں اسلام کے پھیلنے کا پیش خیمہ تھا جس کی بنیاد مکہ معظمہ میں عقبہ اولیٰ و ثانیہ کی بیعت سے پڑی اور ہجرت سے اسکی عملی کارروائی شروع ہوئی۔ اس وقت اگرچہ کفار کی ایذا رسانی حد سے گزر جانے اور مسلمانوں کی مطلوبیت ناقابل برداشت درجہ پر پہنچ جانے کی وجہ سے آپ کو محاربات کی اجازت مل چکی تھی اور یہ آیت جس سے اجازت محاربات کی ابتدا ہوئی ہے نازل ہو چکی تھی۔

اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنفُسِهِمْ ظُلُمًا۔

دلائل کی اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن سے کفار جنگ کرتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہیں۔
اور ہجرت کے بعد اہل اسلام اور کفار میں متحد مقابلہ بھی ہوئے جن میں سے بہت سی جگہ
آپ کو بنفس نفیس تشریف لیجنا ہوا۔ مگر جن واقعات کو ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں اُن سے
بخوبی ثابت ہو گا کہ اسلام کی اشاعت کی چال اب بھی ویسی ہی تھی جو قبل از ہجرت نہایت مظلومی
اور بے بسی کے زمانے میں تھی۔ اسلام جس قدر پھیلا اپنی خوبیوں اور آپ کے حسن اخلاق اور
برگزیدہ تعلیم کی وجہ سے پھیلا جس نے اسلام قبول کیا بطوع و رغبت قبول کیا غالباً کوئی نفاق بھی کسی
ایک تاریخی صبح واقعہ کے حوالہ سے ثابت نہ کر سکیگا کہ کسی ایک شخص کو بھی زبردست مسلمان بنایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا مسلمان ہونا [تاریخ شاہد ہے اور غالباً کسی کو بھی اس میں انکار نہ ہو گا کہ جس
عداوت اور دشمنی کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہود کی طرف سے ہوا مشرکین کے
بعد کسی قوم کی طرف سے نہیں ہوا۔ کلام اللہ میں بھی صاف لفظوں میں یہ ارشاد ہے لَتَجِدَنَّ
اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ اَصْلَحُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ اَسْلَمُوا
مسلمانوں کا سب سے زیادہ دشمن تم یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے]

یہود کو یقینی طور پر آپ کی نبوت و رسالت کا علم تھا اور وہ آپ کے منتظر تھے قبیلہ اوس
و خزرج کو اسی بنا پر دھمکایا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان مبعوث ہونے والے ہیں۔ اُس وقت ہم اُن کے
ساتھ ہو کر تم کو قتل کریں گے۔ مگر حب ریاست۔ نفسانیت و عناد اُن کو ایمان لانے اور اتباع
کرنے سے مانع آئے۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جاہل سمجھانے کے بعد راہِ رست
پر آ جاتے ہیں مگر جان بوجھ کر خلاف کرنے والوں سے کہی توقع نہیں ہو سکتی۔

عبداللہ بن سلام بھی انہیں یہود مدینہ میں سے تھے اور تورات کے بڑے عالم تھے عبداللہ
بن سلام اُسی وقت مسلمان ہو گئے تھے جبکہ آپ قبا میں فروکش ہوئے ہیں اور خاص مدینہ میں
ابھی تک داخل بھی نہیں ہوئے تھے۔ اُنہوں نے خود اپنے اسلام لانے کا قصہ اس طرح بیان

کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور صفت سے واقف تھا اور اس
 زمانے کو بھی جانتا تھا جس میں آپ کے طور کا انتظار کیا جاتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم قبائیں فروکش ہوئے تو میں ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا۔ ایک شخص نے
 آپ کے تشریف لانے کی خبر دی میں نے سن کر درخت کے اوپر ہی سے مائے خوشی کے
 زور سے اللہ اکبر کہا میری بھوپنی نیچے بیٹھی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ خدا تجھ کو دے تو
 اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کی خبر بھی سُننا تو اس سے زیادہ اظہارِ مسرت
 نہ کرتا میں نے کہا اے بھوپنی خدا کی قسم یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور وہی طریقہ لائے
 ہیں۔ بھوپنی نے کہا کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کی خبر ہم کو دی گئی تھی انہوں نے
 سن کر کہا کہ تو خیر عبد اللہ بن سلامؑ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ سب گھروالوں کو اطلاع کی وہ بھی مسلمان ہو گئے
 لیکن میں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا
 کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہود ہستان لگانا والی قوم ہے میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو
 کسی مکان میں بٹھلا کر قبل اس کے کہ میرے اسلام لانے کا اُن کو علم ہو یہود سے میرا حال دریافت
 فرما لیجئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مجھ کو علیحدہ مکان
 میں بٹھلا کر اُن سے دریافت فرمایا کہ حصین بن سلامؑ نام حصین تھا بعد میں عبد اللہ ہو گیا
 تم میں کیسا شخص ہے سب نے کہا کہ ہمارا سردار اور سردار کا بیٹا بڑا عالم اور دانا ہے جب
 وہ کہہ چکے تو میں نے باہر نکل کر کہا کہ اے جماعت یہود تم جانتے ہو کہ آپ رسول اللہ ہیں۔
 تمہارے یہاں تو رات میں آپ کا نام اور صفت درج ہے خدا سے ڈرو اور ایمان لے آؤ۔
 میں تو شہادت دیتا ہوں اور آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ یہود یہ سننے ہی بدل گئے اور مجھ پر ہتان
 لگانے لگے اور میری عیب جوئی شروع کر دی۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں اول ہی کہتا تھا
 کہ یہود جھوٹے اور کذاب ہیں اس لئے میں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ میری بھوپنی بھی

اچھی اور پکی مسلمان ہو گئیں۔

حضرت سلمان فارسی کا مسلمان ہونا
عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام سے زیادہ دلچسپ واقعہ حضرت
سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام کا ہے۔ حضرت سلمانؓ فارس کے ایک شہر اترمز کے
رہنے والے تھے۔ بادشاہان فارس کی اولاد میں سے تھے۔ اصل نام اُن کا اسلام سے
پہلے بابہ تھا۔ باپ کا نام بودخشاں تھا۔ باپ اپنی جگہ کا چودھری سردار اور زمیندار تھا۔
حضرت سلمان کی عمر بہت زیادہ ہوئی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اُنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو دیکھا اور بعض کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی وصی کو دیکھا ہے۔ بعض کے
نزدیک اُن کی عمر ساڑھے تین سو برس کی ہوئی ہے۔ لیکن اس پر تو گویا اتفاق اور اجماع ہے
کہ دو سو پچاس برس کی عمر ہوئی۔ مذہباً مجوس تھے اور یہ اور اُن کا باپ آتش کدہ کے محافظ
اور خازن تھے۔ لیکن سلمان ہونے کی شرافت اور بزرگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے فیض صحبت سے مستفیض اور جمال مبارک کی زیارت سے مشرف ہونے کی سعادت
فیاض ازل نے اُنکی قسمت میں بھی تھی مشیت ازلٰی نے غلامی کی ذلت میں بھنسا کر لازوال
سلطنت تک پہنچا دیا۔ دس سے اوپر مالکوں کی غلامی میں رہنے کے بعد مدینے کے ایک یہودی
کی غلامی میں پہنچے اور وہاں اُس شقی ازلٰی۔ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن کے گھر اور زیارت
رہ کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

حضرت سلمان نے اپنے مسلمان ہونے کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے کہ میرا باپ اپنے
شہر کا سردار تھا میں سب سے زیادہ اُس کو محبوب تھا۔ مجھ کو باہر نہ جانے دیتا تھا۔ لڑکیوں کی
طرح میری حفاظت کرتا تھا۔ میں ہمیشہ آتش کدہ میں رہتا تھا اور مذہب مجوس کو خوب کوشش
کر کے حاصل کیا تھا۔ اتفاق سے میرا باپ ایک مکان بنوانے میں مصروف ہو گیا۔ مجھ سے کہا کہ تو
جا کر زمین کو دیکھ آ مجھ کو فرصت نہیں مگر دیر نہ کرنا ورنہ تیری جدائی کا فکر سب کاموں سے بڑھ جائیگا
میں گھر سے نکل کر راستہ میں نصاریٰ کے کنیسہ پر گذرا وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں بھی وہاں

چلا گیا اور مجھ کو اُن کی حالت نہایت پسند آئی تھی۔ اپنے دل میں کہا کہ یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ شام تک اُنہیں کے پاس رہا۔ نہ زمین تک گیا نہ گھر لوٹا۔ دیر ہو گئی تو باپ نے تلاش میں آدمی بھیجے۔ میں نے نصاریٰ سے پوچھا کہ اس دین نصرا نیت کی اصل کہاں ہو اُن لوگوں نے جواب دیا کہ ملک شام میں آخر کار رات ہونے پر گھر لوٹا۔ باپ سخت انتظار میں تھا میں نے باپ سے کہنے میں جانیکا قصہ بیان کر کے کہا کہ اُن کا دین بہتر ہے پھر باپ نے کہا بیٹے اتیرا اور تیرے باپ دادا کا دین بہتر ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ باپ نے مجھ کو قید میں ڈال دیا۔ بیڑیاں پیروں میں ڈال دیں۔ میں نے نصارا سے کہا کہ یہاں تک کہ کوئی قافلہ شام کو جائے تو مجھ کو مطلع کرنا۔ اُنہوں نے مجھے مطلع کیا۔ میں نے بیڑیاں پیروں سے نکال کر پھینک دیں اور قافلے کے ساتھ ملک شام میں پہنچا۔ وہاں جا کر اُن لوگوں سے پوچھا کہ بڑا عالم کون ہے۔ اُنہوں نے بڑے پادری کا نام بتلایا میں نے اُسکے پاس جا کر کہا کہ میں تمہارے پاس سہنا خدمت کرنا اور تمہارے ساتھ عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا بہتر ہے۔ میں اُس کے پاس رہا۔ مگر وہ بڑا بدین آدمی تھا۔ لوگوں کو صدقے کے واسطے حکم کرتا تھا اور صدقے لیکر خود جمع کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ سونے چاندی کے سات ملکہ اُس کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ وہ مر گیا تو نصاریٰ سے میں نے اُسکے حال کی اطلاع کی اُن لوگوں نے بوجہ حسنِ عقیدت مجھ کو جھڑک دیا میں نے اُن کو وہ ملکہ دکھلائے تب تو اُنہوں نے اُسکی لاش کو دفن بھی نہ کیا۔ بلکہ لٹکا کر سنگسار کر دیا۔ اُس کی جگہ ایک نہایت اچھا عالم فاضل زاہد بھلا یا گیا۔ مجھ کو اُس سے بہت محبت ہو گئی۔ جب اُسکی وفات کا وقت آیا تو میں نے کہا کہ مجھ کو کچھ وصیت کرو کہما وصل میں ایک شخص ہے تم وہاں چلے جاؤ میں وہاں گیا اور اُن کی مہلت میں رہا۔ یہ بھی ایسے ہی عالم زاہد صالح تھے۔ اُن کی وفات کا وقت آیا تو میں نے کہا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ کہا کہ اس طریقہ پر اب کوئی شخص نہیں ہو البتہ عمو دیہ میں ایک

شخص ہے وہاں چلے جاؤ میں نے وہاں جا کر اپنا سب حال بیاں کیا انہوں نے مجھ کو ٹھیکہ کر دیا
 حکم دیا میرے پاس وہاں کچھ بکریاں اور گائیں جمع ہو گئیں جب ان کی وفات کا وقت آیا۔ تو
 میں نے عرض کیا کہ اب کس کے پاس جاؤں۔ فرمایا کہ اب دنیا میں کوئی شخص اس برگزیدہ
 طریقے پر معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ ایک نبی کا زمانہ قریب آگیا ہے جو دین برابر ہی لے کر
 آئیں گے وہ ایسی جگہ ہجرت کر کے جائیں گے جہاں کھجور کے درخت ہیں۔ اُن کی خاص
 علامتیں ہیں۔ موندھوں کے درمیان میں خاتم نبوت ہے۔ صدقے کی چیز نہ کھائیں گے۔ پتہ
 کو قبول کریں گے۔ اگر تم سے ممکن ہو تو اُن کے پاس چلے جانا۔ اتفاق سے عرب کا ایک قافلہ
 وہاں کو گذر رہا ہے اُن لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلو۔ میں اپنی بکریاں اور گائیں نکلو
 دیدوں گا۔ وہ وادی القریٰ تک مجھ کو لے گئے۔ مگر وہاں ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔
 وہاں میں کھجور کے درخت دیکھ کر سمجھا کہ یہی وہ جگہ ہے۔ میرے مالک کے یہاں بنی قریطہ
 کا ایک یہودی حمان ہوا وہ مجھ کو خرید کر اپنے ساتھ مدینے میں لے آیا میں نے دیکھتے ہی
 پہچان لیا کہ یہ وہی جگہ ہے۔ میں اپنے مالک کے یہاں درختوں کا کام کرتا رہا اور میں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے قصے کو محفل گیا۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم مدینے منورہ میں تشریف لاکر قبائیس قیام پذیر ہوئے میں ایک روز اپنے مالک کے درختوں میں
 کام کر رہا تھا کہ اُس کے چچا کے بیٹے نے آکر کہا کہ خدا تعالیٰ بنی قیلہ (یعنی انصار) کو قتل کرے
 ایک شخص کے گرد جمع ہو رہے ہیں جو کہ سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ یہ سنتے ہی
 میرے بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا قریب تھا کہ درخت پر سے گر پڑوں جلدی سے اُتر آیا اور پوچھا
 کیا بات ہو آتے زور سے ایک مکامارا اور کہا تو اپنا کام کر تجھ کو اس قصے سے کیا تعلق مجبور میں
 نے اپنا کام شروع کر دیا۔ لیکن شام کو کچھ کھانسی چیز اپنے ساتھ لیکر ایک خدمت میں حاضر ہوا اور
 عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ساتھیوں
 سے فرمایا کہ تم کھاؤ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اُن علامتوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے

روز پھر کھپ لے گیا اور عرض کیا یہ ہدیہ ہے۔ آپ نے خود بھی اس میں سے کچھ کھایا۔ میں نے
 کہا یہ دوسری علامت ہے۔ ایک روز خدمت میں حاضر ہوا تو آپ جنازے کے ساتھ تشریف
 لئے جاتے تھے۔ میں نے سلام کیا اور آپ کے پیچھے اس غرض سے ہولیا کہ خاتم نبوت کو دیکھوں
 آپ کو میرے اس قصد کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے چادر مبارک کو مونڈھوں سے نیچے گرا
 دیا۔ میں نے خاتم نبوت کو دیکھا اُس پر بوسہ دیا اور روپڑا آپ نے مجھ کو اپنے سامنے بٹھلایا۔
 اپنا سارا قصہ ابتدا سے بیان کیا۔ مگر بوجہ خدمت آقا آپ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک
 نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا تم اپنے آقا سے کتابت کرو۔ میں نے اصرار کر کے آقا سے اس بات
 پر کتابت کر لی کہ تین سو پودے کھجور کے لگا دوں جن پر پھل اجائے اور چالیس اوقیہ سونا دا کر دوں
 آپ نے لوگوں کو ترغیب دی۔ سب نے دو دو چار چار پودے جمع کر دیے۔ اور آپ نے دست
 مبارک سے انکو لگا دیا جو اسی سال پھل لے آئے۔ اور اسی طرح مال کتابت آپ نے ادا
 کر دیا۔ اور میں آزاد ہو کر غزوہ خندق و احزاب میں شریک ہوا۔

غزوہ خندق و احزاب اُس واقعہ کا نام ہے جس میں کفار مکہ سپرداری ابوسفیان و
 ہزار لشکر کے ساتھ اور تین ہزار دوسرے قبائل کے لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھ کر آئے
 تھے اور مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اُس وقت حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے گرد اگر خندق
 کھودنے کی رائے دی تھی۔ حضرت سلمان بہت قوت و جفاکشی سے خندق کھودنے میں
 شریک ہوئے تھے۔ انکی استعدادی جفاکشی اور اخلاص کو دیکھ کر ماجرین و انصار میں جھگڑا ہوا
 ماجرین کہتے تھے سلمان ہم میں سے ہیں۔ انصار کہتے تھے ہم میں سے ہیں دونوں کافر مانا
 بجائے خود صحیح تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کو سن کر فرمایا کہ سلمان

۱۳ کتابت اُس کو کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا سے ٹھہرے لکاس قدر معاوضہ او کر دوں تو آزاد ہو جائوں گا
 ۱۴ کیونکہ ہجرت کر کے اور اپنا وطن چھوڑ کر آئے تھے اور عرصہ دراز سے مدینہ منورہ میں قیام تھا۔ جہاں کے
 مسلمان انصار کہلاتے ہیں۔

اہل بیت میں سے ہیں۔ اس لئے سلمانؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہلائے جاتے ہیں۔ حضرت سلمانؓ کو سلمان الخیر بھی کہتے ہیں۔ اور وہ خود اپنے آپ کو سلمان ابن الاسلام فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما جس طرح مسلمان ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو دعوت اسلام دینے کی نوبت بھی نہیں آئی بلکہ یہ پہلے ہی سے منتظر تھے۔ خبر سننے ہی آکر مسلمان ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ خود عالم تھے۔ کتب سابقہ کے دیکھنے سے اُن کو ذاتی طور پر علم تھا۔ اور حضرت سلمانؓ کو بڑے مقدس اور عالم نصرانی نے ہدایت کی تھی۔

مدینہ منورہ میں منافق | مدینہ منورہ کے دو قبیلے اوس و خزرج اگرچہ اکثر مسلمان ہو گئے تھے مگر انہیں ایک جماعت منافقین کی بھی تھی جو ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے مسلمانوں کے ساتھ ارکان اسلام ادا کرنے میں شریک ہوتے تھے۔ مگر فی الحقیقت اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ یہ جماعت مسلمانوں کے ساتھ لڑائیوں میں بھی شریک ہوتی تھی۔ لیکن ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو ستانے و تکلیف پہنچانے میں مددگار نہ کرتی تھی۔ مسلمانوں کی عیب جوئی، سرسراہٹ پر اعتراض مسلمانوں میں تفریق ڈالنا، ان کا کام تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی ایذا دہی اور دشمن اسلام کے ٹھہرانے اور چھپانے کے واسطے ایک مسجد بھی بنائی تھی جس کا ذکر کلام اللہ میں مسجد ضرار کے نام سے کیا گیا ہے۔ ایسے مارہستین اور چھپے دشمن سے جیسے نقصانات پہنچتے ہیں اُس سے غالباً دنیا کا کوئی مدبر اور ذی عقل بخیر نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی نام بنام اُن کا علم تھا۔ مسلمان خود بھی اُن کو خوب جانتے تھے خصوصاً انصار کیونکہ یہ لوگ انہیں کی قوم میں سے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے بارہ میں جائز تشدد اور سختی کو بھی اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ اسلام کی اشاعت کو اُس کی حقانیت اور صداقت کے سپرد کر کے منافقین کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا۔ اور جس قدر غری

درگزر و ملاطفت ممکن تھی کی گئی۔

ایک دفعہ سفر میں دو شخصوں کے درمیان جن میں ایک مہاجرین کے ساتھ تھا۔ دوسرا انصار کے ساتھ۔ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ پہلے شخص نے مہاجرین کو دوسرے نے انصار کو اپنی اعانت کے لئے پکارا۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنی قوم کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے یہ آواز سن کر کہا کہ کیا یہاں تک نوبت آگئی۔ مہاجرین ایسا کرنے لگے۔ اب کی دفعہ مدینے لوٹ کر جاویں گے تو ہم میں جو عزت والا ہے ذیلیوں کو نکال دے گا۔ اور جو لوگ اُس کے پاس بیٹھے تھے اُن سے کہا یہ تم نے اپنے ہاتھ سے ایسا کیا ہے۔ اگر تم لوگ اب بھی اُن کی امداد نہ کرو تو یہ لوگ مدینے کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جاویں۔ زید بن ارقم نے یہ گفتاور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ عباد بن بشر کو حکم دیجئے وہ اس منافق کو قتل کر دیں گے ارشاد فرمایا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں۔ لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے اس قصہ کو فرو کرنے کے لئے اُسی وقت غلطی کو کوچ کا حکم دیدیا۔ اُسید بن حضیر نے جو سرداران انصار میں سے تھے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج بے وقت کوچ کا حکم کیوں دیا گیا۔ ارشاد فرمایا کیا تم نے عبداللہ بن ابی کا مقولہ نہیں سنا وہ کہتا ہے کہ مدینے پہنچ کر عزت والے ذیلیوں کو نکال دیں گے۔ اُسید بن حضیر نے عرض کیا کہ بس تو یا رسول اللہ آپ اُن کو نکال دیں گے۔ عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوا کہ یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا تو اُس نے آکر چھوٹی طقمیں کھائیں کہ میں نے ہرگز نہیں کہا۔ حاضرین نے بھی کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید بن ارقم لڑکے ہیں۔ شاید اُن سے غلطی ہو گئی ہو۔ لیکن اُس کے بعد ہی سورہ منافقون نازل ہو گئی اور آپ نے زید بن ارقم کے کان کو پکڑ کر فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے کان کی تصدیق فرمائی ہے۔

عبداللہ بن ابی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ تھا۔ سچے مسلمان تھے اُن کو یہ سارا واقعہ معلوم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا قصد میرے باپ کو قتل کر نیکا ہے اگر ایسا ہے تو آپ مجھے اجازت دیجئے میں خود اُس کا سر اُتار کر حاضر خدمت کر دوں گا۔ فرمایا نہیں ہم اُس کے ساتھ نرمی کریں گے۔ اور جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ حق صحبت ادا کریں گے۔ اس قصہ کے بعد یہ حال ہو گیا کہ جب عبداللہ بن ابی کوئی ایسا ویسا کلمہ زبان سے نکالتا تھا۔ خود اُس کی قوم کے لوگ اُس کو ڈانٹ دیتے اور دھمکا دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی صداقت اور دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آ جانے اور دنیا کے اس کونہ سے اُس کونہ تک پھیل جانے کا کامل یقین اور وعدہ خداوند جل و علا پر اس قدر بھروسہ تھا کہ ان سخت مخالفوں اور اندرونی دشمنوں کی عداوت کو جو ہر وقت مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی فکریں لگے رہتے تھے سدا راہ نہ سمجھا اور ایسے مجرموں کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمایا جن کیساتھ نرمی کر نیکو کسی سلطنت دنیوی کا قانون بھی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن انجام وہی ہوا۔ اسلام پوری قوت کیساتھ پھیلا اور مدینہ منورہ منافقوں کے وجود سے خود بخود پاک و صاف ہو گیا۔

صلح حدیبیہ | ہجرت سے تیسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا قصد فرمایا ایک ہزار چار سو مسلمان ہمراہ تھے۔ راستہ میں چلتے چلتے آپ کی ناقہ جس کا نام قصوا تھا بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا کہ قصوا تھک گئی۔ آپ نے فرمایا کہ تھکی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رُکی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اہل مکہ جو بات مجھ سے ایسی طلب کریں گے جس میں بیت اللہ کی حرمت ثابت ہوتی ہو قبول کروں گا۔ پھر ناقہ کو اشارہ فرمایا وہ کھڑی ہو کر چلنے لگی اور آپ مکہ معظمہ کے قریب حدیبیہ میں مقیم ہوئے۔ کفار مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا۔ اس میں نہ و پیام شروع ہوا۔ کفار نے سخت سے سخت شرطیں پیش کیں آپ نے سب کو مانا اور نہایت

دب کر مصالحت کر لی گئی۔ عہد نامہ میں یہ شرائط تھیں۔ دس سال تک باہم فریقین میں کوئی لڑائی نہ ہو۔ جو شخص آپ کے پاس مسلمان ہو کر بغیر اجازت اپنے وارثوں کے آئے آپ اس کو واپس کر دیں۔ جو شخص مسلمانوں میں سے قریش کے پاس آئیگا اُس کو نہ لوٹائیں گے اس سال آپ اسی طرح بغیر عمرہ کئے واپس جائیں۔ سال آئندہ اگر عمرہ کریں۔ صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں۔ ہتیار میاںوں میں بندھے ہوئے ہوں۔ عہد نامہ مرتب ہونیکے بعد آپ نے قربانیوں کو وہیں ذبح کر کے احرام کھول دیئے۔ مسلمان برہنا اس خواب کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا اس توقع میں تھے کہ فتح عظیم نصیب ہوگی مگر معاملہ برعکس ظاہر ہوا تو اُنکے صدر کی انتہا باقی نہ رہی۔ قریب تھا کہ رنج و کوفت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے حضرت عمرؓ نے انتہا صدر میں قابو سے باہر تھے مضطرب پھرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم حق پر ہیں تو کیوں اس ذلت کو گوارا کریں۔ مگر جواب ملا کہ اے عمر میں اللہ کا رسول ہوں وہ کبھی مجھے ضائع اور ذلیل نہ کرے گا۔ اسی اضطراب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس گئے۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا تو خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔ حدیبیہ سے واپس ہو کر راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں ارشاد ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تم کو کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی)
اس طرح دب کر صلح کر لینے کو فتح مبین سمجھ لینا انسانی عقل سے بالاتر بات تھی صحابہ رض بہت ہی زیادہ متعجب ہوئے کہ یہ فتح کیسی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس آیت شریفہ کو زبان مبارک کے سن کر عرض کیا اَوْفَتْهُمُ هُوَ (یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے) فرمایا کہ ہاں فتح ہے۔

حقیقت یہ بڑی فتح تھی۔ اس سے قبل اسلام میں ایسی بڑی فتح نہیں ہوئی تھی۔ قبائل عرب کے لوگ لڑائی سے مامون و مطمئن ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صرف دو برس کے عرصے میں اس قدر مسلمان ہوئے جتنے کہ ابتدائے اسلام سے سولہ برس کے عرصہ میں ہوئے تھے۔ قبائل عرب میں اسلام کا چرچا ہو گیا۔

صلح حدیبیہ کے واقع سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑنا بھی گونا گونا تو درکنار اپنے خیال سے زیادہ اپنی بات کو نیچا کرنا قبول فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں اسلام کی عظمت و شوکت کو قیاس و گمان سے بڑھ کر ترقی عطا فرمائی۔ یہ تھا اسلام کی صداقت کا سکہ جس نے عالم کو اپنا مسخر بنایا۔ کوئی بڑا ہی نادان اس بات کے کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کے زور و جبر کو دخل تھا۔

بادشاہانِ عالم کو تیسرے ہی سال آپ نے دنیا کے بڑے اور چھوٹے بادشاہوں کو اپنے دعوتِ اسلام کے خطوط قوتِ خاص قابلِ غور میں بھی مستحکم نہ ہوئی تھی۔ اندرونی اور بیرونی دشمن سمجھے گئے ہوئے تھے۔ قریش مکہ برسرِ مقابلہ تھے۔ یہود پہلو میں اور منافق گھر کے اندر موجود تھے۔ اسلام میں یہ قوت نہ تھی کہ ان پر بھی اس کا کچھ اثر پڑتا۔ ایسی حالت میں زبردست بادشاہوں پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ تو نہ عقل کا دشمن ہے جو یہ کہے کہ آپ نے بادشاہانِ دنیا سے قوت اور شوکت کی بنا پر مرسلت کی تھی۔ یا آپ کے پاس ایسا ظاہری ساز و سامان تھا جس کو دیکھ کر کسی بادشاہ پر رعب پڑتا۔ نہیں بلکہ آپ کو حکم تھا کہ حق کا پیام سب کو پہنچا دو۔ آپ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور سب کے پاس قریب قریب ایک ہی مضمون کے خط بھیج دیے۔ خطوط کا مضمون گو بالکل سادہ اور نہایت مختصر تھا۔ مگر اس کے اندر ایسی روحانی قوت ضمیر تھی جس کی وجہ سے وہ قلوب جن کو حق ناحق کی تمیز اور صادق و کاذب کے ادراک کا مادہ تھا نفیرِ رعب و متاثر ہوئے نہ رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جن سلاطین پر اس مضمون قوت کا اثر پہنچا انہوں نے گردن جھکا دی۔ اور جنہوں نے ظاہری قوت و شوکت کو صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تہر و مقابلے سے پیش آئے خطوط اور قاصد دونوں کی توہین پر آمادہ ہو گئے۔

قیصر کے نام نامہ مبارک | قیصر روم کے نام کا خط حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لیکر گئے تھے قیصر نے نامہ مبارک کی بہت تعظیم کی اور ایک شخص سے جو کتب سابقہ کا علم رکھتا تھا۔ اس خط کا

حال کہہ کر اصل حقیقت کو دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ نبی سچے ہیں۔ ہم سب اُن کے منتظر تھے۔ تم ضرور اتباع کرو۔ قیصر نے سرداروں کو جمع کیا۔ اور خود بالاخانے میں بیٹھ کر نامہ مبارک کا حال بیان کیا اور کہا یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے آؤ ہم سب ان کا اتباع کریں۔ ہماری دین و دنیا درست ہو جائیں گے۔ سب مَن کرو حشیانہ اماناز سے دروازے کی طرف بھاگے۔ دروازے بند تھے قیصر نے کہا میں تم کو آزماتا تھا کہ تم اپنے دین پر کس قدر مضبوط ہو۔ سو میں بہت خوش ہوا کہ تم میں خامی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو رخصت کرنے کے بعد حضرت وحیہؓ سے کہا بیشک یہ نبی سچے ہیں۔ مگر میں ان لوگوں سے ڈرتا ہوں اگر خوف نہوتا تو ضرور مسلمان ہو جاتا۔ لیکن تم روم کے اسقف اعظم (بڑے پادری) کے پاس جن کا نام صفاطر ہے جاؤ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حال انکو سناؤ۔ حضرت وحیہ تشریف لے گئے اور اسقف اعظم سے سب حال بیان کیا۔ اُس نے سُن کر کہا قسم اللہ کی شخص نبی ہیں۔ ہم اپنی کتابوں میں اُن کا حال اور صفت بھی ہوئی دیکھتے ہیں۔ اور یہ کہ کس اپنی لائٹھی بات میں لے کر گر جا میں گیا۔ اور لوگوں سے کہا ہمارے پاس احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا ہے۔ اور وہ ہم کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔ میں تو کلمہ پڑھتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ عِیْسٰی یوں نے یہ سنتے ہی فوراً اُن کو قتل کر دیا۔ حضرت وحیہؓ نے یہ سارا حال اگر قیصر سے بیان کیا قیصر نے کہا مجھ کو بھی ان لوگوں سے ہی اندیشہ ہے۔

قیصر اور ابوسفیان کا مکالمہ | اسکے بعد قیصر نے ابوسفیان کو جو ایک قافلے کے ساتھ بضر تجارت آئے ہوئے تھے بلایا۔ ورمع قریش کے چند لوگوں کے حاضر ہوئے قیصر نے اُن کو غرت کیساتھ اپنے سامنے اور ساتھیوں کو اُن کے پیچھے بٹھلا کر کہا کہ میں ابوسفیان سے چند باتیں دریافت کروں گا اگر یہ جھوٹ بولیں تو تم سب ان کو جھٹلا دینا۔ عرب میں جھوٹ بولنا بہت مذموم سمجھا جاتا تھا ابوسفیان کہتے ہیں کہ اگر مجھ کو اس کا اندیشہ نہوتا کہ میں جھوٹا مشہور ہو جاؤں گا۔

تو اس موقع پر ضرور جھوٹ بولتا۔ مگر اتنا تو ضرور ہوا کہ قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا تو میں نے بہت گھٹا کر بیان کیا۔ لیکن قیصر نے اُس کی طرف التفات نہیں کیا۔

قیصر اور ابوسفیان کے سوال و جواب کا خلاصہ یہ ہے۔

قیصر۔ اس شخص کا نسب تمہارے درمیان کیسا ہے۔

ابوسفیان۔ نسب کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

قیصر۔ اُن کے خاندان میں اُن سے پہلے بھی کوئی شخص ایسا گذرا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔

ابوسفیان۔ کوئی نہیں۔

قیصر۔ کیا اُنکے خاندان میں کوئی ریاست یا بادشاہت تھی جس کو تم لوگوں نے چھین لیا ہو۔

ابوسفیان۔ نہیں تھی۔

قیصر۔ اُن کا اتباع کون لوگ کرتے ہیں۔

ابوسفیان۔ ضعیف اور سکین اور نوعمر لوگ اتباع کرتے ہیں۔

قیصر۔ جو لوگ اتباع کرتے ہیں وہ اُن سے محبت رکھتے ہیں یا اُن سے بغض رکھتے ہیں اور جدا ہو جاتے ہیں۔

ابوسفیان۔ اس وقت تک کوئی ایک شخص بھی اتباع کر کے اُن سے علیحدہ نہیں ہوا۔

قیصر۔ تمہارے اور اُن کے درمیان جو لڑائیاں ہوتی ہیں اُس میں کس کو ہوتی ہے۔

ابوسفیان۔ کبھی اُن کو کبھی ہم کو فتح ہوتی ہے۔

قیصر۔ وہ کبھی غدار اور خلاف عہد کرتے ہیں۔

ابوسفیان۔ غدر کبھی نہیں کیا مگر آج کل ہمارے اُن کے درمیان معاہدہ ہو رہا ہے اس میں ہم مامون نہیں ہیں کہ وہ کیا کریں گے۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے کسی سوال کے جواب میں جھوٹ بولنے کا موقع نہ ملا۔ البتہ

يُؤْتِكُ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ - فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ إِلَهًا كَذَّابًا عَلَيْكَ - ترجمہ - یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہر قل بادشاہ روم کی طرف سے جو شخص ہدایت کا اتباع کرے اُس پر سلام - اسلام لے آؤ سلامت رہیگا۔ اور تمھکو خدا تعالیٰ دو چندان جزدیگا۔ اپنے اسلام لانے اور رعیت کے مسلمان ہونے کا، اور اگر تم نے اعراض کیا تو رعیت کا گناہ بھی تمہارے اوپر ہے۔

پھر کیا وجہ تھی کہ قیصر روم دل سے متنع ہو گیا۔ صرف یہی کہ قیصر کو کنب سابقہ سے کبکی بعثت کا علم تھا۔ اور جو علامتیں کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں وہ سب آپ پر منطبق ہوتی تھیں نامہ مبارک کے سادہ الفاظ نے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ اس کو تصدیق میں تامل نہ رہا۔ مگر افسوس سلطنت کی طمع اور جان کے خوف نے اتباع کی دولت سے محروم رکھا۔

نخاشی کے نام نامہ مبارک حبشہ کے بادشاہ نخاشی کے نام جس وقت نامہ مبارک پہنچا پڑا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور اپنے بیٹے کو اہل حبشہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ لیکن یہ سب لوگ دریا میں ڈوب گئے اور آپ کی خدمت میں نہ پہنچ سکے۔

کسریٰ بادشاہ فارس دنیائیں وہی زبردست بادشاہ تھے قیصر اور کسریٰ قیصر کا کے نام نامہ مبارک حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ کسریٰ کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ خود ملک عرب کے اکثر حصے کسریٰ کے زیر نگین تھے یمن وغیرہ بڑے بڑے صوبوں میں کسریٰ کے گورنر تھے اس اعتبار سے تقریباً کل عرب پر کسریٰ کی حکومت تھی حضرت عبد بن حذافہ نامہ مبارک کسریٰ کے پاس لیکر گئے نامہ مبارک کا مضمون تقریباً اسی قسم کا تھا جو قیصر کے خط کا تھا البتہ الفاظ کچھ کم و بیش تھے کسریٰ نے خط کو کھا ڈالا اور کہا۔

يَكْتُبُ إِلَيَّ هَذَا وَهُوَ عَيْنِي -

مجھ کو وہ ایسا خط لکھتے ہیں حالانکہ وہ میرے زیر اثر اور محکوم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ کسریٰ نے گورنرین کو جس کا نام باذان تھا لکھا کہ دو مضبوط اور بہادر آدمیوں کو اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھیج دو کہ وہ انکو میرے پاس پکڑ لائیں۔ باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام نابوہ اور دوسرے کا نام فرزدہ تھا آپ کی خدمت میں بھیجا اور لکھا کہ آپ کسریٰ کے یہاں تشریف لیجائیں۔ اور نابوہ سے یہ کہہ دیا کہ صحیح خبریں اور حالات لیکر آئیں۔ قریش کو جب یہ معلوم ہوا کہ کسریٰ نے باذان کو ایسا حکم بھیجا ہے تو ان کے یہاں عید آگئی۔ خوش ہو کر کہتے تھے لو بھائیو تمہیں مبارک ہو بادشاہ کا بادشاہ کسریٰ مسلمانوں کو تباہ کرنے کی واسطے آمادہ ہو گیا ہے جس کا مقابلہ وہ کسی طرح نہیں کر سکتے۔ اب اس قصے کا بالکل خاتمہ ہو جائیگا۔ ہم لوگ امن چین میں ہو جائیں گے۔

باذان کے بھیجے ہوئے دونوں شخص خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ اور پیام پہنچا کر عرض کیا کہ اگر آپ تعیل حکم کریں گے تو باذان آپ کی سفارش کسریٰ کو لکھے گا اور اگر آپ نے تعیل نہ کی تو کسریٰ آپ کو اور آپ کی قوم کو ہلاک کر دیگا۔ آپ نے فرمایا کہ کل کو جواب دیا جائیگا۔ آپ کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی کہ کسریٰ کو اُس کے بیٹے شروہب نے قتل کر دیا۔ اگلے روز یہ دونوں شخص حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے کسریٰ کے مقتول ہونے کی خبر سے کہ فرمایا کہ میرا دین اور ملک کسریٰ کے ملک تک پہنچ جائیگا۔ دونوں نے واپس ہو کر باذان سے سب حال بیان کیا باذان نے کہا کہ یہ گفتگو بادشاہوں کی ہی نہیں ہے وہ یقیناً جانی ہیں۔ ہم انتظار کریں گے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو ان کے نبی مرسل ہونے میں شک نہیں۔ چند ہی روز کے بعد کسریٰ کے قتل کی خبر باذان کو باضابطہ پہنچ گئی۔ باذان خود مودہ سرداران فارس کے بصدق دل ایمان لے آیا۔

غسان کے بادشاہ کے نام نامہ مبارک حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس نامہ مبارک پہنچا تو اُس نے دیکھ کر کہا۔ ہم خود دینے پر چڑھائی کریں گے۔ آپ نے اُس کے کلمات کو سن کر ارشاد فرمایا

کہ اُس کا ملک تباہ و برباد ہوا۔

بحرین کے حاکم کے نام نامہ مبارک | بحرین کا حاکم منذر بن سادی تھا حضرت عمرو بن اُمیت
اور اُس کا مسلمان ہونا - | غمیبہ بنی نامہ مبارک نے کرا سکے پاس پہنچے تو وہ
اور بحرین کے سب عرب بلاتامل مسلمان ہو گئے۔

باغی اور عادی مجرموں کا سزا دینا تمام دنیا کے قانون میں عین انصاف ہے بلکہ
بسا اوقات ایسے لوگوں سے درگزر کرنا جو بوجہ عداوت و کینہ تو زری یا خباثت نفس قتل و غارت
و نقص عہد اور اسی قسم کے جرائم کا ارتکاب کر چکے ہوں درگزر کرنا دور اندیشی اور مصالحِ ملکی کے
خلاف سمجھا جاتا ہے لیکن ہم چند واقعات کے ذریعے سے یہ بھی دکھلانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دنیا میں کوئی شخص حلیم و کریم و بردبار و خوش خلق نرم خو و سخت
سے سخت جرم سے درگزر کرنے والا اور خونریزی سے بچنے والا نہ تھا۔ آپ نے اُن لوگوں سے درگزر
فرمایا جن کی ساری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا دہی۔ آبروریزی۔ اسلام کی بربادی
مسلمانوں کی تباہی میں کوشش کرتے گزری جن کے طفیل مسلمانوں کو ہزار ہا جانوں کا نقصان
اٹھانا پڑا۔ اگرچہ بقاعدہ سلطنت و مصالحِ ملکی ایسے لوگوں کو اس و دیکر مارا آستین پالنا جن کیلئے
عداوت بمنزلہ طبیعتِ ثانیہ کے بن گئی تھی جن کا نشو و نما بچپن سے آپ کی عداوت پر ہوا تھا کسی قدر
دور اندیشی و بوجہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر آپ کو اسلام کی صداقت اور روحانی قوت اور تمام عالم رب
پھیل جانے کا اس قدر کامل یقین اور خداوند تعالیٰ کے وعدوں پر ایسا بھروسہ تھا کہ ہرگز ان
احتمالات سے اندیشہ ناک نہیں ہوتے تھے۔

فتح مکہ اور معافی کا اعلان | مکہ معظمہ بوجہ بیت اللہ کے اسلام کا اصلی منبع اور سرچرہ اور مرکز تھا اور
کفار قریش کا متوطن اور دار سلطنت بھی وہی تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں مسلمانوں کو قریش کے
ہاتھ سے قسم قسم کی تکلیفیں پہنچی تھیں ہر حیثیت سے مکہ معظمہ کل فتح ہونا خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت
اور مسلمانوں کے لئے انتہا سے زیادہ خوشی اور فرحت و بخت کا موقع تھا۔ کفار مکہ کی دولت

وقت کے خاتمے اور مسلمانوں کے عرب پر انتہائے عروج کا یہی وقت تھا۔ فتح مکہ نے اسلام اور مسلمانوں کی حالت میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کے تعلقات فتح مکہ سے پہلے بہت ہی محدود تھے۔ اہل عرب قریش کے انجام کو دیکھتے تھے کہ قبائل توقف و تردد کی حالت میں تھے۔ مکہ معظمہ فتح ہونے اور قریش کے مسلمان ہو جانیکے بعد کلیجہ قبائل عرب مسلمان ہو گئے۔ اس حالت کے بدلنے سے مسلمانوں کی ایک دوسری حالت میں بھی انقلاب ہو گیا۔ ایمان لانے راہ خدا میں خرچ کرنا ایک اجر و ثواب جو فتح مکہ سے پہلے تھا بعد میں کم ہو گیا۔ **لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِهَا** (تسحمت)۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا ہو اور خدا کی راہ میں جہاد کیا ہو وہ اور فتح کے بعد خرچ کرنے والے اور کوشش کرنے والے برابر نہیں بلکہ فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں نسبت پیچھے خرچ کرنے اور کوشش کرنے والوں سے۔

مکہ ابتدائی آفریش سے اس وقت تک ناموں محفوظ رکھا گیا تھا کہ کسی کو اہل مکہ سے لڑائی اور حرم محترم پر چڑھائی کی کسی حال میں اجازت نہ تھی اور نہ سلاطین دنیا میں سے کسی کا یہ حوصلہ ہوا تھا عرب جیسے جنگ جو ملک میں جہاں قافلے لگتے تھے۔ راستے غیر محفوظ تھے اور ہر شخص بچا خود خائف اور غیر مطمئن رہتا تھا۔ حرم مکہ معظمہ ہی ایسی جگہ تھی جہاں اگر سب محفوظ ہو جاتے تھے اور وہ قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے حج کے ایام میں جمع ہو کر شیر و شکر بن جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے زمانہ میں البتہ بادشاہ حبشہ کا نائب ابوہریرہ میں سے لشکر لیکر مع بہت سے ہاتھیوں کے اس غرض سے چڑھ کر آیا تھا کہ بیت اللہ کو گرا دے۔ قریش مکہ میں یہ طاقت کہاں تھی کہ مقابلہ کرتے۔ ابوہریرہ نے اول ایک سردار جس کا نام اسود بن مقصود تھا۔ مکہ معظمہ کو بھیجا وہ سب اہل مکہ کے اونٹ بکریاں پکڑ لایا۔ ان میں دو سواونٹ عبد المطلب کے بھی تھے۔ اس کے بعد ابوہریرہ نے دوسرے سردار کو بھیجا اور کہا کہ سردار قریش سے ملکر کہہ دینا کہ ہم کو تم سے لانا مقصود نہیں صرف بیت اللہ کا گرا ہوا۔

اگر تم نے مقابلہ نہ کیا تو ہم بھی تم سے نہ لڑیں گے *

اُس وقت عبد المطلب تمام قریش کے سردار مانے جاتے تھے اُس شخص نے یہ پیام اُن کو پہنچا دیا۔ عبد المطلب نے سُن کر کہا کہ ہم بھی اب وہاں سے لڑنا نہیں چاہتے یہ اللہ کا گھر ہے اور ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ اگر وہ اپنے گھر کی حفاظت نہ کرے گا تو ہم میں طاقت مقابلہ نہیں عبد المطلب اُس سردار کے ساتھ ابراہیم کے پاس گئے چونکہ عبد المطلب نہایت شاندار اور خوبصورت و با وقعت شخص تھے ابراہیم اُن کو دیکھتے ہی تخت سے نیچے اتر کر فرش پر اُن کی برابر بیٹھ گیا عبد المطلب نے کہا میرے دو سوانٹ لوٹا دیے جائیں۔ ابراہیم نے کہا میں تم کو بڑے درجے کا شخص سمجھتا تھا مگر تم نے مجھ سے اونٹوں کے بائے میں سوال کیا اور بیت اللہ کی نسبت جو تمہارا اور تمہارے اجداد کا قبلہ ہے کچھ نہ کہا۔ عبد المطلب نے کہا میں اونٹوں کا مالک ہوں اُس نے اُن کے بائے میں کہا ہے اور بیت اللہ کا مالک اللہ ہے وہ اُس کی حفاظت خود کرے گا۔ عبد المطلب نے ابراہیم کے پاس سے واپس آکر قریش سے سب حال بیان کیا اور تمام قبائل مکہ کو لیکر ہاڑوں میں جا چھپے اور چلتے وقت بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور یہ شعر پڑھے۔

يَا رَبِّ قَامَنْعٌ مِنْهُمْ حَمًا

اے بے اُن کی اپنے حرم کو محفوظ رکھ

اَمْتَعَهُمْ اَنْ يَخْرُجُوا فَاَنَا كَا

انکو باز رکھ اس بات سے کہ تیرے گھر کو ویران

يَا رَبِّ لَا اَرْجُو لَهُمْ سِوَاكَ

اے تیری سوا کچھ مجھے نہیں لگتا

اِنَّ عَدَاوَةَ الْبَيْتِ مُرْعَاكَ اَكَا

تجھ کو بیت اللہ کے دشمنوں کی جتنی شہین

ابراہیم نے میدان خلی دیکھ کر مکہ میں داخل ہونا چاہا۔ اور سب بڑے تھے کوجس کا نام محمود تھا آگے بڑھایا۔ مگر وہ زمین پر گر گیا اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے لشکرِ طبرک ابا بیل کو مسلط فرمایا جس سے تقریباً سب ہلاک ہوئے۔ اور جو بچے وہ بھاگ گئے۔ خود ابراہیم کا

یہ حال ہوا کہ اُس کے بدن کا ایک ایک عضو گل کر گیا اور وہ مثل کبوتر کے پچھے کے مضفہ گزشت رہ گیا۔ اسی طرح اُس کو اٹھا کر صنعا لیگئے وہاں جا کر وہ بھی مر گیا۔ اس واقعہ نے عرب کے دلوں میں حرم محترم کی عظمت و محنت و عقیدت و ارادت اور بھی اضعاف مضاعف بٹھادی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ کو مکہ معظمہ پر شکر گشتی اور قتل و قتال کی تھوڑی دیر کیلئے اجازت مل گئی تھی۔ آپ نے خود ارشاد فرمایا۔ اٹھالہ تھل لحد من قبلہ ولا بعدی وانما احلت لسانعتنہم الزہار (مکہ نظر آج تک کسی کیلئے حلال نہیں ہوا۔ نہ مجھ سے پہلے نہ میرے بعد۔ صرف میرے لئے کچھ دیر کیلئے حلال ہوا ہے)۔

لیکن بایں ہمہ آپ غم مصمم فرما کر روانہ ہوئے تھے کہ جہان شک ہو گا اہل مکہ کو معافی دی جاوے گی۔ اُن کے جان و مال و غرت و آبرو کی حفاظت کی جاوے گی۔ حرمت بیت اللہ کو ملحوظ رکھا جائیگا اور اپنی طرف سے لڑائی میں پیش قدمی نہ کی جائے گی۔ فتح مکہ کے متعلق چند واقعات بیان کر دینا چاہتے ہیں جن سے ہر ذی عقل کو حیران ہمارے تمام دعاوی کی تصدیق ہو جائے۔ ہم صلح حدیبیہ کا ذکر کر چکے ہیں کہ قریش سے دس سال کیلئے صلح ہو چکی تھی۔ اس صلح کے بعد مسلمانوں کی طرف سے ایک فعل بھی ایسا نہیں ہوا جو عہد نامہ کی خلاف سمجھا جاتا۔ مگر اس عہد نامہ کو توڑ بھی ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی اس بنا پر آپ نے فتح مکہ کا قصد فرمایا اور اور یہ دعا کی کہ الہی کسی ذریعہ سے بھی اُن کو ہارے اور روانگی کی اطلاع نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ مگر اہل مکہ بالکل غافل تھے۔ اس دعا کا شمار بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر اُن کو اول ہی اطلاع ہو جاتی۔ تو وہ ضرور پورے سامان کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوتے اور پھر خواہ مخواہ خونریزی ہوتی جس سے آپ بالکل بچنا چاہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جاتے تھے۔ راستہ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم مہاجرین میں سے آکر ہو۔ اور میں

انبیاء میں سب سے آخر ہوں اور یہ حکم دیا کہ سامان کو مدینہ منورہ بھیج دو اور تم ہمارے ساتھ رہو۔ آپ کے چچا حارث بن عبد المطلب کے بیٹے ابوسفیانؓ ان لوگوں میں تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی مسلمانوں کی ایذا دہی میں کوئی کسر نہ رکھی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذمت اور جھوٹا اُگارا فزہ کا کام تھا۔ بارہا مقابلے پر آپ کے تھے ابوسفیان بھی مع اپنے بیوی کے راستہ میں ملے اور خدمت مبارک میں حاضر ہونا چاہا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی سفارش فرمائی مگر اجازت نہ ملی۔ ابوسفیان نے کہا اگر ہم کو اجازت حاضری نہ ملی تو بیوی بچوں کو لیکر کہیں نکل جاؤں گا۔ اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ یہ سن کر دریائے حمت جوش میں آیا۔ حاضری کی اجازت مل گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ مگر شدت جیسا سے آپ کے سامنے گردن نہ اٹھا سکتے تھے اپنے سابق جرائم اور نالائکم حرکات کی معذرت میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

لَتَغْلِبَ حَبِیلُ اللّٰهِ حَبِیلُ مُحَمَّدٍ	لَا تُغْلِبُ اِیُّکُمْ اَحْمِلُ سِلَاحٍ
فَهَذَا اَوَانِجِنَ اُھْدُوْا هُنْدًا	لَا کُلُّکُمْ اِلَّا خَبْرَانِ اَظْلَمُ لَیْلًا
جھنڈا اُٹھاتا تھا کلات کا شکر محمد صلی اللہ	تو جسہم قسم پتیری جا کی جرن کہیں افسوس
نوسیری مثال اُس شخص کی تھی جو رات کے	علیہ وآلہ وسلم کے لشکر پر غالب آجائے
ابنہ وقت آگیا ہو کہیں بدیش کیجاں اور بدیش پاؤں	اندھیرے میں حیران بھٹکتا پھرتا ہوا
ابوسفیان مسلمان ہو گئے اور نہایت نیچہ مسلمان جنہیں کی لڑائی میں کفار کے چانکے	
حملے سے طلقاً مکہ کے قدم اُگھر گئے تو ابوسفیان ان جان نثار لوگوں میں تھے جو برابر آپ کیساتھ	
قدم جمائے ہے۔	

ابوسفیان ابن حرب کو جس قدر عداوت اور بغض اسلام اور مسلمانوں اور ذات مقدس

۱۷ حضرت معاویہ کے والد و سر صحابی ہیں چنانچہ ان کے شرف باسلام ہونیکا حال عنقریب بیان ہوگا۔

۱۸ طلاق وہ تو مسلم جن کو فسخ کر کے دن معافی دیکر آزاد کر دی گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی ظاہر ہے۔ کفار مکہ کے افسر علیٰ اُن کے حل وعقد کے مالک ہی تھے۔ اکثر لڑائیاں جو قریش نے مسلمانوں سے کیں اُنکے باعث و محرک ہی ہوتے تھے جنگ اُحد میں قریش کی کمان انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں ہی نے جنگ اُحد میں قریش مکہ کے عارضی غلبہ اور مسلمانوں کے قدم اکھڑ جانے کو فتح سمجھ کر آیا واز بلند کہا تھا اُعلیٰ مُہبل (اے پہل تو سر بلند رہ) اور یومِ کُیوم بدایا لکم رد کو قتل دی تھی اور پندرہ سولہ ہزار کی جمعیت سے مدینہ منورہ پر چڑھ کر آئے تھے اور عرصہ تک مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اُس وقت مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنی گئی تھی اور یہ لڑائی غزوہ خندق وغزوہ احزاب کے نام سے موسوم ہوئی تھی۔

لیکن ان تمام حالات کے بعد جس سہولت سے بلا کسی سرزنش کے معافی دی گئی اور اُن کا اسلام قبول کر لیا گیا۔ اُس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے لشکر اور اُن کی حالت کو دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ اگر آپ نے لڑائی کے ساتھ مکہ کو فتح کیا تو قریش کی خیر نہیں۔ اگر کسی ذریعے سے اہل مکہ کو اطلاع ہو جائے اور وہ اگر امن میں داخل ہو جائیں تو اچھا ہے۔ اسی فکر میں نکلا تھا کہ چند آدمیوں کی آواز سنی جن میں سے ابوسفیان کو پہچانا۔ یہ لوگ بغرض تحبس نکلے تھے ابوسفیان نے مجھ سے لشکر کا حال پوچھا میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہنزل مسلمانوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ کہا پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے کہا حاضر دربار مبارک ہو کر امن حاصل کرو میں اُن کو اپنی سواری پر بٹھا کر لے چلا۔ راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا الحمد للہ آج ابوسفیان بلا کسی معاہدے کے قابو میں آگئے۔ مگر میں نے بہت جلدی کے ساتھ اُن کو خدمت اقدس میں پہنچایا۔ پیچھے پیچھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اجازت دیجئے ابوسفیان کی گردن ماروں مگر آپ نے اُن کو امن عطا فرمایا۔ دوسرے روز وہ پھر حاضر

اہل مکہ ایک مشہوریت کا نام ہے ۱۲ عہد یعنی جیسے بدین مسلمانوں کو غلبہ ہوا تھا آج ہم لوگوں کو غلبہ ہے ۱۱۔

ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام قبول فرمانے ہی پر کتنا نہیں فرمایا بلکہ اس ارشاد سے اُنکی غت افزائی بھی فرمائی **مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سُلَيْمَانَ فَهُوَ آمِنٌ** جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ اس میں آگیا۔

مسلمانوں کے دل میں مسیح کی اُنکیں بھری ہوئی تھیں، اس دن کے منتظر بیٹھے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن جنادہ انصاری کو جب حنڈ اعنایت فرما کر حکم دیا کہ گدی کی جانب سے لشکر کو لیکر داخل مکہ ہوں تو وہ خوشی کے ساتھ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

اليوم يوم الملاحه اليوم تسفل الحمم

آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج بیت اللہ کی حرمت اٹھا دی جائیگی

مگر آپ کو ان کلمات کی اطلاع پہنچی تو اُسی وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیج کر حنڈہ اُن سے واپس لے لیا اور فرمایا کہ سعد رض غلط کہتے ہیں۔ **الْيَوْمَ يَوْمَ الْمَرَحَمَةِ** (آج کا دن رحمت اور معافی کا دن ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لشکر کے سرداروں کو ارشاد فرمایا تھا کہ سو اُس شخص کے جو اُن پر حملہ کرے کسی کو قتل نہ کریں۔ اسی وجہ سے مسلمان بلا کسی لڑائی کے داخل مکہ ہو گئے۔ البتہ خالد بن ولید جس جانب سے لشکر کو لیکر داخل ہوتے تھے وہاں مکہ بن ابی جہل اور اُن کے ہمراہیوں نے مقابلہ کیا اور خفیف سی لڑائی ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور لشکر اسلام کے داخل ہونے سے پہلے مکہ میں اعلان معافی کی منادی کرادی تھی اور اسن حاصل کرنے کی اسی مختلف اور سہل صورتیں تجویز فرمادی تھیں جن سے کوئی بھی محروم نہ رہے۔ اعلان معافی کے الفاظ یہ تھے۔ **مَنْ كَفَّ يَدَهُ وَاعْلَقَ بِأَبْنَاءِ فَهُوَ آمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سُلَيْمَانَ فَهُوَ آمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ۔ مَنْ أَعْلَقَ بِأَبْنَاءِ فَهُوَ آمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ دَارَ حَكِيمٍ فَهُوَ آمِنٌ۔**

مَنْ دَخَلَ حَتَّى كَوَّاعٍ أَيْ رُوحِيَّةً قَهْوَامِينَ (ترجمہ) جو شخص مقابلے سے ہاتھ روکے اور اپنا گھر
بند کر لے امن میں ہو۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے امن میں ہو جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے
امن میں ہے۔ جو شخص تھیار ڈالے امن میں ہو۔ جو شخص گھر میں گھس کر دوازہ بند کر لے امن میں ہے۔ جو شخص حکیم
بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے امن میں ہو۔ جو شخص ابوردیجہ کے جھنڈے کے نیچے آجائے امن میں ہو۔

امن حاصل کرنے کی یہ اتنی صورتیں تھیں کہ کوئی ہی بد قسمت ہو گا جو ان سے نفع نہ اٹھا سکے۔
آپنے اہل مکہ کی اہلی حالت اور قلبی لوگوں اور مسلمانوں سے نفرت اور علیحدگی یا بخیر یا نادانی کو
خیال فرما کر امن دینے کی انتہائی صورتیں ظاہر فرمادیں یعنی اگر کوئی نادانی و بخیر کی وجہ سے
سامنے ہی آجائے تو ہتھیار ڈال دینے سے امن میں داخل ہو جائیگا مسلمان کسی سمت سے داخل
مکہ معظمہ ہو چکے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخلے کا وقت آیا۔ ممکن تھا کہ اس
عظیم الشان فتح کے وقت شکر یہ حق تعالیٰ کے ساتھ مسرت اور نشاط کے آثار چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتے
اور یہ امر بقاعدہ اَلْهَادِیَّةِ سَرِّیَّةِ فَحْدَاتِ مُحَمَّدٍ اور پسندیدہ ہوتا۔ مگر نہیں حق تعالیٰ کی قدرت
کا ملہ کا سامان آپ کے پیش نظر تھا۔ سبیت و جلال خداوندی سے قلب مبارک معمور تھا۔ حق تعالیٰ
کے شکر کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی تواضع و انکسار کے آثار نمایاں تھے آپ اُس وقت مجسم تواضع بنے
ہوئے تھے۔ داخل مکہ ہونے کی وقت ناقہ پر سوار تھے اور تواضع کی وجہ سے گردن مبارک
اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کرتی تھی۔

ایک روز وقت تھا کہ عمرہ القضاء میں جبکہ قریش مکہ کا یہ خیال تھا کہ مسلمان مدینہ منورہ
کی آب و ہوا۔ تنگی و مفلسی کی وجہ سے بہت ضعیف و ناتوان ہو گئے ہیں آپ نے حکم دیا تھا کہ
قریش کو اپنی بہادری اور قوت و ہمت دکھلاؤ۔ چنانچہ طواف کی حالت میں مسلمانوں کا ریل واکر مار
چلنا دیکھ کر قریش کو اپنے خیال کی غلطی معلوم ہو گئی۔ اور ایک آج کا دن ہو کہ مسلمانوں کو غلبت
نرمی و تواضع کا حکم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر حال
میں خدا تعالیٰ کی رضا اور اسلام کے برکات و محاسن کا اظہار پیش نظر رہتا تھا۔

آپ مسلمانوں کی کثرت و شوکت اور غرت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے جاتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا عِشَاءَ لَآلِ عِشَاءِ (اخریہ) اے اللہ عیش و آرام تو آخریہ ہی کا کارآمد ہی)

عام اہل مکہ کو معافی دیدی گئی۔ البتہ آٹھ مرد اور چار عورتیں اس معافی سے مستثنیٰ رکھے گئے۔

اُنکے باپے میں حکم تھا کہ جس جگہ مل جائیں قتل کر دیے جائیں۔ مگر اُن میں سوائے چند کے بالآخر سبکو معافی مل گئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ منجملہ آٹھ مردوں کے ابو جہل کے بیٹے عکرمہ بھی تھے عکرمہ

ذات مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عدالت رکھنے تکلیف پہنچانے میں اپنے باپ ابو جہل کے مشابہ تھے۔ اُس وقت بھی وہ مقابلہ پر آئے تھے اسی وجہ سے روپوش ہو کر بھاگ

گئے۔ مگر اُن کی بیوی ام حکیم مسلمان ہو گئیں اور اپنے خاوند کیلئے امن حاصل کر کے اُنکی تلاش میں

نکلیں اور ایسے وقت جا کر ملیں کہ وہ جہان میں سوار ہونے کو تھے۔ ام حکیم نے اُن سے کہا۔

جَبْتُكَ مِنْ عِنْدِ اَخْلَمِ النَّاسِ وَاصْلَهُمْ وَاَكْرَمَهُمْ دین ایٹھ شخص کے پاس سے آئی ہوں جو دنیا

بھر سے زیادہ حلیم اور کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اور اُنہوں نے تم کو امن دیا ہے، عکرمہ حاضر

خدمت ہونے اور اسلام لے گئے۔ آپ بھی اُن کے اسلام سے نہایت مسرور ہوئے۔

انہیں میں صفوان ابن اُمیہ تھے۔ یہ بھی بہت سخت دشمن ذات مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے۔ فتح مکہ کی وقت خوف کی وجہ سے جدہ بھاگ گئے۔ عیمر بن وہب نے اُنکے

بارے میں عرض کیا اپنے اُنکو امن عطا فرمایا اور علامت امن کیلئے وہ عامۃ مبارک جو فتح مکہ

کے روز آب باندھے ہوئے تھے عیمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ عیمر نے جدہ جا کر صفوان سے

امن دینے جانیکی اطلاع دی اور کہا۔ اَتَيْتُ اَخْلَمَ النَّاسِ وَاصْلَهُمْ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم دنیا بھر سے زیادہ حلیم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں) صفوان خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ اور

عرض کیا کہ آپ مجھے دو مہینے کا اختیار عطا فرمائے۔ میں اپنے باپے میں غور کروں۔ ارشاد

فرمایا۔ تم کو چار ماہ تک اختیار ہے وہ اپنی اسی حالت کفر میں آپ کیساتھ حنین و طائف کے

غزوات میں موجود رہے۔ بالآخر مسلمان ہوئے اور بہت پختہ مسلمان ہوئے۔

جس کے دلیں انصاف اور سب سے عقل ہے ایک ہی واقعہ کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ عشت
اسلام میں کس قدر نرمی اور درگزر اختیار کیا گیا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کی ساری عمر اسلام کی
مخالفت میں گزری جس کا شعاریہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر
حملہ کرے۔ اشعار کے ذریعے سے آپ کی نہت پھیلائے اور انہیں عادات و افعال شنیعہ
کی وجہ سے اعلان معافی کی رحمت عام سے محروم رکھ کر واجب القتل ہو چکا ہو ایسے شخص کے لئے
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن کی علامت کیواسطے اپنا خاص عمامہ بھیجتے ہیں اور
حاضر خدمت ہو کر غور و فکر کیلئے دو ماہ کی ہملت مانگتا ہوں اور آپ بجائے دو ماہ کے چار ماہ
کی ہملت عطا فرماتے ہیں اور اس ہملت عطا فرمانے کا یہ مطلب تھا کہ چار ماہ بعد ایمان نہ
لایا تو قتل کر دیا جائیگا بلکہ اُس کو امن کیساتھ جس جگہ سے آیا تھا وہاں جان کی اجازت دی
جائیگی ایسے گھلے اور روشن واقعات کے بعد بھی یہ الزام لگانا کہ اشاعت اسلام کے بارے میں
کسی قسم کے جبر کو دخل دیا گیا ہے کسی ذی عقل اور سمجھ دار کا کام نہیں ہے ہاں تعصب اور
ہٹ نہر مری نے جس کو مسلوب الحواس بنا دیا ہو۔ نیک مبدی کی تیز اُس کو باقی نہ رہی ہو اب
جو چاہے کہے۔ اسی واقعے سے یہ بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی سچی تعلیم میں عسید
میشاق کا پورا کرنا ایسا لازمی اور ضروری ہے کہ کسی وقت اُس کو نہیں چھوڑ سکتے۔

جو لوگ معافی سے متشنی تھے انہیں میں عبداللہ بن ابی سرح بھی تھے جن کا جرم کسی طرح
قابل معافی نہ تھا۔ اسلام لائے آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ کتابتِ وحی کی خدمت سپرد بھی گزشتہ
نفس سے الفاظ میں تغیر و تبدل کر دیتے تھے۔ پھر مدہو ہو گئے اور کفار مکہ سے کہا کہ تمہارا دین
بہتر ہے مگر باوجود ان جرائم کے اور باوجود اسکے کفر فتح مکہ کے نہ ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا
حضرت عثمان اُن کو لیکر حاضر ہوئے اور اسن طلب کیا آپ نے اسن عطا فرمایا اور وہ واپس
مسلمان ہو گئے۔

انہیں میں عبداللہ بن زہری بھی تھے۔ شخص بہت زیادہ عجز و مذمت کرتا تھا۔ یہ جاگ کر نجران چلے گئے

لیکن وہاں سے لوٹ کر حاضر خدمت ہوئے اسلام لے آئے اور معذرت میں بہت سے شعا
پڑھے جن میں سے دو شعر یہ ہیں

يَا مَهْمُولَ الْمَلِكِ اِنَّ لِي سَانِي ۱
رَلْتُ مَا فَتَقْتُ اِذَا بَاوِي ۲

۱۔ رسولِ خدا میری زبان
۲۔ اُس نقصان کو جو کہ رسولِ خدا کے پاس ہی رہا نہ ہو چکا تھا

اَمِنَ الْخَمْرُ وَالْعِظَامُ بَرِّي ۱
ثُمَّ نَفْسِي الشَّهِيدُ اَنْتَ الْبَرِّي ۲

۱۔ میرا گوشت اور ہڈیاں اللہ تعالیٰ پر ایمان ہیں
۲۔ اور میرا نفس گواہی دیتا ہے کہ آپ خدا پر ہیں

انہیں آٹھ میں وحشی بن حرب میں یہ شخص وہ ہیں کہ پہنچے احد کو دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
والہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ فتح مکہ کے دن یہ بھی خوف کی وجہ سے طائف
بھاگ گئے تھے۔ مگر بعد میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے آپ نے اُن کا
اسلام قبول فرمایا اور اُن سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت دریافت فرمائی
جس کو سن کر آپ پر گریہ غالب ہو گیا اور وحشی سے فرمایا کہ تم میرے سہنے نہ آیا کرو۔ وحشی
نے حضرت حمزہؓ کے قتل کی مکافات اس طرح کی کہ سیلہ گلاب کو اُسی آلہ سے اُسی طرح قتل کیا
جس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔

ابوسفیان کی زوجہ ہندہ نبوتِ عقبہ کی عداوت اور بغض کا یہ حال تھا کہ جنگِ احد
میں جب حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے تھے تو اُن کا جگر نکال کر چھایا۔ فتح مکہ تک اُن کی یہی کیفیت
تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کو حکم دیا کہ ہمارے داخلے سے پہلے
قریش کو شکرِ اسلام کی اطلاع کر دو۔ اور معافی کا اعلان سنا دو تو ابوسفیان نے بیت اللہ
میں کھڑے ہو کر لکھارا اور کہا کہ شکرِ اسلام آگیا جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے قریش نے کہا
پھر کیا کریں۔ اُنہوں نے معافی کا اعلان سنا دیا۔ تو ہندہ نے اگر ابوسفیان کی ڈاڑھی پکڑ لی
اور کہا۔ لوگو! اس احمق بوڑھے کو قتل کر دو۔ یہ کیا کہتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا گھر میں جا کر
بیٹھ رہو ورنہ گردن اُٹا دی جائے گی۔ ہندہ بھی اُن چار عورتوں میں تھیں جنکے قتل کا حکم تھا

مگر ہندہ نے اول اپنے گھر کے سب بتوں کو توڑا۔ اور کہا کہ ہم تمہاری وجہ سے بڑے دھوکہ میں تھے اور چند عورتوں میں ملکر پوشیدہ طور سے حاضر خدمت ہوئیں اور اسلام لائیں اور دو بکری کے بچے نذر کئے اور غدر کیا کہ میری بکریاں بچے کم دیتی ہیں۔ آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اسکے بعد بکریاں بہت ہو گئیں وہ کہا کرتی تھیں کہ یہ آپ کی دعا کی برکت ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمارا اسلام کی ہدایت کی۔

یہ حالت آپ کی رحمہ علیہ درگزر عفو اور شہم پوشی اور حسن اخلاق اور غایت نرمی کے ہیں۔ جن کا طبع مستحکم نظر کے موقع پر ہوا ہے۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد قبائل عرب میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہوئی۔

سنة الوفود قریش کا ادب و احترام عرب میں تسلیم تھا۔ تمام عرب قریش کو اپنا امام جانتے اور ان کے افعال کو قابل اقتداء مانتے تھے۔ قبائل عرب اس وقت بھی قریش کے انجام کو دیکھ رہے تھے جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش ہر سب کے سب مسلمان ہو گئے تو اب قبائل عرب کیلئے اسلام لانا کا راستہ صاف ہو گیا۔ بڑی بڑی قوموں نے وفد کی صورت میں اپنے قائم مقام خدمتِ مبارک میں بھیجے اور مسلمان ہو گئے فتح مکہ کے بعد ایک سال کے اندر اندر قریب قریب کل عرب کے وفد حاضر خدمت ہو کر مع اپنی قوم کے اصالتاً و کالتاً مسلمان ہو گئے اسی وجہ سے یہ سال **سنة الوفود** کہلاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ عرب پر اسلام کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ اور گویا مقابلہ سرکشی اور لڑائی کا سلسلہ اہل عرب کی طرف سے منقطع ہو چکا۔ کسی شخص میں پروہاقت نہ تھی کہ برسرِ مقابلہ آئے۔ اکثر قبائل برضا و رغبت مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر بایں ہمہ بہت سے اکھڑاؤ رنجت نزاع قبائل جن کے اندر بد رویت کے ساتھ ریاست اور حکومت کا نشہ بھی موجود تھا خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر بھی اصل فطرت سے باز نہ آئے اور اپنے اکھڑنے سے سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود اس شوکت و قوت کے انکی سختیاں برداشت کیں۔ ان پر کسی قسم کا تشدد یا جبر جائز نہ رکھا۔

بلکہ جس پہلو پر اسلام کی حقانیت کو سمجھنا چاہتے تھے سمجھایا۔

قبیلہ یتیم کا وفد بڑی جمیعت کیساتھ حاضر خدمت ہوا۔ ان میں منتخب سردار شاعر اور خطیب موجود تھے۔ ان لوگوں نے مسجد نبوی میں آکر باوازلندہ لکھارائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بابر آویہ آپ کو ان کے لکھارنے اور غیر مذب طریق سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ نہیں فرمایا۔ بلکہ بابر تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے کہا ہم آپ سے مفاخرہ یعنی فخر میں مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ آپ ہمارے خطیب یعنی پچھرا کو اجازت دیجئے۔ اللہ اکبر سقا زنی اور حسن اخلاق و درگذر تھا۔ بجائے اسکے کہ آپ ان کو فرماتے کہ اسلام کی حقانیت واضح ہو چکی ہے اسلام لے آؤ۔ ان کو اس امر کا موقع عطا فرمایا کہ جس مصلح میں حقانیت اسلام سمجھنا چاہتے ہیں سمجھ لیں۔ آپ نے ان کے خطیب کو اجازت دی اُس نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنی قوم کی خوبیاں اور فضائل بیان کئے۔ وہ بیان کر چکا تو آپ نے ثابت بن قیس کو ارشاد فرمایا کہ تم جواب دو۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک زور کی آواز میں خدا تعالیٰ کے احسانات اسلام کی خوبیاں اور احکام و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کئے۔ اس کے بعد ان کا شاعر کھڑا ہوا اور اُس نے اپنی قوم کی افضلیت میں بہتے اشعار پڑھے جن میں کا ایک شعر بطور نمونہ ذکر کیا جاتا ہے ۵

نَحْنُ الْإِسْلَامُ فَلَا حَيُّ يُعَادِلُنَا . مِنَّا اللَّهُ مُلُوكٌ وَفِينَا شُعَبٌ مَالِيعٌ

اُن کا شاعر بیٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا۔ حضرت حسان پہلے سے تیار نہ تھے مگر فی البدیہہ ایسے زوردار اشعار پڑھے کہ سب حیران رہ گئے۔ سردار ابن یمیم نے سُن کر کہا کہ بیشک آپ نبی اور موبد من اللہ ہیں۔ آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑھا ہوا ہے اور شاعر ہمارے شاعر سے اور پھر سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ انہیں لوگوں کے بکے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اِنَّ الْاٰیٰتِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ جو لوگ حجروں سے باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکار رہے ہیں اُن میں سے

اکثر ناواقف ہیں۔

نبی اسد کا وفد اسلام لانے کی غرض سے حاضر خدمت مبارک ہوا اور اپنی اُس سادگی اور بدویت کی وجہ سے بے تکلف اپنے آنے کا احسان جتلانے لگے اور کہا۔ جِئْنَاكَ قَبْلَ اَنْ تَرْسُلَ الْاَيُّنَا رَحِمَ قَبْلَ اسْكَ لَآ پَ كُوْنِي قَاصِدٌ يَهْتَجِ اَپَ خُوْدِي اَگئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غایت علم و کرم کی وجہ سے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ البتہ اُن کی فہمائش کیوں سنے کلام اللہ میں یہ آیت نازل ہوئی يٰمُؤْمِنُوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَا تَتَّبِعُوْا عَلٰى سَلٰةِ مَلِكٍ مِّنْ لِّلّٰهِ يَمُنْ عَلَيْكُمْ اَنْ هٰذَا كَلِمَةُ لِّاٰمِيْنَ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یہ لوگ اپنے اسلام کا تم پر احسان جتلاتے ہیں۔ کہہ دیجئے ایسا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تم کو ایمان کی ہدایت کی، یہاں سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ایمان ایسی دولت نہیں جو زبردستی کسی کو دی جائے۔

اسی سال حمیر کے بادشاہوں کے خطوط اور قاصد خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ سب لوگ بطیب خاطر اسلام لائے ہیں۔ بخران کے عرب جو بت پرست تھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سلمان ہو گئے۔ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اُن کو احکام اسلام کی پوری تلقین کر دی۔ بخران میں اسلام نے مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے۔ مگر بخران کے نصاریٰ کا وجود اسلام کی قوت و شوکت کے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ کوئی خوف و اندیشہ ان کو نہ ترک مذہب کیلئے محرک ہوا نہ ترک وطن کیلئے۔ بلکہ برعکس اسکے کیا تو یہ کیا کہ اپنے وفد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ آپ سے مباہلہ کرے۔

مباہلہ اس کو کہتے ہیں کہ دو فریق جو کسی ایک معاملہ میں جھگڑتے اور باہم مخالفت کرتے ہوں اپنی اولاد اور اہل و عیال سمیت ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں نہایت خجروالاح کے ساتھ دعا کریں کہ جو ناحق پر ہے وہ ہلاک و تباہ ہو جائے۔

نصاریٰ بخران نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباہلہ کرنا چاہا اور آپ نے اُن پر

کسی سختی و سوزنش کو باندہ رکھا۔ بلکہ حق و صبح کرنے اور دنیا پر حقیقت الامر منکشف کرنے کے واسطے مباہلہ پر آمادہ ہو گئے اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر مباہلہ کی غرض سے تشریف لائے۔ نصاریٰ بخرانِ آخراہلِ کتاب تھے وہ علم کے درجے میں سب کچھ جانتے تھے۔ آپ کو اور اس مقدس اور پاک جماعت کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ اگر ہم نے مباہلہ کیا تو نہ صرف ہمارا بلکہ دنیا کے نصرتیوں کا استیصال ہو جائیگا۔ آپ کی بددعا ایسی نہیں ہے کہ پھر دنیا میں کوئی نصرانی باقی رہ جائے۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ پھر ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہلا دینے کی قسم کھا بیٹھیں تو وہ ضرور پورا کرے۔ اس طرح و ضوہِ حق اور سب کچھ پہنچنے اور جاننے کے بعد بھی ایمان نہ لائے۔ بلکہ مصالحت کی درخواست کی اور اپنے بطیب خاطر ان سے مصالحت کر لی اور مصالحت بھی اس شرط کے ساتھ جس کو ہم اس مضمون کی تمہید میں بیان کر چکے ہیں۔ یعنی نہ ان کو مذہب بدلنے پر مجبور کیا جائیگا۔ نہ اس کی کوئی تدبیر کی جائے گی۔

ایک تھوڑی سی عقل والا بھی انصاف کرے کہ کیا اس سے زیادہ نرمی ممکن ہے اور کیا کوئی عقل کا دشمن اب بھی یہ کہے گا کہ اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کے جبر و زبردستی کو دخل دیا گیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد بعض قبائل کی طرف آپؐ اپنے اپنے صحابہ کو دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا۔ اور ان کو ہدایت فرمادی کہ کسی سے مقاتلہ و مقابلہ نہ کریں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بنی خذیمہ کی طرف بھیجا اور انہوں نے غلط فہمی کچھ لوگوں کو قتل کر دیا جس کی خبر پہنچتے ہی آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ (اے اللہ میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں)

حضرت خالد کو میں وغیرہ کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن وہ لوگ اسلام نہ لائے اور حضرت خالد نے بعض لوگوں کے ساتھ کچھ سختی کی۔ اُس کے بعد حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے جو نقصان پہنچا اُس کا تاوان دیں اور نرمی کی ہدایت کریں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لے گئے اور اہل بین کو نامہ مبارک سنایا۔ قبیلہ ہمدان جو بہت بڑا قبیلہ تھا ایک ہی روز میں سب کا سب مسلمان ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسکی اطلاع خدمت مبارک میں بھیجی تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اَسْلَمَ عَلٰی هَمْدَانَ (ہمدانیوں پر سلام ہو) اس کے بعد میں کے قبائل یکے بعد دیگرے مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یمن کے مسلمان ہونے کی اطلاع پہنچی تو سجدہ شکر ادا کیا۔

قبیلہ ہمدان کو اُسی وقت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ بعد کے اختلافات و محاربات میں قبیلہ ہمدان برابر حضرت علیؑ کا جان نثار رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُن کے باپ میں فرمایا کرتے تھے۔

لَقُلْتُ لِهَمْدَانَ اَدْخُلُوا بِلِسْلَامٍ فَلَوْ كُنْتُ بَوَّابًا عَلٰی بَابِ جَنَّةٍ
اگر میں جنت کے دروازے کا دربان ہوں تو قبیلہ ہمدان سے کہوں کہ سلامتی کیسہ داخل ہو جاؤ

سجاءت میں ضرب النثل حاتم طائی کے بیٹے عدی قبیلہ طے کے سردار اور بادشاہ تھے۔

نصرانی ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس غرض سے

بھیجا کہ قبیلہ طے کے بُت کو جس کا نام علس تھا گرا دیں۔ اُس وقت عدی تو شام کی طرف بھاگ گئے

البتہ اُن کی بہن کو حضرت علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ اُنکی

بہن نے خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بھائی کے واسطے اسن حاصل کر کے بھائی کو لینے کے لئے

ملک شام میں پہنچیں۔ حضرت عدی فرماتے ہیں میں نے خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سلام عرض

کیا۔ آپ مجھ کو اپنے ہمراہ مکان میں لے چلے۔ راستے میں ایک بوڑھی عورت مل گئیں اور دیر تک

راستے میں کھڑا کر کے اپنے متعلق کچھ کہتی رہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا بیشک یہ نبی ہیں بادشاہ

نہیں ہیں۔ مکان میں تشریف لیگئے تو فرش پر مجھے بٹھلایا اور خود زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ میں

نے دل میں کہا بیشک آپ نبی ہیں بادشاہ نہیں ہیں۔ اسکے بعد مجھے خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ اے

عدی شاید تم مسلمانوں کی تنگدستی اور غلّی اور اُن کے دشمنوں کی کثرت دیکھ کر اسلام لانے سے رُک گئے

قسم ہے اللہ پاک کی مسلمانوں کے پاس اس کثرت سے مال آئیگا کہ اُسکو کوئی قبول بھی نہ کرے گا اور ایسا امن و امان قائم ہو جائے گا کہ ایک تنہا عورت قادیسہ سے بیت اللہ کی زیارت کو آئے گی اور اُسکو سوائے اللہ کے کسی سے بھی خوف نہ ہوگا اور تم سُن لو گے کہ بابل کے سفید محل فتح ہو گئے ہیں حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہو گیا اور میں نے دیکھ لیا کہ بابل کے قصور ابھین منسوخ ہو گئے ہیں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ تنہا عورت حج کو چلی آتی ہے۔ اور قسم ہے اللہ پاک کی تیسری بات بھی ہو کر رہیگی۔ یعنی مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ اُسکو کوئی قبول نہ کرے والا نہ ہوگا یہ واقعہ بھی سنتِ لوفود کا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد دین حق کو پھیلانے کے ساتھ امن و امان کا قیام کرنا تھا جس کو آپ نے پورا فرمایا اور یہ کہ آپ کو اسلام کی اشاعت اور خداوند تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کا ایسا وفاق تھا کہ ظاہری بے سرو سامانی اور دنیا بھر کی مخالفت بھی اس میں تردد و ہیلانہ نہ کر سکتی تھی۔ اور یہ کہ وفاق ظاہری ساز و سامان پر نہ تھا۔ ورنہ اس موقع پر حضرت عدی کے سامنے اسلام کی شوکت و قوت کو ظاہر فرماتے نہ کہ ضعف و حاجت کو اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مال و دولت ترقی کے اسباب نہیں ہیں۔ مسلمانوں نے اُس وقت ترقی کی جبکہ وہ روزمرہ کی ضروریات کو بھی باسانی پورا نہ کر سکتے تھے۔ اور جبکہ مال کی کثرت ہوئی اور دولت کے آثار نمایاں ہو گئے مسلمانوں کے اخلاص اور جوش ایمانی میں کمی آئی گئی اپنی حالت سے گرتے گئے۔

اسی سال وفدِ عامر بھی حاضر خدمت ہوا۔ اس وفد میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے۔ عامر سے اُن کی قوم نے کہا کہ قبائل عرب سلمان ہو گئے تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ عامر نے کہا میں اس شخص کا اتباع نہ کروں گا۔ عامر کی غرض بھی اس وقت آنے سے یہ تھی کہ کسی قسم کی تدریج و رُحوہ سے آپ پر حملہ کرے چنانچہ اربد سے کہا کہ میں اُن کو باتوں میں لگاؤں گا۔ تم پیچھے کھڑے ہو کر تلواریں سے حملہ کرنا۔ ایسا ہی ہوا۔ عامر نے آپ کو باتوں میں مشغول کیا اور اس کا متوقع ربا کہ اربد حسب وعدہ تلواریں چلائے گا۔ مگر اربد نے کچھ بھی نہ کیا۔ انہاء گفتگو میں عامر نے دھمکانے کے طور پر یہ بھی

کہا کہ میں اس قدر پیادے اور سوار لیکر چڑھائی کروں گا کہ مدینے کو بھر دوں گا۔
 خیال کرنے کی بات ہے کہ سنت الو فوجیں میں نام عرب کے قبائل خود بخود برضا و رغبت
 اگر مسلمان ہو گئے۔ ملک حمیر وغیرہ نے خطوط کے ذریعے سے اسلام اور اطاعت کا اظہار کر دیا
 جبکہ قبیلہ طے کے سردار اور بادشاہ عدی بن طائی مسلمان ہو گئے اور ملک عرب میں سوار شاہ
 و نادر اسلام کا کوئی مخالف باقی نہ رہا۔ عامل بن طفیل دس آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آتا اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح بے باکی اور جرأت سے گفتگو کرنے پر کفایت نہیں کرتا بلکہ دھمکی بھی دیتا
 ہے کیا یہ غایت حلم و کرم عفو اور درگزر نہ تھا۔ کہ اپنے عامر کی گفتگو سن کر اس کو کچھ بھی سخت جواب نہ دیا
 بلکہ فرمایا اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ عَمَلًا (یعنی اے اللہ عامر کے شر سے محفوظ رکھ) عامر یہ گفتگو کر کے واپس ہوا
 تو اربد کو سرزنش کی کہ ایسا موقع ملنے پر بھی تو نے کچھ نہ کیا آج سب قصہ طے ہی ہو جاتا۔ اربد نے
 جواب دیا کہ میں نے تو چند بار تلوار سے حملہ کرنا چاہا مگر ہر دفعہ تو میرے سامنے آ جاتا تھا کیا میں تجھ کو
 قتل کر دیتا۔

ایک عاقل منصف کو سمجھنے کا موقع ہے کہ جب آپ کو ہر چھوٹے بڑے معاملہ کی بذریعہ
 وحی اطلاع دی جاتی تھی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عامر کے بد ارادہ کی اطلاع نہ ہوتی مگر سبحان اللہ
 کیسی رحمت تھی کہ حقانیت اسلام اور اپنے مرسل من اللہ ہونے کو ہر پہلو سے ظاہر فرما دیا۔
 اپنے عامر اور اربد کو یہ موقع دیا کہ دل کی ہوس پوری کر لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر
 کی کیسی تائید فرماتا ہے۔

اگر عامر اور اربد کے رفقاء کو جمال مبارک کو دیکھنے اور سچی اور مؤثر گفتگو کو سننے سے اثر نہ ہوا تھا۔
 تو ایسی کھلی اور روشن دلیل صداقت کو دیکھنے کے بعد قبول میں اسلام راسخ ہو جاتا۔ مگر افسوس شقاوت
 انہی نے فہم و ادراک عقل و تہذیب کو سرخ کر دیا تھا۔ وہ دولت ایمان سے مشرف نہ ہوا اور آپ کی تیرہ ہند
 دعا کا نشانہ بن کر رہا۔ عامر کو راستہ ہی میں موت آئی اور کن مکی کے ساتھ کہ بے یار و مددگار اہل
 دطن سے دور طاعون کی گھٹی نمودار ہوئی اور قبیلہ سلول کی ایک عورت کے گھٹن پر گر جان

دیدیں۔ عام جیسے متکبر اور با نخوت شخص کیلئے جس نے تمام عرب کے خلاف دربار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی گردن نہ جھکا کی تھی اور اپنی سرداری اور قوت کے گھنڈ میں تہدیا آمیز گفتگو کی تھی۔ یہ بہت ننگ عار کی بات تھی کہ مسافرانہ حالت کے اندر ایک غریب عورت کے گھر میں نیکے لئے پڑا تھا وہ نہایت حسرت کیساتھ یہ کہتا ہوا مر گیا **أَخْلَاكَ لَعْنَةُ الْبَعِيرِ** و موت فی بدیت سلولیت کیا میری قیمت میں یہ لکھا تھا کہ اونٹ کی طرح طاعونی غدد و نچلے اور سلولی عورت کے گھر میں پڑ کر مروں، اور بد پر بھی راستہ ہی میں بجلی گری اور وہ بھی ہلاک ہو گیا۔

یہ وہ روشن واقعات ہیں جن سے ایک طرف اسلام کی کامل حقانیت کا ثبوت ملتا ہے اور دوسری جانب ثابت ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام کیلئے رحم مہم صورتیں اختیار کی گئیں اور اُس میں جائز اور ناجائز تشدد کو بھی دخل دینے سے احتراز کیا گیا۔

فروہ بن عمرو جذامی روم کے نصرانی بادشاہ کی طرف سے عرب کے بعض قبائل کی مخالفت تھے۔ سہ الو فودیس انہوں نے بھی ایک قاصد خدمت مبارک میں بھیجا کہ اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ روم کے بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اُس نے اُن کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور اُس کے بعد سولی پر چڑھا کر گردن مار دی لیکن فروہ میں ایمان ایسا سراپت کر چکا تھا کہ اُنہوں نے جان کی کچھ پروا نہیں کی۔ خوشی سے راہ خدا میں جان دی اور یہ کہتے ہوئے قہقہے غنصری کو الوداع کہا۔

بَلِّغْ سِرًّا الْمُسْلِمِينَ بَأَنِّي سَلَّمَ لَوْثِي اعْظَمِي مَقَامِي

مسلمانوں کے سرکاروں کو پہنچا دو کہ میری زبان اور میری جگہ میری وردگار کی جگہ میں

خیال کرنے کی بات ہے کہ فروہ نہ خود حاضر خدمت مبارک ہوئے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کسی کو بھیجا بلکہ غائبانہ مسلمان ہوئے اور مسلمان بھی کیسے پکے کہ جان تک قربان کر دی اور یہ بھی خیال کر لینا چاہئے کہ نصاریٰ کی طرف سے ایک شخص کے ساتھ جو غربت و شوق مسلمان ہوا تھا کیسا معاملہ کیا گیا۔

اسی سال قبیلہ سعد بن بکر نے اپنی طرف سے ضمام بن ثعلبہ کو امیر وفد بنا کر بھیجا۔ ضمام نے

حاضر ہو کر اسلام کے احکام دریافت کئے اور مسلمان ہو گئے۔ ضمام اپنے قبیلہ میں واپس گئے تو سب لوگ گرد آکر جمع ہو کر پوچھنے لگے۔ ضمام نے سب سے پہلے گفتگو یہ کی کہ لات و عزلی بہت بُرے ہیں۔ لوگوں نے کہا اُنکی بُرائی نہ کرو۔ برص اور جذام میں مبتلا ہو جاؤ گے ضمام نے کہا تم پر افسوس ہے۔ یہ دونوں تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا اُن پر کتاب نازل فرمائی ہے۔ میں تو مسلمان ہو گیا ہوں۔ ضمام کی تقریر ایسی موثر اور دل نشین تھی کہ جو لوگ ابھی ابھی لات و عزلی کو نفع و ضرر سمجھتے اور اُس کی گستاخی پر برص و مجذوم اور مجنوں ہو جانے کی دھمکی دیتے تھے بصدق دل مسلمان ہو گئے اور اُس سبب سے ایک مرد و عورت بھی مشرک کی حالت میں باقی نہ رہا۔

ضمام ابن ثعلبہ کو خدمت مبارک میں حاضر ہونے کا بہت تھوڑا سا وقت ملا تھا یعنی ایک دو یوم آپسے اُن کے ہمراہ کوئی فوجی دستہ نہیں بھیجا تھا۔ جس کے خوف سے قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو جاتا۔ ضمام کے اندر اس تھوڑے سے فیض صحبت سے وہ قوت جاذبہ پیدا ہو گئی جس نے تمام قبیلہ کو جن کے رگ و ریشہ میں مشرکانہ عقاید سمائے ہوئے تھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ بھی اسلام کی اصلی قوت اور کرامت جس کے طفیل سے اسلام پھیلا اور جس نے جسموں سے پہلے دلوں کو مسخر کر لیا۔ جس نے دلوں پر محبوبانہ قبضہ کیا نہ کہ قید و کنی طرح پیروں کو جبر کی زنجیروں میں بجا اور دل متفرق و آبی ہے۔ اور یہ تھا اسلام کا حقیقی جلوہ کہ جس کے اندر ایک ذرہ بھی سرایت نہ کر گیا وہ دوسروں کو بھی اپنی قوت قلبی اور مؤثر بیان سے اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔

یہ ایسے لوگوں کا حال ہے جن کو بہت قلیل مدت یعنی ساعت و ساعت کا فیض صحبت یا دیدار جمال مبارک حاصل ہوا تھا۔ جن حضرات کی عمریں جان نثاری میں گزریں سفر و حضر میں ہر کتاب حضور اقدس سے ہے۔ جن کو ایک گھڑی کی جذائی شاق تھی۔ اُن کے رسوخ ایمانی تاثیر قلبی اور قوت جاذبہ کا اسی سے قیاس ہو سکتا ہے۔

فتح مکہ ہجرت سے آٹھویں سال رمضان المبارک کے مہینے میں ہوئی اور اس کے بعد سو سال کے اندر عرب کے وفود حاضر ہوئے۔ جو جوق جوق لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو سورہ اذاجاء نصر اللہ والفتح نازل فرما کر بتلادیا کہ تمہاری بعثت کی غرض پوری ہو چکی اور اسلام کی حقانیت کا سکہ جو عالم کے قلوب میں بیٹھ چکا ہے مٹ نہیں سکتا اور نہ اسکی اشاعت کسی طرح رک سکتی ہے۔

حجۃ الوداع نویں سال آپ نے حج کیا۔ اس حج کو اس وجہ سے کہ عالم حیات میں آپ ہمیشہ کیلئے بیت اللہ سے رخصت ہو گئے حجۃ الوداع کہتے ہیں اور اس وجہ سے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کو احکام حج خصوصاً اور احکام اسلام عموماً پہنچا دیئے تھے البلاغ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ لاکھوں مسلمان جمع تھے اس لئے ضرورت اسکی ہوئی کہ جو کچھ آپ ارشاد فرمائیں وہ سب کو پہنچا دیا جائے۔ اس کام کے لئے امیہ بن خلف کے بیٹے حضرت بنیہ منتخب ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تم میری بات سن لو شاید اسکے بعد میں تم کو اس جگہ کبھی نہ دیکھوں۔ اس طویل خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ كَحَرَمَةِ
يَوْمِكُمْ هَذَا فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَاَوْفِدْهُ جَلْدًا
تہاے جان مال ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے آج کے دن
کی بے حرمتی اس مہینے اور اس جگہ کے اندر تم پر حرام ہے

اہل عرب برابر سو دیتے اور دیتے تھے اور ربوہ یعنی سود کی حرمت قرآن مجید میں نازل ہو چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بکرات و مرات بیان فرما چکے تھے لیکن اس موقع پر حرمت زنا کے ساتھ حرمت ربوہ کو بھی ارشاد فرمایا اور ان دونوں کے متعلق اس قدر وضاحت اور فرمادی کہ زمانہ جاہلیت میں جس نے کسی کا خون کیا اب اس کا بدلہ لینا حرام ہے۔ اور سب سے پہلے میں اپنے چچا کے بیٹے ربیع بن حارث بن عبد المطلب کا خون چھوڑتا ہوں علی ہذا زمانہ جاہلیت میں جس کا سود کسی کے ذمے تھا وہ اب سب موقوف ہے کسی کو لینا دینا نہ چاہئے۔ البتہ ان کا راس المال ملے گا اور میں اپنے چچا عباسؓ کا اصل اور سود دونوں چھوڑتا ہوں۔

اس خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اے لوگو شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ عرب کی

سرزمین میں اسکی پستی کی جائے یعنی اب ملک عرب میں بت پستی بالکل نہوگی۔ البتہ سوائے بت پستی اور گناہوں کے ارتکاب میں شیطان کا اتباع کیا جائیگا۔ یہ آپ کا ارشاد کس قدر صحیح تھا۔ کہ ملک عرب سے بت پستی کا نام و نشان مٹ گیا اور اگرچہ اعمال کے درجہ میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں مگر سارا ملک عرب اس وقت تک شرک و بت پستی سے بالکل پاک و صاف ہو۔

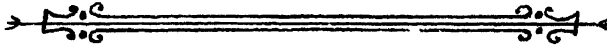
ان ارشادات سے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ آپؐ دنیا میں ہدایت پھیلانے امن و امان قائم فرمانے اور جان و مال کی حفاظت کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ اسی وجہ سے حج کے آخری خطبہ میں نہایت اہتمام سے ان امور کو بیان کیا کہ اسلام کی اشاعت کو ایسے ذرائع سے بالکل علیحدہ دکھایا جن کی وجہ سے کوئی شخص بلا رضا مجبور ہو کر اسلام کو قبول کرے۔

ہم نے بعد ہجرت کے ہزار ہا طویل طویل حالات میں سے چند واقعات کو یہاں بیان کیا ہے جن کے مطالعہ سے ایک فہیم منصف بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی اور یہ کداس کے اصلی اسباب کیا تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے تھوڑے سے حالات بیان کر نیکی بعد ہم چاہتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ہزار ہا حالات و واقعات میں سے بھی چند ایک کا ذکر کیا جائے جس سے ثابت ہو جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اُسی نقش قدم پر چلے اور یہ کہ انکے اندر اسلام کے اصلی محاسن اور اُس کے جذبات پوری قوت کے ساتھ موجود تھے جن کو دیکھ کر بت پرست اسلام کی طرف رغبت ہوتی تھی اور صحابہ کرام کے ان ہی حالات و معاملات کے ذریعہ سے اسلام نے دنیا پر اپنا تسلط جما یا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا
حصہ دوم

زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین



فتح مکہ اور وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تقریباً ڈیڑھ سال کا زمانہ بعض قبائل کا رتہ ہو جانا ہے اس عرصہ میں جیسا کہ ہم پچھلے حصہ میں بیان کر چکے ہیں سارے ملک عرب میں اسلام پھیل گیا اور غالباً قبائل عرب میں کوئی قبیلہ بھی ظاہر اسلام سے منحرف نہ رہا لیکن ان نو مسلموں میں بہت سے ایسے تھے جو فی الواقع مسلمان نہ ہوئے تھے۔ بلکہ اپنی قوم کی دیکھا دیکھی احکام اسلام ادا کرنے لگے اور زمرہ مسلمانان میں داخل ہو گئے تھے۔

عینیہ بن حصن نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ میں ایک منٹ کیلئے بھی مسلمان نہ ہوا تھا انہوں نے طلیحہ اسدی کا ساتھ دیا تھا۔ جبکہ مرتد ہونے اور مسلمان ہونے کا ذکر ابھی آتا ہے بعد میں عینیہ گرفتار ہو کر حبس مدینہ منورہ لائے گئے تو وہاں کے لڑکے بھی انکی حالت دیکھ کر سخت متعجب ہوتے تھے وہ جانتے تھے کہ ایمان لا کر تو کوئی پھر نہیں سکتا۔ ایمان ایسی چیز نہیں کہ ایک دفعہ اسکی لذت سے آشنا ہونیکے بعد کوئی اس سے منحرف ہو جائے۔ وہ تعجب اور حیرت کیساتھ عینیہ سے کہتے تھے کہ اے خدا کے دشمن کیا ایمان لانیکے بعد تو کا فر ہو گیا۔ مگر عینیہ نے وہی جواب دیا کہ میں ایک آن کیلئے بھی مسلمان نہ ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنکر اسکی تصدیق فرمائی اور منزلہ مرتدین سے معافی دیکر ان کو

اس دنیا اسکے بعد غنیہ صدق دل سے مسلمان ہوئے تو ویسے ہی ہو گئے جیسے کہ دوسرے نوجوان مسلمان تھے اور بہت سے ایسے بھی تھے کہ گو اس وقت اپنے ارادہ اور اختیار سے اسلام لائے مگر ایمان اُن کے اندر راسخ اور متکون نہ ہوا تھا۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت کلام مجید میں ارشاد ہے **قَالَ لَا عَزَا**
اِمْتَاءَ قُلْ لَمْ تُوْمِنُوْا وَلٰكِنْ قَوْلُوْا اِسْلَمْنَا وَلٰكِنْ اِذَا خَلَا لَایْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ دَعُوْا بِلِیْسَ یٰۤاٰیْمَانُ لَیْسَ
کَمَدُوْکُمْ تَمَّ بَیْ اِیْمَانٍ نِّیْسَ لائے۔ بلکہ یوں کہو کہ ہم طبع ہو گئے۔ ابھی ایمان تمہارے دل میں جا کر نہیں ہوا۔

ان لوگوں کے اندر ایمان راسخ نہ ہونے پایا تھا۔ وہ اسلام کی برکات کا ذائقہ چکھنے نہ پائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ گردہ اول تو اسلام سے محض کور تھا اور گردہ ثانی راسخ الایمان نہ ہوئے تھے۔ انہیں جب ریاست و خود سری موجود تھی۔ اسلئے دونوں گردہ نہیں فوراً ایک تحریک پیدا ہو گئی اور ارتداد کی ایسی تندہ تیز ہوا چلی کہ اکثر قبائل اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ اسکے ساتھ ہی دعویٰ نبوت نے جلتی آگ پرتیل ڈال دیا۔ جبکہ جبکہ مدعیان نبوت کھڑے ہو گئے اور اُنکے حامی کار اور طرفداروں نے پھل ڈال دی اور جیسا کہ ابن الاثیر نے کہا ہے **تضرعت**
الاحراس فاسما (عرب کی زمین میں آگ لگ گئی) مسئلہ کذاب۔ اسود غسی طلیحہ اسدی نے مردوں میں سے اور سحاح نے عورتوں میں سے دعویٰ نبوت کیا اور انہیں سے ہر ایک کیساتھ متعدد قبائل عرب ہو گئے تھے جنہیں اکثر وہ تھے جو حقیقتہً مسلمان نہ ہوئے تھے اور بہت سے ایسے تھے جو مسلمان ہوئے تھے مگر ایمان راسخ نہ ہوا تھا جب جاہ و ریاست و سخوت انہیں موجود تھی۔ دوسرے کے بہکانیے ساتھ ہوئے عینیہ بن حصین نے جب تکے گرفتار ہو کر سیر میں آئے اور مسلمان نہ ہونیکے اقرار کا ذکر ہم ابھی اوپر کر چکے ہیں) قبیلہ اسد و غطفان کو علیہ کا ساتھ دینے اور اسکی نبوت کو تسلیم کرنے کے واسطے بایں الفاظ سمجھایا یعنی **من اهل الجلیفین** (یعنی اسد او غطفان) **احبلہ لیدنا من نبی من قریش** (اسد و غطفان کا نبی ہمارے نزدیک قریش کے نبی سے زیادہ محبوب ہے) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالکل صحیح تھا کہ ملک عرب میں بت پرستی سے شیطان بالکل باپس ہو چکا ہے میر تدین نے ایک دفعہ تو ملک بھر میں لچل ڈال دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سقر فر فرموا مال جہاں جہاں تھے اُن کو سخت وقت کا سامنا ہوا۔ مگر ارتداد کی جرّ مضبوط نہ تھی۔ بعض

باطنی اور حقیقی دشمنانِ اسلام کے ساتھ بہت سے ناواقف اور سادہ مزاج بھی شریک ہو گئے تھے مگر صحابہؓ کی سن تدبیر اور بروقت مستعدی اور پورے تدارک نے اس فتنہ کا اسی مُعرّت کیساتھ انسداد فرمایا جس صورت سے پھیلا تھا۔ مدعیانِ نبوت میں سوا سو دسی کا خاتمہ تو اپنی حیات ہی میں ہو گیا جس کو آپ کی وفات ہوئی اُس سے پہلے اسکی خبر مدینہ منورہ میں پہنچ گئی تھی۔ مسیلہ کذاب در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کینچہ دست میں حاضر ہوا تھا اور اُس نے بذریعہ خط کے آپ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ مجھے اپنا شریکِ حال بنالیا جائے اور نصف ملک کی حکومت میرے سپرد ہو اور نصف کی قریش کے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں تحریر فرمادیا تھا (الاجازۃ) رضی اللہ عنہما۔ یوسفؑ کا منہ لیشاع من عبادہ والعاقبۃ، للمتقین (تم زین کا ملک اللہ تعالیٰ ہی کے بندوں میں ہے جس کو چاہے) اور مبارک انجام تقیوں کیلئے ہو، مسیلہ جس غرض اور مطلب کی واسطے مدعی نبوت بنا تھا اسکا حال اسی خواہش سے ظاہر ہوتا ہے۔ مسیلہ کا فتنہ زیادہ بڑھا۔ اُس کے ساتھ گوج جمع کثیر تھا جس کے قبال اُس کے پیرو تھے۔ مگر اُسکی نبوت کا یقین نہ کیا گیا بہت کم تھے خود اسکا مؤذن اذانِ میت الفاظ کہتا تھا اشدھلات مسیلۃ نبی محمدؐ رسول اللہؐ کو گواہ دیتا ہوں کہ مسیلہ اپنے آپ کو خدا کا رسول بھتا رہی یہ اشارہ مسیلہ سے بھی خفی نہ رہا۔ ایک روز اذان سن کر کہنے لگا۔ افصلیٰ عجمی فمافلحی حجتہ خیر لے جبرئیل صاف اقرار کر کیونکہ اسی گول مول بات سے کچھ نفع نہیں، بہت لوگ مسیلہ کی حقیقت سے واقف تھے مگر اسکو بتاتے تھے۔ ایک شخص نہار الرجال نام مرید ہو کر اس کے یہاں پہنچا اور لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے سامنے کہا کہ مسیلہ کو میرا شریک رسالت میں بنایا گیا ہے۔

ایک دفعہ اسی شخص نے مسیلہ سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچوں کے سروں پر کرت کیلئے ہاتھ پھیرتے تھے اور تختیک (یعنی خرم چا کر تالوں میں گنا دینا) کرتے تھے۔ تم بھی ایسا کرو۔ کذاب کی کرت دیکھئے اُس نے ایسا کیا تو جس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ گنجا ہو گیا اور جس کو تختیک کی اسکی زبان میں حکمت پیدا ہو گئی۔ ایک عورت نے آکر کہا کہ ہمارے باغوں اور کنوؤں کیلئے دعا کرو کہ خوب پھل لانے لگیں اور اچھی طرح پانی دینے لگیں مسیلہ نے ہمارے بل کر پوچھا اُس نے کہا بیشک

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی اور کنوؤں میں پانی کی کٹی بھی کی تھی جس سے درخت اچھی طرح پھل لانے لگے تھے اور کنوؤں میں بکثرت پانی ہو گیا تھا۔ سبیلہ نے ایسا کیا تو درخت سٹوکھ گئے اور رہا سہا پانی بھی خشک ہو گیا۔

اُسکے اکثر متبعین بھی خوب جانتے تھے کہ کذاب ہرگز عصب قومی نے انکو ساتھ دینے پر مجبور کیا۔ چنانچہ طلحہ نمری نے سبیلہ سے پوچھا تو اُس نے اپنے اوپر وحی آنی کا حال بیان کیا کہ اندھیرے میں ایک شخص آکر مجھکو تلقین کرتا رہو طلحہ نے کہا کہ اشد اذک کاذب و اشد اصدق و کاذب کذاب ہے۔ ربيعة صاحب الدینا من صادق مضور رہ گیا ہوں کہ توجھو اے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ہیں مگر تم ربيعة کے جھوٹے کو ہم مضر کے صادق سے زیادہ پسند کرتے ہیں ایسے مدعی نبوت کا جو انجام ہونا چاہئے تھا دیہی ہوا۔

یہاں پر سبیلہ سے مسلمانوں کا ایک سخت مقابلہ ہوا جس میں مسلمان بھی بہت زیادہ شہید ہوئے اور اس کا اختتام سبیلہ کے قتل پر ہوا۔ یہاں کے معرکہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں ایک شخص برابر بن مالک تھے انکو لڑائی کے موقع پر کسی یہ بات پیش آئی تھی کہ تمام نہیں اس قدر لرزہ پیدا ہوتا تھا کہ لوگ اُن کو دبا کر بیٹھتے تھے اسکے بعد اُن کو پیشاب آتا تھا۔ پیشاب آئیے بعد شیر کی طرح جوش میں بھر جاتے تھے جب سبیلہ مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگ کر معہ اپنے لشکر کے قلعہ حدیقہ میں پناہ گزین ہوا تو برابر کو یہ کیفیت پیش آئی پیشاب کرنے کے بعد جوش میں بھر کر مسلمانوں سے کہا کہ مجھے دیوار پر چڑھا کر قلعہ کے اندر ڈال دو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے انہوں نے اصرار کیا اور قسم کھا بیٹھے تب مجبور ہو کر سب نے اُن کو دیوار پر چڑھا دیا اور وہ تنہا قلعہ کے اندر کود گئے اور بہت دیر لڑائی کے بعد قلعہ کا دروازہ کھول دیا مسلمان مظفر و منصو قلعہ میں داخل ہو گئے اور قلعہ کے اندر سبیلہ مقتول ہوا۔ بجز ان مرتدین کے جو کسی معرکہ میں قتل ہو گئے تھے اکثر لوگ کو اسلام کی کشش نے دوبارہ اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ بصدق دل مسلمان ہو کر آخرت کو اسلام اور مسلمانوں کے سچے جان نثار رہے۔

سبحان کا دعویٰ نبوت اور پھر مسلمان ہوجانا خود سری اور ہوس خام کا مرض اتنا بڑھا کہ عورتیں بھی دعویٰ نبوت

کڑیٹھیں۔ سجاح قبیلہ تمیم کی عورت تھی اپنی نانہال یعنی بنی تغلب میں رہتی تھی۔ دعویٰ نبوت کے بعد بڑی شان و شوکت اور آن بان کے ساتھ بہت سا لشکر لے ہوئے اپنی قوم یعنی بنی تمیم کی طرف آئی بنی تغلب عیسائی تھے اُن کا سردار ہذیل بن عمران اپنا مذہب چھوڑ کر بنی تغلب کو ساتھ لیکر سجاح کے ساتھ ہو گیا۔ بنی تمیم کی حالت خود بخود مخدوش تھی بہت سے اسلام پر چنگی سے قائم تھے اور بعض تذبذب میں تھے وہ آپس کے قصص میں مشغول تھے کہ سجال مدعی نبوت بن کر آئی۔ بنی تمیم کو سخت آفت کا سامنا ہو گیا۔ بعض نے تو سجاح کا ساتھ دیا اور بہت سے علیحدہ رہے سجاح کا قصد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لڑنے کا تھا لیکن اُس نے پہلے سبلہ سے نبٹ لینے کو مقدم سمجھ کر پیامہ کا قصد کیا۔ سبلہ کو سخت فکر ہوا کہ اگر سجاح کیساتھ لڑائی میں مشغول ہوا تو مسلمان پیامہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اس نے اُس نے ایک تدبیر سے سجاح کی کھٹیا مصالحت کی ٹھہرائی۔ اُس سے یہ کہا کہ نصف زمین ہمارے لئے تھی اور نصف قریش کیلئے۔ لیکن قریش نے بوجہ نا انصافی نصف پر قناعت نہ کی اب وہ نصف شکوہ سجاتی ہے اور اس کے بعد نکاح کا پیام دیدیا۔ سجاح رضامند ہو گئی۔ نکاح ہو گیا۔ سجاح کے متبعین کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ سبلہ نے تمہارے ہم میں منجملہ پانچ نازوں کے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ کیا تو سبلہ نے کہا کہ میں تمہارے ہم میں منجملہ پانچ نازوں کے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کی تھیں و نمازیں صبح اور عشا کی معاف کرنا ہوں۔

یہ ان جھوٹے مدعیان نبوت کی حقیقت تھی سجاح کے ساتھی بھی خوب سمجھ گئے وہ سخت پشیمان تھے اُن کا بڑا سردار عطار دہن حاجب نہایت پشیمانی میں کہتا ہے۔ شعر

امست نبیبتنا انتی نطوف بها واصبحت انبیاء الناس فکرا

اور لوگوں کے نبی تو رہیں مگر ہمارا نبی ایک عورت ہے جس کو ہم نے پھرتے ہیں۔

لیکن یا ایک فوری جوش تھا جس کے اندر نادانستگی سے لوگ سجاح کے ساتھ ہو گئے تھے تھوڑے دنوں میں سب منتشر ہو گئے اور سجاح اپنی نانہال بنی تغلب میں جا کر مقیم ہو گئی اور ایک عرصہ کے بعد سچی اور پاک مسلمان ہو گئی۔

طلیحہ اسدی کا دعویٰ نبوت
اور پھر سلمان ہونا۔

طلیحہ اسدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں دعویٰ نبوت
کیا تھا۔ آپ نے ضرار بن لازور کو بنی اسد پر عامل مقرر فرما کر بھیجا

اور مرتدین کی فہمائش و مقابلہ کا کام بھی اُن کے سپرد فرمایا۔ حضرت ضرار کے وہاں پہنچتے ہی مدینہ
کا قصہ درہم برہم ہو گیا۔ طلیحہ تنہا رہ گیا۔ اس کو پکر کر قتل کرنا چاہا مگر اتفاقاً تلوار کا رگر نہ ہوئی۔ لوگوں
میں شہرت ہو گئی کہ اُس پر کوئی ہتھیاراثر نہیں کرتا۔ اس خیال کی شہرت ہونے پر طلیحہ کے متبعین
کی جمعیت پھر زیادہ بڑھ گئی۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا واقعہ پیش آیا
بہت عرب قومی عصبیت میں اُسکے ساتھی ہو گئے۔ طلیحہ مفتی عبارتیں بنا کر لوگوں کو سناتا اور کہتا تھا
کہ جب نبیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس وحی لاتے ہیں۔ اُس نے منجہ احکام کے نازکے اندر سے سجدہ
موقوف کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اللہ کو تمہارے چہروں کے خاک آلودہ ہونے اور دمے گرنے سے
کیا فائدہ۔ طلیحہ کو اپنی قوت پر یہاں تک بھروسہ ہوا کہ اپنے لشکر کے دو حصے کر کے ایک حصہ پر اپنے
بھائی کو جس کا نام جبال تھا سوار بنایا اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا حکم دیا۔ جبال نے مدینہ منورہ
کا قصد کیا اور اپنے قاصدوں کو پیام دیکر حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں بھیجا۔ قاصدوں
نے اکر بیان کیا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی جمعیت کم ہے۔ اس پر اُن کی ہمت بڑھ گئی۔ رات کو ڈاکہ
مارا مگر مٹائیے گئے اور دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنفس نفیس لشکر کو باقاعدہ
میسرہ و میسرہ و ساقہ سے مرتب کر کے تشریف لیگئے اور اچانک اُن پر حملہ کر کے شکست دی اور اس کے
بعد طلیحہ کے مقابلہ کیلئے حضرت خالد بن الولید کو مامور فرمایا مقام مراحہ پر سخت مقابلہ ہوا عینہ
بن حصن بھی سات سواروں سمیت طلیحہ کے ساتھ تھا۔ اس سخت معرکہ کی وقت عینہ بار بار طلیحہ کے
پاس آکر پوچھتا تھا کہ آیا لڑائی یافتہ و شکست کے بارہ میں کوئی وحی آئی۔ وہ ہر دفعہ کہتا تھا کہ نہیں
آخر ایک دفعہ آکر پوچھا تو اُس نے کہا کہ ہاں آئی ہے۔ اور ایک مفتی فقرہ جس کا مطلب مقصود کچھ
واضح نہ تھا۔ سنا دیا عینہ سمجھ گیا اُس نے اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا انصر فوا یا بنی فزائرا
فائدہ کن اب (اے بنی فزاعہ لوٹ چلو۔ یہ بالکل جھوٹا ہے) ان کا لوٹنا تھا کہ لوگوں میں بھگی پڑ گئی اور مدعی

نبوت تنہا رہ گئے اُس نے بھی پہلے سے اس وقت کی واسطے سواری تیار کر رکھی تھی۔ سوار ہوتے ہی شام کی طرف بھاگ گیا اور اسکی نبوت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

لیکن ان سب حالات کے بعد طلحہ مسلمان ہو گئے مسلمان ہونیکے بعد عمرہ کر نیکیے لیئے مکہ معظمہ آئے اور مدینہ منورہ کے قریب کو گذر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ طلحہ مدینہ کے قریب جا رہے ہیں آپ نے جواب دیا کہ پھر کیا کروں وہ تو مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی حضرت عمرؓ نے فرمایا تم عکاشہ اور ثابت کے قاتل ہو دید و نوں جلیل القادہ صحابی طلحہ کے مقابل میں شہید ہوئے تھے۔ تم مجھے محبوب نہیں ہو سکتے طلحہ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین آپ کو ایسے دو شخصوں کا کیا رنج ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے درجہ شہادت تک پہنچایا۔ اور مجھے ان کے ہاتھ سے ذلیل نہیں کیا کہ میں حالت کفر پر رہتا۔

عمر بن معدی کرب بھی عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں تھے۔ یہ بھی مرتد ہو کر پھر مسلمان ہوئے۔

طلحہ اور عمر بن معدی کرب نے مرتد ہو کر مسلمان ہونیکے بعد اسلام میں جو نمایاں خدمات کی ہیں تاریخیں ان سے معمور ہیں۔ عراق کی فتوحات میں یہ دونوں صاحب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لشکریں تھے۔

قادسیہ کا معرکہ جواہل اسلام اور فارس میں ہوا منجملہ ان واقعات کے ہے جس نے زمانہ کے صفحات پر مسلمانوں کے اوصاف حمیدہ اور اسلامی اخلاق کو جلی حروف میں لکھ دیا اس معرکہ میں طلحہ اور عمر بن معدی کرب نے بہت زیادہ حصہ لیا۔ معرکہ قادسیہ میں تین دن متواتر نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ تین دن یوم اسات، یوم اغوات، یوم عباس کے نام سے موسوم ہیں۔

قادسیہ کو ف کے قریب ایک شہر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا دیاں گندہ ہوا تو ایک بڑھیا نے اُن کا سر روک پڑے دھوکہ صاف کئے جو سفر کی وجہ سے سید ہو گئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ قد صدت من ارضی و خدا اس زمین کو پاک کرے اُسی وقت سے قادسیہ نام مشہور ہو گیا۔ ۱۲

ان تینوں دنوں میں دونوں نے بڑے شاندار کام کئے لیکن ان تین دن کی لڑائی کے بعد جو بہت زیادہ سخت رات آئی جسکو "لیلۃ الہریر" کہتے ہیں جس کی صبح کو فارس کا سپہ سالار اعظم ستم مقتول ہوا اور مسلمانوں کو کامل فتح نصیب ہوئی۔ اس رات میں ان دنوں کو حضرت ستم خاص موقع پر بھیجا تھا کہ ادھر سے دشمن مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکیں لیکن انہوں نے حفاظت ہی پر قناعت نہ کی بلکہ ستماتہا ہر ایک نے ایک ایک جانب سے اہل فارس پر حملہ کیا جس کو مسلمان تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے۔

طلیحہ اور عمرو کی دونوں حالتوں کا موازنہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دن سے مسلمان نہوئے تھے، دوسرا کہ ہم عینیہ جہنم کا مقولہ اور نقل کر چکے ہیں، یا اسلام کے واقعے سے واقف نہوئے تھے۔ اور اسلام ان کے اندر راسخ نہ ہوا تھا۔ لیکن جب ایمان راسخ ہو گیا تو صدق و اخلاص کے ہی آثار ان سے ظاہر ہوئے جو نیچے اور سچے مسلمانوں سے جوئے چاہئیں۔ قادیہ کے مشہور معرکہ کا ذکر آگیا تو ایک ایسے واقعہ کا ذکر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے مسلمانوں کی اخلاقی جرأت صدق نیت اخلاص اور کمال ایمانی کا ثبوت ملتا ہے۔

اس سخت معرکہ کی بوقت اتفاق سے سپہ سالار اعظم حضرت سعد بن ابی قاص کو ایسی سخت تکلیف تھی کہ سیدھے بیٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ بلکہ سینے کے نیچے تکیہ لگا کر اس کے اوپر بیٹھے ہوتے تھے۔ اس معذوری کی وجہ سے نہ گھوڑے پر سوار ہو سکے نہ میدان کا رزار میں تشریف لیج سکیں۔ افسران فوج کو لڑائی کے متعلق نہیں سے ہدایتیں فرماتے تھے کسی کو اس معذوری کا حال تو معلوم نہ تھا لشکر میں اس کا چرچا ہوا اور حضرت ستم کی جانب سے ایک قسم کی بظنی پھیل گئی یہاں تک کہ زبانوں پر آگیا۔ معرکہ کے پہلے دن یوم ارمات میں واپس ہونیکے وقت ایک مسلمان نے نہایت جرأت کیا تھا اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے

وَسَعْدٌ بِبَابِ الْقَادِسِيَّةِ مَعْصَمٌ

نُقَاتِلْ حَتَّىٰ اَمْنُكَ لِلّٰهِ نَصْرُهُ

لے جو کہ معذوری اور تکلیف کی وجہ سے لوگوں کو بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اسلئے اس نے ات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ۱۲

ہم لڑتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ امداد نازل فرماتا ہے
 خائبا وقد امنت نساء کثیرۃ
 مگر سعد قادیسیہ کے دروازہ پر پناہ میں ہیں
 وسوء سعد لیس فیہن ایہم
 ہم تاسعائیں لڑتے کہ بہت مٹی تین یہ ہو گئی تھیں
 لیکن سعد کی عورتوں میں ایک بھی بیوہ نہ تھی
 یہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی جرأت تھی جو اسلامی تعلیم کا نتیجہ تھا قائل کے مقبول اور بااخلاص ہونے
 میں کوئی کلام نہیں مگر اول تو ان کا یہ کہنا بوجہ لاعلمی تھا۔ اوہ سپہ سالار عظیم کی نسبت حق گوئی کرنے
 میں ایک قسم کے حفظ نفس کو بھی دخل ہونا ممکن تھا اور جتنا کوئی اعلیٰ درجہ کا مقبول ہوتا ہے اسکی
 ادنیٰ لغزش بھی قابل گرفت ہوتی ہے۔

حضرت سعد معمولی درجہ کے شخص نہ تھے آپ عشرہ مبشرہ میں سے ایک فرد اور اس پاک
 افراد میں سے تھے جن پر مسلمانوں کا ناز کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ان اشعار کی اطلاع پہنچی۔ تو
 فرمایا اللھمان کان ہذا کاذبا وقال الذی قال۔ سرباء وسمعة فاقطع عنی سائہ
 رالی اگر اُس نے غلط کہا ہے در نام آوری و شہرت کی غرض سے کہا ہے تو اس کی زبان بند کر دے، حضرت سعد
 کی دعا مقبول ہوئی۔ یہ شخص صنف میں کھڑے ہوئے تھے کہ ایک تیریدہ حائمنہ میں اگر لگا جس سے
 زبان بھی بند ہو گئی اور شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بوجہ قبولیت اُن کو درجہ شہادت سے سرفراز
 فرمایا اور حضرت کی دعا حقیقت اور ظاہر صورت دونوں طور سے قبول فرمائی۔

اہل بحرین کا مرتد ہونا مسلمانوں | منذر بن سادی جو کسریٰ کی طرف سے بحرین کے حاکم تھے اُن کے
 کی غیبی تائید کا عجیب واقعہ | مسلمان ہو جانے کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ جبار و دین معلیٰ بحرین کے
 ایک مقتدر رئیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احکام اسلام خوب
 سمجھ کر واپس ہوئے اور اپنے قبیلہ عبد القیس کو تعلیم احکام اسلام دینے میں مشغول ہوئے
 اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حادثہ درپیش آگیا۔ منذر بن سادی بھی بیمار
 تھے اُن کا انتقال بھی کچھ ہی دنوں بعد ہو گیا۔ اور اہل بحرین میں مرتد ہونے کی مہی ہو جو قبائل عرب
 میں چل ہی تھی اتر گئی۔ بحرین کے دوزبردست قبیلوں میں سے بنی بکر مرتد ہو گئے اور انہوں نے

نعمان بن المنذر کی قدیم سلطنت کو دوبارہ قائم کر کے منذر بن النعمان کو جس کا لقب غرور تھا۔ بادشاہ بنانا چاہا۔ قبیلہ عبد القیس میں تھے انکو یہ خیال تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو انکی وفات نہوتی۔ جارد بن علی نے ان لوگوں کو جمع کر کے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے تھے سب نے کہا بھیجے تھے۔ جارد نے کہا پھر وہ کہاں گئے؟ سب نے کہا وفات پا گئے۔ جارد نے کہا کہ بس تو انکی بھی وفات ہو گئی جس طرح اور انبیاء کی ہوئی تھی۔ وانا انہم سلان لا الا للہ وان محمدًا رسول اللہ۔ جارد کی اس تقریر کے بعد قبیلہ عبد القیس تو اسلام پر سخت پیکی سے قائم ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ غلط فہمی کو رفع کر دینا آسان ہی لیکن تعصب اور ہٹ دھرمی کا علاج زبان سے نہیں ہو سکتا۔

قبیلہ بنی بکر نے مرتد ہو کر سب لماعوں کو جو بحرین میں تھے محصور کر لیا۔ اس سخت محاصرے اور بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کی حالت میں عبد اللہ بن عذف نے ان اشعاع کے ذریعہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریاد بھیجی۔

الا ابلاغ ابا بکر رسولاً	وفتیان المدینۃ اجمعینا
ابو بکرؓ کو ہمارا پیام پہنچادو	اور مدینہ کے تمام بہادر نوجوانوں کو
فہل لکم الی قوم کرام	قعودا فی جوائنا محصرین
کہ تمہیں ایسے شریف لوگوں کی امداد کا خیال ہے؟	جو جو انہیں محصور ہوئے بیٹھے ہیں۔
توکلنا علی الرحمن انا	وجہلنا النصر لامتو کلینا
ہم تو اپنے خدا پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں	کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ امداد غیبی تو کلہو کلہو

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے علامہ بن الحضری کو اہل بحرین کے مقابلہ اور مسلمانوں کے چھڑنے کی واسطے مامور فرمایا۔ انکو بہت سے قبائل جو مرتد ہو گئے تھے اکڑے اور ساتھ ہو لئے۔ علامہ اس جمعیت کیساتھ رات کو ایک میدان میں اترے قافلہ پوری طرح اترنے بھی نہ پایا تھا۔ انٹوں سے اسباب اور

پانی کے شکیں اُٹے بھی نہ تھے کہ دفعۃً اونٹوں میں ایسی وحشت پیدا ہوئی کہ جسکی وجہ سے سب کے سب بھاگ گئے اور کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے مسلمان پریشان رہ گئے۔ کوئی سامان پاس نہ تھا دُور دُور تک پانی کا پتہ نہ تھا۔ سب کو بھوک پیاس سے اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ یہ اندیشہ علاوہ سب تھا کہ ایسی حالت مجبوری میں دشمن آپہنچے تو کچھ بھی نہ کر سکیں گے مسلمانوں پر غم و فکر کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اُن کو اپنی ہلاکت سے زیادہ اسلام کو ضعف پہنچنے کا اندیشہ اور رنج تھا حضرت علامہ نے مسلمانوں کو اس غم و فکر کجیالت میں دیکھ کر فرمایا۔ تم لوگ اتنے پریشان اور تائب غیبی سے مایوس کیوں ہو لوگوں نے کہا کہ ہماری پریشانی کی وجہ ظاہر ہے۔ کل کو دھوپ تیز ہو گئی کہ ہم ہلاک ہو جائیں گے حضرت علامہ نے فرمایا کہ قسم ہے خدا تعالیٰ کی تم ہلاک نہیں ہو سکتے تم مسلمان ہو۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں دین کی امداد کے لئے نکلے ہو تم بالکل مطمئن رہو۔ صبح کی نماز پڑھ کر حضرت علامہ نے سب کے ساتھ بلکہ دعا کی۔ دعا سنی فارغ ہوئے ہی تھے کہ قریب ہی پانی چمکتا ہوا نظر آیا سب نے خوش خوش خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے خوب پانی پیا اور جو برتن پاس تھے سب کو بھر لیا۔ اور ابھی دن چڑھنے نہ پایا تھا کہ بھاگے ہوئے اونٹ بھی سب کے سب اسبابِ موجود ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے یہ کرشمہ تائیدِ آسمانی دکھا کر مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ اپنے دین کی اشاعت و استحکام تم خود کرتے ہیں۔ تمہاری تدابیر و جفا کشی پر کوئی امر موقوف نہیں ہو تمکو تمہاری سعی و اخلاص کا ثواب دینا منظور ہے اور یہ بھی اُن کو بتلادیا کہ اگر تم سچے دل سے اسلام کی خدمت گزاری کرو گے تو تائیدِ غیبی تمہارے ساتھ رہے گی۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَتُخْرِجْ اَقْلَامَكُمْ رَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی کی تائید میں کھڑے ہو گئے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمکو ثابت قدمی عطا فرمائے گا

حضرت ابو ہریرہؓ بھی اس لشکر میں تھے انہوں نے پانی کا برتن بھر کر اُس جگہ رکھ دیا اور یہاں سے روانہ ہو نیلے بعد منجانب بنِ اشد سے کہا کہ تم اُس جگہ کو جانتے ہو۔ جہاں پانی تھا انہوں نے کہا کہ خوب جانتا ہوں جا کر دیکھا تو وہ برتن پانی کا بھرا ہوا رکھا تھا۔ منجانب نے کہا آج سے پہلے اس موقع پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے اس منجانب سے برتن بھر کر رکھ دیا تھا کہ اس کو اگر دیکھوں گا۔ اگر یہ پانی کی جگہ ہے یا کوئی چشمہ ہے تو معلوم ہو جائیگا اور اگر خدا کی طرف سے تائید ہو

اور جس طرح من و سلوی بنی اسرائیل پر آسمان سے نازل ہوئی تھی ہمارے لئے بھی من ہی تو معلوم ہو جائیگا۔ اب معلوم ہو گیا کہ یہ من تھا اور خدا تعالیٰ نے غیر سے امداد فرمائی ہی۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔ مالک بن نویرہ کا مرتد

مالک بن نویرہ نے بھی سبوح کی موافقت کی تھی مگر ساتھ ہی اسکو اس سرور کا تھا کہ مدینہ منورہ پر چڑھ کر جلسے یا مسلمانوں سے مقابلہ کرے، جب سبوح کی نبوت کا ہو کر مسلمان ہونا

خانہ ہو گیا اور وہ اپنی ناہمال بنی تغلب میں بھاگ کر چلی گئی تو مالک بھی اپنی حرکت پر سخت پشیمان اور نادم تھے۔ وہ حیران تھے کہ کیا کریں۔ اور دھڑکتے اور اسامعہ جنہوں نے سبوح کا ساتھ دیا تھا اپنے فضل پر نادم تھے۔ یہ دونوں اپنی قوم کے صدقات جمع کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لگے اور اطاعت قبول کر لی۔ مالک بن نویرہ نے اپنی قوم بنی یربوع سے کہا کہ ہم کو پہلے ہی اطاعت کی طرف بلایا گیا تھا مگر ہم نے دیر کی جس کا نتیجہ ہمارے لئے اچھا نہوا۔ اب تم نے اور ہم نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمانوں کے کام بغیر ظاہری تدبیر اور انتظام کے درست ہوتے جلتے ہیں اور تائب غیبی ان کے شامل حال ہی۔ یہی قوم سے عداوت مقابلہ کرنا جن کے کام خدا تعالیٰ کی تائید سے چلتے ہیں عقل کا کام نہیں ہے۔ یہ بات سب کے ذہن نشین ہو گئی۔ لیکن ابھی ان لوگوں نے حضرت خالد کی خدمت میں اظہار اطاعت نہ کیا تھا کہ حضرت خالد کالٹ کر گیا اور مالک بن نویرہ اور ان کے ہمراہیوں کو پکڑ لئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ حکم دیا تھا کہ جس جگہ لشکر اسلام پہنچے اذان دیں۔ اگر وہاں کے لوگوں نے اذان دی تو ان سے درگزر کریں۔ مالک بن نویرہ پکڑے ہوئے آئے تو اس بارہ میں اختلاف ہوا کہ انہوں نے اذان دی اور نماز پڑھی یا نہیں۔ بعض نے انکار کیا۔ اور حضرت ابو قتادہؓ نے شہادت دی کہ ان لوگوں نے اذان دی اور نماز پڑھی۔ مگر چونکہ اختلاف تھا حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ انکو بالفعل نظر بند کر دیا جائے۔ رات کو سڑی زیادہ تھی حضرت خالدؓ نے منادی کرادی۔

۱۰ افتوا اسلام کہ اپنے قیدیوں کو سڑی سے بچاؤ بعض قابل کی زبان میں اس لفظ کے معنی قتل کر دینے کے تھے۔ لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ قتل کا حکم دیا گیا۔ قیدیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ مالک بن نویرہ بھی مقتول ہو گئے حضرت خالدؓ آواز سن کر تشریف لائے۔ تو ان کا کام تمام ہو چکا تھا۔

دیکھ کر فرمایا اذ اسرا د الله اہل اصحابہ (جو اللہ چاہتا ہی ہو کر رہتا ہی)۔

مالک بن نویرہ بے شبہ مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر ایک غلط فہمی سے مقتول ہوئے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ حضرت خالدؓ سے ناخوش ہوئے اور گو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کی معذرت قبول فرمائی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ہمیشہ کھٹکتی رہی۔

یہ چند واقعات بعض قبائل عرب کے مرتد ہونے اور مرتدین کے انجام کے متعلق ہیں مختصر طور پر بیان کئے ہیں۔ ہماری غرض ان واقعات اور ان کے انجام کو اس موقع پر بیان کرنے سے یہ تھی کہ شاید کو تاہ عقل یا ہٹ مہم نادان مرتد ہونیکے واقعات کو دیکھ کر یہ کہے کہ اگر قبائل عرب بزور مسلمان نہیں بنائے گئے تھے تو ان کے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتد ہونے کی کیا وجہ تھی۔ ہم مرتد ہونیکے اسباب کو بالا جمال اوپر بیان کر دیا ہی۔ لیکن اب ہم پھر ذرا تفصیل سے ان کو دہرانا چاہتے ہیں۔

ان لوگوں کے مرتد ہونیکے وجہ یہ نہ تھی کہ وہ بزور مسلمان بنائے گئے تھے اور موقع پاکر اصلی حالت پر رجوع کر گئے۔ بلکہ اُسکے اصلی اسباب یہ تھے۔ عرب کی اصل فطرت میں اطاعت و انقیاد کا مادہ بہت کم تھا اور پھر صدیوں کی آزادی اور خانہ جنگیوں نے ان میں ریاست اور حکومت کا مضمون استغریز پیدا کیا تھا کہ ہر قبیلہ کا امیر جس کو سچائے خود بادشاہ کہنا چاہئے علیحدہ ہوتا تھا۔ یہی آزادی تھی جس نے ایسے بے سروسامان ملک کو کسریٰ جیسے عظیم الشان بادشاہ سے آمادہ کار زار بنا دیا اور کسریٰ باوجود اس ساز و سامان کے عہدہ برآنہو سکا۔ اس حب ریاست اور خیال خام سلطنت کی وجہ سے بہتوں کو باوجود اس امر کے یقین کے کہ آپؐ سچے نبی ہیں ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام لانے سے وکا۔ جیسا کہ ہم مسئلہ کا حال ابھی بیان کر چکے ہیں۔ نبی حنیفہ اتنی ہی قوم تھی کہ اس میں لاکھوں بہادر جنگجو نیر و آرزو موجود تھے۔ مسئلہ کو سلطنت کا خطہ سمایا اور اس نے اقل اپنی حماقت سے یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طالب ریاست و سلطنت ہونگے اسی بات پر صلح کر لینی چاہئے کہ ہم اور آپؐ ملکر ساری دنیا کو فتح کریں اور نصف ملک قریش کے

جھٹے میں آجائے اور نصف ہمارے لیکن یہاں تو دین حق کی تبلیغ منظور تھی اسکو عاف جواب دیدیا گیا۔
 باذان عامل کسریٰ جس کے مسلمان ہونیکا مفصل حال بیان ہو چکا ہے، اور اہل یمن کے
 مسلمان ہونیکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کو کل یمن کا امیر و عامل مقرر فرمادیا۔
 اور باذان کے انتقال کے بعد یمن کے مختلف حصوں پر مختلف نائب اور امیر مقرر فرمائے اور
 حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سب عالموں کے اوپر نگران مقرر فرمادیا۔ اسود غسی حبکا حال ہم اوپر
 بیان کر چکے ہیں اسکے دماغ میں حکومت کا خطا سایا اور اُس نے دعویٰ نبوت کر کے شعبد باذان
 کے ذریعے لوگوں کو گرویدہ کر کے عالمان یمن کے مقابلہ کو تیار ہو گیا۔ سیملاہ اور اسود و ذول
 کسی حال اور کسی طرز سے بھی دائرہ اسلام میں دخل نہوئے تھے۔ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی حیات ہی میں دعویٰ کیا تھا۔

مدینہ منورہ منافقوں کے وجود سے بالکل پاک نہوا تھا ان میں کے کچھ آدمی اور اُن کے
 خیالات باقی تھے۔ وہ ہر وقت مسلمانوں کی ایذا دہی اور نیچائی کیلئے آمادہ تھے۔ اسلام کے بے
 بڑے مخالف اور دشمن یہود تھے۔ اُن کی جڑ ابھی موجود تھی۔ عیسائیت کے رگ ویشے ملک عرب
 میں پھیلے ہوئے تھے۔ عیسائیت کو قیصر کی عظیم شان سلطنت سے تقویت حاصل تھی
 اسلئے اس کا اثر عرب و اہل عرب پر زیادہ تھا خود عرب کے بہت سے قبائل عیسائی بن چکے تھے۔
 عرب کے بہت سے قبائل نے خوشی اور رضا سے اسلام قبول کیا تھا۔ مگر وہ اسلام کی
 خوبیوں اور برکات سے واقف نہونے پائے تھے اور یہ لوگ تھے جن کو حاضری دربار رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اور فیض صحبت اُنھانکی نوبت نہ آئی تھی جبکہ دور ہی بیٹھے حلقہ انقیاد میں داخل
 ہوئے تھے۔ بعض لوگ نمرہ اہل اسلام میں کسی مصلحت سے داخل ہوئے تھے مگر حقیقتہً مسلمان نہ
 ہوئے تھے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ کوئی شخص کسی طریقہ کو پسند کر نیکیے بعد پھوڑ دیتا ہے تو ناواقف و غیر
 اُس شخص کا قول دربارہ عیب جوئی زیادہ با وقعت ہوتا ہے اور اکثر مواقع پر خیالات کو
 سست اور ضعیف کرنے اور موافقوں کو توڑنے کی واسطے یہ تدبیر کی جاتی ہے یہی وہ

زبردست چال تھی جو یہود نے سب طرف سے مایوس ہو کر مسلمانوں کو تذبذب کرنے کیواسطے اختیار کیا تھی اپنے لوگوں میں سے بعض سے یہ کہا کہ تم مسلمان ہو کر پھر جاؤ بعض عام مسلمان بھی تذبذب میں پڑ جاویں گے۔ اس تدبیر کا کلام مجید کی ان آیات میں ذکر فرمایا ہے وَقَالَتْ طَافُتُ مِنْكُمْ ۝ اهل الكتاب! منوا بالذي اُنزل على الذين امنوا وجه الله ثم اَكْفَرُوا ۝ اخر ۵ لعنهم يرحعون ۝ رابل کتاب کی ایک جماعت نے آپس میں کہا کہ تم مسلمانوں کے مذہب اور قرآن پر صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو اُس سے پھر جاؤ۔ اس تدبیر سے شاید مسلمان بھی اپنے مذہب سے پھر جائیں۔

یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ حیلہ ساز اور ابلہ فریب و دست نما دشمنوں کے ان خواہے بہت سے بھولے بھالے بھی دگنگا جاتے ہیں۔ عرب میں مصیبت اور حمایت کا مادہ موجود تھا ان مدعیانِ ایت اور دشمنانِ اسلام کا جادو چل گیا اور اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی میں ایک قسم کی رُکاوٹ پیدا ہو گیا سامان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں چاروں طرف سے دشمنوں نے ٹھہرا لیا لیکن وفات کے بعد تو مسلمانوں کو سخت دقت پیش آگئی اور مسلمان دشمنوں کی کثرت اور اپنی قوت کو دیکھ کر سخت پریشان تھے لیکن فی الحقیقت اسلام کا قدم مضبوطی سے جم چکا تھا اُس نے لاکھوں دلوں پر اس طرح سکہ جما لیا تھا کہ وہ کسی حال میں متزلزل نہ ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ الیوم اکملت لکم دینکم ۝ آج مجھے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے سچا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ”شیطان ملک عرب میں بت پرستی سے بالکل مایوس ہو چکا ہے“ صحیح تھا۔ مخالفت اور عداوت کی جڑ مضبوط نہ تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے استقلالِ حین تدبیر۔ توکل اور اخلاص اور اعتماد علی اللہ نے سب کی ہمتوں کو بلند اور ارادوں کو چست کر دیا بعض صحابہ کے قلوب میں جو پریشانی تھی اُس کو زائل کر دیا۔

اکثر صحابہ کا یہ خیال تھا کہ اگر قبائل عرب مدعی اسلام ہو کر زکوٰۃ دینے سے انکار کریں تو ہم اُن سے لڑائی نہ کریں ہم اپنی جان کی حفاظت یا مخالفانِ اسلام کی مدفعت کیلئے لڑائی کے قصے میں مبتلا نہ ہوں بلکہ صبر کئے ہوئے بیٹھے رہیں اور اللہ کی عبادت میں زندگی کئے پورے کر دیں

بیشک صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی قلبی کیفیت یہی تھی۔ اُن کا دل محبت خداوندی سے
استقرار پزیر اور کسی کی محبت اور عداوت اور تمام اخلاق ذمیرہ سے ایسا پاک و صاف تھا کہ وہ
ایک آن بھی کسی دوسرے شخص میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر یہ وقت تھا جس میں حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا حق تعالیٰ کو اظہار منظور تھا۔ آپ سمجھ چکے تھے کہ اس وقت
ہمارا مدافعت نہ کرنا اور سکوت کر کے اپنے حال پر بیٹھ رہنا اسلام کے نیست و نابود ہو کر کا پیش
خیمہ ہی قانون عقل اور واقعات عام کی بنا پر یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ مسلمان اس فتنہ کے زمانہ میں
خاموش بیٹھ کر ہرگز اپنی ہستی اور اسلام کے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً اُس کے تدارک کی تدبیریں فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ جو لوگ
زکوٰۃ دینے سے انکار کر نیگے میں اُن سے بھی مقابلہ کر دینگا۔ صحابہ نے نہایت ادب سے اپنے وجہ تعظیم
خلیفہ اور امیر المؤمنین کا حکم مانا اور جس سرعت سے یہ فتنہ پھیلا تھا اُسی سرعت سے دبا دیا گیا۔ اسلام کی اسی
حالت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی انہیں تملیہ کی طرف اشارہ کر کے حضرت ابن مسعود رضی اللہ
عنه فرماتے تھے لقد قمنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً ما کانا نأملک فیہ
لولا ان اللہ اعاننا بائی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم پر ایسا وقت آگیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ
ابوبکر سے ہماری مدد نہ فرماتا تو ہم بالکل غارت ہو جاتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد و عمل سے ہر کو اس نتیجہ پر پہنچا دشوار نہیں ہو کہ دین
کے معاملہ میں مداخلت کرنیئے اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور یہ کہ اسلام کے کسی رکن کا انکار
کر نیکاً اثر بھی وہی ہوتا ہے جو کل ارکان کے انکار کا اور یہ کہ اگر کوئی قوم متفق ہو کر کسی رکن کو چھوڑ دے
تو اہم وقت کو فہمائش کیلئے اُن سے مقابلہ کرنا چاہئے۔

اس واقعہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے
زمانہ خلافت میں وقفہ فوقتاً پیش آئے ایک نہایت اہم فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ رحمدلی اور نرمی استقلال
رہنے چنگنی اور صلابت دینی کے منافی نہیں ہے۔ امور دینی کے بارہا میں سختی اور شدت جسکو ہم تصلب

فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں۔ نرمی۔ رحمہلی۔ فروتنی۔ خاکساری اور صلحت اندیشی کی ضد نہیں۔ ایک کامل مکمل شخص میں دونوں قسم کے اوصاف بدرجہ کمال جمع ہو سکتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہویں ارشاد ہے اسرحہ اُمتی بامتی ابو بکر میری اُمت پرست زیادہ مہربان ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں لیکن باوجود اسقدر رحم دلی اور نرم خوئی کے وہ معاملات دینی میں ایسے سخت اور پختہ رائے ہیں کہ تمام صحابہ ایک جانب ملکر کوئی رائے قائم فرماتے ہیں اور خلیفہ اول تنہا سب کی مخالفت پر تلے ہوئے کسی قسم کی ممانعت اور ظاہر بھی مصلحت اندیشی کو دخل دینا گوارا نہیں فرماتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند روز قبل حضرت اسامہ بن زید کو ایک لشکر کا سردار بنا کر روانگی کا حکم دیا۔ انہوں نے تیار ہو کر شہر سے باہر ڈیرہ ڈال دیا۔ مگر انکی علالت شروع ہو جانے کی وجہ سے روانگی کو ملتوی رکھا اور اسی اثنا میں وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حادثہ عظیم پیش آگیا اور فوراً عرب میں چاروں طرف اختلاف کی آگ بھڑک اُٹھی۔ تمام صحابہ کی رائے متفق تھی کہ ایسے وقت جبکہ مسلمان نہایت پریشان اور بے مرسا مان ہیں چاروں طرف کی مخالفت کے اندر گھرے ہوئے ہیں سب لشکر کا جیس جلیل القدر صحابہ مہاجرین انصاریں مینہ منورہ سے دور چلے جانا دور اندیشی کی خلاف ورزی اور خاص اہل مدینہ کیلئے نہایت خوفناک صورت ہو۔ خود حضرت اسامہ کی بھی رائے تھی کہ منتخب اور بڑے درجے کے مسلمان میرے ساتھ ہیں میں مطمئن نہیں ہوں کہ اس لشکر کی روانگی کے بعد خلیفہ اور امت المؤمنین اور مسلمانوں کے اہل و عیال کو کن فقتوں کا سامنا ہو۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے خود جا کر اسے لشکر اور مسلمانوں کے خیال کا اظہار کیا۔ مگر خلیفہ اول نے ایک نئے سنی اور فرمایا ابو حطفہ تخی کلاب واللہ باب لا تغلقہ کما امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا امر قضائاً قضی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولہ یبق فی ہذہ القریۃ غیری لا نفذ قہ داگر کئے اور میرے بھی جھکے اچکے ایچائیں تب بھی اس لشکر کو روانہ کرونگا اور جو فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اسکو رو نہ کرونگا اور اگر ان بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نہیں ہے تب بھی اس لشکر کو روانہ کرونگا، آخر حضرت اسامہ تشریف لے گئے اور خلیفہ اول کا یہ غم و استغمال تدبیر ظاہری کی صورت میں ظاہر ہو کر مخالفت کے بڑے حصہ کو دبانے کی واسطے

کافی ہو گیا۔ بہت سے لوگ سمجھ کر کہ اگر مسلمانوں کے پاس کافی قوت اور بڑی جمعیت نہوتی تو ان کا اتنا بڑا لشکر دار انخلافت کو غیر محفوظ چھوڑ کر نہ نکلتا۔ مخالفت سے رک گئے۔

بہت سے صحابہ حضرت اُسامہ کی نوعمری کو دیکھ کر یہ خیال کرتے تھے کہ ایسے بڑے لشکر کی سرداری جس میں خود حضرت عمرؓ کے درجہ کے صحابہ داخل تھے کسی معمر اور تجربہ کار کے سپرد کی جائے تو اچھا ہی حضرت عمرؓ نے انصار کا یہ خیال حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بتائیں ظاہر فرمایا جب کوئٹہ آپ غصہ میں کھڑے ہو گئے اور جھجھاکا فرمایا اَکَلْتُ اَمَّا يَا ابْنَ الْخَطَايَا سَتَعْلَمُ مَهْلًا لِّلّٰهِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَتَاْمُرْنِیْ اَنْ اَعْمَلَہٗ اِلَیَّ خَطَابَکَ یٰہُ تَمَارِیْ ہَا نَتَلَوْکُمْ کَرَّی سَوَّلَ اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کو حکم بنایا تھا اور تم کہتے ہو کہ میں معزول کروں؟ دوسری جانب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ارشاد ہوا وَاشَدُّ عَصْفِیْ اَمْرًا لِّلّٰهِ عَمْرًا حَکَمًا خداوندی کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں، حضرت عمرؓ کے معاملات دینی میں تشدد و سخت گیری تہلیل کی کیفیت تھی کہ ادنیٰ بات خلاف شرع اور خلاف ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ اپنے صاحبزادے پر حد شرعی جاری کو نہیں کوئی خیال مانع نہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو چند عورتیں بطور نوحدہ گری گریہ و زاری میں مشغول تھیں حضرت عمرؓ نے منع فرمایا مگر وہ نہ رکیں بالآخر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بن کو بلا کر وہ دمکھ کا یا تب سب عورتیں متفرق ہو گئیں اور نوحہ کا سلسلہ منقطع ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو کسی بات کی ممانعت کرتے تھے تو اپنے خاندان کے آدمیوں کو جمع کر کے فرمادیا کرتے کہ دیکھو میں نے اس امر کی ممانعت کی ہے۔ اگر تم میں سے کوئی اُس کا ترکیب بنا تو اُس کو دو چندان سزا دی جائیگی۔ مگر اس شدت و صلابت دینی کیساتھ رحمہاں بھی اعلیٰ درجہ کی تھی حضرت عمرؓ کے خادم اسلم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب معمولات کی وقت حرہ دہم دھک کا نام ہو ہی طر تشریف لیگے میں بھی ساتھ تھا۔ دوسرے آگ جلتی دیکھی آپ نے وہاں جا کر سلام کیا اور دیکھا کہ ایک عورت نے ہنڈیا کو چولھے پر چڑھا رکھا ہے اور چند بچے اُس کے پاس چلائے ہیں۔ آپ نے اُس عورت سے اُس جگہ اُترنے آگ جلائے اور بچوں کے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ عورت نے جواب دیا کہ رات ہو گئی تھی اس لئے

مسلمانوں کے اکثر کام تائید غیبی سے بنتے اور درست ہوتے تھے انکی ہر تدبیر ایسی جس سے مفید ہوتی تھی کہ تائید الہی ان کے شامل حال تھی عرب کے جاہل اور بگڑے ہوئے بدوبھی جو فوری جوش میں برسرِ مقابلہ آگئے تھے آخر کار اس نکتہ کو سمجھ گئے اور زبان سے بول اُٹھے کہ ایسے لوگوں سے کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہے جنکے کام بغیر تدبیر کے بنتے ہیں۔

واقعہ ارتداد میں بھی فی تحقیق بہت بڑی غیبی امداد اور تائید تھی ایک فیئہ اور غائر نظر تھوڑے سے تامل سے معلوم کر سکتا ہے کہ مذہب اسلام فقط اہل عرب ہی کیواسطے مخصوص نہ تھا بلکہ دنیا بھر کا مذہب تھا اور مسلمان مامور تھے کہ ہر ایک ملک والوں کو دعوت اسلام پہنچائیں مسلمانوں کو سرزمینِ عرب سے قدم نکال کر سب اہل مذاہب کو مذہب کی خوبیوں سے واقف کرنا لازمی امر تھا اور اس صورت میں ضروری تھا کہ اپنی اندرونی حالت سے بیفکرا وطن ہو کر پوری قوت کیساتھ قدم نکالیں تاکہ معرکہ آرائی کے موقع پر اُس قوت کو کام لے سکیں۔

لیکن عرب کی یہ حالت تھی کہ ان میں بہت سے گویا ہر مسلمانوں میں دخل ہو گئے تھے مگر حقیقتاً مسلمان نہ تھے اور وہ کسی موقعہ کے منتظر تھے اور بہت سے لوگ گویا مسلمان تو ہو گئے تھے مگر حقیقی اسلام کے دلف سے واقف نہ ہوئے تھے فیضِ صحبت اُٹھایا نہ تھا جب جاہ و ریاست دلیں موجود تھی آزادی اور مطلق العنانی کے لطف کو بھولے نہ تھے احکام شرعیہ کی تقلید اور محاصل شرعی کی قیود کے غور نہ ہوئے تھے میراث موجود تھے یہود جو سب سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن تھے انکی جڑیں قائم تھیں۔ اس حالت میں قبائل عرب کو بگڑنے اور مخالفت کرنے کے واسطے ایک ہی نکتہ کی ضرورت تھی۔ اور جو مادہ خلاف اور عدولیتِ حب جاہ و ریاست یا مطلق آزادی مطلق العنانی کا اُنہیں مخفی تھا اُسکا ظاہر ہونا ضروری تھا۔ ایسی خودوشِ حائیں اہل عرب میں بنی فاسد وہ اندہی اندر پیکار یا مسلمان سرزمینِ عرب سے باہر قدم نہ نکالتے تو اُن کیلئے چند دقتوں کا سامنا تھا۔ اول تو خود انکی جماعت میں ایسی قلت ہوتی کہ کسی قوم کے سامنے اُن کے پیار و سلام کا کچھ بھی اثر نہ تھا اور دوسرے مقابلہ اُنکو عہدِ برآہونے اور اپنی محافظت کی کوئی صورت نہ تھی دوسرے اُنکے باہر نکلتے ہی عرب کی اندرونی مخالفت ظہور پذیر ہوتی اور خلیفہ وقت دار الخلافہ اور مسلمانوں کے اہل و عیال سب دشمنوں کے غمخیز

تجارتے۔ اور وہ ایسی بے اطمینانی کی حالت میں کچھ بھی نہ کر سکتے بلکہ خود اندرونی اور بیرونی دشمنوں میں محصور ہو کر فنا ہو جاتے۔

ارتداد کے قصے نے ان سب خطروں کا قلع قمع کر دیا۔ عرب قبائل نے مخالفت کے کے دل کی ہو نکال لی اور صحابہ کے ساتھ اختلاف ہونے اور ان کے احوال کے مشاہدے سے انکو محقق ہو گیا کہ دین اسلام حق ہے اُس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا اور جنہوں نے مقابلہ کیا وہ فنا ہو گئے۔ سرزمین عرب سارے موجودہ اور متوہم فتنوں سے پاک مصاف ہو گئی اور وہی لوگ جو مخالفت پر آمادہ اور مسلمانوں کی شکنجہ کو اپنا پہلا فرض سمجھتے تھے۔ اسلام کی حمایت کرنے اور داو شجاعت دینے کی واسطے وطن کو چھوڑ کر لشکر اسلام کے ساتھ ہوئے اور وہ کام کو دکھائے جس کو تاریخ عالم کے صفحات بھرے پڑے ہیں طلحہ اسدی عمر بن معدی کرب اور ان جیسے ہزاروں شجاعان اسلام کے نام تاریخوں میں ملیں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو مرتد ہو کر مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوئے تھے پھر ایسے اطمینان سے اشاعت اسلام میں مشغول ہوئے کہ انکی طویل غیبت میں ایک ناگوار واقعہ بھی کسی اندرونی مخالفت کا سارے ملک غم میں پیش نہ آیا۔

ارتداد کی اس حکمت بالغہ کو سمجھ لینے کے بعد ہر شخص بجائے اسکے کہ اس میں کچھ شبہ یا خفاں پیدا کرے یہ سمجھ لے گا کہ اس واقعہ کا پیش آنا سراسر صحت اور اشاعت اسلام کیلئے ضروری امر تھا۔

صحابہ کا اشاعت و تبلیغ | فتنہ ارتداد سے فارغ اور مطمئن ہو جانیکے بعد صحابہ تبلیغ اسلام میں مشغول ہوئے اسلام میں مشغول ہونا | اور سرزمین عرب سے باہر قدم نکال کر بہت تھوڑے عرصہ میں اسلام کی برکات سے دُنیا کو بھر دیا ہمیں شک نہیں کہ اسلام ایک سچا اور صاف مذہب تھا۔ اسکی ذاتی خوبیاں پر زور تاثیر و قوت جازر ایسی تھیں جنکی بنا پر جو کئی شخص صاف دلی سے اسکی طرف متوجہ ہوتا بغیر متاثر نہ ہوتے اور اسکی حقانیت کو تسلیم کرتے نہ رہتا مگر اسلام کے اس قدر جلد پھیلنے اور اقلیموں کے ساتھ دلوں کو تسخیر کرنے میں زیادہ تر صحابہ کے اوصاف اور محاسن اخلاق کو دخل تھا۔ صحابہ اسلام کا نمونہ بن کر نکلتے تھے۔ انہوں نے دنیا کو دکھلایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سوان میں وہ قوت پیدا ہو گئی جو جس سے ایک عالم کو اپنا گرویدہ اور اسلام کا سچا فرمانبردار بنا سکتے ہیں اگر ان کے اندر یہ خوبیاں ہوتیں یا کسی قسم کا نقص تھا تو اسلام کی واقعی خوبیاں بھی

دل پر اثر نہ کرتیں اسلام کے سچے عقائد اور پاک تعلیمات کے بعد جب صحابہؓ کے حالات کو دیکھا جاتا تھا تو ہر شخص غم و بخود اُس کا حلقہ بگوش بن جاتا تھا۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ زبانی تعلیم سے فیض صحبت کی تاثیر قوی اور محکم ہوتی تھی جب یہ کہ صحابہ ایک گھڑی کے فیض صحبت کی بدولت تمام دنیا اور ہر طبقہ کے مسلمانوں سے فضل اعلیٰ ہو گئے۔ اور بعد کے مسلمان گو علم و زہد حالات و معاملات میں کسی مرتبہ کو پہنچ جائیں مگر صحابہ کی ہمسری نہیں کر سکتے۔

صحابہ کی کیفیت یہ تھی کہ اُن کے تمام اقوال و افعال احوال و معاملات کو دیکھنے سے اول نظر میں معلوم ہو جاتا تھا کہ اُن کو دنیا سے کوئی لگاؤ اور اُسکی نعمتوں سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ انکو سولے رضا خداوندی و اتباع احکام شریعت کوئی امر مطلوب نہیں صحابہ دنیا کے تمام معاملات کرتے تھے۔ تجارت۔ زراعت۔ صنعت۔ حرفت میں مشغول تھے۔ تعلقات خانہ داری اور معاشرتِ احبابِ اخوان کے حقوق پوری طرح سے ادا کرتے تھے۔ مگر اُن کے قلب میں سوا محبتِ خدا و رسول اور کوئی امر نہ تھا۔ انکی یہ حالت تھی کہ دن میں مثل دوسرے لوگوں کے کار بار میں مشغول دیکھے جاتے تھے مگر کسی کو دنیا طلبی کا گمان اُن پر نہ ہوتا تھا۔ جنگِ اُمدیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کی جماعت کو ایک مُتَعین جگہ پر فرما کر ارشاد فرمادیا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ملنا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی کفار شکست کھا کر بھاگے تو اسلامی لشکر مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس جماعت نے یہ سمجھ کر کہ فتح تو ابوی چکی اب یہاں کھڑے ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔ جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت میں حصہ لینے کی واسطے چلے گئے مال غنیمت میں حصہ لینا شرعاً منع نہ تھا بلکہ اُس کی اجازت تھی مگر اس جماعت پر محض اس وجہ سے کہ بلا اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگہ چھوڑ دی عقابِ ہوا در یہ آیات نازل ہوئیں۔ **مِنْكُمْ مَّنْ يَبْغِي الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يَبْغِي الْآٰخِرَةِ** (تم میں سے بعض ایسے ہیں جو دنیا کو طلب کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آخرت کو طلب کرتے ہیں)

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ما علمت ان احداً من صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دینا لاینا حتی نزلت الآیۃ اس آیت کے نزول سے پہلے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بھی کوئی دنیا کا طالب ہی

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی نیا میں تھے ضروریات زندگی کو پورا کرتے تھے اپنے سوا دوسرے صحابہ کو بیع و شمار اور ہر قسم کے دنیوی کاموں میں مشغول اور تمام معاشرتی و تمدنی ضروریات کی تدبیریں کرتے دیکھتے تھے۔ پھر بایں ہمہ انہیں سے کسی کی طرف طلب دنیا کا لگان نہونیکی کیا وجہ تھی۔ صرف یہی کہ دل میں ہوا اللہ اور رسول کے کسی چیز کی محبت نہ تھی۔ ان کے رگ ریشہ خون کی طرح اطاعت خدا و رسول سرایت کئے ہوئے تھے دنیا کے کاروبار جو کچھ بھی تھے ضروریات زندگی پورا کرنے کی غرض سے تھے یہی وہ بات ہے جو دیندار کو دنیا دار سے جدا کرتی ہے صحابہ جو ہر قسم کے کاروبار دنیا میں مشغول اور بے انتہا ثروت و غنا حاصل ہو چکے طالب دنیا کیوں نہ کھلا اور ایک معمولی حیثیت کا شخص جو پیٹ پالنے کی فکر میں لگا ہوا اور اس کی تدبیروں میں منہمک ہو مگر اسکو صحابہ کے غنا کا عشر عشر بھی حاصل نہیں رہا اور طالب دنیا کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اسی مضمون کو عارف و مہتمم نے یوں ادا فرمایا ہے ۷

چہیت دنیا از خدا غافل بودن نے قاش و نقہ فرزندوزن

ہری یہ بات کہ اس آیت میں بعض صحابہ کو طالب دنیا فرمایا گیا ہے۔ سو اس میں کوئی خفا لگائی بات نہیں۔ لغزش اور زلہ تو بڑوں سے بھی ہوتی بعض صحابہ کا یہ فعل رائے کی غلطی سے صادر ہوا انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب یہاں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں ہے اگر وہاں کھڑے رہنے کی ضرورت کو محسوس کرنے کے ساتھ مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوتے تو بیشک دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیتا ہوا لیکن فی الواقع ایسا نہ تھا۔ ہاں صورتاً طلب دنیا تھا اس لئے انکو اس زلہ پر تنبیہ کیلئے آیت مذکورہ نازل ہوئی خواص کو تھوڑی سی غلطی پر بھی سخت تنبیہ کی جاتی ہے۔

یہ واقعہ اُساری بدر کے واقعہ کے مشابہ ہے۔ بد میں قریش کے بڑے بڑے سردار قید کر لئے گئے تو ان کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشوہ فرمایا کہ آیا انکو قتل کرنا چاہئے یا فدیہ یعنی مال لے کر چھوڑ دینا چاہئے حضرت ابوبکر صدیق اور اکثر صحابہ کی رائے اس جانب تھی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اس لئے کہ شاید یہ لوگ جو قید ہوئے ہیں وہ سب وقت خود بخود مسلمان ہو جائیں اور سر دست زرفدیہ کے

حاصل ہوئے مسلمانوں کو مقابلہ کفار کے اپنی حالت درست کرنا موقع ملے اور اسلام کو تقویت پہنچے۔
مگر حضرت عمرؓ اس جانب تھے کہ ہم ان کے بارہا میں نرمی نہ کریں چاہئے ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے
تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہم لوگ اسلام پر کس قدر سخت ہیں ہمو خدا و رسول کے مقابل میں اپنے عزیز و غنی
بھی پرہاہ نہیں ہے۔

رسول اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمرؓ کی یہ سخت اسلئے پسند نہ آئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر صحابہ کی
رأے کیو افق قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا اور جن وجوہ پر یہ اسلئے اختیار کر لی گئی تھی اس کے عہد ثمرات
ظاہر ہوئے مگر کلام الہی میں ایک خاص منیت سے حضرت عمرؓ کی تائید نازل ہوئی اور جس اسلئے پر
عہد آمد ہوا تھا اسکی نسبت ارشاد ہوا۔ تو دلایں عرض اللہ بنیاد تم متاع دنیا کو طلب کرتے ہو

ظاہر ہے کہ فدیہ لینا اور قیدیوں کا رہا کر دینا اسلام ہی کے مصالح پر مبنی تھا مال کی طرف رغبت
اور میلان ہوا بھی تو صرف اسلام کی تقویت کیلئے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو رہا بھی کیا تو اسلام
ہی کی منسلکت سمجھ کر دنیا کی طمع اور لالچ کو پس فرامی دخل نہ تھا مگر چونکہ بصورت ظاہری مال کی طرف
رغبت تھی اسلئے یہ رائے قابل عتاب ہو گئی اور ایک خاص مجسمہ یہ نرمی جو فی الحقیقت محمود تھی اور
اُس پر وہی ثمرات مرتب بھی ہوئے جنکی توقع کی گئی تھی بمقابلہ رائے حضرت عمرؓ کے پسند نہ کی گئی

الغرض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام کے سچے اور محکم نواز بنکر اشاعت اسلام کیلئے اُسٹھے
صحابہ کے حالات و معاملات اسلام کے پاکیزہ عقائد کیلئے بمنزلہ دلیل کے تھے۔ اسلامی عقائد و احکام
سننے کے بعد جب صحابہ کو دکھایا جاتا تھا تو دعویٰ حقانیت اسلام دلائل قویہ ظاہر سے ثابت و مستحکم
ہوتا جاتا تھا اور ہر شخص اُسکو حق سمجھنے پر مجبور ہوتا تھا۔ قرن صحابہ میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور
سریع اشاعت کا اصلی راز یہی ہے۔ اگرچہ صحابہ کی معرکہ آزمائیوں اور شجاعت و تدبیر حرب کے افسانے
بھی ایسے ہیں کہ دنیا کی کوئی تاریخ اُسکی نظیر پائے سکے مشابہ حالات کو پیش نہیں کر سکی۔ مگر ہم اس موقع پر
ان حالات کو درج نہ کریں گے اور نہ فتوحات کے وسیع میدانوں کی سیر کرادیں گے بلکہ یہ دکھاویں گے کہ تو یہاں
کی تو میں اسلام کے دائرہ میں کیوں داخل ہوئیں۔ انکے واسطے وہ کون سے اسباب تھے

جن کی وجہ سے برضا و رغبت اسلام قبول کر لینے پر مجبور ہوئے
 ناظرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات اور تائید غیبی کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ
 اُن تمام کا جمع کرنا ایک ایسے مختصر رسالہ میں سخت دشوار ہی نہیں بلکہ غیر مناسب بھی ہو گا۔ ہم جس
 قدر چیدہ چیدہ حالات ہم سمجھیں گے اُن سے ہمارا دعویٰ خوب متق و مبرہن ہو جاوے گا۔

دار بن کا فتح ہونا اور اہل بحرین کے مرتد ہونے اور حضرت علامہ ابن الحضری کا اُن کے مقابلہ کیلئے مامور
 سمندر کا خشک ہونا ہونے اور مسلمانوں کی غیبی تائید کا عجیب و غریب پہلہ مذکور ہو چکا ہے مرتدین کو اس
 جگہ کا مل شکست ہوئی اکثر تو اُن میں کے مقتول ہوئے اور جو بچے کچھ تو دوسری جانب بھاگ گئے اور
 بہت سے خلیج و اربن میں پناہ گزین ہوئے۔ دار بن ایک بستی ہے جو سمندر کے کنارے ہے ہمارے سفر کے نزدیک
 کیواسطے ایک اُتار کی مسافت پر واقع ہے وہاں پہلے سے بھی دشمنان اسلام کا اجتماع تھا اور شکست خوردہ
 مرتدین کی جماعت پہنچ گئی تو ایک خوفناک قوت کا اجتماع ہو گیا حضرت علامہ صلی اللہ علیہ وسلم حال کو دیکھ کر متحیر
 و متفکر تھے اگر دار بن پر حملہ کرتے ہیں تو یہ اندیشہ ہے کہ دشمن عقب سے آکر اہل بحرین پر حملہ کر دیں اور
 اگر دار بن کو اسی حال پر چھوڑتے ہیں تو یہ قوتِ بدن ترقی پاکر زیادہ خوفناک ہو جائیگی اس لئے
 اپنے اول تو اُن قبائل کو جو فتنہ ارتداد میں شریک ہوئے تھے لکھا کہ مرتدین اور منہزمین کے
 راستوں کو روک دیں اُن میں سے کوئی بحرین کی طرف آنے نہ پائے اُن لوگوں نے اس کا کامل بندوبست
 کر کے جواب لکھا اور حضرت علامہ کو اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو دار بن کا قصد فرمایا۔

دار بن پر حملہ کرنے کیواسطے ہمارے اہل بحرین کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے پاس
 اس قسم کا سامان بالکل نہ تھا۔ مگر حضرت علامہ ایسے شخص نہ تھے جنکو سمندر کی ہیبتناک صورت ڈر دیتی
 اپنے لشکر اسلام کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ دشمنوں کی جماعتیں اور مغرورین کے گرد اس خلیج
 دار بن میں جمع ہو گئے ہیں تم لوگ خشاک میدان میں خدا تعالیٰ کی تائید و راداد کو بھی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو تم کو
 اُسی قسم کی امداد اور تائید کی توقع دریا میں بھی رکھنی چاہئے تم سب دریا میں داخل ہو جاؤ اور دشمن پر حملہ
 کرو۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ وہاں نہیں جو تائید غیبی کا کرشمہ ہم دیکھ چکے ہیں اُسکے بعد ہم کسی چیز سے ڈرتے

اس گفتگو کے بعد حضرت علامہ مع لشکر کے سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور آپ مع لشکر کے یہ عائد کلمات پڑھتے ہوئے سمندر میں داخل ہو گئے۔ یا ارحم الراحمین یا کریم۔ یا حلیم۔ یا احمدا یا صمد یا حی یا قیوم لا الہ الا انت یا سرہنا۔ کوئی اونٹ پر سوار تھا اور کوئی گھوڑے پر۔ کوئی خچر پر کوئی گدھے پر۔ اور بہت سے پیادہ پاتھے سمندر کا پانی خشک ہو کر اس قدر رہ گیا کہ اونٹ اور گھوڑے کے صرف پیر بھگیتے تھے اسلامی لشکر ایسے راحت و آرام سے ہولناک دریا کو طے کر رہا تھا گو یا بھیکے ہوئے بیٹے چل رہا ہے جس پر چلنا نہایت ہی سہل ہوتا ہے۔

دار بن میں کسی کو یہ تم گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان بغیر جانوں اور کشتیوں کے اس طرح دریا کو پیادہ طے کر کے آپہنچیں گے۔ وہ غافل تھے مسلمان ہاں پہنچ گئے اور دار بن سخر ہو گیا۔

خدا تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی دعا کو قبول فرمایا اور دریا میں اُن کیلئے سہل اور نہایت آرام دہ راستہ بنا دیا۔ ابھی بے آب گیاہ میدانوں میں غبی تائید کا خاص کرشمہ دیکھ لیا تھا اُس سے بڑھ کر سمندر کو پایاب کر کے دکھلادیا کہ دین اسلام کے ساتھ تائید الہی شامل ہے اُسکی اشاعت نہ ظاہری تدابیر پر موقوف ہو کسی قسم کے جبر واکراہ کو اُس میں دخل ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں جنکو کیسا ہی سنگدل اور حق سے منحرف شخص بھی جب دیکھے گا ناممکن ہے کہ اسلام کی حقانیت اُسکے قلب میں راسخ نہ ہو جائے اور گو وہ اپنے قدیم مذہب پر کتنا ہی ہٹا ور ضد کے ساتھ قائم رہنا چاہے لیکن دین اسلام کی کشش کبھی اُسکو اپنے اصرار اور ہٹ دھرمی پر قائم رہنے نہیں دے سکتی یہی وجہ ہے کہ موضع ہجر کا ایک عیسائی رہنما جمہ اسلامی لشکر کیساتھ جس نے بروجردیوں جگہ تائید آسمانی کی جلوہ گری دیکھی تھی اسلام قبول کر لینے پر مجبور ہوا۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ تیرے مسلمان ہونے کی کیا وجہ تھی۔ اُس نے جواب میں کہا خلافتہ اشیاء خشیت ان یمسخنی اللہ بعد عان افاکہ افعل۔ فیض فی الرمال و تمہید ان یبع البھر و دعا سمعته و عسکرهم فی الھواء سحر (تین چیزیں ایسی تھیں کہ اُن کے بعد بھی مسلمان نہ ہوتا۔ تو مجھ کو سح ہوئے کا اندیشہ تھا۔ اول تو بے آب گیاہ میدان میں پانی کا ظاہر ہو جانا۔ دوسرے سمندر میں راستہ ہو جانا تیسرے ایک دعا جو میں نے مسلمانوں کے لشکر میں صبح کیوقت آسمان کی طرف سے سنی)

لوگوں نے کہا وہ دعا کیا تھی۔ کہا وہ دعا یہ ہے۔

اللھم انت الوجلز الرحیم۔ لا الھ غیرک والبدایع لیس قبلک شیء والذات غیر الغافل
والحی الذی لا یموت۔ وخالق ما یرى وما لا یرى وکل یوم انت فی شأن وعلمت اللھم کل
شیء بغیر تعلم۔

میں ان حالات کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ مسلمانوں کی اعانت و تائید میں ملائکہ کی شرکت اسدوجہ سے ہوئی
کہ وہ حق پر ہیں۔

ہر شخص جس کے دل میں تھوڑا سا بھی انصاف اور سر میں عقل ہے سمجھ لے گا کہ مسلمانوں کی
فتوحات اور معرکہ آرائی اور شجاعت و دیرری کے چشم دید واقعات نے ایسے عیسائی کو جو اپنے مذہب
کا عالم اور راہب تھا مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا نہ مسلمانوں کی طرف سے اسکی تحریک ہوئی کہ وہ اسلام
کو قبول کرے۔ وہ نہایت اطمینان قلب کیساتھ اسلامی لشکر کے ہمراہ رہ کر اپنے مذہب پر مضبوطی سے قائم رہا
مسلمان ہوا تو صحابہ کے حالات اور تائید آسمانی کے واقعات دیکھ کر کیا اس کے بعد بھی کسی میں ہمت
ہے جو یہ کہہ سکے کہ اشاعت اسلام بڑھ رہی ہے۔

مسلمانوں اور بالخصوص صحابہ کو اسلام کی حقانیت اور تائید آسمانی پر ایسا یقین تھا کہ اس کے
لئے کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی انکے دلیس یہ مضمون راسخ تھا کہ ہم حق پر ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی تائید ہمارے
ساتھ ہو مگر تاہم یقین قلبی کیساتھ مشاہدہ علی لجاتا ہی تو اسی یقین کو ترقی حاصل ہو کر اور بھی زیادہ قوت
ہو جاتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حق تعالیٰ سے لیجا رہمونی کی کیفیت دکھانے کی درخواست کرنا
اور وہاں سے استفسار ہونے پر آو کہ تو زمین کی امانت پر ایمان نہیں لائے یہ عرض کرنا جلی
وکن یطعن قلبی دایمان ضرور لایا ہوں لیکن میرا سوال اطمینان کا خاص نہ تھی بلکہ میں نے یہاں سے کہا تھا کہ
مسلمانوں پر چشم دید تائید آسمانی کا خاص اثر تھا محیف بن المذر خدا تعالیٰ کے اس احسان عظیم
اور نعمت عظمیٰ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

الم تر ان الله ذلّل لک الحجره وانزل بآکفہم احداً یجلاخل

دعونا الذی شق البعیر فجاءنا بالعجب من فنی البعیر والواثل

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو مسخر کر دیا اور کفار پر بڑی مصیبت نازل فرمائی ہم نے اُس اتِ پاک سے دعا کی جس نے دریاؤں کو شق کیا تھا تو ہمارے لئے اُس سے بھی عجیب امر ظاہر ہوا جو پہلوں کی واسطے ظاہر ہوا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کیلئے دریا میں راستہ ہو گیا تھا ہمارے لئے اُس سے بھی عجیب امر ظہور پذیر ہوا۔

حضرت خالد کا ملک مرتدین کے قصۂ سے مطمئن ہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عراق میں داخل ہونا خالد بن الولید اور عیاض بن غنم کو مامور فرمایا کہ عراق میں داخل ہوں خالد بن الولید عراق کی اسفل جانب سے اور عیاض اعلیٰ جانب سے اور دونوں حیرہ پر جا کر مل جاویں اور دونوں میں سے حیرہ پر چوبیس چھپیں وہی لشکر کے امیر ہوں گے۔ آپ نے دونوں صاحبوں کو یہ بھی فرمادیا کہ تمہارے لشکر میں سے جو لوگ واپس ہونا چاہیں اُن کو اجازت دیدینا۔ اس اجازت کی بنا پر لشکر کا ایک حصہ واپس ہو گیا تو دونوں صاحبوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہماری امداد کیلئے کچھ لشکر بھیجا جائے آپ نے حضرت خالد کی امداد کی واسطے تمہارا قلعہ بن عمرو تمہی کو بھیجا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت خالد کے لشکر میں قلت ہے اور آپ تمہارا ایک شخص کو اُن کی امداد کی واسطے بھیجے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس لشکر میں قلعہ جیسا ایک شخص بھی ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اور عیاض بن غنم کی امداد کیلئے عبید بن غوث حیرہ کو بھیجا۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فرست تھی اور یہ سلمانوں کی افراد کا ایمان کامل تھا۔

حیرہ کا بطور ملک عراق میں داخل ہونے کیلئے حیرہ بطور دروازہ کے تھا۔ بادشاہانِ فارس کی صلح منع ہونا طرف سے حیرہ پر بڑا حاکم رہتا تھا اور حیرہ کے انجام پر تمام گرد و نواح کے شہروں اور قصبوں کا دار تھا۔ اکثر اطراف کے چودھری اسی انتظار میں تھے کہ حیرہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اہل حیرہ نے صلح کر لینی چاہی اور گفتگوئے مصالحت کی واسطے ایاس بن قبیصہ اور عمرو بن عبد المسیح (عیسیٰ) حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوئے عمرو بن عبد المسیح کی عمر کئی سو سال کی تھی اور اُس کا لقب ابن بقیلہ تھا عربی میں سبزی اور ترکاری کو بقل کہتے ہیں بقیلہ اُسکی تصنیف ہے عبد المسیح ایک مفسر

سبز چادریں اوڑھے ہوئے آیا تھا لوگ اُس کو ابنِ بقیلہ کہنے لگے،

عمر بن عبدالمسیح جب حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنے پوچھا تمہاری عمر کتنی ہے
کہا کئی سو سال کی۔ آپ نے فرمایا تم نے سب سے زیادہ عجیب بات کیا دیکھی۔ کہا حیرہ اور دمشق کے
درمیان متصل آبادی تھی۔ ایک گاؤں دوسرے گاؤں سے ملا ہوا تھا۔ ایک تنہا عورت سفر کرتی تھی
ایک گاؤں دوسرے گاؤں سے ملا ہوا تھا۔ ایک تنہا عورت سفر کرتی تھی اور اُس کو ایک وٹی کے سوا
کسی قسم کے توہم اور زاد راہ کی ضرورت نہ تھی حضرت خالد نے ہنس کر اُس کے ساتھیوں
سے فرمایا کہ تم ایک ایسے بوڑھے شخص کے ذریعہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہو جس کی عقل و حواس در
نہیں بہت وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ کہاں سے آیا ہے بقیلہ نے سُن کر حضرت خالد سے گفتگو کی اور اُن کے
ہر سوال کا معقول جواب دیا جس پر آپ یقین ہو گیا کہ اس کے حواس بالکل درست ہیں اور یہ جو کچھ
اپنی عمر اور تجربہ کے متعلق کہتا ہے صحیح ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ القوم اعلیٰ بما فیہم و تم اپنے
اندرونی حال کو زیادہ جانتی ہے

عمر بن عبدالمسیح کے خادم کے ساتھ ایک قبیلہ میں رہتا تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ
کیا ہے اور کیوں ساتھ لیا ہو اُس نے جواب دیا کہ یہ ستم ساعۃ فی الفور ہلاک کرنیوالا زہر ہے اور یہ
اسلئے ساتھ لایا تھا کہ اگر میں تم لوگوں کے حالات ایسے نہ دیکھتا جواب دیکھ رہا ہوں تو میں اپنی قوم
کی واسطے کسی مکروہ بات کا واسطہ و ذریعہ نہ بنتا بلکہ زہر کھا کر ہلاک ہو جاتا حضرت خالد نے زہر کو
اپنی پہلی پرکھ کر فرمایا کہ کوئی شخص اجل معین سے پہلے نہیں مرتا اور نہ کوئی چیز بلا حکم خدا اثر کرتی ہے اور
یہ لکھ کر آپ نے یہ دعا پڑھی بِاسْمِ اللّٰهِ خَیْرُ الْاَسْمَاءِ وَرَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ الَّذِیْ لَا یَضِیْرُ مَعَ اَسْمِهِ
دَاعُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور زہر نگل لیا۔

ابنِ بقیلہ نے گویا ایک حیرت انگیز اور تعجب خیز بات دیکھی تھی مگر وہ خود عالم اور تجربہ کار تھا اس
حضرت خالد سے کہا کہ واللہ لتبلغن ما اردتمہ ما دام احدکم منکم ھلک اذ تم جو خدا کی قسم میں
ایک بھی جب تک ایسا نہ ہو گا تم اپنی مراد کو پہنچے رہو گے

اور پھر اُس نے اہل حیرہ کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے آج تک کوئی ایسی واضح اور روشن بات نہیں دیکھی۔ اسکے بعد ابن بقیدہ نے حضرت خالد سے ایک سالانہ محصول معین کر کے صلح کر لی کہ اہل حیرہ کی جان و مال کی محافظت مثل مسلمانوں کے کیجاویگی۔

اہل حیرہ کیساتھ صلح ہونا تھا کہ تمام گرد و نواح کے چودھریوں اور سرداروں نے اپنے اپنے علاقہ کی طرف سے صلح کر لی۔

عمر بن عبدالمسیح خود اہل کتاب میں کا بڑا عالم تھا اور صد ہا سال کے تجربہ نے اُسکو کامل بنا دیا تھا۔ اُسکو حضرت خالد کی گفتگو سُننے اور مسلمانوں کے حالات سمجھنے سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ قوم حق پر ہے اُن کا غلبہ ضرور ہو گا اور حضرت خالد کے اس قوت ایمانی اور توکل نے کہ بلا اندیشہ ایسے سخت ہر کوئل لیا اور اُس کا اثر کچھ بھی ظاہر نہوا اُسکے علم کو درجہ عین یقین تک پہنچا دیا اُس نے بلاتامل صلح کر کے اپنے آپکو اور اپنی قوم کو ہر قسم کی آفات اور مصیبتوں سے بچالیا۔ لیکن بائیمہ مسلمانوں کی طرف سے دینی تحریک بھی اس امر کی نہ ہوئی کہ جب ہم کو ہماری حقانیت کا یقین ہو تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے اس معاملہ میں اُنکو اُن کے اختیار پر چھوڑا۔ ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اہل حیرہ مسلمان نہ ہوئے بلکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس صلح کو خود توڑا مگر حضرت منشی نے دوبارہ اُن سے صلح کر لی لیکن اُنہوں نے مکرر اُس صلح کو توڑ دیا۔ جس پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے محصول کی مقدار بڑھا کر پھر صلح کر لی اور شکر اسلام نے باوجود فقر و نقص عہد کے اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہ کی

اجنادین کا عجیب واقعہ | اجنادین ملک شام میں بہت بڑا شہر ہے اس جگہ مسلمانوں اور رومیوں میں بڑا معرکہ ہوا۔ ہرقل کا حقیقی بھائی لشکر روم کا سپہ سالار تھا مسلمانوں کا لشکر یہاں جمع ہو گیا۔ تو سپہ سالار روم نے ایک عربی شخص کو اس غرض کیلئے بھیجا کہ مسلمانوں کے لشکر میں ہر ایک کی اصلی حالت کی خبر لائے یہ شخص جو خود عربی تھا مسلمانوں میں آملا۔ اور ایک انداز پر اُن کے شہر و روز کے حالات دیکھے راتوں کو تہجد گزاری اور تلاوت کلام الہی کرتے دیکھا۔ ہر شخص کو دیکھا کہ بلا تصنع و تکلف عبادت میں مشغول ہے۔ ایک دوسرے کا باہمی معاملات میں نہایت صفائی سے برتاؤ ہے۔ ہر شخص امیر کے

حکم کا دل و جان سے مطیع و فرمانبردار ہے یہ حالات دیکھ کر واپس ہوا سپہ سالار روم نے پوچھا کہ یو کیا دیکھا اُس نے کہا باللیل ہر ہبان و بالنفاد قرسان۔ و لو سرقی ابن ملک ہمہ قطعہ و لو زنی حرجہ لا قامتہ الحق فیہم ایہ لوگ رات کو رعب اور عابد ہیں۔ اور دن میں بہادر شہسوار اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کر لے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر زنا کرے تو جرم کر دیں۔ حق کے جاری کرنے میں کسی عیب نہیں ہے سپہ سالار نے سُن کر کہا ان کنت صدق قتی لبطن الارض خیر من لقاء ہولاء راگرتے سچ بیان کیا ہے تو زمین کے اندر اتر جانا اس سے بہتر ہے کہ ان لوگوں سے مقابلہ کیا جائے۔

صحابہ کے یہی حالات تھے جن کو دیکھ کر ہر مخالف شخص بھی متاثر اور اسلام کی حقانیت کا قائل ہو جاتا تھا۔ ہر اعتقادی دلائل کا یہ اثر نہیں ہو سکتا تھا نہ معرکہ آرائیوں میں نہ اشاعت دینے سے نہ اسلام کا ایسا سکہ بیٹھ سکتا تھا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا کہ اسلام کی اشاعت کا سبب صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیض صحبت اور اُن کے اخلاق و عبادات و معاملات کا مشاہدہ تھا۔ مگر یہاں جو دلائل و واضح دلائل کے دیکھنے اور اسلام کی صداقت کا یقین قلبی حاصل ہو نیکی پر پیلا اور مسلمان نہوا کیونکہ تو فی حق الہی شامل حال نہ تھی +

میدان یرموک میں	اور میدان یرموک میں عین معرکہ کی وقت جبکہ جو رومی لشکر کے مقدمہ کجیش کا
جرحہ کا سامان ہونا	سپہ سالار تھا خود بخود اگر مسلمان ہو گیا۔ یرموک کے میدان میں جب فرقہ کی

جانب سے پوری طرح صف آرائی ہو چکی تو جرحہ اپنی صف سے نکل کر درمیان میں آیا اور حضرت خالد بن الولید سپہ سالار لشکر اسلام کو آواز دی حضرت خالد تشریف لائے اور جرحہ کے متصل یہی طرح کھڑے ہو گئے کہ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں مل گئیں۔ ایک نے دوسرے کو امین دیا۔ جرحہ نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ میں آپ کے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں مجھ کو سچا جواب بلا کسی قسم کے دھوکہ کے غیایت فرمائیے کیونکہ شریف آدمی جھوٹ نہیں بولتا حضرت خالد نے فرمایا دریافت کرو میں جواب دوں گا۔ جرحہ کیا اللہ نے تمہارے نبی پر کوئی تلوار نازل فرمائی ہو اور نبی نے وہ تلوار تم کو دی ہو کہ جب اُس سے دشمن پر حملہ کرتے ہو اُن کو ہزیمت ہو جاتی ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے تم کو یہ تلوار عطا کی ہے جس سے تم کو ہر دشمن پر ہزیمت ہو جاتی ہے)

کہ سیف اللہ یعنی خدا کی تلوار لقب عطا فرمایا تھا۔

حضرت خالد اللہ تعالیٰ نے کوئی تلوار نازل نہیں فرمائی۔

جرحہ۔ پھر آپ کا نام سیف اللہ کیوں ہوا۔

خالد اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے بنی کو ہماری طرف بھیجا اول تو ہم سب اُن سے علیحدہ رہے اور پھر بعض نے اُن کی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب کی۔ میں بھی انہیں جھٹلانیوں اور مخالفوں میں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں کو پھیر دیا اور ہدایت کی۔ میں ایمان لے آیا۔ آپ نے مجھے سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا اور میرے لئے نصرت و کامیابی کی دعا فرمائی اُس روز سے میرا نام سیف اللہ ہو گیا۔

جرحہ۔ یہ تو آپ صیحیح بتلا دیا۔ اب یہ فرمائیے کہ تم ہمیں کس چیز کی طرف بلاتے ہو اور کس بات کی دعوت دیتے ہو۔

خالد اللہ علیہ السلام اس بات کی طرف بلاتے ہیں کہ کلہ شہادت پڑھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام لائے ہیں ان کو تسلیم کرو۔

جرحہ۔ لیکن اگر کوئی اس بات کو نہ مانے۔

خالد اللہ۔ تو وہ محصول ادا کرے اور مسلمانوں کے اس میں آجائے مسلمان اُس کے جان و مال کی ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسی اپنی کرتے ہیں۔

جرحہ۔ اگر وہ اس کو بھی نہ مانے

خالد اللہ۔ تو ہم اول اُس کو مخالفت اور لڑائی کی اطلاع کریں گے اور اس کے بعد اُس سے لڑائی کریں گے۔

جرحہ۔ اگر کوئی تمہارے کہنے کو مان لے اور اسلام قبول کرے۔

خالد اللہ۔ ایسا شخص ہمارے مساوی ہو جاتا ہے اُس کے حقوق ہمارے حقوق کی برابر ہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں اُن میں اول اور آخر دینی و اعلیٰ شریف غیر شریف سب برابر ہیں۔

جرحہ۔ یہ بات تو مستبعد ہے کہ وہ شخص تمہارے برابر ہو جائے تم لوگ مقدم اور اسلام کی طرف سبقت کرنا لے ہو۔

خالد۔ یہ صحیح ہے کہ ہم سابق ہیں۔ مگر ہنر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دیکھا فیض صحبت اٹھایا۔ معجزات دیکھے آپ کی خدمت میں تمام امور کا مشاہدہ کیا۔ ایسے امور دیکھ کر ہمارا ایمان بڑھا کچھ زیادہ فضیلت کی بات نہیں۔ جو شخص بھی ایسے حالات کا مشاہدہ کرے گا۔ وہ بصدق دل ایمان لے آویگا۔ ہاں جن لوگوں نے نہ یہ حالات دیکھے نہ فیض صحبت اٹھایا اور نہ ان عجائب امور کا مشاہدہ کیا وہ سچے دل سے دائرۂ اسلام میں داخل ہونگے تو ہم سے افضل ہونگے۔

جرجہ پر شک آپ نے صحیح فرمایا۔

اس صاف اور بے لوث گفتگو نے جرجہ کو مسخر کر لیا اور وہ بجائے اس کے کہ مقابلہ کرتے حضرت خالدؓ سے اس امر کے خواہشمند ہوئے کہ جھکوا اسلام کی تلقین کی جائے حضرت خالدؓ انکو اپنے خیمہ میں لیگے اور غسل کے بعد دو کتیں پڑھوائیں وہی قلب جو اسلام کے بغض سے بڑھا مسخر ہو کر محبت خدا و رسول سے مالا مال ہو گیا جرجہ جیسی وقت پچھلے پیروں میدان کا رزائیں واپس ہو کر شہید ہو گئے۔

حضرت خالدؓ کی گفتگو اسلامی احکام کا سچا فوٹو تھا۔ فی الحقیقت اسلام کے احکام ایسے ہی صاف اور بے لوث ہیں ان میں جبر و اکراہ تو کجا۔ عدل و انصاف اور سیاست و تمدن کے قوانین میں غلامی و غلامی کا تاج مفتوح مسلم غیر مسلم سب برابر ہیں اسلام یا مسلمانوں پر یہ لازم لگانا کہ اسلام کی اشاعت میں سوار اسکی صداقت اور حقانیت کے کسی دوسرے سبب سے کام لیا گیا ہو سراسر ظلم و ناانصافی ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عراق کو فتح کر کے قاصد کے عظیم الشان معرکے کا رپہ بہرہ سیر اور مدائن کا فتح ہونا شکر اسلام کا کے ساتھ فانی ہو چکے تو دار السلطنت فارس یعنی مدائن کا قصد فرمایا۔

مدائن و حقیقت تو چند بستیوں کا نام تھا جو بادشاہان فارس نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے نام سے آباد کی تھیں مگر اس وقت مدائن انیس سے خاص بستی کا نام ہو گیا۔ جسکی فتح پر جو جاسکے دار السلطنت ہونیکے فارس کے انجام کا مدار تھا۔ اُس میں وہ قسطنطین بھی تھا جسکے مفتوح ہونے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے۔ باقی بستیوں کے نام جلد بعد آئے انہیں میں سے ایک کا نام بہرہ سیر بھی تھا

دجلہ کی جانب شرق میں مدائن واقع تھا جسکو مدائن قصویٰ بھی کہتے تھے اور جانب غربت بہرہ سیر تھا جس کو مدائن دینا کہتے تھے۔ دنیا کے معنی قریب تر کے ہیں چونکہ مسلمان جہلہ کی جانب غربت کہتے تھے اس لئے اول اُنکے رستہ میں بہرہ سیر پڑتا تھا اور اسی وجہ سے اُسکو مدائن دنیا کا لقب دیا گیا اور مدائن دوسرے کنا سے پر تھا اس لئے اُسکو مدائن قصویٰ یعنی بعید کے نام سے نامزد کیا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ دجلہ کی جانب کو فتح کرتے ہوئے بہرہ سیر تک پہنچے اور دجلہ کی جانب غربت میں سرزمین عرب تک جس قدر ملک فارس کا تھا سب مسلمانوں کی اطاعت میں داخل ہو گیا صرف بہرہ سیر رہ گیا۔ جس کا محاصرہ دو ماہ تک کرنا پڑا۔ محصورین نے محاصرہ کی سختیوں سے تنگ آکر حضرت سُد کی خدمت میں پہنچا صلح بھیجا کہ جس قدر ملک فتح ہو چکا ہو وہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہے اور جو فتح نہیں ہوا وہ ہمارے لئے چھوڑ دیا جائے۔ قاصد نے یہ پیام سنایا لیکن حضرت سعد جواب دینے نہ پائے تھے کہ ایک مسلمان بڑھکے کچھ جواب دیا حضرت سعد نے اُس سے پوچھا کہ تم نے کیا جواب دیا اُس شخص نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ بے اختیاری طور پر میری زبان سے کچھ الفاظ نکلے جن کو میں بھی نہیں سمجھا۔ مگر قاصد کی نبائی یہ جواب سن کر گورنر نے بہرہ سیر کو خالی کر دیا۔ بہرہ سیر میں صرف ایک شخص رہ گیا جس نے اگر شہر کے خالی ہونے کی اطلاع دی اُس سے پوچھا گیا کہ کس وجہ سے شہر خالی کر دیا گیا۔ کہا کہ پیام صلح کے جواب میں ایک مسلمان نے یہ جواب دیا کہ ہم ہرگز صلح نہ کریں گے جب تک افریدوں کے شہر کو کوئی کے بیوں کیسا تختہ نہ کھالیں گے۔ اس جواب کو سن کر بہرہ سیر کے گورنر نے کہا کہ ان لوگوں کی طرف سے تو فرشتے جواب دیتے ہیں ان سے مقابلہ کی کیا صورت ہے۔

شکر اسلام جس درجہ اپنے امیر کا مطیع تھا اسکی نظیر کسی قوم میں ملنا دشوار ہے۔ ناممکن تھا کہ سپہ سالار سے پیش قدمی کر کے کوئی معمولی سپاہی جواب دے سکتا۔ پھر یہ نایاب آسمانی نہیں تھی تو کیا تھی کہ ایک مسلمان کی زبان سے بلا سمجھے ہو مجھے کچھ الفاظ نکلنے ہیں اور اُن کا یا اثر پڑتا ہے کہ دربار والے ملک شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کر کے چلا جاتا ہے۔

گورنر بہرہ سیر سعد علیا اور لشکر کے مدین چلا گیا۔ اور اب مسلمانوں کو مدائن کی فکر ہوئی اہل فارس نے

ساحلِ جدہ پر سے کشتیاں وغیرہ سب اٹھا دیں اور عبورِ جدہ کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

کثرتِ باران کی وجہ سے اس سال عموماً دریاؤں میں طغیانی زیادہ تھی حضرت سعدیؓ اس فکر میں تھے کہ جدہ میں طغیانی اور زیادہ آگئی اور اُس کے پھیلاؤ اور زورِ شور کا انتہا نہ رہا۔

مسلمان یہ حالت دیکھ کر حیران تھے اسی اثنا میں حضرت سعدؓ نے خواب دیکھا کہ مسلمانِ جدہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس خواب نے آپ کو اس جانب متوجہ کر دیا۔ اور آپ نے لشکر کو جمع کر کے فرمایا اور دشمن نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے۔ تم اُس پر حملہ نہیں کر سکتے اور وہ جب چاہے حملہ کر سکتا ہے میری رائے یہ ہے کہ اس سے قبل کہ دنیا تم پر غالب آجائے اور اُس میں موت ہونے سے تمہارے حالات بدل جائیں صدقِ اخلاص میں کی آجائے۔ اللہ کی واسطے کچھ کام کرو۔ میں تو غمِ صمم کر چکا ہوں کہ اللہ کے بھروسہ پر گھوڑوں کو دریا میں ڈال دوں اور اسی حالت میں عبور کروں آپ کا لشکر کل سونڈا تھا پیادہ یا اُن میں کوئی نہ تھا سب سے پہلیب خاطر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے غم میں برکت عطا فرمائے ہم سب مطیع اور تیار ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ کچھ سوار ہم سے آگے جا کر پہلے کنارہ پر قابض ہو جائیں عام بن عمرو ذوالبکاس چھ سو سواروں کو لیکر جدہ میں داخل ہوئے کنارہ کے قریب اہل فارس نے کچھ مزاحمت کی مگر وہ ہٹا دئے گئے اور کنارہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ کل لشکر دریا میں داخل ہو جائے اور یہ کلمات عایدہ در زبان رکھے نستعین باللہ ونتوکل علیہ حسبنا اللہ ونعما الوکیل۔ اللہ لبصیر۔ اللہ ولیہ ولیظہر زینہ ولیہز منعداؤہ ولا قوۃ الا باللہ العالی العظیم دہم اللہ سے مدد چاہتے اور اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے قسم ہے خدا کی اللہ اپنے دوست کو فتح دے گا اور اپنی دین کو غالب کرے گا اور دشمن کو ہرمت نہ دے گا سوا اللہ کی مدد کے کسی میں قوت نہیں۔

عبور کرتے وقت لشکر کی ترتیب اس طرح دی گئی تھی کہ دو دو مسلمان باہم ملے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے جائیں حضرت سعدؓ کے رفیق حضرت سلمان فارسی تھے۔ حضرت سعدؓ بار بار فرماتے جاتے تھے

واللہ لنصر اللہ ولیظہر دینہ ولیہن من عدائہ مالہ یکن فی الجیش
یعنی اور ذنوب تغلب محسنات رحمہ ربہ کی اللہ اپنے دوست کی مدد کرے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا
اور دشمن کو مغلوب کرے گا جتنا کہ لشکر میں ظلم و گناہوں کی کثرت نہ ہو

حضرت سلمان نے فرمایا کہ اسلامی لشکر جس طرح داخل ہوا ہے اُسی طرح صحیح و سالم پار ہو گا۔
ایسا ہی ہوا کہ ساٹھ ہزار اسلامی شہسوار وجہ پر پھیلے ہوئے اس طرح بے تکلف باتیں کرتے جاتے
تھے گویا بارغ کی روشنی پر تفریح کیلئے چل قدمی کر رہے ہیں نہ کوئی شخص دریائیں ڈوبانہ کسی کی کوئی چیز
ضائع ہوتی۔ البتہ ایک شخص حرقہ نام گھوڑے پانی میں گرے گا اُن کے رفیق ققاع نے فوراً نکال
لیا۔ ایک سوار کا پیالہ دریا میں گر گیا۔ چونکہ بھرانے کسی کی چیز ضائع نہ ہوتی تھی اُن پر ایک قسم کے طعن کا
موقع تھا اُنکے رفیق نے بطون اور مذاق کے کہا اصابہ القدر فطاح (تقدیر نے اُسکو اڑا دیا)
اُس شخص نے کہا واللہ انی لعلی حالۃ ما کان اللہ یسلینی قدحی من بین اہل العسکر رحمکم
خدا کی میں ایسے حال میں ہوں کہ لشکر بھر میں صرف میرا پیالہ کبھی سب نہ کیا جائیگا۔

اللہ اکبر اس شخص کا صدق و اخلاص کس درجہ پر تھا کہ پیالہ تو دریائیں گر گیا سوچ اُس کو بہا کر لیگئی
مگر اس اللہ کے بندے کے اطمینان میں فرق نہیں آتا وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ میرا پیالہ کبھی ضائع نہ ہو گا اور
ہوا بھی ایسا ہی۔ لشکر دریا پار ہو چکا تو سوچ نے اُس پیالہ کو کنارہ پر پہنچا دیا۔ ایک شخص نے اُٹھایا اور
مالک نے پہچان کر لے لیا۔

وجہ کو ایسی طغیانی کی حالت میں ساٹھ ہزار سواروں کا اطمینان و سکون کیسا تھ باہم گفتگو کرتے
ہوئے طے کر لیا اور کسی کی جان و مال کا نقصان نہ ہونا کچھ کم عجیب بات نہ تھی بیشک اسلام کی کھلی کراہت
اور اُسکے دین آسمانی ہونے کی پوری شہادت تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ حیرت میں ڈالنے والی بات تھی کہ
دریا کے زور شور میں تیرتے ہوئے جو گھوڑا تھک جاتا اُس کے آرام کرنے کے لئے اُسی جگہ پانی میں ٹیلہ
نما ہوتا تھا جس پر کھڑے ہو کر گھوڑا سستالیتا اور جھکرتا رہتا تھا۔ قرب قرین نام گھوڑوں کو ایسا ہی اتفاق
ہوا اس وجہ سے اس دن کا نام تاریخ عرب میں یوم الماء اور یوم النحر اذیمہ رکھا گیا۔

اگرچہ گھوڑے دریا میں تیر سکتے ہیں مگر اتنے گہرے دریا کو جس میں معمولی حالت میں جہاز چلتے ہوئے بہ انتہا جوش و طغیانی کی حالت میں اور جبکہ اُس کا عرض میلوں کا ہو یا ہوئے کر لینا گھوڑوں کی طاقت سے بالکل خارج اور عادت کے بالکل خلاف تھا جن لوگوں نے ہندوستان میں گنگا جمن اور دریا سندھ وغیرہ دریاؤں کو برسات کی طغیانی میں دیکھا ہو وہ جانتے ہیں کہ ایسے وقت اُن کو گھوڑوں یا ہاتھیوں کے ذریعے سے عبور کرنا ممکن نہیں ہے یہی وجہ تھی کہ اہل ملتان نے اس خارج از عقل و قیاس حالت کو دیکھا تو شہر خالی کر کے چل دیئے مگر ممکن ہے کہ کوئی بہت دھرم ابھی کچھ بچی کر کے اس دشمن کرامت اور واضح دلیل کو ٹھاننا چاہا لیکن اس امر کو کہ جہاں شہر بھونچا دریا میں ٹیلا ظاہر ہو گیا اور گھوڑے زمین پر کھڑے آہم کرنے لگے کسی سبب ظاہری سے متعلق نہیں کر سکتا اور اُس کو بغیر قرار کرامت اسلام و تائید آسمانی کوئی چارہ نہیں ہے اس عجیب و غریب تائید آسمانی کو نافع بن الاسودان اشعار میں بیان کرتے ہیں۔

واصلنا على المداخن خيلاً نجما هامن برهن اسرىضنا
فانثلمنا خزان المراكس يوم والوا و خاص منا جرضنا
ہم نے ملائین پر گھوڑوں کو جھکا دیا کہ ملائین کا دریا اُنکے واسطے میدان کی طرح خوشنما نفع کی جگہ تھی
پھر ہم نے کسری کے خزانہ کو نکال لیا جب کہ اُن لوگوں نے پشت پھیری اور کسری غم ہو کر ہسے بھاگا
مال غنیت کی فراہمی | ملائین سے جس قدر مال غنیت حاصل ہوا اُس سے قبل کسی معرکہ میں نہوا تھا اور وہ لو
روپے کے اسباب کو اور خاص اُس سے ملنے اور چاندی اور جواہرات سے بنے ہوئے فرش کو جو کسری کے
لئے مخصوص درباروں اور دوسرے طبقات کے جلسوں میں بچھایا جاتا تھا جس کو حضرت سعد نے
شکر سے اجازت لیکر امیر المومنین کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیج دیا تھا اور جس کے ایک بالشت مربع
ٹکڑے کی قیمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیس ہزار ملی تھی) مستثنیٰ کر کے ساٹھ ہزار سواروں کو فی کس بارہ
ہزار حصہ ملا تھا اہل فارس نہایت بدعوا ہی کے ساتھ بھاگے تھے اُنکے بیش قیمت مال و متاع کو جا بجا
خجنگوں، راستوں اور متفرق مقامات سے جمع کیا گیا بہت سا مال تعاقب کی حالت میں ہاتھ آیا۔
عروین مقرن صاحب قباض مقرر کئے گئے جس کو جہاں سے کوئی چیز ملتی تھی صاحب قباض

لے صاحب قباض کا کام مال غنیت کو بچا محفوظ کرنا اور اُسکی فہرستیں مرتب کرنا تھا۔ ۱۲

کے حوالے کرتا تھا ایسی حالت میں کسی چیز کا ضائع ہونا یا کسی میں کچھ تصرف کا ہو جانا مستبعد نہ تھا مگر نہ کوئی چیز ضائع ہوئی نہ کسی میں کچھ تصرف ہوا۔

ہنروان کے پل پر چند اہل فارس کو دیکھا کہ ایک بچہ کو جس پر صندوق لدے ہوئے تھے نیری کیساتھ دھکیلتے ہوئے لئے جاتے تھے مسلمان سمجھ گئے کہ ضرور اس میں کچھ قیمتی سامان ہے ان کو چھین کر حصہ اقباض کے حوالے کیا۔ دیکھا تو ان میں کسری کا وہ نہایت قیمتی تاج تھا جو کسی عظیم الشان دربار کے موقع پر بربہر ہوتا تھا۔ ایک شخص نے بڑا ڈبہ جواہرات کا صاحب اقباض کے حوالہ کیا جسکو دیکھ کر انہوں نے اور انکے علمبرائے فرمایا کہ ہم نے اب تک ایسی یا اسکے لگ بھگ کوئی چیز نہیں دیکھی اور جو مال اس وقت تک فراہم ہو چکا ہے وہ سب ملکر اسکے برابر نہیں ہے صاحب اقباض نے اس شخص سے پوچھا کہ تم نے اس میں سے کچھ لیا ہے۔ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس ڈبہ کو تمہارے پاس بکت لانا صاحب اقباض نے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ جواب دیا میں تم کو اپنا نام بھی نہ بتلاؤں گا کہ تم خواہ مخواہ میری شکر گداری اور تعریف کرو میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اسی سے ثواب کا متوقع ہوں کہ اس نے مجھے توفیق دی۔ یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا۔ صاحب اقباض نے اس کے پیچھے ایک آدمی کو بھیجا کہ لوگوں سے دریافت کرے یہ کون شخص ہے۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ انکا نام عامر بن قیس بن مسعود ہے اس سارے واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے مسرت کیساتھ فرمایا: **وَاللّٰہُ اِنَّ الْجَلِیْشَ لِدَوَامَتِهِ وَاُولٰٓئِہٖ مَاسَبِقُ اَہْلِ بِلَدٍ** رضی اللہ عنہم لقلت انہم علی فضل اہل بدینہ رضی اللہ عنہم کہ ان کی قسم پر شکر نہایت امین ہے اور اگر اہل بدینہ کی فضیلت ثابت نہ ہو جیتی تو میں کہتا کہ یہ بھی انکی برابر ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ **وَالَّذِیْ لَا اَلَمَ لَہٗ اَوْ مَا اَطْلَعْنَا عَلٰی اَحَدٍ مِّنْ اَہْلِ الْقَادِیْسِیۃِ اَنہٗ یَرِیْدُ اَلدِّیْنَ اَمَعَ الْاٰخِرَةِ فَلَقَدْ اَتٰہُمْنَا ثَلَاثَۃٌ نِّفَرٌ فَمَا رَاْنَا کَا مَا نَتَمَعُ وَرَہْمُ وَہْمٌ طَلِیحٌ وَعَمْرُو بْنُ مَعْدِیْکَرٍ وَقَیْسُ بْنُ الْمَکْشُوْحِ قَسَمُ رُؤُسِ** فات کی جس کے سوا کوئی تمہود نہیں سمجھتا قادیسیہ شکر میں کسی ایک کو بھی یہ نہ سمجھا کہ وہ آخرت کیساتھ دنیا کا طالب ہے جو تین شخصوں کی نسبت گمان تھا کہ تحقیق کے بعد ان کا سارا بعد امانت بننے میں نہ دیکھا۔ وہ تین شخص طلیح اور عمرو بن معدی کرب اور قیس بن المکشوح تھے۔

یہ تینوں صاحبِ ہبی تھے جو فوری جوش میں مرتدین کے ساتھ مل گئے تھے مگر پھر مسلمان ہو گئے
 اُن پر یہ گمانی بے موقع نہ تھی۔ مگر ایمان چونکہ لُٹنے لُڈنے کا قدم جا چکا تھا۔ اس لئے اُن کے اندر بھی وہی
 اوصاف پائے گئے جو دوسرے راسخ الایمان حضرات میں تھے۔

مدائن کا فلاح وہی لشکر ہے جو ابھی حضرت سعدؓ کی ماتحتی میں قادیسیہ میں اوشجاہتِ نیکر
 اور جوہرِ ایمانی دکھلا کر ستم کا خاتمہ کر کے آیا تھا۔ اسی دہے سے حضرت جابرؓ اس لشکر کو اہل قادیسیہ سے بغیرائے ہیں
 ساتھ ہزار لشکر اور ایسا بے انتہا مالِ غنیمت کہ خمس نکالنے اور قیمتی اسبابِ علیحدہ کرنیکے بعد فی کس
 بارہ ہزار دہم نقد حصہ ملا۔ اور یہ بے تعدد دولتِ بازاروں جنگلوں۔ بھاگتے ہوئے لوگوں سے جمع کی گئی
 اور اُس میں سے ایک شے میں بھی بغیرِ انت ہوئی نہ کوئی چیزِ نیکم ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے پاک افراد
 کے اجتماع کی جن کو بمقامِ نبوتِ آخرتِ دنیا کی طبعِ ذرہ بھر بھی نہ تھی کیا کسی جگہ تطہیر مل سکتی ہو۔ اس سے زیادہ
 اُنکی بے لوثی اور دنیا سے بے لاگ ہونے کی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت جابرؓ شہید کے ساتھ
 اُن کے غالبِ دنیا ہونے کی نفی فرماتے ہیں اور حضرت سعدؓ اُن کو اہل بدر کے برابر کرنے کی واسطے مستغلب
 منصفو اور انصاف کرو اور دیکھو کہ اسلام کی اشاعت کن اصول پر کیسے لوگوں کے ہاتھوں
 سے ہوئی ہے۔ یہ وہی پاک نفوس ہیں جنکی صورت دیکھ کر ہی خفایتِ اسلام و نشین ہو جاتی تھی چہ
 جائیکہ اُنکے حالاتِ اخلاق۔ عادات۔ عبادات و معاملات کا مشاہدہ۔

اگر دنیا کی کوئی تاریخ کسی قوم کے ایسے حالات پیش کر سکتی ہو تو کرے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے
 کہ ساتھ ہزار لشکر میں کل صحابہ ہی نہ تھے۔ یرموک کے عظیم الشان معرکہ میں جہاں خالد بن الولیدؓ اور
 امین الامت ابو عبیدہ بن الجراحؓ سپہ سالار تھے صحابہ ایک ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ اسی قیاس پر کہہ سکتے
 ہیں کہ قادیسیہ کے معرکہ میں اگر بہت ہو گئے تو دو تین ہزار صحابہ ہو گئے باقی کل وہی حضرات تھے جن کو
 رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مبارک نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ صحابہ کے فیضِ صحبت نے اُنکو
 کندن بنا کر اس رجم میں پہنچا دیا تھا کہ اُن میں اور صحابہ میں فرق کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ صحابہ کے موثر
 قوی اور اُستادِ کامل ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہو کہ صحابہ کی شان تو جیسی کچھ دفع تھی

جزیرہ سرائی کی فتح اور
مسلمانوں کا غرق آجانا
بحرِ روم میں جزیرہ صقلیہ اور کریٹ کے بعد سرائیہ سے بڑا جزیرہ ہو مٹی
بن نصیر فاتح اندلس نے ایک لشکر اس جزیرہ کی فتح کیواسطے جہازوں پر
سوار کر کے روانہ کیا۔ جزیرہ مستح ہو گیا۔ عیسائیوں نے سوائے چاندی کے برتن اور اس قسم کے
دوسرے اموال کو بندرگاہ کے اندر پانی میں ڈال دیا اور بہت سے مال کو ایک گرجا میں ڈھپتی کے اندر
رکھ دیا۔ مسلمانوں کو بے انتہا مال غنیمت میں ملا لیکن اُس میں غلول یعنی خیانت بھی بہت ہوئی۔ اُنکو
خیانت کا ایک طرح سے موقع بھی مل گیا۔

ایک مسلمان نہانے کیواسطے دریا میں اُتر آیا اُس کے پیرو کو کوئی چیز لگی۔ نکال کر دیکھا تو چاندی کی
رکابی تھی۔ پس اس سے پتہ چلا تو جس کے بوجہ چیز ہاتھ لگی سب نکال لی۔ علیٰ ہذا ایک شخص اُس گرجا میں
داخل ہوا۔ چھت میں ایک کبوتر بیٹھا ہوا دیکھا اُس نے تیرا راکبوتر نوچ گیا مگر پتھر کا ٹکڑا ٹوٹ کر نیچے
گرا اور اُسکے ساتھ کچھ دنیا پر بھی گرے جب کو اُس نے اُٹھا لیا اس طرح وہ سارا مال بھی ہاتھوں ہاتھ
لیگئے اور مال غنیمت میں بے انتہا چوری ہوئی۔ چوری کیلئے بہت سی جیلے اختیار کئے گئے۔ بتی کو مار کر
اندر ونی الیش سے صاف کر کے اُس میں دیار بھر کر سی دیا اور رستی بانڈھ کر راستہ میں پھینک دیا اور جب
گذر ہوا تو کہیں پھینک دینے کے بہانے سے کھینچے ہوئے لیگئے۔

فتح جزیرہ سے فاتح ہو کر اور مال غنیمت میں اس طرح خیانت کر کے واپسی کیواسطے جہازیں سوا
ہوئے تو غیب سے ایک آواز سنائی دی اللہم غرقہم رے اللہ ان کو دریا میں غرق کرنے کے سب
بالکل غرق ہو گئے ایک بھی نہ بچا۔

پیشکر اسلام کی اہم خدمت انجام دیکر مظفر و منصو واپس ہو رہا تھا مگر احکام اسلام کی اطاعت
مکرم کیا نتیجہ اُن لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ جھگٹنا پڑا اور سب فنا ہو گئے لیکن اسلام اپنی نقار پر ترقی کرتا گیا۔
انکے ہاتھ نہ سہی دوسرے لوگوں کے ہاتھ سے سہی۔

اسلام اپنی ترقی میں کسی کا محتاج نہیں ہو۔ مسلمان اُسکے احکام کے پورے فرمانبردار رہے
دنیا کی نیکنامی کے ساتھ ثواب آخرت جمع کرتے رہے اور جب کسی جماعت نے اُس سے انحراف کیا

خود تباہ و برباد ہوئے۔ اسلام نے اپنی ترقی کی واسطے دوسری راہ نکالی۔

روم کے بادشاہ کا خط | اسی ذیل میں ہم ایک اور تاریخی واقعہ لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں جس سے ہمارے سابق بیان پر اوں زیادہ روشنی پڑ جائے اور معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام اس بارہ میں خود کیا فرما گئے ہیں اور اسلام کی اس ترقی کے کم کو نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلمان بھی بخوبی سمجھتے تھے۔

چوتھی صدی ہجری میں قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ نے عربی زبان میں ایک منظوم خط جو عتبائے زبان بھی نودار اور فصیح تھا۔ خلیفہ عباسی کے نام لکھا جس میں ممالک اسلام کے فتح کرنے اور اپنی بیشمار مفاخر اور اولوالعزمیوں کو ظاہر کرنے کے ساتھ مسلمانوں اور خلیفہ کو خوب تہنید اور وعدہ وعید لکھے تھے۔ اُس قصیدہ کا پہلا شعر یہ تھا۔

من الملک الطهر المسیحی رسالة
الی قائد بایا الملک من الی ہاشم
دیہ خط مسیحی پاک بادشاہ کی طرف سے
خلیفہ ہاشمی کے نام
اس خط میں بہت کچھ لکھتے لکھتے لکھا ہے۔

الاشتر و دایا اهل بغداد و ملککم
فلککم مستضعف غیر دایا
اے اہل بغداد تمہارے لئے ہلاکی ہی تم بھاگنے کے واسطے مستعد ہو جاؤ کیونکہ تمہارا ملک ضعیف و پائیدار نہیں
رضیتکم بان الدلیلی خلیفۃ
فصرتم عجلید اللعجلید الدیالہ
تم و دلیلی کے خلیفہ ہونے پر راضی ہو گئے
اور تم و دلیلی غلاموں کے غلام بن گئے
یا اشارہ ہے کہ ملوک و عظیم جناب خلیفہ تھے اُن کا اثر خلیفہ پر پڑ گیا۔

فعود الی ارض الحجاز خلت
وخلو ابلاد الروم اهل المکام
تم ذلیل ہو کر سرزمین حجاز کی طرف لوٹ جاؤ۔ اور ذی غرت اہل روم کے ممالک کو خالی کر دو
اس قصیدہ کے آخر میں لکھا ہے۔

ملکنا علیکم حین جار قوتکم
وعاملتم بالملکرات العظام
ہم تمہارے اوپر اس وقت غالب آئے جب تمہارے قوی تھے ضعیف پر ظلم کیا اور تم بڑے بڑے ممالک کو خالی کر گئے

قضا انکم باعوا جہاں ارضہا ہم کبیع ابن یعقوب بن یغیر دہاہم
 (تساویہ بیچ اس طرح کھلم کھلا فیصلہ کو فروخت کرنے لگے جس طرح یوسف علیہ السلام تھوڑے دہان میں بیچ دیے گئے)
 اس قصیدہ کے آخری اشعار کا ایک شعر یہ ہے

سما فتحو ارض الشرق طرا ومغربا والشرق من الصلب لشرق العمانہ
 (غریب مشرق اور مغرب کے سب ملک کو فتح کرو گنا، اور صلیب کے بن کو اس طرح پھیلاؤ گا جیسے عام کو پھیلاتے ہیں۔)
 ناظرین ان چند ہی اشعار سے قصیدہ کا لب لباب اور عیسائی بادشاہ کی نخوت و غرور خیالات
 اور ارا دونوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اس منظوم خط کا جواب اُس وقت کے مشہور مستند عالم قتال مروزی نے تحریر فرمایا جو خط
 اپنی فصاحت و جہتگی۔ جوابات کی معقولیت اور واقعی الزامات اور استنباط نتائج کے اعتبار سے اس
 پایہ کا تھا کہ سچی بادشاہ خلاف توقع اس بلندی پر جواب کو دیکھ کر حیران ہ گیا وہ تعجب سے پوچھتا تھا کہ
 جواب لکھنے والا کون شخص ہے۔

قتال مروزی نے ہر بات کا فیصلہ کن اور قطعی جواب دیا ہے مگر ہماری غرض یہاں اُن جوابات کے
 نقل کرنا نہیں ہے البتہ بعض جوابات بطور نمونہ دکھلا کر اصل مقصود ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ فرماتے ہیں

وقال مسیحی ولسی کذا کہم اخوقسوة لا یجتد فی فعلہ رحمہ
 (وہ اپنے آپ کو مسیحی کہتا ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ سنگدل آدمی جیم اور مہربان کا متبع نہیں کہلاتا)
 یعنی مسیحی وہ ہی کہلاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا متبع ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت
 جیم مہربان اور اپنی امت کی واسطے نہایت نرم احکام لانے والے ہیں۔ ایسا سنگدل اور سخت اُن کا
 متبع کہہ کر ہو سکتا ہے۔

ولیس مسیحیاً جہولاً مثلاً یقول لعیسیٰ اجل غر و صفا دم
 (ایسا بیوقوف جو حضرت عیسیٰ کو خدا کہتا ہے) کبھی بھی یعنی مسیح نہیں ہو سکتا
 وما المثلک الطھر امسیحی غادر ولا فاجر عانة للمظالم
 (جو بادشاہ پاک اور متبع مسیح علیہ السلام ہو۔ کبھی عداوت اور ظلم کی طرف مائل نہیں ہو سکتا)

اس طرز جواب سے مجھ لینا چاہئے کہ ہر ایک بات کا کیسا دندان شکن جواب اس قصیدہ میں دیا گیا ہے یہ سارا قصیدہ اور اس کا جواب اس قابل تھا کہ بحرہ نقل کر کے اعتراض جواب کا موازنہ کرے مگر طول کا اندیشہ اور اصل مقصد سے دور پڑ جانے کا خیال ہو اس لئے ہم تمام اعتراضات اور ان کے جوابات کو نقل نہیں کرتے ہیں۔ اگر کسی وقت خواہش کیجی گئی تو ممکن ہو کہ دونوں قصیدہ بلکہ تیسرا قصیدہ جو اسکے جواب میں ابن خرم نے لکھا ہے نقل کر دیں لیکن جو سب سے بجا یہی اور چھٹا ہوا اعتراض عیسائی بادشاہ نے کیا تھا جس کے لکھنے کی وقت خود اسکو بھی خبر نہ تھی کہ اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا اور وہ یہ نہ سمجھا تھا کہ گو میں دل سے حقانیت اسلام کا قائل نہیں ہوں مگر میرا اعتراض بھی پر حجت ہو جائے گا۔ اس کا جواب جو قفالؒ نے دیا ہے نقل کرتے ہیں۔

وقلتمہ ملکناکم لھجور قرضنا فکم وبعیھما احکما لھمہ والدہراھمہ

تم کہتے ہو کہ ہم اس جسے تم پر غالب ہوئے کہ تمہارے قاضیوں نے ظلم کیا اور اپنی فیصلوں کو دینے کے بدلے بیچ ڈالا

وفی ذالک اقوال بصیحة دیننا وانا ظلمنا فابتلینا بظالم

(لیکن اس میں تو ہمارے دین کی حقانیت کا اقوال ہے۔ کہ ہم نے ظلم کیا تو ہم پر ظالم مسلط کر دیا گیا)

ان اعتراضات اور جوابات کے دیکھنے سے اتنی بات بخوبی واضح ہو گئی کہ مخالف اور موافق دونوں کے نزدیک اسلام کی ترقی اور اشاعت کا سوا صرف اسکے احکام کی خوبی اور مسلمانوں کے صدقہ اخلاص تھا بادشاہ روم صاف اعتراض کرتا ہے جب تک تم مسلمان اپنی اصلی حالت پر رہے ہم مغلوب ہی ہوتے چلے گئے ہم اس وقت غالب آئے جب تم نے اپنے سیدھے راستہ صدقہ اخلاص دینا انصاف وغیرہ اوصاف حمیدہ کو چھوڑ کر ظلم اختیار کیا اور افعال شنیعہ کے مرتکب ہوئے۔

ممکن تھا کہ جواب میں ان اعتراضات کو دفع کرنے کی کوشش اس طرح کی جاتی کہ واقعات کی تغلیط کرتے اور ان افعال کی تاویل مگر نہیں مجھے بے ہمتی اور تعصب سے کام نہیں لیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ تو اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہے جب ہم نے ظلم کیا طریقتی کو چھوڑا تو فتح و نصرت تائید آسمانی نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑا۔ ہم پر دوسری قومیں مسلط ہو گئیں ہم ذلیل ہوئے اور

ملک کے ہمارے قبضہ سے نکلنے چلے گئے۔

یہ وہ واقعہ ہم نے دوسرا پہلو دکھانے کی غرض سے درج کئے ہیں اب ہم پھر اسلی مقصد کی طرف عود کرتے ہیں۔

قیردان کی بنا ہزاروں قیردان غزنی افریقہ کے اُن مشہور شہروں میں ہے جو زمانہ دراز تک افریقہ کا بربر کا مسلمان ہونا دارالسلطنت اور گورنر افریقہ کے قیام گاہ ہوئی وجہ سے اسلامی عظمت و اقتدار اور شان شوکت کی زندہ یاد گار تھی۔ زمانہ دراز تک غزنی افریقہ میں اس سے بلا کوئی شہر نہ تھا۔ قیروان کی بنیاد شہدہ ہجری میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں رکھی گئی۔ اسلئے بھی یہ شہر ذاتی حیثیت سے مقدس سمجھا جاتا تھا ہزاروں حبل القدر علماء اُسکی خاک سے ظاہر ہوئے اور وہیں آغوشِ حید میں قیامت آرام سے گوشہ نشین ہو گئے۔

لیکن جیسا یہ شہر اپنے مقدس مانیوں اور اسلام اقتدار و عظمت کے مرجع نابین سلطنت کے قیام گاہ ہونے کی وجہ سے نہایت مقدر مانا جاتا تھا۔ ایسا ہی اُسکی بنیاد اور آبادی کا واقعہ بھی صفحاتِ عالم پر یاد گار رہنے والا۔ اور اسلام کی صداقت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف اور ذاتی محاسن اور مقبولیت عام کا سکہ بٹھلانے والا تھا۔ مبارک وقت تھا کہ ایک ہی وقت ہزاروں حق سے مخرف اور ضلالتوں کی توحید کی بجائے شرک و بت پرستی کو اختیار کرنے والے سرسبز ہوئے اور اِذِ وَجَّهَتْ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فِیْ فِطْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حٰقِیْقًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ لکھ سچے دل سے دین اسلام کے جان نثار بن گئے۔

حضرت عقبہ بن نافع فہری کو امیر معاویہ نے افریقہ کا عامل مقرر فرمایا اور حضرت عقبہ نے افریقہ کے اکثر حصے کو فتح کر لیا۔ قوم بربر جو اسلی باشندے اس ملک کے تھے اُن میں سے بہت سے قبائل مسلمان ہو گئے تھے اور وہ بھی حضرت عقبہ کیساتھ مالک افریقہ کی فتح میں شریک تھے۔

لیکن مسلمانوں کیلئے کوئی مستقل چھاؤنی نہ تھی جس جگہ اُن کا بالاستقلال قیام ہوتا اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جب امیر افریقہ وہاں سے فارغ ہو کر مصر کو واپس آتے تو نو مسلم بربر بھی مخالفوں کے

ساتھ کھڑے ہو کر سب عہد و پیمان توڑ دیتے اور جو مسلمان وہاں موجود ہوتے انکو تباہ کر نہیں کچھ کسرت رکھتے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عقبہؓ نے ارادہ فرمایا کہ مناسب موقع پر مستقل چچاؤنی ڈال دیا جائے جہاں ہر وقت عساکر اسلام موجود ہیں اور ہر طرحی افریقہ کو ایک مستقل صوبہ قرار دیدیا جائے۔

لیکن اس غرض کیلئے جس موقع کو پسند فرمایا وہاں اس قدر دلدار اور گنجان جنگل اور گھنے درخت تھے کہ آدمی یا بڑے جانور تو درکنار سانپوں کو بھی اُن درختوں میں سے ہو کر نکلتا دشتوار تھا۔ جینگل درندوں اور ہر قسم کے موزی اور زہریلے جانوروں کا مسکن تھا۔ ایسی سرزمین میں آدمی کی بود و باش تو کیا گزرنا بھی خطرناک امر تھا۔ مگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اہلہم اجمعین کا ہر ایک ارادہ باذن اللہ ہوتا تھا انکے فعل میں شک و شبہ کے آثار نمایاں نہ ہوتے تھے وہ جو کچھ کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے بھر دوسہ پر کرتے تھے۔

مسلمانوں نے اس جگہ کو قیامگاہ بنانے میں جو خطرے تھے ان کو ظاہر کیا تو حضرت عقبہؓ نے اُن مصلحتوں کا اظہار فرمایا جو اس جگہ کو منتخب کرنے میں پیش نظر تھیں اہل اسلام کے نزدیک جہاں یہ مصلحتیں قابل لحاظ ثابت ہوئیں اور حضرت عقبہؓ کی رائے انکو راجح معلوم ہوئی۔

اس لشکر میں اٹھارہ صحابی موجود تھے حضرت عقبہ امیر لشکر نے سب کو جمع فرما کر اس میدان میں لیگے اور حشرات و سباع کو خطاب کر کے فرمایا۔

ایہا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامرحلوا فاننا فاسر لوفمن جدناہ بعد قتلناہ (اے درندہ اور موزی جانور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس جگہ آباد ہونا اور قیام کرنا چاہتے ہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ اور قیام کرنا چھوڑ دو اسکے بعد ہم جس کو بھجیں گے قتل کر دیں گے۔)

اس آواز میں معلوم نہیں کیا تاثر تھی کہ سب حشرات اور درندوں میں ہل چل پڑ گئی وہ اُسی وقت جلا وطن ہو نیکے واسطے تیار ہو گئے۔ جماعتیں کی جماعتیں وہاں سے نکلتی شروع ہو گئیں بیٹھے پچھونکو اٹھائے ہوئے بھیر پیلے اپنی اولاد کو لئے ہوئے سانسپ اپنی سپولیوں کو کمر سے چٹائے ہوئے نکلے چلے جاتے تھے یہ ایک عجیب و غریب منظر تھا جو نہ اس سے قبل کہیں دیکھا گیا تھا نہ کسی کے وہم و گمان میں تھا۔

یقینی امر ہے کہ اس حالت میں جبکہ زندے اور سانپ وغیرہ اس طرح بکثرت پھیلے چلے جاتے ہوں کوئی شخص قریب کڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ نہاروں کی تماشائی اس حالت کو دیکھنے کی واسطے کھڑے ہوں۔ مگر سب جانتے تھے کہ اس وقت یہ کسی نہایت برا اور قہر کم کے مسخر اور تابع ہو جاتے ہیں۔ دوسرے کو ان سے کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ انکو اپنی جان بچانی بھاری پڑ رہی ہے۔ اس لئے بے تکلف نہاروں مخلوق تماشا دیکھ رہی تھی۔

قوم بربر جو اس ملک کے اصلی باشندے اور اس جنگل کی حالت اور خطرات سے بخوبی واقف تھے ان حالات کو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ کیا یہ بات ممکن تھی کہ حقانیت اسلام کی ایسی روشن دلیل کو دیکھنے کے بعد بھی وہ باطل پرستی پر قائم رہتے اُسی وقت نہار ما بربری صدق ل سے ایمان لے آئے اور اسلام کے حلقہ بگوش غلام بن گئے۔

یہ ایک تاریخی صحیح واقعہ ہے جسکی تکذیب ہی شخص کر سکتا ہے جو اصول تاریخ اور مسلمانوں کے بے لوث اور آزاد طریقہ تاریخ نویسی سے ناواقف ہو اور جو تاریخ عالم پر بلا حجت و دلیل تکلیف پانی پھیرنے کی واسطے تیار ہو جائے۔

دنیا بھر کے فلاسفر علم طبیعیات اور طبقات الارض کے ماہر اسباب و مسببات کے تعلقات بحث کرنے والے اگر تمام ذہنی اور دماغی قوتیں صرف کر ڈالیں تو وہ ہرگز نہیں بتلا سکتے کہ عقبہ کی اس آوازیں کیا تاثیر تھی اور کیا سبب تھا کہ انکی آواز سننے ہی ایسے وحشی اور موذی جانور طاعت کیلئے آمادہ ہو گئے۔ اس کا سبب اگر بتلا سکتا ہے تو وہی شخص جو خالق و مخلوق کے ربط اور اس کی حقیقت سے واقف ہو اور جو یہ جانتا ہو کہ تمام مخلوقات اور تمام اسباب و مسببات خالق کائنات کے اشارہ اور حکم پر چلتے اور اسکی مرضیات کے تابع ہوتے ہیں ملک کو جو تعلق مالک کے ساتھ ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر مخلوق کو خالق سے ہوتا ہے۔ ملک مالک سے بے نیکی کر سکتا ہے مگر مخلوق کسبہ خالق سے سرتابی نہیں کر سکتا مخلوق ہر آن اپنے وجود میں خالق کا محتاج ہے اسباب و علل سے بحث کرنے والے اور اسباب و علل ظاہرہ پر قناعت کر کے علت اعلیٰ کو فراموش کر نیوالے اس تعلق خالق

و مخلوق کو بخوبی ملحوظ رکھیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ بالکل یہ تمام خواہشات و ارادات نفسانی سے پاک و برتر تھے انکی توجہ بجز بارگاہ حق تعالیٰ دوسری جانب نہ تھی وہ تمام مداخل و فدا کے طے کئے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا حکم بھی وہی اثر رکھتا تھا۔ جو خداوند عالم جل شانہ کا۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گر چیز از حلقوم عبد اللہ بود

ان تعلقات کے اور اک احساس کا کوئی آلہ آج تک ایجاد نہیں ہوا ان کا اصلی علم انہیں لوگوں کو ہوتا ہی جو ایمان کیساتھ تہذیب نفس کے پُر خطر عقبات کو طے کر چکے اور برد و سکیئتہ قلب حاصل کر چکے ہوں یا تقلیدی علم اُس جماعت کو ہے جو اخلاص کیساتھ ان کی متبع ہو۔

الغرض اسلام کی یہ خوبیاں اور مسلمانوں کے یہ اوصاف تھے جنہوں نے عالم پر اسکی بچائی کو واضح کر دیا اور انہیں بُر دست حالات نے دنیا پر اسلام کی حکومت جمادی کیا کوئی کہہ سکتا ہو کہ حشر و ہوام بھی بُر و شمشیر قدیم مسکن و وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یا جو نہ رہا مخلوق اس تائید آسمانی کو دیکھ کر اسلام لے آئے ان پر مسلمانوں کی سطوت و جبروت کا کوئی اثر تھا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں

فیروان میں جامع مسجد کی تعمیر و مرمت قبلہ کی تعمیر ہو گیا کہ اس وسیع میدان اور آبادی میں چالیس سال تک سانپ وغیرہ کی صورت نہیں دکھلائی دی اور جب اسلامی لشکر کو ان خطرات کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو آبادی کا کام شروع ہوا اسکے اول امارات کی بنیاد رکھی گئی اور اسکے گرد اگر مسلمانوں نے مکانات بنائے۔ اور اسکے ساتھ ہی حضرت عقبہ نے جامع مسجد کی بنیاد ڈالی لیکن حضرت عقبہ کو حقیقی سمت قبلہ کی تعیین اور دیوانہ قبلہ کے صحیح رخ پر قائم کرنے کے بارے میں بہت کچھ تردد تھا اگرچہ نماز کی ادائیگی یہ ضروری نہیں کہ سمت قبلہ بالکل صحیح اور حقیقی طور پر تعیین ہو بلکہ استقبال جہت کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ بطور تحرّی استقبال قبلہ کرتے اور نماز ادا کرتے رہے۔ لیکن اسلامی دار الحکومت میں جامع مسجد کی

تعمیر جو اعلیٰ درجہ کا مذہبی شاعر ہے معمولی امر نہ تھا اُن کو یہ خیال تھا کہ اس وقت اگر سرسری نظر سے سمت قبلہ کو متعین کر کے یوں قبلہ قائم کر دی گئی تو ممکن ہے کہ کسی وقت اس میں کوئی غلطی محسوس ہو اور جامع مسجد کا منحرف عن القبلہ ہونا کوئی وسوسہ قلوب عوام میں پیدا کرے۔

ایک شب حضرت عقبہ اسی غم و تردد کی حالت میں تھے کہ یکایک کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کل صبح تم جامع مسجد میں داخل ہونا تنکو تکبیر کی ایک آواز آئی گی تم اُس آواز کی سمت میں چلنا جس جگہ اور جس موقع پہ جا کر آواز موقوف ہو جائے وہی جگہ قبلہ کی ہے وہاں پر نشان لگا دینا اور قبلہ کی یوں قائم کر دینا یہی وہ سمت قبلہ اور دیوار قبلہ ہو گی جس کو اللہ نے مسلمانوں کی واسطے ہمیشہ کیلئے پسند فرمایا۔ ایسا ہی ہوا صبح ہی جامع مسجد میں داخل ہوئے تو تکبیر کی آواز آئی اور جس طرف کو وہ آواز جاتی تھی اُسی طرف کو حضرت عقبہ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر وہ آواز منقطع ہو گئی۔ اُسی خط پر نشان لگا دیا اور اُسی سمت پر قیروان کی تمام مساجد بنائی گئیں۔

یہ غلبی تائیدات تھیں جو جزیرہ نما عرب اور تمام ایشیا سے متجاوز ہو کر افریقہ و یورپ میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کرتی تھیں۔ اوبیہ وہ باتیں تھیں جنکی وجہ سے تمام بلاد و امصار میں خود بخود اسلام کیواسطے راستہ صاف ہوتا چلا گیا۔

۱۱۱۱ الفرس یعنی مسلمانوں کیواسطے ہر ہر موقع پر اس طرح تائیدات آسمانی ظہور پذیر ہوتی تھیں کہ غیر مسلم گھوڑے کا چشمہ اقوم اُن کو دیکھ کر سچیرہ جلاتے تھے۔ حضرت عقبہ کو ملک افریقہ کے مختلف سفوف میں ایک دفعہ ایسے مقام پر قیام کا اتفاق ہو گیا۔ جہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا نہ تھا مسلمانوں کے پیالے کا غلبہ ہوا اور قریب تھا کہ سب کے سب ہلاک ہو جاویں حضرت عقبہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت مضطرب ہوئے اور سب سے بہتر تدبیر یعنی رجوع الی اللہ کی طرف جو مسلمانوں کی اصلی علامت و خصوصیت ہے متوجہ ہوئے دو رکعت نماز پڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں تضرع و نزاری سے دعا شروع کی۔ آپ دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ آپ کے گھوڑے نے سُم سے زمین کو گریہ کرنا شروع کر دیا اور زمین کے اندر سے ایک صفا پتھر ظاہر ہوا جس میں سے فوراً پانی نکلنا شروع ہو گیا۔

حضرت عقبہؓ نے باواز بلند اسکی اطلاع لشکر کو دی مسلمان چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور گڈھے کھود کر پانی کو جمع کیا اُس روز سے یہ مقام ماء الغرس کے نام سے موسوم ہو گیا۔ کہنے کیلئے تو یہ معمولی بات ہے کہ گھوڑے کے پیر مار نیسے زمین کے اندر چشمہ ظاہر ہو گیا لیکن جو لوگ ایمان راسخ رکھتے ہیں اور مذہب کے آثار اور تاثیرات سے واقف ہیں جو اس بات پر ایمان لائے ہیں کہ سب کے احاطہ سے خارج بھی کوئی اور ایسی بڑست قوت ہو جسکے اشارہ پر اسباب حرکت کرتے ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر معجزات اور خرق عادات کے ظہور کو ممکن الوقوع جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مشابہ ہے۔ فرق اتنا ہی کہ اس کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا اس لئے اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اس کا ظہور حضرت عقبہؓ کی دعائے ہوا جو نبی نہیں ہیں۔ اسلئے اس کا نام کرامت ہو گیا۔

یوم الابقار | مسلمانوں کے تائیدی واقعات کے سلسلہ میں ذیل کا واقعہ بھی اتنا عجیب جس کو سننے کے بعد اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے مؤیدین اللہ تعالیٰ کی نسبت کسی سخت منکر اور پردہ پوش کو بھی انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔

قادر کی مشہور عالم تاریخی واقعہ سے پہلے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عام ابن عمرو کو میدسان کی فتح کیلئے روانہ کیا۔ عام ابن عمرو وہاں پہنچے تو دشمن قلعہ میں داخل ہو محفوظ ہو گئے اور مسلمانوں کو رسد کے بہم پہنچانے میں بڑی دقت پیش آئی دودھ اور گوشت کا ملنا سخت دشوار ہو گیا۔ ایسی حالت میں جس قسم کی تکلیفیں پیش آنے کا احتمال ایک ایسے لشکر کے لئے جو دشمن کے ملک میں پیش قدمی کرتا ہو اچلا جاتا ہے اور وہاں کے مقالات اور حالات سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کچھ دشوار نہیں ہے۔

عام بن عمرو نے ہر چند کوشش کی مگر گائے بکریاں کہیں سے دستیاب نہ ہوئیں اتفاق سے ایک بن کے کنارہ پر اہل فارس میں سے ایک شخص ملا جو فی الواقع چرواہا تھا۔ اُس سے پوچھا کہ دودھ اور یا برداری کے مویشی کہاں ہیں اُس نے صاف جھوٹ بولا کہ مجھے

خبر نہیں ہے لیکن اسی وقت بن کے اندر سے ایک بیل نے باواز بلند کہا:۔ کن ب
عد واللہ۔ ہاٹھن (ترجمہ) دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے۔ ہم تو یہاں موجود ہیں۔

یہ آواز سنتے ہی تمام اُس بن میں داخل ہوئے اور سب گائے بیلوں کو بانگ لائے اور لشکر پر
تقسیم کر دیا جس سے لشکر میں خوش حالی اور فراخی پھیل گئی دودھ گوشت کی کمی نہ رہی۔ یہ تائیدِ
وقت پہنچی جبکہ سلمان رسد کے نہ ملنے سے سخت تنگی میں تھے۔ حجاج بن یوسف کو اس واقعہ کی اطلاع
پہنچی تو اُس نے چند ایسے حضرات سے جن کے سامنے یا جرات تھا طلب کر کے تصدیق کرنا چاہا۔
سب نے گواہی دی کہ ہم نے خود بیل کی آواز سنی اور خود ان بیلوں کو دیکھا۔ حجاج نے کہا تم غلط
کہتے ہو۔ انہوں نے کہا تمہارا کمند بیکرنا اُس وقت ٹھیک ہوتا کہ ہم وہاں موجود نہ ہوتا تو کم
موجود ہوتے لیکن جبکہ ہم موجود تھے اور تم نہیں تھے تو یہ کمند بیکرنا بالکل بجا اور ناجائز اور
خلاف اصول ہے۔ حجاج نے یہ سن کر کہا کہ بیشک تم صحیح کہتے ہو لیکن یہ تو بنلاؤ کہ لوگ اس
واقعہ کو دیکھ کر کیا کہتے تھے۔ کہا لوگ اس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں
سے راضی ہے اور یہ کہ مسلمانوں کیساتھ تائیدِ الٰہی شامل اور فتوحات ہر کا ہیں۔ حجاج نے کہا
یہ تو جہی ہو سکتا ہے کہ کل جماعت کے لوگ متقی اور برابر ہوں۔ ان لوگوں نے کہا یہ تو ہمیں
معلوم نہیں کہ اس لشکر کے دلوں کے اندر کیا بات پوشیدہ تھی اور وہ کن حالات کو اپنے اندر لئے
ہوئے تھے اور کن مقامات کو پہنچے ہوئے تھے۔

فاما حاسرینا فہما سلینا قط | لیکن ظاہر میں تو جو کچھ ہم نے دیکھا وہ یہ بات تھی کہ کوئی شخص
انہما فی دیننا منہم ولا اشتد | ان سے زیادہ زائد دینا سے بے لال اور اس کو نفع نہ
بغضالہا لیس فیہم حیا ولا | کی نگاہ سے دیکھنے والا نہ تھا۔ نہ ان میں کوئی نامرد تھا اور نہ
غال ولا عند امر۔ | خیانت کرنے والا اور رشکین تھا۔

اس موقع پر اوصاف مذکورہ بالا کا ذکر کرنا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی کلیہ
اصلی لازمی تھا اور یہی وہ اوصاف تھے جنکی وجہ سے وہ سوید میں لشکر تھے اور جنہوں نے ان کیلئے

فتوحات کے ساتھ صاف کئے تھے اور یہ فتوحات صرف کھلے میدانوں یا سرنگوں یا آباؤ اور معمر شہروں تک محدود نہ تھیں بلکہ اقلیموں اور ملکوں سے پہلے قلوب مسخر ہوتے تھے۔

لیکن میرے دوستوں کی تمہارا کہتا ہے کہ یہ لاکھوں مسلمان مسکے سب نہ ہد و تقویٰ نفرت دینا اور اس قسم کے اعلیٰ و منتہا کمالات انسانی کے ساتھ متصف ہو کر ایک ہی رنگ میں کیونکر رنگے اور وہ کونسا قوی اثر تھا جس نے اُن میں سے تمام اخلاقی کمزوریوں کو نکال کر ملکی صفات بنا دیا تھا جس نے اُن کی نظروں میں دنیا کو مردار سے زیادہ خفیہ بنا دیا۔ دنیا اُن کے قدموں سے گئی پھرتی تھی اور وہ نہ بگڑتے تھے۔

یہ سب کچھ سرور دنیا و دین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے جمال مبارک کی زیارت کا اثر اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی فیض صحبت کی تاثیر تھی۔ غیفری اعقول حیوانات جب مسلمانوں کی راحت اور رضا کی واسطے اپنی جانوں کو پیش کر نیکی لئے حاضر و موجود تھے اور اُن کو بھی یہ احساس کرادیا گیا تھا کہ مسلمان محض دین حق کی تائید اور رضا رآئی کی اتباع کے لئے نکلے ہوئے ہیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اشرف مخلوقات انسان کو باوجود عقل کامل اور مشاہدات عینی کے اس کا متیقن نہوتا اور وہ صدق دل سے اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے ان اوصاف و اخلاق حسنہ کے فریقہ نہوتے ان باتوں سے ہر ایک دل میں اسلام کی سچائی کو بٹھلا دیتا تھا۔ تو فتنہ اتنی جتنے شامل حال معلوم ہوئی مسلمان ہو گئے۔ اور جن کی قسمت میں محرومی بھی ہوئی تھی محرومی کا مسلمانوں کی طرف سے کسی پر جبر ہوا اور نہ کوئی اس کی تدبیر کی گئی۔ ہاں انہوں نے اسلامی کمالات کی روشن دلیل دکھا کر حجت تمام کر دی۔ یہ ایسے کھلے واقعات ہیں جن کو سن کر حجاج بن یوسف جیسے منافق اور سنگ دل جیسے شخص کو بھی اعتراف ہی کرنا پڑا کہ ایسی تائیدات جہی ہو سکتی ہیں جبکہ شکر و متقی اور برابر ہوں۔

اس عجیب واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا بھی بہت آسان ہے کہ جو شخص خواہشات اور جملہ امراض نفسانی سے منسلخ ہو کر مرضیات خداوندی کا تابع محض ہو جائے اور ذات پاک خالق کائنات کے سوا کوئی مقصود اس کا نہیں رہتا تو ہر چیز اس کی تابع ہو جاتی ہے۔

چوں از گشتی ہم چیز از گشت چوں از گشتی ہم چیز از گشت
یہ مبارک اور سعودی اسلامی تاریخ میں یوم الاباقر کے نام سے موسوم ہو گیا۔
یوم الاباقر اور بنا قیروان کا واقعہ ایک نوعیت کا معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کی تائید کے لئے
وہاں بھی حیوانات کی طرف سے اطاعت و فرمانبرداری کا ظہور ہوا تھا اور یہاں بھی لیکن باوجود ایک
نوع ہونیکے ان دنوں میں کچھ فرق بھی ہے جس کو میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔

بظاہر سرسری نظر میں قیروان کا واقعہ زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے کہ وحشی اور موذی جانور صحابہ
کی ایک ہی آوازیں اپنے مانوس طن کو چھوڑ کر چلے گئے اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر
اور ادب کو اس درجہ ملحوظ رکھا کہ کوئی دشمنانہ حرکت ان سے سرزد نہ ہوئی اور غور کیا جائے تو یہ ایک قسم کا
انقلاب ماہیت ہے جسکے نہایت مستبعد و محال ہونے کی کو بھی تامل نہیں ہو سکتا۔ بخلاف پالتو
جانوروں کے کہ وہ اصل طبیعت سے انسان کی ساتھ مانوس ہیں۔ اگر وہ آڑے وقت ان کے کام آگئے
تو کیا تعجب ہے لیکن میرے خیال میں یوم الاباقر کا واقعہ زیادہ اہمیت رکھتا اور اثبات اور حب فی اللہ کا
زیادہ پتہ دیتا ہے۔

یوم قیروان میں فرندے اور زہریلے جانور صحابہ کی آواز منکر نکل پڑے جس میں وہی احتمال
ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ برضار و رغبت تعمیل حکم کیلئے تیار ہو گئے۔ یا یہ کہ جان بچائے کو وہاں سے
چلے گئے کیونکہ ان کو دھکی دھجی تھی کہ اگر اس کے بعد کسی کو یہاں پاویں گے تو قتل کر دیں گے۔

اور یوم اباقرب میں بلا کسی قسم کے ایما اور حکم کے محض مسلمانوں کی راحت اور رضائے خداوندی
حاصل کرنے اور دین حق کی تائید کیلئے اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے موجود ہو گئے۔ صورت اولیٰ
میں اطاعت حکم ہے یا خوف جان اور صورت ثانیہ میں ایثار ہے اور اپنی جان کی قربانی اور ان دنوں
صورتوں کا فرق ظاہر ہے خصوصاً جب یہ بھی دیکھا جائے کہ ان جانوروں نے اپنی موجودگی کو
خود بیان کر دیا۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ اس روایت کی تسلیم میں کسی کوتاہی ہو یا حیوانات کے کلام کرنے اور انہماک کو خلاف عقل یا خلاف عرف و عادت سمجھ کر انکار کرنے بیٹھ جائے۔ سو امر اول میں تو اس وجہ سے کلام کرنے کی گنجائش نہیں کہ یہ روایت طبری اور ابن الاثیر جیسی معتبر اور مستند کتابوں کی ہر امام حافظ علماء طبری کا پایہ تحقیق و تنقید میں جس درجہ پر اس کو تمام اسلامی مصنفین و مؤرخین تسلیم کئے ہوئے ہیں اور اسلامی تواریخ میں اکثر کاماخذ ہی ہے۔ علاوہ بریں یہ واقعہ قرون اولیٰ میں اس درجہ مشہور اور بروایات معتبرہ منقول تھا کہ محلج بن یوسف نے اپنے زمانہ میں یعنی صدی اول کے آخری حصہ میں اسکی تحقیق کرنا چاہا تو ایک جامع نے اس واقعہ میں موجودگی کی شہادت دی اور محلج کو تسلیم کر لینا پڑا۔ رہا امر ثانی سو اس میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہئے کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے معجزات و خرق عادات کو صحیح اور واقعہ مانتے یا خلاف عقل نہیں جانتے ان کو اولیاء کی کلمات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے ایسے ناممکن و اتفاقات کے ظہور پذیر ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں ہو اگر کوئی خواہ مخواہ ہمارے ہی پر مصر ہو تو اس کے سامنے بخاری و مسلم کی صحیح روایات کو پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال بینما
مرجل لیسوق بقبرۃ اذ اعلیٰ
فزرکبھا فقالت انالہ مخلق
لہذا فقال الناس بقبرۃ
تتکلم فقال رسول اللہ فانی
اؤمن بہ انا و ابو بکر و عمر و ہما
ثنا الی آخر الحدیث۔

(ترجمہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ
ما سبق میں ایک شخص گائے کو لئے جاتا تھا جب وہ
تھک گیا تو اس گائے پر سوار ہو گیا۔ گائے نے اسکا
ہم سواری کیواسطے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ کھیتی کے
واسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس پر لوگوں نے تعجب
کیا کہ گائے بولتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ارشاد فرمایا کہ میں تو اس پر یعنی واقعہ کی صحت

اور گائے کے کلام کرنے پر ایمان لاتا ہوں اور اسکی تصدیق کرتا ہوں اور ابو بکر و عمر بھی اس پر ایمان لاتے ہیں
حالانکہ ابو بکر و عمر اس مجلس میں موجود نہ تھے یعنی شیخین کے کمال ایمان پر آپ کو اس درجہ اعتماد تھا کہ ان کی غیبت میں

اُن کی طرف سے تصدیق فرمائی،

یہ حدیث صحیح ہے اور اُس کی صحت پر محدثین کو اعتماد و اتفاق ہے جس سے بعینہ یوم الابقار کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن اس پر بھی تسلی نہ ہو تو ہم دوسری صحیح حدیث پیش کریں گے۔ جس سے یہ بات ثابت ہو جاوے گی کہ حیوانات جو ذی روح ہونے کیساتھ کچھ بولتے بھی ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی بات کو سمجھتے بھی ہیں اگر انسانی زبان میں کلام کرنے لگیں تو کچھ تعجب کی بات نہیں کہ خدا تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہو کہ جادات و نباتات میں علم و ادراک کو پیدا فرمائے۔

عن جابر قال كان النبي
صلى الله عليه وسلم اذا خطب
استند الى جذع نخلة من
سورى المسجد فلما صنع
له المنبر فاستوى عليه
صاحت النخلة التي كان
يخطب عندها حتى كادت
ان تلتشق فنزل النبي صلى الله
عليه وسلم حتى اخذها
فضمها اليه فجعلت تان
انين الصبي الذي يسكرت
حتى استقرت قال بكت على
ما كانت تسمع من الذكور والنكر
سرواه البخاري

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت
فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
عادت تھی کہ خطبہ کے وقت کھجور کے سٹکے سے
ستون سے سہارا لگا لیتے تھے۔ لیکن جب آپ
کے لئے ممبر تیار کر لیا گیا اور آپ اُس پر بیٹھ
گئے تو وہ کھجور کا ستون جس پر سہارا لگا کر آپ
خطبہ پڑھتے تھے اس قدر رویا اور چنچا کہ قریب
تھا کہ پھٹ جائے یہ حالت دیکھ کر آپ ممبر سے بچے
تشریف لائے اور اس ستون کو چٹا لیا تب وہ
اس طرح مسک مسک کر رونے لگا جس طرح بچے کو
چپکا کرتے ہیں اور وہ مسکیاں لے کر تھمتا
ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ستون کا رونے قرآن اور
ذکر کی مفارقت پر تھا۔ روایت کیا اس کو
بخاری نے ۱۲

اس روایت سے ثابت ہو کہ بالکل بے روح اور خشک ٹھٹھی سے ہر برکت قرب ذات

بارکات سرور کائنات علیہ الف الف صلوٰۃ و تسلیات نہ صرف نذوں کیسے افعال و حرکات صادر ہوئے بلکہ جسم مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت اور ذکر الہی سے بید ہو جانے کی وجہ سے وہ حالت طاری ہو گئی جو ایک عاشق زار پر ہوتی ہے جو ذکر الہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا فنا اور مستغرق ہو گیا ہو جس کو تمام لذتیں اور نعمتیں خاک سے زیادہ بے وقت معلوم ہوتی ہوں۔

مسلمانوں اُس حالت کی صورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے قائم کرو تو ایک حیرت انگیز سماں تمہارے سامنے پھر جائیگا۔ خشک ستون آپ کی مفارقت میں بے تاب ہو رہے اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے اور اُس کو گلے سے لگا کر پیار فرماتے ہیں اور اس طرح سسک سسک کر چپکا ہوتا ہو جیسا روتا ہوا بچہ اپنی نہایت مہربان ماں یا باپ کی گود میں چپک چپک رہتا ہو۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ یہ حال ایک بالکل بیجان اور بے حس و حرکت شے کا ہو جس کو آپ کے جسم مبارک چھوئے۔ لے اس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ صحاہ برضی اللہ عنہم جو اشرف مخلوقات اور خلاصہ عالم ہو چکے ساتھ آپ کی خدمت میں دن رات حاضر ہوتے اور تمام معاملات دیکھتے اور ہر قسم کے فیوض سے مستفیض ہوتے تھے وہ کس درجہ عشق و محبت میں پہنچے ہوئے ہوں گے۔ وہ کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خلیفہ و جانشین ہو گئے اور کیوں نہ جن وانس حیوانات و نباتات و جمادات اُن کی جان نشاری کے واسطے تیار ہوں گے۔

یہ واقعہ ایک صحیح حدیث سے ثابت ہو اور ایسے صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جن میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی صاحب خدا تعالیٰ کی وسیع قدرت کو کسی قانون میں محدود کر کے محض اپنی عقل کے بھروسہ اس صحیح اور صریح روایت کو رد کرے کیوں اسے تیار ہو جائیں تو یہ دوسری بات ہو۔ مگر ایسے حضرات کو خداوند عالم کی غیر متناہی قدرت کا ضرور تصور کر لینا اور اس آیت شریفہ کو بغور سمجھ لینا چاہئے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ (ترجمہ) نہ پہچانا انہوں نے اللہ کو حق پہچاننے کا

اور زمین ساری اُس کی مٹھی میں ہے قیامت کے دن اور آسمان پیٹے ہوئے اُسکے دایبے ہاتھ میں۔ پاک اور برتر ہے وہ ذات اُس چیز سے کہ شریک کہتے ہیں۔ ۱۲

وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ
مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ
وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

معجزہ مذکورہ بالا معجزہ استوانہ حنانہ کے نام سے معروف و موسوم ہے اور اس معجزہ کو عارف باللہ مولانا روم قدس سرہ شہنوی میں تحریر فرماتے ہیں۔

استن خانہ از جبرِ رسول	نالہ میں نہ دہجو اربابِ عقول
در میانِ مجلس و عطا آں چنناں	کزے آگہ گشت ہم پیر و جوان
در تختِ رمانہ اصحابِ رسول	کز چہ می نال دستوں با عرضِ طول
گفت پیغمبرِ خواہی اے ستوں	گفت جانم از فراقت گشت خون
از فراق تو مرا چوں سوخت جاں	چوں نالِ بے تویے جانِ جہاں
مسندت من بودم از من تا خستی	بر سرِ منبر تو مسندِ ساحتی
پس رسولش گفت کایے نیکو درخت	اے شدہ با سر تو ہمارا ز بخت
گمراہی خواہی ترا نخلے کنند	شرقی و غربی ز تو میوہ چنند
یاد راں عالم ترا سروی کند	تا ترو تا زہ بسانی تا ابد
گفت آں خواہم کہ دائم شد تقاش	بشنو اے غافل کم از چوبے نباش
آں ستوں را دفن کرد اندر زمین	تا چو مردم حشر گردد یومِ دین

استوانہ حنانہ کے واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا کچھ دشوار نہیں ہے کہ ذکرِ الہی کی قوت اور لذت کی کیا کیفیت ہو خشک اور بجان بکڑی میں اُسکی یہ تاثیر ہے تو انسان میں جو اشرف مخلوقات ہے اور محض اسی غرض کیلئے پیدا کیا گیا ہے کسی کچھ ہوگی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ غفلت کے ظلمات میں نہ پڑے اور اپنے دل کو نفسانی آلائشوں سے پاک و صاف کرے

انسان اگر ایسا کرے اور کرنا چاہے تو اس کا مرتبہ تمام مخلوقات سے بالاتر ہے اور وہ مستحق خلافت خداوندی ہے ورنہ اُس کے اسفل سافلین کے اندر گرنے میں کیا کلام ہے۔

ذکر الہی و محبت خدا و رسول ہی میں یہ لذت ہو کہ کوئی لذت اُس کے ہمسرو ہم سنگ کیا پائے گا بھی نہیں ہے دنیا و مافیہا اُس کے سامنے پہنچ ہے اور یہی وہ دولت ہو کہ جس کا قلب اُس سے مالا مال ہو گیا ہے بلاطین عالم اُس کے سامنے جہ سانی کرتے اور اُس کے در کی خاک رونی کو اپنا فخر سمجھتے ہیں ہارون رشید جیسا جلال و جبروت والا خلیفہ حضرت فضیل بن عیاض کی خدمت میں شب کے وقت حاضر ہوتا ہے اور آپ اندھیرے میں مکان کے کونہ سے لگ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ہارون رشید کا ہاتھ آپ کے بدن سے لگتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیسا نرم ہاتھ ہو کاش دوزخ کے ہاتھ سے نجات پا جائے اور ہارون رشید زار زار روتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں۔

اگر ساری دنیا مجھ پر طرح پیش کی جائے کہ مجھ سے کسی قسم کا حساب اسکے بارہ میں نہ تو تب بھی میں اُس سے ایسا ہی گن کر دوں گا جیسا کہ تم ہمارے قریب گذرتے ہوئے گھن کرتے اور اپنی کپڑے کو اُسکی آلودگی سے بچاتے ہو

لَوْ أَنَّ الدُّنْيَا جَعَلَ اِفْرِضًا عِزًّا رَضَتْ عَلَيَّ وَلَا اُحَاسَبُ بِهَا لَكُنْتُ اَتَقَدَّرُهَا لَمَا يَتَقَدَّرُكُمْ اَلْجَنَفَةُ اِذَا مَرَّ بِهَا اَنْ تُصِيبَ قَوْبَهُ

یہ کیفیت حضرت فضیل کے قلب میں کیونکر راسخ ہوئی صرف ذکر الہی کی لذت سے اسی لذت سے آشنا ہونیکے بعد کوئی شے مرغوب و محبوب نہیں رہتی۔

حضرت شبلیؒ کے آخری وقت میں لوگ کلمہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ اپنی بکیر طوطیؒ کہتے تھے۔

غَيْرُ مُتَحَابِرٍ اِلَى السُّرُجِ

چسبرغ کا محتاج نہیں ہے

يَوْمَ يَأْتِي النَّاسُ بِأَلْحُجَّةِ

جس دن لوگ جہنم پیش کریں گے

اِنَّ بَيْتَنَا اَنْتَ سَاكِنُهُ

جس گھر میں تیرا مسکن ہے

وَجْهَكَ اَلَمَّا مَوْلَىٰ مُجْتَمِنَا

تیرا چہرہ جو اُمید گاہ ہی ہماری محبت ہو

حضرت شبلی کا دل کیوں متور ہوا اور کس چیز نے اُن کو محو و مستغرق بنا کر دنیا و مافیہا سے مستغنی کر دیا تھا۔ محض ذکرِ آسمیٰ اور اُس کی پراسرار کیفیات تھیں۔

حضرت مولانا روم معجزہ مذکورہ بالا سے نتیجہ نکالتے ہیں۔

تا بدانی ہر سرگرا یزد بخواند	از بہہ کار و جہاں بے کار ماند
ہر کر با شد ز یزداں کاروبار	یافت بار آں جا و بیروں شد کار
واں کہ اورا بنودنا سرار داد	کے کند تصدیق او نالہ حباد
گوید آرمے نے ز دل بہر وفاق	تا نگویندش کہ بہت اہل نفاق
گر نیندی واقفاں امر کن	در جہاں رو گشتہ بودی ایں سخن
صد ہزاراں ز اہل تقلید و نشان	افسند شاں نیم و ہجے در گمان
کہ نظن تقلید و استدلال شاں	قائمست و جسدہ پروبال شاں
شبیہ می انگیزد آں شیطان و ن	در فتنہاں جملہ کوراں سرنگوں
غیر آں قطبِ زماں دیدہ در	کز شبائش کوہ گرد خیرہ سر

مضمون جب یہاں تک پہنچ گیا تو ہم اس جگہ ایک لطیف و عجیب نکتہ اور معجزہ اجاگر کرتی ہیں اور معجزہ استوانہ حنا میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں ہم اُمید کرتے ہیں کہ اہل علم و عقل اُس پر لطف مضمون سے چند فائدے حاصل کریں گے۔ اول تو یہ کہ کمالات و معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائب اسرار معلوم ہونے سے اُن کے ایمان میں تازگی پیدا ہوگی اور افضلیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی واضح و روشن ہو جائیگی کہ کسی تھوڑی سی عقل و لے کو بھی اُس میں انکار و قتال کی گنجائش نہ رہے گی۔

دوسرے وہ ظہان رُفع ہو جائے گا جو ممکن ہے کہ بعض نا فہموں کے دلوں میں خطور کرے یا کسی نادان اور کم عقل کے قلم سے بھنی نکل جائے کہ اہل اسلام کا دعویٰ ہوا اور اُن کے ایسے

مسلمات میں ہر جن میں کسی ایک فرد کو بھی اختلاف نہیں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و صل سے افضل میں اور تمام انبیاء و صل آپ سے مستفیض ہیں مگر اہل اسلام ہی کی مسلمہ روایات کی موافق نسبتاً سابقین کو جو معجزات دیے گئے وہ اپنی عظمت میں ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اُس درجہ تک پہنچے ہوئے نہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اُترنا بجلیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گائے کا پتلا بنایا اور وہ ذی روح ہو کر اُڑنے لگا آپ کے قم باذن اللہ کہنے سے مردہ زندہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو معجزات و اہت کئے جاتے ہیں اُن میں سے کوئی اس درجہ کا نہیں ہو۔ یہ لطیف و عجیب مضمون ایک ایسے قلم کا نکلا ہوا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اس آخری زمانہ میں اسلام کی حفاظت اور حمایت کیلئے پیدا فرمایا جس نے اسلام کی حریم کو فلسفہ جدید اور ہریت کے حملوں سے محفوظ فرمایا جس نے ایک طرف علوم اسلامیہ کے تحفظ کیلئے ایک مضبوط حصار (مدرسہ اسلامیہ بوند) قائم کر دیا اور دوسری جانب مخالفان اسلام کے جملہ مایہ ناز اعتراضات کے وہ دندان شکن جواب دیے کہ اُن سے بہتر نہ کوئی دیکتا ہے اور نہ اُن کے بعد کسی مخالف کو سرا بھائے کی گنجائش ہے جس نے اسلامی احکام کے اسرار اور اُن کے مطابق عقل سلیم ہو نیکو ایسی وضاحت سے لائل عقیدہ کیساتھ مدلل کر کے بیان فرمایا ہے جس کی فی الواقع اس زمانہ میں ضرورت تھی اور یہ طرنا استدلال اور طریق بیان ہو جو صرف اُنہیں کا حصہ تھا۔ میرا اشارہ حجۃ اللہ فی العالم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب حجۃ اللہ علیہ کی طرف ہو آپ کے پر عظمت نام اور مقدس ذات سے کون شخص ہے جو واقف نہیں ہو۔

مولانا قدس سرہ نے اپنی مفصل و مبسوط تقریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات علمی و علمی میں یکساں اور فضل ہو نیکو ثابت فرمایا ہو۔ کمالات علمی میں یکساں ہو نیکو لائل بیان فرمائے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

”پھر عجاز علمی وہ بھی متبادل و لین و آخرین اگر آپ کی خاتمت اور یکسانی پر ولات نہیں کرتا تو اور کیا ہو ایسا شخص اگر خاتم النبیین نہیں تو اور کون ہو گا۔ اور ایسا شخص سرور الدین و آخرین نہیں

تو ادراک کون ہوگا۔ اہل فہم اور انصاف کیلئے تو یہی بس ہو۔ اور نادان کو کافی نہیں۔ دفتر نہ رسالہ؛ کمالات علمی میں بیکتا ہونی کی تقریر سے فارغ ہو کر کمالات علمی کی بیکتائی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

”کمالات علمی میں بھی آپ کی کتابیں اور ان میں بھی کوئی آپ کا ہمتا نہیں۔ سہر خیز بعد اعجاز مذکور (یعنی اعجاز قرآنی جو کمالات علمی کی تقریر میں بیان فرمایا) اُن کے ذکر کی حاجت نہیں۔ مگر چونکہ بھانجے اگر کسی کے کمال پر دلالت کرتا ہو تو بعد اطلال و علم دلالت کرتا ہے۔ سو جیسے جلال صورت آنکھوں سے معلوم ہوتا ہو اور کمال آواز کانوں سے اس سے بڑھ کر اعجاز کیلئے ایک جُدی حالت اور جُدی کمال کی حاجت ہے اور اس لئے کمال علمی کے ادراک اور علم کیلئے کمال عقل و فہم کی حاجت ہے جو آجکل برنگ عنقا جہاں سے مفقود ہے اسلئے کمالات علمی بھی بطور مشتے نمونہ از خروار سے ہزاروں میں سے دو چار عرض کرتا ہوں“

مولانا نے اس موقع پر چند معجزات کا ذکر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا موازنہ انبیاء الودعہ کے معجزات سے کر کے آپ کے معجزات کی برتری اور تفوق کو ثابت فرمایا ہے۔ مگر ہم اُس پوری تقریر کو نقل کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ صرف اُسٹوانہ خانہ اور سنگریزوں کی تسبیح خوانی کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے اُسکو باختصار و توضیح بعض مواقع لکھتے ہیں۔ مولینا کے ارشاد کا حاصل یہ ہے۔

”حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اُڑا دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عا سے مردہ زندہ ہو گیا۔ یا گائے سے ایک حانور کی شکل بنا کر خدا کی قدرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُٹا دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے چھوٹنے کی برکت سے کبھی کا سوکھا کھجور کی بکڑی کا ستون زندہ ہو کر آپ کے فراق میں اور خدا کے ذکر کی موقنی کے صدمے سے چلا یا۔ اور ایسا رویا کہ پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ علی ہذا القیاس پتھروں اور سنگریزوں کے سلام اور آپ کی نبوت کی شہادت اور تسبیحات حاضرین نے سنیں۔ اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اعجاز ان اعجازوں سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بیشک زندہ ہوا لیکن اندھے کی صورت میں آکر زندہ ہوا۔ اور وہی حرکات اُس سے سرزد ہوئیں جو اور سانپوں سے

ہوتی ہیں علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے گارے سے زندوں کی سی حرکات جیسی سرزد ہوئیں جب یہ گارہ پر بند کی شکل میں آیا۔ آخر زندوں کی شکل زندگانی سے کچھ علاوہ رہنا سبب ہے جو زندگانی حیوانات کی شکلوں سے علیحدہ نہیں پائی جاتی۔ پھر حرکت وغیرہ میں کبھی زندگانی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ اس بنا پر زندگانی کا زندوں کی شکل میں ظاہر ہونا اتنا مستبعد نہیں جتنا زندوں کی شکل سے پایا جانا مستبعد ہے اور اُس نگار کی شکل سے حرکات بھی سرزد ہوئیں جو تمام پرندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ مگر سوکھے ستون کی زندگانی اور سنگریزوں کی تسبیح خوانی میں نہ شکل و صورت کا لگا دھسے نہ کوئی ایسا برتاؤ ہے جس میں اور جنس شریک ہوں۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ جادات بلکہ نباتات اور حیوانات تو کیا بنی آدم میں سے بھی کسی کسی کو یہ شرف میسر آتا ہے۔ سوکھے ستون کا فراق نبوی میں دنیا یا موقوفی خطبہ خوانی سے جو اُس کے قرب جوار میں ہوا کرتی تھی چلانا اُس محبت خدا و رسول پر دلالت کرتا ہے۔ جو مراحل معرفت طے کرنے کے بعد میسر آتی ہے۔ کیونکہ محبت کیلئے حق یقین کی ضرورت ہے اگر علم یقین یعنی اخبار مغیر اور متواتر سے محبت پیدا ہوا کرتی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے آج لاکھوں عاشق ہونے کیونکہ جو شہرہ اُن کے حسن و جمال کا اب ہے وہ اُس وقت کہاں تھا۔ علیٰ ہذا اگر عین یقین یعنی مشاہدہ سے محبت ہوا کرتی تو کھانے کی چیزوں کی رغبت کیلئے چکھنے اور کھانے کی ضرورت نہوتی۔ فقط مشاہدہ کافی ہوا کرتا۔ استعمال کر کے دیکھنا خود اسکی دلیل ہے کہ رغبت کیلئے حق یقین چاہئے اور اسی نفع اُٹھانے اور استعمال کرنے کو حق یقین کہتے ہیں۔

ستون مذکور کا رونا اُس محبت خداوندی اور عشق نبوی پر دلالت کرتا ہے جو بے تر مہر حق یقین یہ نسبت ذات و صفات خداوندی و کمالات نبوی تصور نہیں اور ظاہر ہے کہ اس موقع خاص میں اس قسم کا یقین بجز کاملان معرفت اور کسی کو سینہیں آسکتا ہے پھر سنگریزوں کی تسبیح و تحلیل میں اسی معرفت کی طرف اشارہ ہے جو سوائے خاصانِ خدا پر تعظیم و ارشاد

ممكن الحصول نہیں اور ظاہر ہے کہ سنگدیزوں کی تسبیح و تقدیس کو کسی کی تعلیم کا نتیجہ نہیں سکتے۔
یہ مولانا قدس سرہ کی تقریر کا اقتباس اور حاصل ہے جس سے صاف ثابت ہو کہ اُستواءِ حقانہ کا
معجزہ اجیازِ موتی۔ گارے سے جانور بنا کر اڑا دینے سے بدرجہا فوقیت رکھتا ہے۔ وہاں زندگی
کا طوطو۔ زندوں کی صورت میں ہے اور یہاں حیات کا ظہور کچھ کی سوکھے ستون میں وہاں صرف
انہیں حرکات کا صادر ہونا ہے جو ہر جاندار حیوان سے صادر ہوتے ہیں۔ اور یہاں اس عشق و
محبتِ خدا و رسول کا اظہار ہے جو انسانوں میں بھی بجز ازل معرفت و حقیقت دوسروں کو نصیب
نہیں ہوتے اور یہ ایسے کھلے ہوئے اور واضح فرق ہیں جن کو ملحوظ رکھنے کے بعد کسی کو بھی اس معجزے
کے تفوق میں کلام نہیں ہو سکتا۔

ہم جانتے ہیں کہ گویہ مضمون جس کی ابتداء یومِ الابطاء سے ہوئی تھی کسی قدر طویل ہو گیا۔ مگر
اس سے ہماری ناظرین بہت سے عجیب و غریب فوائد حاصل کر لیں گے۔ معجزہ کے متعلق ہم نے
یہاں بہت ہی اختصاص کے ساتھ اُمّی قدر بیان کیا ہے جس کا اس موقع سے تعلق ہے۔ ناظرین
کرام کو انتظار کرنا چاہئے۔ ہمارا ایک عرصہ سے خیال ہے کہ ہم معجزات کے متعلق خواہ نظم میں خواہ
نثر میں مفصل ایک تبصرہ کریں جس میں معجزات کو علی الترتیب اس طرح بیان کیا جائے کہ معجزات
علی و علیٰ حُجبا انقرا آئیں۔ فلسفہ جدید سے جو اذہان طالع متاثر ہیں بشرط فہم سلیم انشاء اللہ اس
تبصرہ سے اُن سب کا قلع قمع ہو جائیگا۔ اور ان کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ جن تخیلات کی بناء پر
نصوصِ قرآن و حدیث کو نہایت جرأت کے ساتھ رد کیا جاتا ہے۔ وہ چند موبہوم اور مفروض
و خود تراشیدہ قواعد پر مبنی ہیں۔

محاصرہ محض مسلمانوں کے لئے تائیداتِ آسمانی کا ظہور کسی خاص نوعیت کیساتھ مخصوص
نہ تھا۔ بلکہ جیسی ضرورت پیش آتی تھی اُسی کے موافق تائید ہوتی تھی اور یہی وہ بات تھی جس کا عرف
اُن کے مخالفوں کو بھی تھا اور دل سے مسلمانوں کو حق پر سمجھے ہوئے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ و شوق میں مصالحت کے معاملہ سے فارغ ہوئے و محض کی

جانبُ ح کیا۔ ہر قل کو اطلاع ہوئی تو اہل حص کو بہت کچھ امداد کا وعدہ دے کر طرح سے تسلی دی حضرت ابو عبیدہؓ نے حص کا محاصرہ کر لیا۔ موسمِ سردی کا تھا۔ اہل حص نے باہم مشورہ کر کے یہ بات طے کی کہ لڑنے کی کچھ ضرورت نہیں اہل اسلام کو محاصرہ کئے پڑے بہتے دینا چاہئے۔ یہ لوگ سردی کا تحمل نہ کر سکیں گے۔ پیروں میں ان کے موزے بھی نہیں جوئے بھی ہیں تو عجبی وضع کے جو پیر کی کچھ بھی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ سردی سے بچا سکتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ شدتِ سردی سے اُن کے پیر پھٹ جائیں گے اور بالآخر برف کی وجہ سے انگلیاں گرنے لگیں گی اور یہ گھبرا کر لوٹ جائیں گے یا فنا ہو جائیں گے اور فی الواقع تھا بھی ایسا ہی۔ اہل عرب اس قسم کی سخت سردی اٹھانے کے خوگر نہ تھے اور نہ اُن کے پاس محافظت کا سامان تھا۔ برخلاف اہل حص کے کہ اول تو وہ اس ملک کے رہنے والے سردی کے تحمل دوسرے ہر قسم کا سامان موجود۔ مگر یہ ظاہری خیالات تھے تا ئید الٰہی اسباب ظاہری پر موقوف نہیں ہے۔ غیب سے یہ صورت پیش آئی کہ اہل حص کے پیر تو موزوں میں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور مسلمانوں کے پیروں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ عربی چیلوں میں اچھے خاصے رہے کسی کی ایک انگلی بھی نہ گری

جب جاڑا گذر گیا اور اہل حص کے خیالات پورے مسلمان اُسی طرح مستعدی سے صحیح و سالم رہے تو ایک تجزیہ کار بوڑھے شخص نے اہل حص سے کہا کہ مسلمانوں سے صلح کر لینا بہتر ہے ان لوگوں نے اٹھا کر کیا۔ پھر ایک دوسرے شخص نے کہا کہ جاڑا گذر گیا اور تمہاری سب اُمیدیں خاکِ مل گئیں۔ خیالات غلط ثابت ہوئے۔ اب کس بات کے منتظر ہو صلح کر لینی چاہئے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اب برسائے کے منتظر ہیں۔ برسائے میں نہیں رہتا گرمی میں طہور پذیر ہوتا ہے اُس شخص نے کہا ان خیالات کو چھوڑو۔

اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ يَّعٰثِرُوْنَ وَلَا يَنْتَظِرُوْنَ
 دیدہ قوم ہے جن کی غیب سے نائیڈ امداد ہوتی ہے

۱۔ برسائے ایک عرض ہے جس سے جسم پر درم اور ہڈیاں ہوتا ہے۔ ۱۲

قَاتِلُوهُمْ بَعْدَ يَمِينٍ خَيْرٌ
مِنْ اَنْ تُوْخَدُوْا وَاَعْتَدُوْا
اُجِيْبُوْنِيْ
مُحَمَّدٌ قَبْلَ اَنْ يَّجِيْبُوْنِيْ
مَذْمُوْمِيْنَ فَقَالُوْا سُبْحٰنَ خُرُوفٍ
وَلَا اَعْلَمُ لَهُ بِالْحَرْبِ

تھارا اُن کے پاس عہدِ ایمان کے بعد جانا اس سے
بہتر ہے کہ زبردستی پکڑے ہوئے جاؤ تم میری بات
اس وقت مانو گے تو قابلِ تعریف قرار پاؤ گے
جو میں مجبور ہو کر مانو گے اور قابلِ مذمت بنو گے اُن
لوگوں نے کہا کہ یہ تو بول رہا ہو کہ یہک گیا ہے اور
اسکو لڑائی کا تجربہ بھی نہیں ہے۔

اسکے بعد ایک دفعہ مسلمانوں نے حملہ کیا اور بآواز بلند بحیرہ کی تو محص کے اندر زلزلہ آگیا۔
دیواریں گر پڑیں۔ یہ حالت دیکھی تو وہ گھبرائے اور ان تجربہ کار بوڑھوں کے پاس گئے جنہوں نے
اول ہی صلح کی رائے دی تھی۔ اور کہا کہ اب کیا کریں۔ اُن لوگوں نے ٹال دیا اور خوب ذلیل کیا۔
دوبارہ جب پھر تکبیر کہنے پر زلزلہ آیا تو پھر اُنکے پاس گئے تب انہوں نے کہا تم خود صلح کی خواہش
کرو۔ چنانچہ اہل محص نے قلعہ کی دیواروں پر کھڑے ہو کر صلح کی خواہش ظاہر کی مسلمانوں کو خود
بات معلوم نہ تھی کہ یہ لوگ کس بات سے مجبور ہو کر صلح کرنی چاہتے ہیں اُن کو معلوم نہ تھا کہ تائید
الہی نے اہل محص کے اندر کس قسم کی پریشانی اور بدحاشی پھیلا رکھی ہے مگر چونکہ وہ امن و امان
اور صلح کے ہر وقت طالب اور خوشامند اور خونریزی سے بچنے کو بدل پسند کرتے تھے اس لئے
فوراً آمادہ صلح ہو گئے اور انہیں شرائطِ صلح کرنی جن شرائط پر دمشق میں کی تھی۔

اس واقعہ سے ہر ذی فہم نہایت آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جب فریقِ مقابل کے
تجربہ کا اعتقاد کو مسلمانوں کے حالات کا مشاہدہ کرتے کرتے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہر موقع پر خدا کی طرف
سے اُن کی اعانت ہوتی ہے اور اُن کی نصرت و کامیابی سراسر تائیدِ الہی پر مبنی ہے ظاہری سامان
پر موقوف نہیں ہر تو کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام کی حقانیت کا اثر اُن پر نہ ہو۔ اُسکو پتہ چلا اور آسانی
مذہب سمجھتے ہوں انہیں واقعات سے اور مسلمانوں کے حالات کے مشاہدے سے اُنکے لوں میں
اسلام کی محبت کا بیج جمادیا اور گویا اُن کے باطن میں نورِ ایمان چمک گیا گویا ہر جہدِ پابندی

و مناصب یا خوف غوغا عوام یا اندیشہ سلطنت اس وقت اسلام کا اظہار نہ کر سکے لیکن ظاہر ہے کہ جب ان موافق کے مرتفع یا ضعیف ہو جانے کے ساتھ ان کو مسلمانوں سے میل جول پیشی اور ہم کلامی کی نوبت پہنچی اسلام بجلی کی روش سے بھی زیادہ تیزی اور سرعت کیساتھ پھیلتا چلا گیا اور جو لوگ اپنی باطنی میلان کو ظاہر نہ کر سکے تھے اب بخوف و خطر اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے یہ بھی اسلام کے بسعت پھیل جانے کی اصلی لم۔ ورنہ مسلمانوں نے کسی ایک جگہ بھی کسی قسم کے دباؤ یا زور حکومت یا حیلہ و تدبیر سے کام نہیں لیا۔ تاریخیں موجود ہیں کوئی شخص ایک بھی مثال اسکی دکھلا سکتا ہے تو دکھلائے۔

سردار ابن فارس کا معرکہ مسلمانوں کے مقابل وہی قومیں تھیں، وم و فارس دونوں عظیم کے برجستہ مسلمان ہونا قوموں کے علماء اور واقف کاروں میں مذہبی و ایات کی بنا پر یہ امر ذہن نشین تھا کہ اسلام ضرور پھیلے گا۔ اور مسلمان ان ممالک پر مسلط ہو جائیں گے

یہی وجہ تھی کہ اس بھید پر مطلع ہونے والے اشخاص مقابلہ کو پسند نہ کرتے تھے نیز جردہ ہونے والا فارس نے مدائن کے مفتوح ہونے کے بعد اپنے سرداروں اور سپہ سالاروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور بالآخر فیستار پایا کمر زجر مرنے بہت بڑے سپہ سالار کو جس کا نام (سیاہ) تھا معہ شرط بے بڑے افسروں اور امیروں کے موس کی محافظت کیلئے بھیجا لیکن اہل سوس تو پہلے ہی مصیبت کر چکے تھے۔ اس لئے سیاہ کو مجبوراً مامور اور تیسرے درمیان خیمہ ڈالنا پڑا سیاہ جس عظیم الشان اور شان و شوکت سے آیا تھا اُس کا فکر مسلمانوں کو بھی تھا۔ کیونکہ فارس کے منتخب اور جید سردار اُس کے ہم کرب تھے۔ مگر تاہم اللہ تعالیٰ سے مسلمانوں کے لئے جو سلمان ہو رہا تھا وہ ان کے دہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ فارس کے افسر علیہ سیاہ نے ان سرداروں کو جو اُس کے ساتھ اور ماتحتی میں تھے جمع کر کے کہا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم ہمیشہ سے سنئے چلے آئے ہیں کہ یہ لوگ اس مملکت پر غالب آ جاویں گے اور اصرار کے شای محلات میں ان کے گھوڑے بندھیں گے اور اس وقت ان کی فتوحات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ خیال کس قدر متیقن اور صحیح ہے اب تم لوگ

اپنی بیبودی کی بات سچوے لو سب نے کہا ہم تمہارے مشورہ کے تابع ہیں اُس نے کہا تو ہر شخص اپنے متبعین اور خواص کا ذمہ دار بن جائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ہم اُن کے مذہب میں داخل ہو کر اُن جیسے بن جائیں۔ اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اور ایک بڑے سطریشیرویہ کو دس افسروں کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ سے گفتگو کرنے بھیجا۔ شیرویہ نے اپنی قوم کا پیام پہنچایا کہ ہم غنبت مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ مگر اس شرط پر کہ تمہارے ساتھ ملکر ہم اپنی قوم اہل عجم سے تو مقابلہ کر کے مگر اہل عرب سے نہ لڑیں گے۔ اور کسی عربی نے ہم سے لڑائی کی تو تم کو ہماری محافظت لازمی ہوگی۔ نیز یہ کہ بیت المال میں ہم کو وہ حصہ دیا جائے جو تم میں کے اشراف اور سرداروں کو دیا جاتا ہے اور یہ کہ عہد نامہ امیر المومنین کی تصدیق سے مرتب کیا جائے۔

حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ جب تم مسلمان ہوتے ہو تو ان شرطوں کی کیا ضرورت ہے جو ہمارا حال یہی تھا را حال۔ اُن لوگوں نے اسکو نہ مانا تو حضرت عمر کی خدمت میں یہاں لکھا اور وہاں سے جواب آیا کہ جو وہ کہتے ہیں اسکو مان لو۔ اس قرار داد کے بعد سیاہ مد تمام افسروں اور فوج کے مسلمان ہو گیا اور یہ سب تشرکے محاصرہ میں حضرت ابو موسیٰ کے ساتھ شریک ہوئے لیکن جس مستعدی اور جدوجہد کی توقع تھی وہ اُن سے ظاہر نہ ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ نے سیاہ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ اوّل تو ابھی ہم اسلام کے احکام سے تمہاری طرح واقف نہیں ہو سکے آپ نے بیت المال سے ہم کو وہ حصہ نہیں دیا جس کے ہم مستحق تھے۔ حضرت ابو موسیٰ نے یہ حال حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا وہاں سے جواب آیا کہ اُنکے ساتھ مدھی معاملہ کرنا چاہئے جو خود مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اُن کیلئے بقدر اُنکے دجے اور جائفشانہ کے بیت المال سے مقرر کیا جائے جیسا کہ خود مسلمانوں میں تفاوت درجات ملحوظ رہتا ہے چنانچہ سیاہ اور اُسکے ساتھ پانچ سطرشروں کا نام ڈھانی ہزار والوں میں بکھا گیا اور سو شخصوں کا نام ہزار والوں میں علیٰ ہذا۔ جب یہ مرحلہ طے ہو چکا تو حضرت ابو موسیٰ نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ سیاہ نے یہاں اپنی مردانگی اور جوش تہری کے جوہر دکھائے۔ آخر شب میں اپنی ملکی

وردی ہنکر اور اسپر خون کے چھینٹے ڈال کر قلعہ کی دیوار کے نیچے جا پڑا۔ کسی شخص نے اوپر سے دیکھا تو سمجھا کہ ہمارا آدمی زخمی پڑا ہے دروازہ کھول کر اُس کے اُٹھانے کیواسطے چند آدمی گئے جب قریب پہنچے تو سیاہ نے کھڑے ہو کر مقابلہ شروع کر دیا وہ گھبرا کر بھاگے تو اُس نے تنہا ہی قلعہ کے دروازہ پر قبضہ کر لیا اور اسکے پیچھے فوراً مسلمانوں کا لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا اور اس طرح ایک شخص کی جرات سے قلعہ فتح ہو گیا۔ یہ ایک خاص جگہ کا واقعہ ہے جس میں ہزار ہا اہل فارس وقت و احادیث مسلمان ہوئے۔ اس واقعہ سے ہم چند نتائج نکال سکتے ہیں۔

(۱) اسلام کی تھانیت اور مسلمانوں کے آنے اور ممالک شام و عراق پر تسلط ہو جانے کا علم ہر دو ملکوں کے اہل علم و عقل کو از روئے روایات مذہبی تھا اور قبل از ظہور اسلام اُنکے باہم یہ تذکرے ہوتے تھے قیصر روم و شام ہر قل کو بھی جو اہل کتاب میں سے تھا یہ علم تھا جیسا کہ ہم ابتدا میں لکھ چکے ہیں۔

(۲) یہ لوگ اسلام کو مذہب حق سمجھ کر رغبت و خوشی مسلمان ہوئے۔ خوف و طمع زرا کے باعث نہیں ہوئے کیونکہ جان و مال کی حفاظت اور اپنے مال و دولت پر بآزادی قابض رہتے کیساتھ مصالحت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ابھی اہل سوس مصالحت کر کے محفوظ و مامون ہو چکے اور اسکی ہزار نظیریں موجود تھیں کہ مسلمانوں نے جو عہد کیا اُس کے خلاف ایک بات نہ کی رہا شرط کرنا سو یہ بھی طمع نہ دیکھو جوہر سے نہ تھا بلکہ مساوی حقوق کا طلب کرنا انسانی حریت و شرافت کا مقتضی ہے۔ مساوات حقوق کا مطالبہ عین عقل و تقاضا انسانیت و حریت کے مطابق ہے۔ اس میں طمع نہ کو دخل ہی نہ جب جاہ۔

(۳) جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور امداد نہ ہو ہدایت کیلئے فقط علم کافی نہیں ہے ہر قل قیصر روم و شام کے پاس جب نامہ مبارک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا تو اُس نے بھی نامہ مبارک کی بہت تعظیم کی اور آپ کے حالات دریافت کرنے کے بعد اپنی قوم کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی اور کہا یہ دین ضرور پھیلے گا اور یہ لوگ میرے ملک پر تسلط ہو جائیں گے۔ مگر توفیق شامل حال نہ تھی علم نے

کچھ کام نہ دیا۔ عوام نے دنیا کی راحت کو دائمی نجات پر ترجیح دی۔

ناظرین اس واقعہ اور اسکے نتائج پر مطلع ہو کر آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اسلام جو اس قدر عشر سے پیلا کہ ایک ایک موقع پر ہزار ہا آدمی مسلمان ہوتے تھے اور وہ بھی معمولی اشخاص نہیں بلکہ فوجی سردار اور لشکر جبار جو معرکہ کارزار گرم کرنے اور ملک کو اغیار کی مداخلت کر نیے محفوظ رکھنے کیلئے اپنے بادشاہ سے سرفروشی کا عہد کر کے نکلے تھے اور پھر لڑ کر مغلوب ہونے یا قیدی بننے کے بعد لڑائی اور مقابلہ سے پہلے مسلمانوں کے کثرت عساکر اور ساز و سامان ظاہری سے مغرب ہو کر نہیں بلکہ اپنی مذہبی اور قومی روایات کی بنا پر اس یقین کی وجہ سے مسلمان غالب آئیں گے ضرور تسلط ہوں گے ضرور۔ پھر ان سے مقابلہ لا حاصل۔ اور یہ علم نہ سلطنت تک محدود تھا۔ بلکہ خواص سے گزر کر عوام تک پہنچ چکا تھا تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس اشاعت میں تلوار کی زور کو بھی کچھ دخل تھا۔ معاذ اللہ

استغفر اللہ

ہم ازل کہہ چکے ہیں کہ مسلمانوں نے بڑی بڑی معرکہ کی لڑائیاں لڑیں۔ ملکی فتوحات میں وہ کمال لکھلایا کہ دنیا انگشت بزمناں ہو گئی۔ تھوڑے اور بہت تھوڑے زمانہ میں اسلامی فتوحات کے سیلاب عظیم نے ممالک شام و عراق و مصر سے متجا و زہو کر فریقہ کے ممالک اور اندلس کو زیر و کر لیا۔ حاشا للہ کہ اشاعت اسلام میں ان فتوحات کو کچھ بھی دخل ہو۔ ایک شخص بھی خوف جان کی وجہ سے اسلام لانے پر مجبور نہیں ہوا۔ مصالحت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ امن دینے میں مسلمان اس قدر مستعد تھے کہ کسی نے جھوٹ کو درخواست کی اور وہ سچ صحیح قبول کرنے کو موجود ہو جاتے تھے و فار عہد کی یہ حالت کہ اگر کسی اونٹ نے بھی عمدہ کر لیا تو سب پر اس کا احترام و حجب۔ پھر ایسی حالت میں کسی کو کیا مجبوری تھی کہ اپنا محبوب قدیم مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتا۔

اسلام کے بسرت پھیلنے کی کل دو ہی وجہ تھیں۔

(۱) مذہبی روایات کی بنا پر اہل شام و روم و فارس کو یقین تھا کہ اسلام مذہب حق ہے

اور وہ ضرور پھیلے گا۔

(۲) مسلمان جب کسی ملک یا شہر میں صلح کر کے داخل ہوئے یا فتح کر کے اور اُس جگہ کے لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنے کا اتفاق ہوا۔ میل جول کا موقع ملا۔ اُن کے معاملات کو دیکھا۔ اُنکی رہنمائی۔ خدا پرستی۔ دینداری اور تمام اُن برگزیدہ اوصاف کا مشاہدہ کیا جو ایک ہادی قوم کیلئے ہونی چاہئیں تو خود بخود بلا آزادی اسلام کی محبت دلوں میں راسخ ہوئی گئی اور بخوشی و رغبت سرکش گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکا گئی۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہر منصف مزاج ان صریح حالات کی تصدیق میں کبھی تامل نہ کریگا۔ ہر مہم کیلئے نہ کوئی محبت کا رگڑ ہے اور نہ کوئی واضح سے واضح دلیل اسکی تشفی کر سکتی ہے۔

رستم سپہ سالار عظیم فارس کے اسلام اور مسلمانوں کی نسبت خیالات مسلمانوں کی اخلاقی و دماغی قابلیتیں اور حسن معاملات

رستم سپہ سالار عظیم فارس کے مقتول ہونیکا ذکر وادیہ کے تذکرے میں اجمالاً اچکا ہے۔ اسوقت مجھ کو اس کا بہرنا مقصود نہیں ہے۔ معرکہ کارزار قادیسیہ کی کیفیت نہ

پہلے بیان میں لکھی گئی تھی اور نہ اب لکھی جائیگی۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصود سے علیحدہ چیز ہے۔ اسوقت سابق مضمون کی تائید میں کہ اہل فارس کے سرداروں اور شریف خاندانوں میں اسلام کی حقانیت اور غلبہ کا یقین کس قدر راسخ ہو چکا تھا۔ رستم کے قلبی جذبات اور خیالات کا ذکر نا مناسب سمجھا گیا۔ یہ وہ شخص ہے کہ فارس بھر میں اس سے بڑھکر مقتدر شجاع اور معتد علیہ کوئی نہ تھا۔ ملک فارس نے اپنی نجات کی اُمیدیں اُسی کی ذات سے وابستہ رکھی تھیں۔ سلاطین فارس بھی اسی کے محتاج اور اسکی طرف امید و سیم کی نظر سے دیکھتے تھے مجھے دکھانا ہے کہ ایسے شخص کے خود ذاتی خیالات کیا تھے۔ اور اسلام کی عظمت و محبت کو کہا خاکِ دل میں لئے ہوئے تھا۔ مسلمانوں کے مقابلہ سے کیونکر پہلو بچاتا تھا۔ اور باہنہ شجاعت و مردانگی بزدلوں کی طرح حیلہ و حوالہ سے جنگ کو ٹالتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بد قسمتی نے اُسکو اس دولت سے محروم رکھا اور انجام کار اُسکو وہی روز بد دیکھنا پڑا جس سے وہ بچتا تھا۔ باوجود معرفت و علم ذاتی کے تصدیق کا درجہ نصیب نہ ہوا اور حسرت و افسوس کے ساتھ کفر کی حالت میں طاب دیدی۔

عنوان مذکورہ کے ذیل میں بہت سے واقعات اور حالات ہیں جن سے ہمارے صلی دعوے
اشاعت اسلام پر نہایت خوبی سے روشنی پڑتی ہے اس لئے ناظرین صبر و سکون
مسلسل واقعات کو جو خاص اس عنوان کے ذیل میں لکھے جائیں گے اور جن کا تعلق عنوان
مذکورہ سابق سے ہی ملاحظہ فرمائیں اور ان کے نتائج کا آخر مضمون پر انتظار کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی وقت سر ملک فارس میں ایسے
تغیرات و حوادث پیش آنے شروع ہوئے کہ ہزار ہا سالہ سلطنت کی استوار و مستحکم بنیادیں
ہلنے لگیں، جلد جلد انقلاب سلطنت نے انکی قوت کو منتشر اور نوکو ضعیف بہتو نکلوپت کر دیا تھا
کسریٰ پرویز ۳ سال سلطنت کر نیکی بعد ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھٹے سال اپنے
بیٹے اور جانشین کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور اس کا جانشین شیر وید بھی آٹھ ماہ سے زیادہ سلطنت
کرنے نہ پایا تھا کہ ہلاک ہو گیا۔ اُسکی جگہ سات برس کا بچہ اردشیر تخت پر بٹھلایا گیا اور ایک
سردار نے جس کا نام بہاؤدین تھا بطور نائب سلطنت سب اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے
ایک معمولی شخص کا غیر محدود اختیارات کو ہاتھ میں لیکر سیاہ و سفید کا مالک بن جاہم طور
سرداران فارس کو ناگوار تھا۔ مگر ایک بہت بڑے جرئیل شہر راز کو جسے کسریٰ پرویز نے سرحد
پر عظیم شان فوج کیساتھ مامور کیا تھا زیادہ ناگوار گزرا اور اُس نے اگر فوراً مدین کا محاصرہ کر کے
بالآخر اردشیر کو قتل کیا۔ اور خود سلطنت پر غاصباً نہ ممکن ہو گیا۔ شخص خاندان شاہی سے
نہ تھا۔ ادھر اردشیر کے قتل کر نیکی وجہ سے عام طور پر بُری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ تین بھائیوں
نے جو باڈی گارڈ کے سواروں میں تھے مشورہ کر کے عین جلوس کیوقت جبکہ اُسکو تخت سلطنت
پر جلوہ گر ہوئے چالیس ہی دن گزے تھے قتل کر دیا۔ اُسکے بعد خاندان شاہی میں سو کوئی
مرد تو اس قابل نظر نہ آیا کہ مالک تخت و تاج ہوتا۔ کیونکہ شیر وید نے اپنے تمام بھائیوں اور
وارثان ملک کو قتل کر دیا تھا اُسکے کسریٰ پرویز کی بیٹی پوران مالک سلطنت بنائی گئی۔ اور وہ
ایک برس چار ماہ سلطنت کرنے پائی تھی کہ ایک دوسر شخص جو کسریٰ پرویز کے بعد تخت پر

میں سے تھا قابض ملک ہو گیا۔ لیکن ابھی ایک ماہ بھی لطفِ سلطنت اُٹھایا تھا کہ اہل فارس نے اس کو بھی قتل کر دیا اور اب کسریٰ پرویز کی دوسری بیٹی ارز میردخت ملک تاج و گین بنائی گئی۔ یہ عورت حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھی خراسان کے گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف فرخ ہرن نے جو تمام ملک فارس میں اول درجہ کا افسر اور سردار تھا ملکہ کو نکاح کا پیام بھیج دیا ملکہ نے بوجہ دابِ سلطنت نکاح تو مناسب سمجھا مگر بوجہ خوف صاف جواب بھی نہ دے سکی بلکہ اس کو ملاطفت و حیلہ سے بلوا کر قتل کر دیا۔

فرخ ہرن کا بیٹا رستم اس کی غیبت میں خراسان کا قائم مقام گورنر تھا اس کو جب باپ کے قتل کی خبر پہنچی تو اُس نے ملین پر چڑھائی کر کے ملکہ کو اندھا کر کے بعد قتل کر دیا اور خود سیا و سفید کا ایک بن کر ایک اور شخص کو تختِ سلطنت پر بٹھلا دیا۔ یہ بھی چھ ماہ سے زیادہ سلطنت کرنے نہ پایا تھا کہ تخت سے اُتار کر قتل کر دیا گیا۔ اسکے بعد ملک فارس بالکل بے سر رہ گیا۔ برائے نام بھی کوئی بادشاہ نہ رہا جو کچھ تھا رستم تھا۔

یہی وہ رستم جو جس کا حال ہم یہاں لکھنا چاہتے ہیں جس کی ذات پر تمام اہل فارس کا سہارا تھا اور جس کی زبردست قوت اور فوق العادت شجاعت پر ملک بھر کو اعتماد تھا اور جس کے قتل پر دوسرے کے مشہور عالم معرکہ کا خاتمہ ہوا۔

ادھر تو ملک فارس کی یکفیت تھی اور اسلامی فتوحات کا سیلابِ عظیم ملک کو زیر و برکتا ہوا چلا آتا تھا اہل فارس اگر کچھ کرتے تو رستم کے سہارے پر کرتے مگر وہاں اُس کا ایک مد مقابل فیروز پیدا ہو گیا۔ انکی باہمی مخالفت اور غضبِ صاف ہی تھی۔ وہ آپس کے مناقشات اور جنگ و جدل کیوجہ سے اس قابل نہ تھے کہ اپنی قوت کو اہل اسلام کے مقابلہ کیلئے مجتمع کر سکتے۔

فارس کی زبردست اور عظیم الشان سلطنت فی الحقیقت تو ضعیف نہ ہو گئی تھی اُس میں کافی سے زیادہ جنگی مواد موجود تھا عساکرِ قاہرہ سے چھا و نیاں بھری ہوئی تھیں کسریٰ پرویز نے حسن تدبیر یا ظلم و تشدد کے ساتھ اس قدر روپیہ ملک سے وصول کیا تھا کہ خزانے سمور تھے۔

یالسی زبردست قوت تھی کہ روم و شام کی عظیم نشان اور قدیم سلطنت کو بھی اُس کے سامنے گردن جھکائی اور ہر قتل قیصر روم کو بادل ناخواستہ اپنی بیٹی پرویز کے نذر کرنی پڑی تھی۔ پرویز کو ہوئے بھی سات سال سے زیادہ نہ ہوئے تھے سلطنت کے تمام ممالک بدستور زیر نگین تھے قوت جوں کی توں موجود تھی صرف ضعف تھا تو یہ کہ بے سری اور خائبگی کی وجہ سے قوت کو کم میں لائے تھے اراکین سلطنت اور شہزادان فارس اس حالت پر زیادہ صبر کر سکے نہ تھے مگر ستم اور فیران کو جمع کیا اور کہ ملک اس حالت کو پہنچ گیا مگر غمناک باہمی اختلاف ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اب ہم تم کو اس سے پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہنے دیں گے یا تم دونوں متفق ہو کر ملک کی حفاظت کرو۔ ورنہ اول ہم تم کو قتل کر کے خود ہلاک ہو جائیں گے۔

اس پر دونوں نے متفق ہو کر کسریٰ کی بیٹی بوران سے دریافت کر کے کسریٰ کی تمام عورتوں بیبیوں اور بانیوں کو جمع کیا اور اُن سے پوچھا کہ کسریٰ کی اولاد میں کوئی لڑکا ہو تو بلاؤ۔ سب نے انکار کیا۔ مگر ایک عورت نے پتہ دیا کہ کسریٰ کا بیٹا نزد جبر واپس اپنی نانہال میں اُسکی ماں نے قتل کے خوف سے

دقیقہ شب ۱۲ صفر ۱۱۶۱ اور الزامات کے یہ بھی تھا کہ فتنہ جبر و تعدی کیساتھ عیسائیوں کو پر و صول کر کے خزانوں کو پر کیا ہے پرویز نے اُنکے جواب میں غریوہ کو لکھا کہ جبر خیال احمقانہ ہے کہ ہم جبر و تعدی سے مضرت جمع کیا ہے۔ ملک بجز خزانہ کے کبھی باقی نہیں رہ سکتا تو نے اگر بے طور سپنج کر کے خزانے خالی کر دیے تو انجام بُرا ہو گا۔ غرض خزانوں کے مال مال ہو گیا تو شیرویر تو نتیجہ جبر و تعدی کا بتانا ہے اور پرویز حسن تدبیر کا اسلئے ہم نے دونوں لفظ سمجھ دیے۔ ۱۱

۱۱۔ کسریٰ پرویز کے اٹھارہ بیٹے تھے سب میں بڑا شہزادہ تھا جس کو شیریں نے بیٹا بنالیا تھا۔ منجوں نے پرویز کو کہیا تھا کہ سلطنت فارس کا زوال تیری اولاد میں سے اپنے شخص کے وقت میں ہونا لازمی ہے کسی عضو میں نقصان ہو گا۔ اس بنا پر پرویز نے اپنی تمام اولاد کو شادی اور بیاہ سے روک دیا تھا۔ شہزادے خفیہ مشورہ شیریں ایک عورت کے ساتھ میل کر لیا جس سے نزدیک جبر پیدا ہوا۔ مگر خوف قتل سے اس کو بچھڑی کھا گیا۔ آخر عروس جب پرویز کو بچوں کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور اس کو خیال ہوا کہ میں بھی اپنے بیٹوں کی اولاد کو دیکھتا تو شیرویں نے نزدیک جبر کو بلا کر لکھا پرویز اُس کے ساتھ بہت محبت کرتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے نزدیک جبر بچوں میں کھیل رہا تھا۔ پرویز کی نظر اُس کے بدن پر پڑی تو معلوم ہوا کہ اُس کا ایک سُرین چھوٹا ہے۔ پرویز نے اُس کو قتل کرنا چاہا مگر شیریں نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اگر یہ امر مقدم ہو چکا ہے تو ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد نزدیک جبر کو وہاں سے کسی دوسری جگہ بھیج دیا۔ ۱۲

دہاں بھیج دیا تھا۔ رستم اور فیروزان نے یزدجرد کو جسکی عمر ۲۱ سال کی تھی ہاں بلا کرتخت شاہی پر بٹھلایا۔
ملک فارس کے عہد داران ملکی و مالی سرداران فوجی ماتحت نوابوں اور جاگیرداروں سے لیکر
رعیت کے ادنیٰ افراد تک رجب ملک کو بے سرور تخت کو خالی اور سلطنت کو تباہ ہوتے دیکھ کر سخت ہیشان
واندوہگین تھے۔ اور اس وقت ہر شخص کے نزدیک اپنے ناموس سے زیادہ ملک کی حفاظت اہم اور
ضروری تھی یزدجرد کو تخت پر جلوہ گرد دیکھ کر اطاعت و انقیاد کیلئے دوڑ پڑے اور تخت شاہی کے
گرد پروانہ وار جمع ہو کر ملک پر قربان ہونیکے واسطے تیار ہو گئے۔

ملک بھر میں جنگ اور حفظ سلطنت کا جوش تو پہلے سے ہی پھیلا ہوا تھا فوجیں میدان جنگ
جانیے اور دانشجاعت دینے کیواسطے بیقرار تھیں اب اتحاد و اتفاق کی ایک لہر تمام جگہ پھر گئی۔

یزدجرد نے ایسی حکم اور قوی سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی جس میں کسی جانب بھی ضعف
نہ تھا اسکو وہ بات نصیب ہوئی جو کسریٰ پرویز کو باایں ہمہ سطوت و جبروت حاصل تھی کیونکہ اس کی
حکومت نوپزیر تھی بلکہ عام افراد اس کے جابرانہ احکام سے سزا رتھے اور اسوجہ سے انجام کار قید ہو کر قتل ہوا
اور یزدجرد کی حالت میں برعکس تھی۔ سارے ملک کے دل مسخر تھے ہر فرد فریقہ اور اس کے
ادنیٰ اشارہ سے ایک مرکز پر جمع ہو کر سب کے سب جان دینے کیلئے تیار تھے۔

یزدجرد نے تمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی منتشر قوت کو مجتمع کر دیا۔ فوجوں کو ملک کے حصوں پر
منقسم کر کے چھا و نیاں قائم کر دیں۔ اور تمام چھا و نیوں، سرحدوں اور مورچوں کیلئے فوجیں نامزد
کر کے ان کا قلعہ مرکز سے قائم کر دیا اور سلطنت کا وہ رعب و داب از سر نو زندہ کیا جو کچھ عرصہ کیلئے
گم ہو گیا تھا اور اس طرح انتظام کر کے مسلمانوں سے مقابلہ یا بالفاظ دیگر انکو اپنے ملک کے اطراف سے جبر
وہ مسلط ہو گئے تھے نکالنے کیواسطے مستعد ہو گئے اس بڑی تیاری کے بعد سب سے پہلا اور سب سے بڑا
معرکہ قادسیہ ہوا گو یا یہ سب سامان جنگ قادسیہ کی تہید تھی۔

ہم نے اس وقت تک مضمون مذکورہ بالا میں جو کچھ لکھا اس کی غرض یہ تھی کہ ناظرین سلطنت
کی موجودہ حالت سے ایسی واقفیت پیدا کریں جو واقعات نابعد میں انکی رہبری کر سکے اور جس کی

و جسے بلیجوں کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ اب ہم واقعات بالعد کو نمبر وار لکھ کر آخر میں نتیجہ لکھیں گے۔

(۱) اسلامی لشکر جو عراق میں داخل ہو کر فتوحات اسلامیہ کو وسعت دے گا ہاتھ اُس کے سپہ سالار حضرت شہنشاہ بن حارثہ تھے۔ جو شجاعت اور تدبیر میں حضرت خالدؓ سپہ سالار شام کی برابر اور فطرتاً ہی جانتے تھے۔ حضرت شہنشاہ کے پاس کل آٹھ ہزار فوج تھی اُن کو یزید جرہ کی تخت نشینی۔ فارس کے اتفاق اور اردو کی اطلاع ملی تو قبل اسکے کہ اہل فارس پیش قدمی کریں اپنے کمال ہوشیاری اور دشمنی سے سب حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ اہل سواد عراق جو اسلام کے ذمہ وار عہد میں داخل ہو چکے ہیں اُن سے بھی نقص عہد کا اندیشہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط کو دیکھتے ہی فرمایا

وَاللّٰہِ اَکْہَرُ مَیْمَیْنُ مَلُوْکُ الْعَجَمِ دسم ہر ب اعزت کی اگر ملوک عجم مجتمع ہو گئے ہیں تو میں
بِمَلُوْکِ الْعَرَبِ۔ اُن کے مقابلہ کیلئے ملوک عرب کو بھیجوں گا۔

آپ نے عام حکم کے ذریعے سے تمام قبائل عرب کو اطلاع دیدی کہ ہر قبیلہ کے رئیس منتخب اور تجربہ کار مدبر خاندانی۔ شریف مقرر واعظ۔ خطیب و شاعر اور جو لوگ فنون جنگ میں ماہر با قوت شجاعت شہسواری و تیر اندازی میں مشہور ہیں سب امیر عراق کے لشکر میں جا لیں۔ ایسا ہی ہوا۔ آپ کا حکم پاتے ہی جن میں جنگ کی قابلیت تھی یا کسی بات میں ممتاز و مشہور تھے سب نکل کھڑے ہوئے۔ جو قبائل مدینہ اور عراق کی نصف مسافت پر رہتے تھے وہ تو براہ راست عراق کو روانہ ہو گئے اور جو مدینہ کے قریب تھے وہ مدینہ میں آکر جمع ہو گئے۔

اس لشکر کے جمع ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ تمام لشکر کے مدینہ منورہ سے باہر ایک چٹمیر جس کا نام صرار تھا خیمہ زن ہوئے۔ لوگوں کو اسکی وجہ معلوم نہ تھی اور نہ اُنکی جرات تھی کہ اس کا سبب دریافت کر سکتے جب کبھی ضرورت کسی امر کے دریافت کی ہوتی تھی تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ذریعہ بنایا جاتا تھا اور اگر کسی بات کو یہ دونوں صاحب بھی نہ دیا کر سکتے تو حضرت عباسؓ کے ذریعہ سے کام ہوتا تھا۔ اب بھی لوگوں نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ

عذ سے عرض کیا اور انہوں نے آپے نقل و حرکت کا سبب پوچھا۔ تب آپ نے سب کو جمع کر کے سارا حال بیان کیا اور اپنے بارہ میں مشورہ طلب کیا کہ میرا خود جانا مناسب ہی یا یہاں رہنا۔ عامۃً سبکی رائے یہ تھی کہ آپ بھی تشریف لے چلیں اور آپ کے ہمراہ سب ہم سب ہوں۔ آپ نے اسکو قبول کر کے فرمایا کہ سب لوگ تیار ہی کریں میں بھی چلوں گا۔ ہاں اگر اس سے بہتر کوئی دوسری رائے معلوم ہوگئی تو اس پر عمل کیا جاتا۔ اسکے بعد آپ نے جلیل القدر صحابہ کو جمع کیا حضرت علیؓ کو بطور قائم مقام مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا۔ اور حضرت طلحہؓ مقدمۃً بحیث پر تھے۔ اور حضرت زبیرؓ و عبدالرحمن بن عوفؓ یمینہ و میسرہ پر ان سب کو طلب فرما کر مشورہ فرمایا۔ ان حضرات نے متفق ہو کر رائے دی کہ آپ خود تشریف نہ لیجائیں کسی کو امیر بنا کر بھیج دیجئے اگر فتح ہوگئی تو فہو المراد اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی تو دوسرے اور تیسرے کو مامور فرمائے۔ اس کا اثر دشمن پر زیادہ پڑ گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اصلی رائے اول سے یہی تھی۔ مگر عوام کی تالیف اور تقویت کیلئے اس پہلی رائے کو قبول فرمایا تھا۔ اب آپ نے اعلان کر دیا کہ ذی رائے اصحاب کا مشورہ یہ ہے کہ میں خود نہ جاؤں اس لئے یہ ارادہ ترک کر دیا گیا اور بعد مشورہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جو قبیلہ بنو نضیر عامل تھے امیر عسکر عراق بنایا گیا۔ اور آپ نے ان کو طلب کر کے علم امارت عطا فرما کر ارشاد فرمایا۔

لَا يُعَايِزُكَ مِنَ اللَّهِ أَنْ قِيلَ خَالٍ
رَسُولِ اللَّهِ وَصَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ
فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَكُونُ الشَّيْءُ
بِالشَّيْءِ وَلَكِنَّهُ يَكُونُ الشَّيْءُ بِالْحَسَنِ
فَإِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحَدٍ نَسَبٌ
أَوْ حِلٌّ لَعَنَهُ فَإِنْ تَسَرَّفْتُمْ مَوْضِعَهُمْ

اس پر غور نہ کرنا کہ لوگ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مومن، فقیہ اور صحابی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بڑی کو بُرے عمل سے کہی نہیں مٹاتا۔ البتہ اچھے عمل ہی بڑا ہے محو کر دی جاتی ہیں۔ اللہ اور بندوں میں کوئی رشتہ قرابت نہیں ہے اگر علاقہ کر تو صرف اطاعت کا آدمی شریف و ذلیل اعلیٰ و ادنیٰ اللہ کے یہاں سب برابر ہیں۔ ان میں

وضاحت صفحہ ۱۱۹ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا درجہ علاوہ وزیر و شیعہ ہونیکے بعد کا سا تھا حضرت عمرؓ نے کسی کو دیکھ کر کہہ دیا کہ تم بھی نہیں یا اگر صحابہ کا خیال عام طور پر یہی تھا کہ بعد حضرت عمرؓ کے خلافت انہیں کو ملنی چاہئے اور اسلئے عام طور پر انکو ولف کے لقب سے بلقب کیا جاتا تھا۔ عرب کے محاذ میں ولف اسکو کہتے ہیں جو کسی کے بعد اس کام کو سنبھال سکے جو اس کے پڑا تھا۔ ۱۱۰

فِي خَاتِ اللَّهِ سِوَاءَ اللَّهِ رُبُّهُمْ وَهُمْ
عِبَادُهُ يَفَاضِلُونَ بِالْعَافِيَةِ وَيُبْزِلُونَ
مَا عِنْدَهُ بِالطَّاعَةِ فَأَنْظِرُوا أَمْرَ اللَّهِ
سَرَّيْتُ إِلَيْكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَّغْتُهَا
مُنْذُ بُعِثْتُ إِلَى أَنْ فَارَقْتَنِي فَأَنْصُرْهُ فَإِنَّهُ
الْأَمْرُ هَذَا عِظْتَنِي بِهَا أَنْتَ كُنْتَ تَأْتِيهِ
عَنْهَا حَاطَ عَمَلُكَ وَكُنْتَ مِنَ الْخَاسِرِينَ

باہم تفاوت مراتب ہو تو عافیت نفس اور گناہوں سے
بچنے میں وہ اُس کے انعامات و اکرامات کو صرف طاعت
کے ذریعہ سے حاصل کر سکتے ہیں تم اُس طریقہ کو مضبوطی
سے پکڑو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے
وفات تک قائم رہے پس جی میری نصیحت ہو اگر
تم نے اُس کو چھوڑ دیا تو پہلے اعمال صالحہ بھی ضبط
اور محو ہو جائیں گے۔

اور جب حضرت سعدؓ حضرت ہونے لگے تو اُن کو علیحدہ بلکہ خاص ہدایات فرمائیں۔ جو
حکمت سے لبریز تھیں۔ اُن ہدایات کو حضرت عمرؓ کی کے الفاظ میں نقل کرنا مناسب ہو۔

ارشاد فرمایا: اِنِّي وَكَلَيْتُكَ
حَرْبَ الْعِرَاقِ فَاحْفَظْ وَصِيَّتِي
فَاِنَّكَ تَقْدَمُ عَلٰى اَمْرِ شَدِيدٍ
كَبِيرٍ لَا يُخَدِّصُ مِنْهُ
اِلَّا الْحَقُّ وَقَوَّذْ نَفْسَكَ
وَمَنْ مَعَكَ الْخَيْرُ وَاسْتَغْفِرْ
۴۰۔ وَاعْلَمْ اَنَّ لِكُلِّ عَادَةٍ عَتَادًا
فَعَتَادُ الْخَيْرِ الصَّبْرُ وَالصَّبْرُ
الصَّبْرُ عَلٰى مَا اَصَابَكَ وَنَابَكَ
يَجْمَعُ لَكَ حَشِيَّةَ اللَّهِ وَاعْلَمْ
اَنَّ حَشِيَّةَ اللَّهِ تُجْتَمِعُ فِي
اَمْرَيْنِ فِي طَاعَتِهِ وَاجْتِنَابِ

رہیں تم کو عراق کا امیر عسکر بنا کر بھیجتا ہوں۔ میری یہ
وصیت یاد رکھنا کہ تم ایک سخت اور دشوار کام کیلئے
جائے ہو جس سے خلاصی کی صورت بجز اتباع حق کچھ
نہیں اپنے نفس کو عمل خیر کی عادت ڈالو۔ اور اُسی
کے وسیلہ سے فحش کو طلب کرو اور جان کو کہ ہر ایک
عادت کیلئے سامان اور اسباب ہوتے ہیں خیر کا سامان
اور سبب صبر جو بصیبت یا عادتہ پیش آئے
اُس میں صبر کو لازم پکڑو۔ ایسا کرنے سے خوف خدا
تمہارے اندر پیدا ہو گا۔ اور یاد رکھو کہ خوف خدا کی
دو ہی علامتیں ہیں اُس کے حکم کی اطاعت کرنا
اور معصیت و نافرمانی سے بچنا۔ اطاعت خدا و نبی
وہی شخص کرتا ہے جو دنیا سے نفرت کرے اور آخرت

مَعْصِيَتِهِ وَإِنَّمَا آطَاعَهُ مَنْ
 أَطَاعَهُ بِبُغْضِ الدُّنْيَا وَحَبِ
 الْآخِرَةِ - وَلَئِنْ قُلُوبٌ حَقَاقَتْ
 يُنْشِئُهَا اللَّهُ إِنْ شَاءَ مِنْهَا السِّرُّ
 وَمِنْهَا الْعَلَانِيَةُ وَإِنَّمَا الْعَلَانِيَةُ
 وَإِنْ يَكُونُ حَامِدًا وَذَامُهُ فِي
 الْحَقِّ سَوَاءً وَإِنَّمَا السِّرُّ فَيُعْرَفُ
 بِظُهُورِ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى
 لِسَانِهِ وَبِحُبَّةِ النَّاسِ فَلَا
 تَزْهَدُ فِي التَّحَبُّبِ فَإِنَّ التَّيَّيَّنَ
 قَدْ سَأَلُوا مُحِبَّتَهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ إِذَا
 أَحَبَّ عَبْدًا أَحَبَّهُ وَإِذَا أَبْغَضَ
 عَبْدًا بَقَضَهُ فَاعْتَبِرْ
 مَنُزِلَتَكَ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى
 بِمَنُزِلَتِكَ عِنْدَ النَّاسِ هَمِّنْ
 تَسْمِعُ مَعَكَ فِي أَمْرِكَ -

کیطرف اغیب ہو اور معصیت کا سبب فقط دنیا کی محبت
 اور آخرت سے بے رغبتی ہو۔ اللہ تعالیٰ قلوب میں خاص اور
 صاف اور عموماً کیفیات راسخ فرمادیتا ہے جبکہ بعض ظاہر
 آثار ہیں اور بعض مخفی ظاہر تو ہیں کہ حق کے اتباع میں
 کسی کی مدح و ذم کی پرواہ باقی نہ رہے۔ اور مخفی یہ ہیں
 کہ حرکت کا دواخانہ اس پر کھول دیا جاتا ہے۔ اور اس کا ظہور
 زبان کے ذریعہ سے ہونے لگتا ہے اور وہ محبوب خلائق بن
 جاتا ہے تم اندیشہ مدارات خلق یا شاہدہ ریاضہ کمال
 امر سے اعراض نہ کرنا دنیا علیہم السلام نے بھی محبوب خلائق
 بنی کی خواہش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو دوست رکھتا
 ہے تو مخلوق میں اس کو محبوب بنا دیتا ہے اور جب کوئی اس کے
 یہاں مبغوض ہوتا ہے تو مخلوق میں اس کو مبغوض و مردود
 بنا دیتا ہے تم اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ خدا تعالیٰ کے
 یہاں تمہارا کیا مرتبہ ہے۔ تو جو خواص بندگان خدا تمہارے
 ہمراہ اور تمہارے کام میں شریک ہیں ان کے نزدیک اپنے
 مرتبہ اور قدر و منزلت کو دیکھ لو۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ روانہ ہوئے اور حضرت عمرؓ فرار سے اعوان تک ان کو رخصت
 کرنے کے واسطے تشریف لگے اور وہاں پہنچ کر عام شکر کو نصیحتیں فرمائیں اس کے بعد ہر قبیلہ مع اپنے
 سرداروں کے آپ کے سامنے گزرتا شروع ہوا آپ ان کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ لیکن جب قبیلہ
 سکون آپ کے سامنے سے گزرا تو چہرہ مبارک پر آثار کراہت و انقباض ظاہر ہوئے اور آپ اپنے
 ادھر سے منہ پھیر لیا لوگ اس حال کو دیکھ کر سخت تعجب تھے حضرت عمرؓ ان کی روانگی کے بعد بھی

کر بہت اور ناراضی کا اظہار فرماتے تھے اس وقت تو کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ مگر عرصہ کے بعد کسی حکمت ظاہر ہوئی۔ اُسی قبیلہ میں وہ شخص تھا جس نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا۔ اور اُسی میں ابن ملجم بھی تھا۔ جس نے اسلحہ غالب حضرت علیؓ بن ابی طالب کو قتل کر کے اپنی شقاوت کا ثبوت دیا اور ان ہی میں معاویہ بن حنفیہ بھی تھا جس نے حضرت عثمانؓ کے بدلے لینے کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کے قتل و ظلم کا بازار گرم کیا اور ان ہی میں حصین بن نمیر بھی تھا جس نے حضرت علیؓ کے قتل کا بدلہ لینے کا کچھ حصہ لیا۔

غرض فتنہ پردازوں کا جتنا اس قبیلہ میں موجود تھا۔ اور یہ وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُنکی صورت سے بیزار اور عواقب جانے کو بُرا سمجھتے تھے۔ اس وقت گوان لوگوں میں اس قسم کی فتنہ پردازی کی کوئی بات نہ تھی اور اسی وجہ سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی شرکت جہاد سے کیوں منقبض ہیں

عبدالرحمن بن ملجم مرادی۔ برک بن عبداللہ بن عروہ بن یکر۔ یہ تینوں شخص فرقہ خارجہ سے تھے۔ ایک ذوالنہبوں نے مشورہ کیا کہ اس وقت اس گراہ فرقہ (اہل سنت) کے جو سربراہ آلودہ اور اناہیں ان کو قتل کر دیا جائے تو دنیا بھی امن سے ہو جائے اور نہ روان میں جو ہمارے گروہ کے صلحا قتل ہوئے ہیں ان کا بدلہ بھی ہو جائے۔ برک بن عبداللہ نے تو میرے معاویہ کا ذمہ لیا۔ اور عروہ بن یکر نے عروہ بن العاص کا اور ان میں کے فتنی تر ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے شہید کرنے کا عہد کیا۔ اس قرارداد کے بعد تینوں واپس ہوئے۔ ابن ملجم کو پہنچا تو وہاں ایک نہایت باجمال عورت قحطام سے جو اُس کے ہم مذہب تھی ملنا ہو گیا۔ جس کو دیکھ کر یہ فریفتہ ہو گیا اور فوراً نکاح کا پیام لے دیا۔ قحطام نے کہا اس شرط پر منظور ہے کہ میرے ہمیشہ میں ہزار درہم ایک غلام اور ایک مائدہ لے کر حضرت علیؓ کو قتل کر دے۔ ابن ملجم نے کہا کہ قتل علیؓ کی شرط سے معلوم ہوتا ہو کہ تجھ کو نکاح کرنا منظور نہیں ہو۔ کیونکہ میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ قحطام نے کہا اگر زندہ بچ گیا تو فو مالدار و نہ آخرت کی نعمت و لذت کافی ہو۔ ابن ملجم تو خود ہی اس ارادہ سے آیا تھا۔ اب نکاح کی طمع نے اور بھی مستعد کر دیا۔ انہی سے سے مسجد میں جا بیٹھا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز صبح کو تشریف لائے تو تلوار ماری جس سے آپ شہید ہوئے۔ اسی قصہ کو خواجہ کے ایک شاگرد نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

کھس قحطام بن عیاب و انجم
قحطام کے مہر کی برابر میر نہیں دیا
وقتل علی باحسار المصدم
اور علی درم اللہ وجہ کا مضبوط تلوار قتل کرنا
ولا فتک الادون قتل ابن ملجم
اور کوئی حملہ ابن ملجم کے حملہ سے بڑھا ہوا نہیں

قلم مہر اساقفہ ذو سماحہ
عرب و انجم میں کسی صاحب بہت نے
ثلاثۃ آلاف و عبد وقینہ
تین ہزار درہم ایک غلام ایک باندی
قلم مہر علی من قحطام و ابن غلا
کوئی مہر کتابی بڑا ہو قحطام کے ہزار زیادہ نہیں

اس وقت تو یہ بھی قادسیہ کے لشکر کے سپاہی تھے۔ مگر ان میں یہ فتنہ موجود تھا جس کا ظہور وقت سے سترہ اٹھارہ سال بعد ہوا۔

الغرض اس اہتمام کے ساتھ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو نصرت کیا اور ہر قسم کی ہدایات ان کو کر دیں اور ان کی روانگی کے بعد بھی برابر امداد کیلئے لشکر بھیجتے رہے۔ اور اس طرح حضرت عثمنؓ کی فوج ملا کر کچھ اوپر تیس ہزار لشکر قادسیہ کے معرکہ کیلئے ہم پہنچا۔

اتفاقاً امر ہے کہ حضرت سعدؓ ابھی مقام زردنک ہی پہنچے تھے کہ تجربہ کار اور بیدار معزز امیر عراق ثنی بن حارثہ کا انتقال ہو گیا۔ مگر انہوں نے انتقال سے قبل جنگ کے متعلق ضروری ہدایات لکھ کر ایک شخص کو دیں کہ فوراً حضرت سعدؓ کے پاس پہنچا دیجائیں۔

ان ہدایات میں یہ بھی تھا کہ ناف فارس میں داخل ہو کر ہرگز جنگ نہ کریں بلکہ لڑائی کیلئے ایسے موقع کو منتخب کریں جو عرب اور فارس کی سرحد پر ہو۔ تاکہ اگر اس عظیم الشان پیش آہنیوں کے معرکہ میں مسلمان فوجیاب ہوں تو پیش قدمی سہل ہو اور کوئی دوسری بات پیش آئے تو وہ اپنی حدود میں داخل ہو کر حالت کو سنبھالنے اور دوبارہ حملہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی رائے لکھی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اپنے اور ثنی کے لشکر کو جمع کر کے قادسیہ پر مقام کریں۔ حضرت سعدؓ ان ہدایات پر کاربند ہو کر قادسیہ پہنچ گئے۔ اور یہی موقع اس معرکہ کیلئے زیادہ سوزوں اور مناسب بھی تھا۔

(۲) یہ تو مسلمانوں کی حالت تھی کہ انہوں نے خبر پاتے ہی مقابلہ کا سامان مکمل کر لیا لیکن مدینہ پایہ تخت فارس میں کیا ہو رہا تھا۔ ہم اس کا حال بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔

یزدجرد کی تخت نشینی کے بعد تمام قوت یک جا ہو کر ہر قسم کا سامان مکمل ہو چکا تھا اور وہ ہمہ وجہ مقابلہ بلکہ عرب کو تباہ و برباد کرنے کے واسطے تیار بیٹھی تھی۔ فوجیں سلسلہ دار چھاونیوں میں مقیم لگاتار امداد کو تیار تھیں کہ اسی درمیان میں یہ بات عراق کے باشندوں نے حضرت سعدؓ کے قادسیہ پہنچنے اور مواضع متصلہ پر حملہ کرنے کی خبر پہنچ کر فریاد کی

یزدجرد نے رستم کو طلب کر کے کہا کہ میں تجھ کو اسلامی لشکر کے مقابلے کیلئے بھیجا چاہتا ہوں آج فارس بھر میں تجھ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے اگر اول ہی مرتبہ ایک سخت حملہ اور زبرد قوت کیساتھ ان کا قلع فتح کر دیا گیا تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور پھر ہم خود ان کے گھر پر حملہ کر کے ان کو غلام بنائیں گے۔

رستم نے کہا میری رائے اسکے بالکل خلاف ہے۔ عجب کے دل میں عجم کا رعب اُسی وقت تک رہے جب تک میں ان کے مقابلہ کیلئے نہ نکلوں۔ اگر اول مرتبہ ہی ان کے مقابلہ کیلئے میں نکلا تو وہ بالکل جری ہو جائیں گے اور جان توڑ کر مقابلہ کر نیگی۔ کیونکہ میرے مقابل ہونی کو فارس کی آخری اور پوری کوشش سمجھیں گے۔ رائے یہ ہے کہ ہم یکے بعد دیگرے بڑے بڑے تجربہ کار افسروں کو بھیجتے رہیں۔ اگر فتح ہوئی تو فہما۔ ورنہ دوسرے کو بھیجا جائیگا و علیٰ ہذا۔ اس میں ہمیں کامیابی کی امید ہے۔ میرے یہاں مقیم رہنے میں بقاء سلطنت ہے۔ ورنہ اسی وقت سے سلطنت کو زوال سمجھئے۔

یزدجرد نے نہ مانا تو رستم نے پھر باصراری کہا کہ مجھے سلطنت کی تباہی آنکھوں سے نظر نہ آتی تو میں کبھی اپنی عظمت اور بڑائی کا اظہار نہ کرتا۔ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے نہیں میں ہمیں مقیم رہوں اور جالینوس کو مقابلہ کیلئے بھیجوں۔ فتح ہو تو ہو المراد۔ ورنہ دوسرے کو بھیجا جائیگا۔ اور جبکہ عرب لڑتے لڑتے ضعیف اور مست ہو چکے ہونگے میں اپنی تازہ قوت سے ان پر ٹوٹ پڑوں گا۔ لیکن جب کسریٰ نے کسی طرح نہ مانا تو مجبوراً مقابلہ کیلئے نکلا اور ساٹھ ہزار کی جمعیت کو لیکر سا باطیس جا کر ڈیوڈالا۔ یہاں پہنچ کر بھی مقابلہ سے معاف کئے جانیکا پیام بھیجا۔ مگر منظور نہوا۔

(۲۴) حضرت سعد کو دو ماہ سے زیادہ قادیسیہ میں گزر چکے تھے جب رستم کے سادات پنپنے کی خبر ملی تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں اطلاع بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا۔

لَا يَكْرِهَنَّكَ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِهِنَّ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ
 تم ان کے ساز و سامان سے نہ گھبراؤ اللہ تعالیٰ سے
 استعانت طلب کرو اور اُسی پر بھروسہ رکھو۔

الْیَمِّ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْمَنَظَرَةِ وَ
الرَّایِ وَالْجَلْدِ یَدْعُوْنَهُ فَإِنَّ اللَّهَ
جَاعِلٌ دُعَاءَهُمْ تَوْهِنًا لَّهُمْ۔

یزدجرد کے پاس خندزی رائے اور بہادر لوگ دعوت
اسلام کیسے بھیجو۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس دعوت سے
ان کے ارادوں میں مستی پیدا ہوگی،

حضرت سعد نے دو قسم کے لوگوں کا انتخاب کیا ایک وہ جو خاندانی اور مشہور مدبر و ذی رائے
تھے۔ دوسرے وہ جو ذی رائے ہونیکے ساتھ قوی ہیکل بنو مندوجیر اور صاحب رعب تھے۔
اس قسم کے تیرہ اشخاص کو کسریٰ کے پاس بھیجا۔ اور نعمان بن مقرن کو اس جماعت کا امیر بنایا
یہ جماعت ساباتین گذرتی ہوئی سیدھی ملین پہنچی۔ رستم کی طرف التفات بھی نکلیا۔ یزدجرد کو
اطلاع ملی تو اس نے وزراء اور امراء سلطنت کو جمع کر کے اس جماعت عداۃ کو دربار میں طلب کیا
اور دریافت کیا کہ تم لوگوں کو ملک فارس پر چڑھانی کرنے اور ہم سے لڑنے کی کیا وجہ ہے
کیا تم کو اس وجہ سے جرأت ہو گئی کہ ہم تمہاری طرف سے غافل تھے۔

نعمان نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا اپنے برگزیدہ رسولؐ کو بھیجا جن کے
فریضہ سے ہم کو ہدایت ہوئی۔ آپ نے ہم کو اعمال صالحہ کا حکم دیا اور اعمال بد کو
اور اس کے قبول کر لینے پر دنیا و آخرت کی بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ قبائل عرب یکے بعد
دیگر سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپ نے ہم کو حکم دیا کہ عرب سے متصل جو ملک ہیں
ہم ان کو بھی دعوت اسلام پہنچائیں۔ اسلئے ہم تم کو اس بہترین دین کی طرف بلاتے
ہیں جس نے ابھی اور بھلی باتوں کی ترغیب دی۔ اور شیخ باتوں سے نفرت پائی
اگر تم نے اس کو قبول کر لیا تو تم اپنے ملک پر یکسور حکمران و قابض ہو۔ ہم کتاب
الہی تمہارے پاس چھوڑ جائیں گے اس کا اتباع لازم ہوگا۔ اگر تم اس کو نہ مانو
و سخت باتوں میں سے سہل بات کو یعنی جزیہ دینے کو قبول کرو۔ اگر جزیہ قبول
کر لیا تو ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ ورنہ پھر مقابلہ اور لڑائی کے
لئے تیار ہو جاؤ۔

یہ جب دینے یہ جرسہ تقریریں کے کہا کہ دنیا میں تم اہل عرب کے زیادہ کوئی قوم حقروں کی
 نہ تھی۔ نہ تمہارا شمار زیادہ تھا۔ اور نہ تمہارے پاس کچھ سامان تھا۔ تم ملک فارس کے مقابلہ کی
 طمع نہ کرو اگر تم اس دھوکہ میں آئے ہو کہ ہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ تو یہ خیال غلط ہے اور اگر جنگ کی
 سے مجبور ہو کر نکلے ہو تو ہم تم کو کھانے پینے کا سامان دیں گے اور کسی نرم خواہم کو تم پر آمیزش
 کرنیگے یہ سن کر جماعت دعا کو تھوڑی دیر کیلئے سکوت ہوا۔ ان کو بید ہرماک گفتگو کرتے ہیں
 شرف اور حیا مانع ہوتی تھی۔ مگر یہ سکوت دیر تک قائم نہ رہا۔ بغیر بن زرارہ نے کھڑی ہو کر سری کہا
 یہ لوگ عرب کے سردار اور خاندانی شریف اور بزرگ ہیں۔ اور خاندانی شریف و سردار اپنے
 شریفوں کی عزت اور حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسوجہ سے انک پر اپنا حرم کے
 لئے بھیجا گیا تھا ادا نہیں کیا۔ اب میں تم کو کہتا ہوں سنئے۔ ہماری غلطی فخر و فاقہ
 ذلت و قلت کی جو آپ نے بیان کی بالکل درست اور سچا ہے ہم ایسے ہی تھے
 مگر اللہ تعالیٰ نے اس ہماری ذلت پر رحم فرما کر ہمارے اندر اپنے محبوب رسولؐ
 کو بھیجا۔ بغیر نے نعمان کی گفتگو کا سارا خلاصہ بیان کر کے آخر میں کہا کہ اب اسکو
 سوا کوئی صورت نہیں رہی کہ یا اسلام لاؤ یا ذلیل ہو کر خزیرو ورنہ ہمارے تمہارے
 درمیان تلوار فیصلہ کریگی۔“

یہ بے باکانہ اور دلیرانہ گفتگو اول ہی سے امراء دربار پر مجید گراں گذر رہی تھی مگر اس جواب کو
 سن کر یزدجرد غصہ میں بھر گیا۔ اور کہا کہ اگر قاصدوں کو قتل کرنا خلاف قانون دنیا نہوتا تو میں
 تم کو قتل کر دیتا۔ میرے یہاں سے تم کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اپنے امیر سے کہدینا کہ کل رستم کو بھیجنا
 جو امیر کو اور اسکے ساتھ تم کو قادیسیہ کی خندق میں دفن کر دیگا۔ اور پھر وہ تمہارے ملک پر
 تباہی نازل کر دیگا۔ اسکے بعد یہ حکم دیا کہ مٹی کی بڑی سی گھڑی بنا کر ان میں سے سب زیادہ نصیب
 اور سردار کے سر پر رکھ دی جائے۔ یہ سنتے ہی عاصم بن عمرو نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں سب سے
 زیادہ شریف ہوں میری گردن پر رکھ دی جائے۔ وہ اسکو نیکر لٹلے اور فوراً سوار ہو کر حضرت

سعد کو بشارت دی کہ لیجئے اللہ تعالیٰ نے ارض فارس آپ کو عطا فرمائی ہے۔

رستم بھی سباط سے آگیا تھا۔ یزدجرد نے کہا کہ عرب میں اس سے زیادہ سمجھ دار اور حاضر جواب اور شجاع دوسرے لوگ نہ ہوں گے۔ تم اہل عجم بھی اس سے بہتر جواب دے سکتے تھے بیشک وہ جو گفتگو کرتے تھے صدق و یقین پر مبنی تھی۔ اور بیشک اُن سے فتوح ممالک کا وعدہ کیا گیا جس کو وہ حاصل کر کے رہیں گے۔ مگر ان میں کاسر دار احق تھا اس نے مٹی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ رستم نے کہا وہ سب سے زیادہ بخیر تھا۔ وہ اس بات کو سمجھا جسے دوسرے نہ سمجھے تھے۔

رستم دربار سے نہایت غم و غصہ کی حالت میں واپس آیا۔ اُس نے سواروں کو دوڑایا کہ جس طرح ہو عاصم بن عمرو کو گرفتار کر لائیں۔ مگر وہ نکل چکے تھے۔ رستم کو علم نجوم اور کمانہ میں دخل تھا اُس نے کہا کہ بے شبہ عرب زمین فارس کو لے گئے۔

(۴۲) رستم جس وقت مدائن سے سباط کی طرف روانہ ہوا تھا تو اُس کے ساتھ ساٹھ ہزار فوج تھی لیکن سباط پہنچنے کے بعد جمعیت بڑھنی شروع ہو گئی اور جب ہر طرح سے مایوس ہو کر و بجز پیش قدمی چارہ نہ رہا تو سباط سے قادیسہ کی طرف کوچ کیا۔ اور اُس وقت اُس کی کمان میں ایک لاکھ بیس ہزار نہایت مکمل و آہستہ سپاہ تھی۔ شاگرد پیشہ اور ہر ایک سپاہی اور افسر کے خاص خادم اُن کے علاوہ تھے اسی طرح اگر کل جمعیت کو دیکھا جائے تو تین لاکھ سے کم نہ ہوگی اور مسلمان جس سے مقابلہ کیلئے جاتا تھا اُنکے پاس تمام ملک عرب میں اعلان دینے کے بعد بیس ہزار سے زیادہ نبرد آزمندانہ تھے۔

رستم نے اس عظیم الشان لشکر کو اس طرح ترتیب یا مقدمہ التحش میں چالیس ہزار فوج زیر کمان افسر علیہ الجالینوس کو مقرر کیا اور سابقہ میں بیس ہزار۔ اور خود ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ تھا جس کو اس طرح ترتیب یا کہ قلب میں خود۔ اور میمنہ پر ہرزان اور میسرہ پر ہر آم۔

سباط سے روانہ ہونے کی وقت رستم نے اپنے بھائی بندوان کو لکھا کہ قلعوں کی مرمت و اصلاح کر کے لڑائی کیلئے مستعد ہو جاؤ میری رائے تو عرب سے مقابلہ کرنے کی نہ تھی مگر بادشاہ نے مجبور کر کے کہا کہ اگر تم نہ جاؤ گے تو میں خود میدان جنگ میں جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اہل عرب

ضرور غالب آکر ہمارے ملک پر مسلط ہو جائیں گے۔ اس لئے میں جانتا تھا کہ جنگ کو لیت و لعل میں نالا جائے۔ مگر بادشاہ کے حکم نے مجبور کر دیا۔ ساآباط کے پل پر رستم کی جاآن سے جو بڑے فسوف میں تھا ملاقات ہو گئی۔ یہ دونوں علم نجوم کے ماہر تھے۔ جاآن نے رستم سے کہا کیا جو بات مجھ کو نظر آتی ہے تم کو نظر نہیں آتی۔ رستم نے کہا نظر تو آتی ہے مگر میں ایک سستی کی باگ سے زبردستی کھنچا جاتا ہوں۔ یعنی بادشاہ کے جبر سے لڑائی کیلئے جانا ہوں۔ ورنہ میں بھی بھجتا ہوں کہ یہ لوگ ہم پر غالب آئیں گے۔

ساآباط سے چلکر پہلی منزل کو فی میں ہوئی۔ یہاں ایک مسلمان عرب رستم کو ملا۔ رستم نے پوچھا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے۔ کہا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ ہم سے تمہارے ملکوں کا کیا ہے اس کو بخیر آئے ہیں۔ یہ تنہا شخص تھا اور قاصد نہ تھا کہ قتل سے مامون ہوتا مگر اُس نے اسی بید صرک اور صفت صاف گفتگو کی کہ آخر رستم نے غصہ میں آکر اُس کو قتل کر دیا۔

کوئی سے چلکر دوسری منزل برس میں ہوئی۔ یہاں پہنچکر رستم کے لشکر نے خوب بستیاں کیں۔ شہر میں پی کر عورتوں پر دست درازیاں کیں لوگوں کے مال غصب کئے اور جو نہ کرنا تھا سب کھجے کیا۔ لوگ گھبرا اٹھے اور رستم کے پاس فریاد لائے۔ رستم نے کہا بیشک اُس عربی نے جس کو کھجی قتل کیا تھا، سچ کہا ہے ہم اپنے اعمال ہی کی بدولت اس حالت کو پہنچے ہیں۔ باوجودیکہ مسلمان ملک فتح کرنے اور لوٹنے آئے ہیں۔ مگر وہ ان نہیات والوں کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کرتے ہیں۔ اور تم باوجودیکہ وہ تمہاری رعایا ہیں اس قدر ظلم کرتے ہو۔ بیشک تم اسی قابل ہو کہ تمہارا ملک تم سے سلب کر لیا جائے اور بیشک ایسا ہی ہو گا۔ اس کے بعد بحر مہوں کے قتل کر نیک حکم دیا۔

تیسری منزل ہیرہ میں اور چوتھی نجف میں ہوئی۔ یہاں پہنچکر رستم نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُتر ارسول عوی صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے ساتھ ہیں۔ فرشتہ نے اہل فارس کے تمام لے کوئی وہی مقام ہے جس کی متعلق فتح مابین سے پہلے ایک سلطان نے کہا تھا کہ ہم جب تک کوئی کے ضد کو افریدو کے بیوں کے ساتھ نہ کھالیں گے نہ لوٹیں گے۔

ہتھیار نیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیئے۔ اور آپ نے حضرت عمرؓ کو خطا فرمائے۔ اس خواب کے رستم کا رنج او بھی بڑھ گیا اور وہ خیال جو دل میں راسخ تھا نہایت بختہ ہو گیا۔

(۱۵) رستم نجف میں تھا اور مقدمۃ الحبشہ نجف اور سلیمان کے درمیان تھا۔ حضرت سعدؓ نے عمرو بن معدی کرب اور طلحہ اسدی کو طلحہ بنا کر دشمن کی خبر لانے کیواسطے بھیجا۔ یہ ابھی ایک فرسخ بھی نہ گئے تھے کہ دشمن کا ہراول اُن کو نظر آگیا۔ عمرو بن معدی کرب تو دیکھ کر واپس ہونے لگے۔ مگر طلحہ نے کہا میں تو پوری خبر لاؤں گا۔ عمرو نے کہا تیرے اندر غدر کا مادہ رکھا ہوا ہے عکاشہ بن محسن کے قتل کے بعد تجھ سے فلاح کی امید نہیں مگر نہ مانا۔ عمرو نے اگر حضرت سعدؓ کو اطلاع دی دشمن بالکل قریب طلحہ ہراول اور مقدمۃ الحبشہ کو قطع کرتے ہوئے سیدھے رستم کے لشکر میں پہنچے اور رات بھر خوب جانچا۔ لیکن چپکے سے واپس آنے کو پسند نہ کیا۔ بلکہ ایک افسر کے خیمہ کو کاٹ کر اُس کا قیمتی گھوڑا کھول لیا اور اس طرح دو تین افسروں کے خیمے کاٹ کر گھوڑے کھول کر ساتھ لئے۔ لشکر میں اطلاع ہوئی تو سوار اُن کے پیچھے دوڑے ایک سوار طلحہ کے قریب پہنچا تو اس کو قتل کر دیا پھر دوسرا پہنچا اُس کو بھی قتل کیا۔ پھر تیسرا پہنچا اُس نے دیکھا کہ میں بھی مقتول ہوتا ہوں تو عجابت قیدی بنانے کی خواہش کی طلحہ اس کو لیکر حضرت سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل حال بیان کیا۔ اُس قیدی نے حضرت سعدؓ سے امان چاہل کر کے کہا کہ میں بچپن سے لڑائیوں میں رہا۔ فنون جنگ سیکھے۔ بہادری کو دیکھا۔ مگر اس جیسا شخص نہیں دیکھا۔ تنہا شخص دو فرسخ قطع کر کے ستر ستر کی جمعیت میں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ دس دس پندرہ پندرہ خدمت گزار بھی ہیں داخل ہوتا ہے اور پھر فقط جاسوسی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ خیمے گرائے اور گھوڑے لیکر چلا۔

اول جو شخص اُس کے پیچھے گیا وہ فارس میں ایک ہزار سواروں کی برابر سمجھا جاتا ہے اُس کو قتل کیا۔ اُس کے بعد دوسرا بھی اُسی درجہ کا تھا۔ اُس کو بھی قتل کیا۔ میں بھی اپنے یہاں ایک لڑائی کی برابر سمجھا جاتا ہوں میرے بعد شکر بکھر میں مجھ جیسا کوئی نہیں رہا۔ مگر مجھے موت آنکھوں سے نظر آگئی تب میں نے قید ہونے کو مرنے پر ترجیح دی۔ اس تقریر کے بعد وہ شخص مسلمان ہو گیا۔

حضرت سعدؓ نے اس کا نام مسلم رکھا۔ شیخص بھی انہیں افراد میں سے تھا جنہوں نے قادیسیہ نمایاں خدمات انجام دیں اور ہر معرکہ میں طلحہ کے ساتھ تھے۔

(۶) حضرت سعدؓ نے مقدمہ الحبشہ کا امیر زہرہ کو مقرر کیا تھا۔ رستم مدین سے قادیسیہ تک جو پانچ چھ منزل سے زیادہ مسافت نہ تھی چار ماہ میں پہنچا۔ اُسکی غرض محض لڑائی کو ٹالنا تھا۔ ادھر حضرت عمرؓ کی ہدایت بھی یہی تھی کہ ڈھیل دیجائے۔ اور لڑائی میں عجلت نہ کی جائے۔ اسلئے حضرت سعدؓ نے بھی اپنی طرف سے اقدام نہ کیا۔

رستم جب قادیسیہ پہنچا تو مقدمہ الحبشہ عساکر اسلام کے افسر علیؓ زہرہ کو طع نزہہ اور طاقت سے اس بات پر راضی کرنا چاہا کہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو اس ارادہ سے باز رکھے۔ رستم اور زہرہ میں باہم اس طرح گفتگو ہوئی۔

(رستم) ہمارا اور عرب کا پڑوس ہونیکی وجہ سے دامن چولی کا ساتھ رہا ہے۔ ہم ہمیشہ اُن کی جان و مال کی حفاظت کی۔ ہر قسم کی مالی امداد سے اُنکی دستگیری کر کے فقر و فاقہ سے بچایا۔

(زہرہ) بیشک عرب کی یہی حالت تھی اور وہ طع نزہہ اور گزراوقات کیلئے تمہارے غلام بنے ہوئے تھے۔ مگر اب حالت بدل گئی۔ اُن کا مقصود صرف پیٹ پالنا اور دولت حاصل کرنا تھا۔ ہمارا مقصود رضا رسولی اور ثواب آخرت ہے۔ کسی قسم کی طع ہم کو اس ارادہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ ہم گمراہ تھے۔ اللہ نے ہم پر رحم فرما کر اپنے رسول کو مبعوث فرمایا۔ اور اُن سے یہ وعدہ فرمایا۔ کہ جماعت کو اُن پر مسلط کر دیا۔ جنہوں نے اس دین کو قبول نہیں کیا۔ اور یقین دلایا کہ جب تک یہ لوگ اسلام پر اور اُس کے وعدوں پر سختی سے اعتقاد رکھیں گے برابر غالب آتے جائیں گے اسلام دین حق ہے۔ جو اس کا منفع ہو گا دائمی اور لازوال غرت کا مستحق ہو گا۔ اور جو اس سے اعراض کر گیا۔ برابر ذلیل رہے گا۔

(رستم) اسلام کی حقیقت کیا ہے۔

(زہرہ) عموماً اسلام توحید اور رسالت کی شہادت ہے۔

(رستم) اس کے بعد کیا ہے؟

(زہرہ) اُس کے احکام میں سے بڑا حکم یہ ہے کہ صرف خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے۔ غیر اللہ کو عبادت کے کسی شعبہ میں شہ برابر دخل نہ ہو یعنی عبادت شرک حلی و خفی سے بالکل خالی ہو اور پھر یہ کہ سب مخلوق کو ایک ماں باپ کی اولاد سمجھ کر یکساں معاملہ کیا جائے شریف کو رذیل پر امیر کو غریب پر ترجیح نہ دی جائے۔

(رستم) یہ تو بہت ہی اچھا دین ہے۔ کیا اگر ہم اس کو قبول کر لیں تو تم ہمارا ملک ہمارے حوالے کر کے چلے جاؤ گے۔

(زہرہ) بے شک ایسا ہی ہوگا۔

(رستم) دیسب گفتگو سن کر آپ نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ اہل فارس نے آرد شیر کے وقت سے کمتر درجہ کے لوگوں کو ایسا ذلیل و خوار بنا رکھا ہے کہ کوئی شخص اپنے مخصوص پیشہ اور کام کے سوا سلطنت کے کسی کام میں حصہ نہیں لے سکتا اور نہ وہ امرار شرفا رکھتا تھا کسی تہہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ جب یہ لوگ اپنے پیشوں کو چھوڑ دیں گے تو انکی عادات بدل جائیں گی اور امرار کے مقابل بن کر اڑنے کو تیار ہو جائیں گے۔

(زہرہ) ہم تو لوگوں کے ساتھ ایسا بھلائی اور سادات کا معاملہ کر رہے ہیں جو کسی نے نہیں کیا۔ ہموں پر علیا پیشہ ور۔ اور کمتر درجہ کے لوگوں کے بارہ میں جو حکم ہو اُس کی اطاعت کریں گے اگر وہ امرار کی قد و منزلت کرتے ہیں احکام خداوندی کی اطاعت کریں تو ہم کو کیا نقصان ہے۔

رستم کے دل پر زہرہ کی گفتگو کا نہایت گہرا اثر ہوا۔ اُس نے واپس آکر فوجی افسروں اور دیہاتی لوگوں سے مشورہ کیا اور کہا کہ میرے نزدیک تو ہم سب کا مسلمان ہو جانا بہتر ہے لیکن مرنے ناک چڑھائی اور اس بہتر رائے کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

رستم اس سخت آگاہ پر بھی مایوس نہ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو خیال میرے دلیں مانع ہے

مسلمانوں کی گفتگو سن کر ان کے طور و طریق کو دیکھ کر ان لوگوں کے دل میں بھی آہستہ آہستہ لڑت کر جائے اور انجام کار ہم سب متفق ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ اس بنا پر اس نے حضرت سعد کچھ مدت میں قاصد بھیجا کہ کچھ لوگ گفتگو کرنے کو ہمارے پاس بھیج دیجئے حضرت سعد نے چند منتخب لوگوں کی ایک جماعت کو بھیجا چاہا۔ مگر رقی بن عامر نے عرض کیا کہ گفتگو کے لئے ایک جماعت جائیگی تو اہل فارس سمجھیں گے کہ ہمارے دلوں پر ان کی جمیعت کا کچھ رعب پڑے یا ہم ان کو وقعت کی نظر سے دیکھتے اور ان سے گفتگو کو ہمہ نشان کام سمجھتے ہیں۔ ایک آدمی جانا چاہئے اس پر تنہا رقی ہی کو جانیکا حکم ہوا۔ قادیسیہ کے پل پر پہنچے تو رستم نے ان کو وہیں روک کر اپنے پہلے غطت و شان دکھلانی کے سامان شروع کر دیے۔ دو رنگ زلفیت کے فرش بچھائے گئے اعلیٰ درجہ کی وردیوں سے آراستہ فوج دور و یہ کھڑی کی گئی۔ اور خود رستم اپنے مرصع و جواہر نگار تخت پر نشان و شوکت کیساتھ بیٹھا۔ اسوگر دامراہ اور افسران فوج بیش قیمت گدوں پر تکیہ لگا کر بٹھائے گئے اسکے بالمقابل مسلمانوں کے سفیر رقی، کی حالت اور ہیئت بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ گھوڑے پر سوار تھے۔ تلوار ایک پائے اور پھٹے ہوئے کپڑے میں لپیٹی ہوئی چڑے کے بدھیئت شہ سے کمر میں بندھی ہوئی تھی اونٹ کی عرق گیر کو کرتہ کی طرح پہن کر کر باندھ رکھی تھی جب بایں ہیئت کذائی مکلف فرش کے کنارے پہنچے تو ان سے کہا گیا کہ گھوڑے سے اتر کر پیادہ چلیں۔ مگر نہ مانا۔ بلکہ انہیں زلفیت کے فرشوں پر سے گھوڑے سمیت گزرتے ہوئے رستم کے قریب پہنچے۔ وہاں اتر کر نہایت تنگنا اور تنگ سے دو گدوں کو درمیان سے پھاٹ کر گھوڑے کو باندھ دیا۔ ان سے کہا گیا کہ ہتھیار کھول کر علیحدہ رکھ دو۔ کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں خود نہیں آیا۔ تم نے بلایا ہو۔ رستم کو اطلاع ہوئی تو اس نے کہا اسی حالت میں آنے دو۔

وہاں سے آہستہ آہستہ اور قریب قریب قدم رکھتے اور نیزہ پر ہمارا دیتے ہوئے اس طرح چلے کہ اعلیٰ اور بیش قیمت قالینوں میں سوراخ ہو گئے۔ اور دکھلا دیا کہ یہ سب مزخرفات ہماری نظروں میں خاک سے زیادہ ذلیل ہیں۔ رستم کے سامنے پہنچے تو فرش اٹھا کر زمین پر بیٹھ گئے۔

اور نیزہ کو فرش پر گاڑ دیا۔ کسی نے کہا تم زمین پر کیوں بیٹھے۔ جواب دیا کہ ہم تمہارے سان فرس فرشتوں کے بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ رستم نے بذریعہ ترجمان گفتگو شروع کی۔

(رستم) تم اس ملک میں کیسے اور کس غرض کیلئے آئے ہو۔

(ربیع) اللہ تم کو لایا ہے اور اس نے تم کو اس غرض سے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو نیکوئی کا کمال کرنا چاہیں اور ادیان باطلہ کے ظالمانہ قوانین کی تنگ و تاریک گھائیوں سے نکال کر اسلامی عدل اور مساوات کی شاہراہ پر ڈالیں اُس نے اپنا دین یکرم کو بھیجا ہے۔ جو اُس کو قبول کرے گا ہم اُس کے ملک کو اُس کے حوالے کر کے چلے جائیں گے اور جو انکار کرے گا اُس سے مقابلہ کریں گے۔

(رستم) آپ کا مطلب ہم نے سمجھ لیا لیکن کیا ہیں اس قدر ہمت دیکھتے ہیں کہ ہم میں غور کریں۔ (ربیع) آپ کو تین دن کی ہمت دی اس میں خوب سوچ لیجئے اس درمیان میں ہم لڑائی کی ابتداء نہ کریں گے۔ تمہاری طرف سے ابتداء ہو تو دوسری بات ہے۔ میں اپنی اور تمام عساکر اسلامیہ کی طرف سے اس معاہدہ کا ذمہ دار ہوں۔

(رستم) کیا تم سب کے سردار ہو۔

(ربیع) مسلمان مثل حیم واحد ہیں۔ اُن میں کا ادنیٰ بھی جو کر گزرتا ہے اعلیٰ کو اس کی پابندی لازمی ہے۔ رستم نے اس گفتگو کے بعد جو برسرِ دربار ہوئی تھی۔ تمام افسروں کو تنہائی میں بلا کر کہا تم کبھی بھی ایسی واضح اور روشن گفتگو نہ کرو۔ اب بھی میرا کہنا مانو میرے نہایت سخت سے جواب دیا ہم اس کتے (معاذ اللہ) کے دین کی طرف کبھی راغب نہ ہوں گے۔ اس کے کپڑے نہیں دیکھے کیسے رستم کو اور بوسیدہ ہیں جن کو دیکھ کر بھی نفرت ہوتی ہے۔

رستم نے کہا تمہاری عقلوں پر افسوس ہو اُس کے کپڑوں کو دیکھتے ہو۔ ذاتی اخلاق و جرات و ممانعت اور گفتگو اور رزلے کو نہیں دیکھتے عرب اپنے برگزیدہ اوصاف کی حفاظت کرتے ہیں۔ تمہاری طرح کپڑوں کی زیب و زینت کے ورپے نہیں ہوتے۔ اس گفتگو کے بعد ربیع و ماں سے بخصت ہو گئے۔

کوتاہ میں اور حقیقت ناشناس ہمیشہ ظاہری طمطراق کی طرف مائل ہوتے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ اخلاق کی پاکیزگی اور نفوس کی تقدیس و تطہیر اصل چیز ہے۔ ظاہرین لباس کی زینت جلالت قدر اور رفعت شان کا اندازہ کرتے ہیں اور حقیقت الامراس کے باطل خلاف ہو۔

حضرت امام شافعی کا سترچن رائے میں ایک حجام کی دوکان پر گزرا ہوا۔ آپ نے اس کو صلاح بنانے کو فرمایا۔ حجام امرار۔ وزار کی اصلا حیس بنا کر مقول اُجرت لینے کا خوگر تھا امام صاحب کی معمولی اور بوسیدہ اور میلے کپڑوں سے تنفر بھی ہوا اور یہ سمجھا کہ یہ تو خود مسائل معلوم ہوتے ہیں مجھے کیا دینگے۔ اُس نے صلاح بنانے سے انکار کر دیا۔ امام شافعی صاحب انکار کی وجہ سمجھ گئے۔ اپنے غلام کو جو ساتھ تھا ارشاد فرمایا کہ تیرے پاس کیا ہے۔ اُس نے کہا۔ دس دینار۔ فرمایا اس حجام کو دید واور و ماں سے یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

عَلَى ثِيَابٍ كَوَيْلٍ جَمِيعُهَا يَفْلَسُ لَكَانَ الْفَلَسُ مَهْمًا الْكَذَّ

یسے بن پر ایسے کپڑے ہیں کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے تو ایک فلوس کی برابر بھی قیمت نہ ملے۔

وَقِيهِنَّ نَفْسٌ وَنَفَقَاتُ مِثْلِهَا جَمِيعُ الْوَرَى كَانَتْ أَحَلَّ وَحَطَّ

لیکن اُنکے اندیاں نفس ہو کہ اگر تمام حقوق کا اُس حیرے و ما ضو حلا لستیف اخلق عولہ

اذا كان عَضْبًا حَيْثُ أَخَذَتْ يَدَا موازنہ کیا جائے تو اُسی کام تیرے بڑھا ہے گا۔

تواری کی دھار کیلئے میان کا بوسیدہ ہونا کیا مضرو

ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ مجتہد مطلق اور اپنے وقت کے فرد فرید امام ہیں غلیظہ وقت بھی اُنکی تعظیم

کرتا تھا۔ مگر حجام نے کپڑوں کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا۔ اور اُنکے پاک اخلاق و اوصاف کا اُس کو

اندازہ نہوا۔ امام جلیل الشان نے اس موقع پر جو کچھ فرمایا وہ خود سرائی میں داخل نہ تھا بلکہ اس

عام غلط فہمی کو دفع کرنے کی غرض سے اس قدر فرمایا کہ محبوب ہوئے اور حبیب کوئی دینی و شرعی ضرورت

آپڑی تو ایسے اظہار کی اجازت ہو۔

لے بغداد کے متصل ایک خمر کا نام ہے جس کو مقسم باللہ نے آباد کیا اور درجہ خلافت بنایا تھا ۱۲۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس ضرورت کی وقت فرعون سے فرمایا تھا۔

اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَحْضُرُنِي فَخْرٌ كَثِيرٌ
میں خوب غفلت کر بیوا اور جاننے والا ہوں)

دس دینار عطا فرمائے کو بھی کوئی شخص اسراف پر مجبور نہ کرے آپ کو ان عام خیالات کی اصلاح کے ساتھ یہ بھی دکھانا تھا کہ اہل اللہ اور متوکلین علی اللہ کے نزدیک اشرافی اور دیرپے حقیقت ہیں۔

ایک دفعہ بعض ظاہر سبتوں نے حضرت جنید سے صوفیہ پر طعن کرتے ہوئے سوال کیا۔

مَا بِاللّٰهِمْ وَسَخَنَةُ شَيْءٍ بَعْثُهُمْ
وہاں کے کپڑے میلے کھیلے کیوں بہتے ہیں،

جواب میں ارشاد فرمایا لَكُنْظَا أَهْرَقَ
لیکن وہ پاک ہوتے ہیں)

اس کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ کپڑوں کا میلار کھنا محمود امر ہے یا صوفیہ کا مسلک یہ کہ کپڑے میلے پہنائیں۔ بلکہ حاصل جواب یہ کہ ان لوگوں کو طہارت ثوب کا اہتمام ہوتا ہی نفاست فصائی بہت عمدہ چیز ہے۔ مگر اس جماعت کو جو دنیا سے منقطع اور باکلیہ آخرت کی طرف راغب ہوتے ہیں اپنی مشغولی سے اس قدر فرصت نہیں ملتی کہ لباس کی نفاست کی طرف توجہ کریں۔ اوچوں کہ طہارت شرط عبادت ہے اس لئے اُس سے غفلت نہیں کرتے۔ اس کو بخنبیہ ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا حدیث شریف میں وارد ہے۔

رَبِّ اجْعَلْهُ أَشْعَثَ أَخْبَرُ مَدْفَعٌ بِالْأَبْوَابِ
وَأَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ (هَرَبَهُ) (وَأَمَّا قَالَ)

دہشت ہو پراگندہ بال غبار آلودہ دروازوں پر سے ہٹا دیے گئے۔ ایسے مقبول ہوتے ہیں کہ اگر اللہ کے اوپر کسی بات کی قسم کھا بیٹھیں تو ان کی قسم پوری کر دی جائے۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ غبار آلودہ اور پراگندہ بال دروازوں پر سے دھکے دیکر ہٹا دیا جانا اپنی پسندیدہ باتیں ہیں کہ ان کو اختیار کیا کرو۔

الغرض ظاہر میں لباس کو دیکھتے ہیں۔ اور حقیقت شناس اخلاق اور اوصاف کو۔ رستم اپنی قوم کو سمجھاتا رہا۔ مگر بد قسمتی سدا رہی ہو گئی نہ سمجھے اور ہرگز نہ سمجھے۔

مگر رستم نے اب بھی ہمت نہ ہاری اور اپنی کوشش سے باز نہ آیا۔ اگلے روز پھر حضرت سعدؓ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ربیعہ کو ایک دفعہ اور بھیج دیجئے۔ حضرت سعدؓ نے بجائے ربیعہ کے حذیفہ بن محصن کو بھیجا۔ یہ حضرت بھی اُسی شان اور اُسی ہیبت و لباس میں اُسی امانت سے تشریف لائے لیکن فرق اتنا تھا کہ ربیعہ تو گھوڑے پر اتر کر بیٹھ گئے تھے اور یہ نیچے بھی نہ اترے رستم نے چاہا کہ گھوڑے سے اتریں مگر انکار کر دیا اور اُسی طرح سواری کی حالت میں رستم سے گفتگو شروع ہوئی۔

رستم بہمنے تو ربیعہ کو بلایا تھا تم کیوں آئے۔

حذیفہ۔ ہمارے ایلر اسلام کے قانون مساوات پر پورا عمل کرتے ہیں۔ وہ ہر کوئی اور سختی رنج و راحت میں مساوی رکھتے ہیں۔ کل ربیعہ کی نوبت تھی اور آج میری ہے۔

رستم۔ پھر تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو۔

اس سوال کا جو جواب ربیعہ نے دیا تھا وہی بحبسہ حذیفہ نے دیا اور اُس کے بعد رستم نے وہی سوال کئے جو ربیعہ سے کئے تھے حذیفہ نے وہی جواب دیے جو ربیعہ نے دیے تھے۔

رستم۔ ہم کو عذر کرنے کی واسطے کتنی مدت کی جہالت دیتے ہو۔

حذیفہ۔ تین دن کی جن میں سے ایک دن گزر چکا ہے یعنی ربیعہ جو مدت مقرر کر گئے ہیں۔ اُسی وقت سے حساب لگایا جائیگا۔ میں اُن سے علیحدہ کوئی مدت مقرر نہیں کر سکتا۔

اس گفتگو کے بعد رستم نے اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ افسوس جس بات کو میں سمجھتا ہوں تم نہیں سمجھتے۔ کل ایک شخص آیا اور اُس نے ہمارے زرق برق ساز و سامان کو نہایت حقارت سے دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ہمارے مکلف فرشتوں پر کھڑا کر دیا۔ آج یہ دوسرا آیا۔ اُس نے گھوڑے پر اُترنا بھی گوارا نہ کیا۔ اور جو گفتگو کی اُس کو تم نے سُن لیا۔ گروہ تب مجھے اور حذیفہ واپس چلے گئے۔

لیکن رستم نے ایک دفعہ اور آخری کوشش کر کے اپنی بد بخت قوم کو سمجھانا چاہا اور حضرت سعدؓ سے کہلا بھیجا کہ کسی اور کو گفتگو کی واسطے بھیج دیجئے۔

اس دفعہ مغیرہ بن شعبہ بھیجے گئے آج بھی حسب دستور دو در تک نہ لفت کے فرش بچائے گئے۔ افسروں کے سروں پر تاج اور علائقہ قسم کے لباس تھے رسم خود نہایت شان سے سخت پر جلوہ گر تھا۔

مغیرہ انہیں فروشوں پر گھوڑے سمیت گذر کر فوراً رسم کی برابرت پر بیٹھ گئے۔ اہل فارس نے برقی اور حدیفہ کے بے باکانہ معاملات پر تو صبر کیا۔ مگر آج نہ رہا گیا مغیرہ کو بچنے کو سخت سے نیچے گرا دیا۔

مغیرہ نے فرمایا میں تو سنا تھا کہ اہل فارس ذی عقل و حلیم بر دبار۔ بادشاہیں لیکن تم سے زیادہ تو کوئی قوم بھی سیف و نادان نہ ہوگی۔ ہم اہل عرب آپس میں ایک دوسرے کو غلام نہیں بناتے سب مساوی درجہ پر رہتے ہیں۔ میرا گمان تھا کہ تم بھی ہماری طرح مساوات کا معاملہ کرتے ہو گے مجھ کو تخت سے اتار کر نیچے گرانے سے بہتر یہ ہوتا کہ تم مجھے اپنے یہاں کے برتاؤ سے اور کم درجہ والوں کو غلام و ذلیل سمجھنے کے قانون سے مطلع کر دیتے۔ میں خود ہی تخت پر نہ بیٹھتا۔ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا اس لئے میرے ساتھ یہ معاملہ کرنا مناسب نہ تھا۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ تم غلام مغلوب ہو گے۔ کیونکہ کوئی سلطنت ایسا اھمال و اخلاق کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔

کم تر بہ لوگوں نے مغیرہ کی یہ تقریر سنی تو ضبط نہ کر سکے۔ اور بول اٹھے کہ بیشک یہ عربی سچ کہتا ہے۔ سردار اور امیروں نے آپس میں کہا کہ اس عربی نے ایسی گفتگو کی ہو کہ اس کے بعد ہمارے غلام کبھی اطاعت نہ کریں گے۔ اللہ ہمارے اسلاف کا ستیا ناس کرے جنہوں نے اس امت عرب کو حقیر اور ناقابل التفات سمجھا۔ اس کے بعد رسم اور مغیرہ میں گفتگو شروع ہوئی۔

رسم نے اپنی قوم کی غفلت و شان ظاہر کر کے کہا کہ عرب سے زیادہ کوئی قوم ذلیل نہ تھی۔ ہم نے تم کو کبھی کسی شمار میں نہیں سمجھا۔ جب تمہارے یہاں خشک سالی ہوتی تھی تو ہم خیرات مانگے ہمارے یہاں آتے تھے اور ہم تم کو کچھ دیدیتے تھے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ اب بھی تم اسی وجہ سے آئے ہو۔ میں تمہارے امیر کو واسطے ایک خلعت اور خنجر اور ہزار دہم کا حکم دیتا ہوں اور تم میں سے ہر ایک کے

واسطے ایک بوجھ کھجوروں کا تم یہ لیکر چلے جاؤ میں نہیں چاہتا کہ تم کو قتل کر دوں۔
مغیرہ۔ بعد حمد و صلوٰۃ۔ تم نے اپنی نسبت جو کچھ بیان کیا نہایت صحیح ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں۔ اور ہماری یہی کیفیت تھی جو تم نے بیان کی۔ لیکن دنیا کی دولت قائم رہنے والی نہیں وہ بدلتی رہتی ہے۔ اہل فقر کو ثروت کی توقع لگی رہتی رہے اور ثروت والے فقر و فاقہ کی مصیبت سے خائف رہتے ہیں۔ تم اگر شکر کرتے تمہاری دولت قائم رہتی۔ ہم پر اللہ نے رحم فرمایا۔ ہمارے اندر اپنے رسول کو بیجا۔ ہم نے اُن کا اتباع کیا۔ ہماری وہ حالت بدل گئی اور پھر وہی گفتگو کر کے جو ربیع اور حذیفہ نے کی تھی کہا کہ تین باتوں کے سوا چارہ نہیں اسلام یا جزیہ یا مقاتلہ تنہا اور اضافہ کر دیا کہ اب تو ہم نے اور ہمارے اہل و عیال نے سرزمین فارس کے عمدہ کھانے اور میوے کھائے جن کو ہم چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔

رستم۔ تم سب قتل کر دیے جاؤ گے اور یہاں نہنا نصیب نہوگا۔
مغیرہ۔ ہم میں سے جو قتل ہوگا جنت میں جائیگا۔ اور تمہارے مقتولین نار میں۔ اور پھر جو مسلمان زندہ بچیں گے وہ تمہارے اوپر غالب آئیں گے۔

رستم۔ تہ زندہ غصہ اور غضب میں کہنے لگا کہ کل دن چڑھنے نہ پائیں گے کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس گفتگو کے بعد مغیرہ تو واپس ہو گئے۔ لیکن رستم کے دلیں اسلام کا اثر جاگزین تھا۔ غصہ بھی تھا تو محض عارضی اور دکھلاوے کا۔ اُس نے سردارانِ فارس کو ہتھیاروں میں بلا کر کہا کہ تم کو ان لوگوں سے کیا نسبت ہے۔ یہ اپنے دعوے میں سچے ہوں یا جھوٹے۔ مگر مرد اور بہادر۔ گویا اور حاضر جواب بھی ہیں۔ حسب انکی عقل و فہم حفظ راز اور معاملہ فہمی اس وجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ میں سے گفتگو کی جاتی ہے علیحدہ علیحدہ یا اکٹھے۔ نہیں کسی ایک بات اور ایک رائے میں بھی اختلاف نہیں ہوتا۔ تو سمجھ لو کہ وہ اپنے دعائیں ضرور کامیاب ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لو کہ یہ لوگ اپنے دعوے میں صادق ہیں۔ تب تو دنیا کی کوئی قوت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر یہ قیمت امرا و فارس اس مقول و مدلل بات کو سن کر بھی اپنی بیجا ہٹ پر قائم رہے۔

اور اپنی شجاعت و دلیری دکھلا کر مقابلہ کیلئے آمادگی ظاہر کی۔

رستم کو علم و نجوم یا کہانت کے ذریعے سے معلوم ہو گیا تھا کہ کل کو میدان جنگ میں مغیرہ کی آنچ بھوٹ جائیگی۔ اُس نے ایک شخص کو مغیرہ کے پیچھے دوڑایا اور کہدیا کہ جب وہ پُل سے پار ہو جائے تو میری پیش گوئی منادینا۔ رستم کی غرض یہ تھی کہ مغیرہ اس پیش گوئی سے متاثر ہونگے اور شاید اُن کو حقانیت اسلام میں کچھ تردد ہو جائے۔ رستم اور اہل فارس کو جو محض باطل پرست سمجھے رہے ہیں اُس میں کچھ تذبذب ہو جائے۔ مگر استغفر اللہ صحابہ ایسے خام خیال اور کچھے نہ تھے کہ وہ کسی نجومی۔ کاہن یا جوجی کی پیش گوئی پر ڈھیلے ہو جاتے۔ وہ اسلام کے درجات شریعت و طہارت معرفت و حقیقت کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ دل و نجوم کے حسابات۔ کہانت۔ القاب و شیطانی اور مرقاض و جوجیوں کے کشف کی اہلیت کو خوب جانتے تھے۔

رستم کا یہ پیام سنتے ہی خوش ہو کر کہنے لگے کہ ”تو نے مجھے بڑی بشارت دی اگر مجھ کو تمہارے اور بھائیوں کے جہاد کر نیکے واسطے بینائی کی ضرورت نہوتی تو میں تمنا کرتا کہ دوسری آنکھ بھی کل ہی پھو جائے۔“
 قاصد نے مغیرہ کی یہ گفتگو رستم کو سنائی تو اُس نے امراء اور سرداروں سے کہا کہ اب میرا کہنا مان لو ان سب مراحل کے بعد حضرت سعد نے بطور اتمام محبت تین نہایت فیمدہ اور سنجیدہ حضرات کو رستم کے پاس بھیجا بان لوگوں نے اُس سے کہا کہ ہم تم کو ایسی بات کی طرف بلا رہے ہیں جس میں سراسر بھلائی اور سلامتی ہے۔ دین حق کو قبول کر لو ہم ہمیں سے واپس ہو جائیں گے۔ تمہارا ملک تمہارے پاس ہیگا۔ کوئی تم پر حملہ کرے گا تو ہم تمہارے مددگار رہوں گے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ قوم فارس کا تمام ہونا تمہارے ہی ہاتھوں پر رکھا ہوا ہو۔ تم اگر اس دین میں داخل ہو گے اور وسوسہ شیطانی کو دفع کر دیا تو ابھی ذرا سی دیر میں قابل غبطہ بن جاؤ گے یعنی اسلام کی لادولت کیساتھ اپنی اس امارت و مہیاست پر قائم رہکر۔ دنیا و آخرت کی سرداری اور عزت تم کو مل جائیگی اور اس حالت کو دیکھ کر لوگ تم پر غبطہ و رشک کرنے لگیں گے۔ ایک کلہ زبان سے کہہ لینے میں بادشاہ حاصل ہوتی ہے۔

ستم نے کمان باتوں سے کیا جاہل۔ ہماری تمہاری مثال ایسی ہے کہ کسی باغ میں ایک لومڑی گھس آئی تھی مالک باغ نے کہا ایک لومڑی کیا کر سکتی ہے۔ لومڑی نے مالک کا استغنا دیکھ کر اور لومڑیوں کو بلالیا۔ مالک نے جب دیکھا تو راستہ بند کر کے سب کو قتل کر دیا۔ یا تمہاری مثال ایسی ہے کہ مکھی نے شہد کو دیکھ کر کہا کہ جو مجھ کو شہد میں پہنچا دے اُسکو دو درہم دوں گی لیکن جب پہنچائی تو اب کشتی ہے جو نکال دے اُسکو چار درہم دوں گی۔ غصے ہماری بے پرواہی سے دھوکہ کھایا۔ اور اس طرح میں آگئے لیکن اب یہاں سے سالم نہیں جاسکتے۔ فاقہ اور تنگدستی تم کو لانی ہے۔ اگر تم آدمیوں کی طرح جانا چاہتے ہو تو ہم تم کو کھانے پینے کی واسطے کچھ دیدیں گے۔

سفر اسلام نے کہا کہ ہمارا جو کچھ حال تم نے بیان کیا ٹھیک ہے۔ ہم ایسے ہی ذلیل و حقیر محتاج و تنگ دست تھے لیکن اللہ نے فضل فرمایا۔ کفر سے نکال کر دولت اسلام عطا فرمائی۔ تب کے بعد غرت نصیب کی۔ اختلاف اور جتنے بندی کی جگہ ہم میں اتفاق و یکجہتی عطا فرما کر مخالفین اسلام سے مقابلہ کا حکم دیا۔ جو مثالیں تم نے بیان کیں یہ درست نہیں۔ بلکہ ہماری تمہاری مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے نہایت اعلیٰ قسم کا باغ لگایا جس میں نہریں جاری کیں۔ اور عالیشان محلات بنائے۔ اُس میں نوکر چاکر رکھے۔ جو درختوں کی آبیاری اور پھلوں کی محافظت کریں۔ باغ کی سرسبزی اور شادابی کی ہر وقت فکر رکھیں۔ یہ ملازم پر تکلف محلات میں رہ کر باغ کی خدمات سے غافل اور بدستیوں میں مشغول ہو گئے۔

مالک باغ نے سمجھایا اور ڈھیل دی مگر نہ سمجھے تو بجائے اُنکے ایسے لوگوں کو مامور کیا جو مالک کی مرضی کے موافق خدمت سجالائیں۔ پہلے ملازموں کو نکال کر باہر کریں یا اپنا غلام بنا کر رکھیں۔ خدا تعالیٰ نے تم کو جس غرض کی واسطے دنیا کی حکومت و سلطنت۔ ریاست و وجاہت عطا فرمائی تھی۔ تم اُس سے غافل بلکہ متکبر ہو گئے۔ نیابت الہی کے طریقے چھوڑ بیٹھے۔ مالک کو مالک بھی نہ سمجھ بلکہ بجائے توحید کے آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور جو ہدایات تم کو دی گئی تھیں اُن میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہ کیا۔ تو اب اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھی بھاری اور یہ خدمت ہمارے سپرد کی ہے۔

رستم پراس واضح اور کھلی ہوئی گفتگو کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ یہ کہا کہ کل لڑائی ہوگی۔ دریا کو عبور کر کے تم ہماری طرف آؤ گے۔ یا ہم آئیں۔ سفار نے کہا تم عبور کر کے آؤ۔ فریقین جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے لیکن شب ہی کو رستم نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُتر اُس نے لشکر فارس کی سب کمانیں لیکر اُن پر مہر لگا دی۔ اور آسمان پر لے گیا۔ رستم اس خواب کو دیکھ کر سخت مغموم ہوا۔

صبح ہی اپنے خواص اور مصاحبین کو بلا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بار بار متنبہ کرتا اور سمجھاتا ہے مگر ہم نہیں سمجھتے اس کے بعد رستم نے دوزخ میں نہیں اور خود ہینا۔ تمام ہتھیار لگائے اور اُچھل کر کھوٹے پرسواہ ہوا اور کہا۔ غللاً اَذَا قُھم۔

ایک مصاحب نے کہا انشاء اللہ۔ رستم نے کہا وہ نہ چاہیگا تب بھی ہم ہیں ڈالیں گے۔ رستم کے اس فقرہ پر تعجب ہوتا ہے۔ اُس کو تو اسلام کے حق ہونے اور مسلمانوں کے غالب ہونے کا یقین تھا۔ اُسکی زبان سے ایسا فقرہ کیونکر نکلا۔ موزین اسکی تاویل کرتے ہیں کہ دلیں تو اُس کے وہی مضمون تھا اور وہ اپنے خواص مصاحبین سے باریبار نظر بھی کر چکا تھا۔ مگر اہل فارس کی ہمت بڑھانے کے لئے اور لڑائی کی واسطے استعداد مادہ کرنے کیلئے شجاعت کا اظہار کیا۔

مگر میرا خیال اس کے بالکل خلاف ہے۔ رستم کا خیال واقعی وہی تھا۔ کہ اسلام حق مسلمانوں کے مقابلہ بے سود و ضرور غالب آئیں گے۔ مگر بخیتی اُس پر سوار تھی۔ آدمی کو ایک بات کا علم ہوتا ہے۔ مگر غصہ کی حالت میں اُس کا علم بدل جاتا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھ لگتا ہے۔ اُس کے خلاف اپنی اختیار و رضا کرتا ہے۔ رستم کے یہ الفاظ کسی مصلحت پر مبنی نہ تھے۔ بلکہ جوشِ مردانگی۔ نخوت و غرور۔ قوت و کثرتِ جمعیت

کی بنا پر زبان سے نکلے تھے۔ اور انہی باتوں سے ہلکو تقدیر کا قائل ہونا اور افعالِ عباد کو مخلوق باری ماننا پڑتا ہے۔ آدمی اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس علم و ارادہ جب ہی تک کام دیتے ہیں جب تک ارادہ خداوندی کے موافق ہوں۔ تدبیر بھی اُسی وقت کام دیتی ہے جب تقدیر الہی اُسکی موافقت کرے۔ ورنہ کوئی شخص اپنے ارادہ و اختیار سے ذرہ بھر بھی حرکت نہیں کر سکتا

جس کو وہ اپنا اختیار سمجھتا ہے حقیقت میں اضطراب ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی عجیب و وسعت قدرت سے بے اختیاری کو اختیار کی صورت میں ظاہر فرما دیا ہے۔

الغرض رستم نے لڑائی کو ٹالنے اور اپنی قوم کو مسلمانوں کی مخالفت سے بجا رکھنے اور انکو ہر صورت سے سمجھا کر اسلام قبول کرنے یا مصالحت کر لینے کی کوشش کر نہیں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ادھر امیر عسکر اسلام نے بھی حکم عام قوانین اسلام و ہدایات خاص امیر المؤمنین بار بار قاضی بھیکر دعوت اسلام دینے اور امر حق کو واضح کرنے اور اہل فارس کو ہر طرح اطمینان دلانے کی جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ اٹھانے میں کوئی گسرباتی نہ چھوڑی۔ مگر تقدیر الہی یہ تھی کہ فریقین کی کوششیں نا کام ثابت ہوئیں اور دنیا کے مشہور ترین معرکہ قادسیہ کا آغاز ہو گیا۔

قادسیہ کا ایسا سخت معرکہ ہوا کہ اُس کے بعد اہل فارس سے ایسی کوئی سخت لڑائی نہیں ہوئی۔ پایہ تخت مدین پر تو کچھ مقابلہ ہی نہیں ہوا کیونکہ ساتھ ہزار جمعیت کو بخوف و خطر و جلد عبور کرتے دیکھ کر بچیوں کے اوسان باختہ ہو گئے تھے ساوڑن کو سوائے فرار راستہ نظر نہ آتا تھا۔ البتہ نہاد و مذکورہ جس کو اہل فارس کی آخری کوشش کہنی چاہئے بہت سخت تھا مگر ساز و سامان اور بعض خاص وجوہ سے وہ بھی قادسیہ کے دو سر پہ ہی درجہ پر تھا۔ نیز جرد دار السلطنت میں سخت شاہی پہلوؤں اور فوج تازہ دم میلان جنگ میں پہنچا دیا شجاعت دینے کیلئے مضطرب و بیقرار تھیں۔

رستم و ہر فرزان۔ جالینوس و فیروزان جیسے جنرل موجود تھے انتظام ہر قسم کا مکمل و آراستہ تھا پایہ تخت سے میدان جنگ تک کا ایسا مکمل انتظام کیا گیا تھا کہ تاریکی کے بعد اگر کوئی ذریعہ جلد خبر رسانی کا ہو سکتا تو وہ ہی ہے سپاہیوں کو اتنا قریب قریب کھڑا کیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کی گفتگو اور آواز کو بے تکلف سُن لے اس طرح میدان جنگ سے پایہ تخت تک ان کی آن میں جزوی و کُلّی امور کی اطلاع پہنچی تھی اور اسی طرح پایہ تخت سے ہدایت و احکام کا سلسلہ جاری تھا۔

رستم نے مسلمانوں کو پیش ڈالنے کی واسطے ممکن سے ممکن ذرائع سے کام لیا۔ اپنی فوج کو مکمل ترتیب و فکر قلب میں سخت پر مشتمل ہوا اور گرد و پیش اٹھارہ زرہ پوش ہاتھیوں کو ترتیب سے کھڑا کیا۔ جنگی

مصحف و مضبوط عمارتوں میں اول درجہ کے بہادر سوار تھے۔ اسکے بالمقابل عرب کے پاس سامان کہاں تھا۔ ایک لاکھ بیس ہزار نبرد آزما کے مقابلہ کیلئے بتیس ہزار فوج تھی۔ عربی گھوڑے ہاتھیوں کی صورت میں متوحش ہو کر بھاگتے تھے۔ مگر انجام کار یہ معرکہ مسلمانوں کی نمایاں کامیابی اور رستم کے قتل پر ختم ہوا۔ واقعات جنگ ہمارے موضوع میں داخل نہیں ہیں اسلئے انکے ذکر کی حاجت نہیں۔ اب ہم ان واقعات سے اُن نتائج کو دکھانا چاہتے ہیں جن سے ہمارے اصل دعویٰ کا ثبوت ہوتا اور اُس کے ہر پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ نتائج حسب ذیل ہیں

نتیجہ اول

اسلام نے جس سلطنت اور خلافت کی بنیاد قائم کی اس میں مشورہ کی یہ قدیمیت تھی کہ خلیفہ اس میں کسی رائے قائم کرنے کے واسطے مسلمانوں کے عام و خاص افراد سے مشورہ طلب کرتے ہیں مشورہ دینے میں بھی ہر شخص آزاد ہے۔ ہر شخص باطمینان کھڑا ہو کر سید پرکرائے ظاہر کرے یا مختار ہو خلیفہ کبھی کثرت رائے پر ایک جانب کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ اول مرتبہ حضرت عمرؓ نے خود میدان جنگ میں تشریف لے جایا کہ فیصلہ کثرت رائے پر کر دیا اور کبھی قوت دلیل پر جیسا کہ اسی معاملہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی رائے کو تسلیم کر کے عمل پیرا ہوئے اور کثرت رائے کو جس میں حضرت عثمانؓ کی رائے بھی شریک تھی جو گویا بمنزلہ ولیعہد خلافت سمجھے جاتے تھے ترک کر دیا۔ علاوہ خاص اس واقعہ کے حضرت عمرؓ کا عام قاعدہ یہی تھا کہ جب کوئی نیا پیش آتا تھا اُس میں اسی طرح آزادی کے ساتھ مشورہ فرماتے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے اس طریقہ عمل سے ہر کوئی چند فائدے حاصل ہوئے۔

(الف) سلطنت کے اس طرز کی بنیاد اسلام نے ڈالی۔ آج کل کی تمدن اور پارلمنٹری سلطنتیں بھی اس سے زیادہ بہتر اور آزاد طریقہ قائم نہیں کر سکیں۔

(ب) کسی جانب کثرت رائے کا ہونا صواب اور مطابقت واقعہ کی ضمانت نہیں کر سکتا اور نہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے۔ اصل مارت قوت دلیل پر ہی ممکن ہے کہ قلیل تعدد اولیاء

کی دلیل قوی ہو اور اُسی جانب حق بھی ہو اور اُسی میں بہتری اور کامیابی بھی مضمر ہو۔
 شوری کا اہل فائدہ یہ کہ موافق و مخالف رایوں کے سب پہلو واضح اور ظاہر ہو جائیں
 اُن میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دینا خلیفہ کی قوتِ ممیز کا کام ہی۔ مگر یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ
 حضرت عمرؓ کی طرح عقل و دانائی۔ فراست و تجربہ کامل ہو اور کسی قسم کی آلائش دینا و غرض ساتھ لگی
 ہوئی نہ ہو۔ خاص و عام کو اُن کے انتخاب و ترجیح پر اطمینان ہو چنانچہ صحابہ کے طرزِ عمل یہ بات
 واضح ہو گئی کہ باوجود کثرت رائے جب حضرت عمرؓ نے اس رائے کو ترک فرمایا تو کسی نے اُس سے
 انکار نہیں کیا۔ کیونکہ انکی عقل و تدبیر تجربہ اور خیر خواہی اسلام اور سب سے بڑھ کر انکی فراست و نشان
 محذیت پر سب کو کامل اطمینان تھا۔

البتہ اگر خلیفہ وقت یا صدر مجلس اس درجہ کا نہ ہو اور مسلمان کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو
 سکیں تو اختلاف و نزاع کو رفع کرنے کا بہترین طریقہ کثرت رائے ہی۔ اس زمانہ میں بھی اگر صدر
 مجلس حضرات صحابہ کا سچا جانشین ہو۔ اپنے اندر عقل و تدبیر تجربہ و دشمنندی ہمدردی و اخلاص
 لئے ہوئے نورِ یقین و فراست آسمانی سے مزین ہو اور باوجود اختلاف رائے کے مسلمان
 اُسکی بات پر اعتماد و اطمینان کر سکتے ہیں۔ یا کسی معاملہ میں قلتِ رائے کی تائید قرآن و حدیث کی
 کسی صحیح و صحیح فیصلہ سے ہوتی ہے تو کثرتِ رائے قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ ورنہ درصوت اختلاف
 و نزاع کثرتِ رائے سے ایک جانب کو ترجیح دیا جاسکتی ہے۔

مشورہ دینے اور رائے ظاہر کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے جو صحابہ کا تھا ہر شخص آزادی سے
 اپنی رائے دیتا تھا۔ لیکن کسی کو اپنی رائے پر اصرار نہ تھا۔ اُسکی رائے کی خلاف جو فیصلہ ہوتا تھا۔
 اُس پر ایسی ہی خوشی سے عمل کرتا تھا جیسا اُس وقت عمل کرتا جبکہ اُسکی رائے پر فیصلہ ہوتا۔
 نتیجہ دوم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو باتیں حضرت سعد کو فرمائیں اُنکو دیکھنے سے بہک و بہت سے
 اہم اور ضروری فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(الف) صحابہ باوجود ان تمام کمالات و اوصاف حسنہ و مقبولیت کے اپنی کسی عمل صالح کو نثرہ نہیں کرتے تھے وہ ہر وقت ضالہ الہی کے طالب اور اس کے خلاف سے خائف ہوتے تھے۔
(ب) صحابہ میں ایک سے ایک اعلیٰ اور بزرگوار فائق موجود تھے مگر حضرت عمرؓ اپنے فرائض کو پربھروسہ کر کے ترک فرماتے تھے حضرت سعد کو باوجود یکہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے مناسب مقام اور موقع پر پوری پوری نصیحتیں فرمائیں جس سے ہکو دو باتیں حاصل ہوئیں۔

اول یہ کہ خلیفہ اور سلطان وقت کو اپنے فرائض کے ادا کرنا پوری بیدار مغزی سے کام لینا چاہئے۔ اگر اس خیال پر کہ و سر شخص واقف کار ہو سیکوت کیا جائے تو کبھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

درجہ اگر یہ علم کیوافی سبب ہر شخص کو تم پر امیر بنا کر عدل و انصاف کی ہدایت کروں تو میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ رہنے و مرض کیا بیشک ہو جائیگا آپؓ فرمایا اتنی بات سے ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتا یہ کہیں میرا فرض ہو کہ آیا وہ ہدایات پر عمل کرتا ہی یا نہیں۔

اَسْرَآئِمُ اِنْ سَتَعَلَّمْتُ عَلَيْكَ خَيْرٌ
مَنْ اَعْلَمُ ثُمَّ اَمَرَ قُهُ بِالْعَدْلِ
اَقْنَيْتُ مَا عَلَيَّ قَالُوا نَعَمْ قَالَ
لِيَحْتَنِي اَنْظُرْ فِي عَمَلِهِ اَعْمَلْ بِمَا
اَمَرْتُكَ اَمْ لَا۔

دویم یہ کہ باوجود عالم و واقف ہونیکے جلیل القدر حضرات سے بھی کسی ابتلاء کے وقت ذہول یا نسیاں یا فرو گذاشت ممکن ہو۔ اسلئے اُنکو متنبہ کرتے رہنا اور اذات میں سے ہر حضرت عمرؓ کا بھی یہی طریقہ تھا جن صحابہ پر آپ کو ہر طرح اطمینان تھا ان کا امتحان بھی کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو امیر شام حضرت ابو عبیدہ سے فرمایا ہم کو اپنے گھر پہنچاؤ انہوں نے فرمایا آپ ہاں جا کر کیا کریں گے۔ وہاں جا کر روئیکے سوا اور کچھ نہ ہوگا مگر آپ کے اصرار پر لیگیئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارا اسباب کہاں ہے۔ تم امیر شام ہو تمہارے پاس تو سوار ایک نمدہ اور بکڑی کی رکابی اور مشکیرہ کے کچھ بھی نہیں۔ کچھ کھانسنے کی چیز ہو تو لاؤ۔ حضرت ابو عبیدہ نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے لاکر سامنے رکھ دیے۔ حضرت عمرؓ رو پڑے۔ حضرت ابو عبیدہ نے

نے فرمایا میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ وہاں جا کر روئیں گے۔ ہم کو زیادہ سامان کی کیا ضرورت ہے اتنا ہی کافی ہے جو صلی قیام کا یعنی آخرت تک پہنچا دے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

عَمْرُو بْنُ الدُّنْيَا كُلُّنَا غَيْرُكَ يَا أَبَا عُبَيْدٍ (اے ابو عبیدہ دنیا نے ہم سب کو تنگ کر دیا اگر تم پر اثر نہیں ہو۔)
حضرت عمرؓ کو بھی یہی جاننا تھا کہ اُس نہیں جو بہ برکت صحبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوا ہے کچھ کمی تو نہیں آگئی۔ مگر اس ظاہری طور پر دیکھ لینے کے بعد بھی آپ غافل نہ رہے پھر بھی مخفی طور پر اسکی جانچ ضرور کی کہ دنیا کی طرف کسی درجہ میں بھی التفات نہ دیا نہیں ایک مرتبہ آپؓ انکی خدمت میں چار سو دینار (اشرافی) بھیجے۔ اور قاصد سے کہہ دیا یہ دیکھ کر انا کہ وہ کیا کرتے ہیں حضرت ابو عبیدہ نے قاصد کے سامنے ہی سب اشرافیاں اہل حاجت کو تقسیم کر دیں ایک بھی نہ رکھی ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ تھوڑا سا رکھ لیتے تو کسی درجہ میں بھی طمع دنیا کی بات نہ تھی اور نہ حضرت عمرؓ اس پر گرفت کر سکتے تھے خود ہی بھیجا تھا۔ اس لئے سب کا سب بھی رکھ لیتے تو کیا بچا تھا مگر وہاں توفی الحقیقت دل میں دینا کیلئے کچھ جگہ بھی نہ تھی۔

عُمّال اور والیوں کی نگرانی سیاست کی اُن اصول میں سے ہے کہ جس کو جس درجہ تک ترک کر دیا گیا اُسی قدر خرابیوں کا ظہور ہوا اور یہیں سے ہم کو الحزم سوء الظن کا مطلب بھی معلوم ہو گیا۔ یہ ضرور نہیں کہ دشمن خواہ مخواہ بدگمان ہوتا اور دوسروں کو شتم سمجھتا ہے بلکہ اپنی بیدار مغزی سے معاملہ ایسا کرتا ہے جیسا بدگمانی کی حالت میں کیا جائے۔

(ج) صحابہ کے علوم نہایت عالی اور غامض تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان ہدایات میں تدابیر سلطنت و سیاست کو ختم کر نیکے ساتھ شریعت و حقیقت کی نہایت دقیق علوم کا بھی چنہ لفظوں میں دروازہ کھول دیا اور یہیں سے ہم کو یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ صحابہ ہر ایک بات میں اعلیٰ و برتر و فائق ہیں۔ کوئی کسی درجہ تک پہنچ جائے۔ مگر شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت میں انکی مساوات نہیں کر سکتا حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا حاکم و ذام حق کے معاملہ میں کجا ہوں۔ کہنے اور سننے میں یہ و لفظ میں مگر فی الواقع شریعت و طریقت کا خلاصہ یہی ہے۔ کوئی شخص

اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ سوار رضا مولیٰ اور طلب حق اسکے قلب میں کسی امر کی گنجائش نہ رہی ہو۔ جب تک بغیر خدا کا کچھ بھی لگاؤ نہ رہے گا۔ کبھی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اہل تصوف کا تمام ریاضات و مجاہدات سے یہی مطلب ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ شیخ العربیٰ اعجمی قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ نے کہ مغلہ سے اپنے خلیفہ خاص حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کو تحریر فرمایا کہ "غرض سے اپنے اپنے حالات تحریر نہیں فرمائے۔ اسکے جواب میں حضرت مولانا نے بہت سی اظہارِ ندامت و اعتراف تقصیر کے بعد نہایت مختصر لفظوں میں تحریر فرمایا کہ اپنے اندر چند باتیں پاتا ہوں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مادم و ذم یکساں ہیں۔ جس اور یہ جواب حضرت حاجی صاحب کجذمت میں پہنچا تو حاضرین مجلس کا بیان یہ کہ فراموشی سے حضرت پروردگار کی سی کیفیت طاری تھی اور بار بار فرماتے تھے کہ یہ باتیں کس کو نصیب ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کو حضرت مولانا کی کفشت برداری کا موقع ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مولانا کا اہلی اور بے تکلف حال ہی تھا جو تحریر فرمایا۔ کسی کی مدح و ذم سے ذرا بھی متغیر نہ ہوتے تھے۔ اور امر حق کے اظہار میں کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ اور یہی اظہار حق اور تعصب فی الدین ہے جو علماء ربانین کو صحابہ سے ورثہ میں ملا ہے جس کا نام تعصب و تنگ خیالی رکھا گیا۔

(د) نام و نمود کی طلب نیک نامی و نام آوری کی خواہش و جاہت کی تحصیل محبوبِ خلافت بنانا مذموم اور غیر پسندیدہ یا خلافِ شرع معلوم ہوتے ہیں اور نبطا ہر ہے بھی ایسا ہی۔ کیونکہ کوئی شخص جب تک مداراتِ خلق نہ کرے اور امورِ شریعت میں ملامت نہ بنے کبھی لوگوں میں مقبول اور عامِ خلافت کے نزدیک محبوب نہیں بن سکتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے روشن اقوال نے اس کا قاعدہ کلیہ بھی بتلادیا۔ آپؓ نے اول تو ارشاد فرمایا کہ حق گوئی میں حامد و ذم برابر ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں کوئی شخص محبوب عام نہیں ہو سکتا اور پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم محبوبِ خلافت بننے سے اعراض مت کرو اور اُس کو خلافِ ایمان نہ سمجھو۔ نبطا ہر تو یہ جملہ اول ارشاد

معارض و مخالف ہے مگر حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ آپؐ اسکو بالکل صاف کر دیا حاصل ارشاد یہ ہے کہ وجاہت و مقبولیت کے دو درجہ ہیں ایک یہ کہ حق کو چھپا کر اور لوگوں کی رضا کو حق پر مقدم سمجھ کر حاصل کی جائے یہ بالکل مذموم اور حرام ہے۔ اسی کی مذمت آئی ہے۔ یہ درجہ مقبولیت کا عوام الناس میں حاصل ہوتا ہے۔ خواص کے قلب میں ایسے شخص سے بجائے محبت کے نفرت ہوتی ہے۔ اسی وجاہت کو انبیاء علیہم السلام اور خواص نے ہرگز طلب نہیں کیا۔ اور نہ اپنے لئے کسی درجہ میں گوارا کیا۔ دوسرا یہ کہ اعمال صالحہ اور اتبع شریعت کے ذریعہ سے خداوند عالم کا مقبول و محبوب بن جائے۔ اور اس ذریعہ سے محبوب خلائق بنے۔ کیونکہ حق تعالیٰ جسکو مقرب بناتا ہے اسکو مخلوق میں محبوب مقبول بنادیتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں وارد ہے۔

عَنْ ابْنِ مَرْزُوقٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَقَالَ ائْتِي أُحِبُّ فَلَمَّا فَاجَبْتَهُ قَالَ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يَأْتِي فِي السَّمَاءِ فَيَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فَلَمَّا فَاجَبُوهُ يُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُؤْتِيهِ الْقَبُولُ فِي الرِّضِّ (رواه مسلم)

(حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبریلؑ سے ارشاد فرماتا ہے کہ ہم فلاں بندہ کو محبوب سمجھتے ہیں تم بھی اُس سے محبت کرو جبریلؑ خود محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں منادی کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص خدا کو محبوب ہے تم بھی اُس سے محبت کرو اس پر آسمان والے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر وہ زمین میں مقبول بن جاتا ہے۔)

اس سے معلوم ہو گیا کہ مقبولیت کا اصلی طریقہ کیا ہے۔

یہ مقبولیت خواص کی ہے اور یہی پسندیدہ اور محمود ہے۔

كَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا (اللہ کے یہاں صاحب وجاہت ہیں) میں اسی مرتبہ کی مدح فرمائی ہے۔ اور وَجِيهٌ رَبِّ رَاضِيًا (میں اللہ اسکو پسندیدہ اور مرضی بناؤں) میں اسی درجہ کی طلب ہے۔

ان دونوں درجوں کو پہچاننے کی علامت یہی ہے جو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمائی کہ اگر اہل اللہ اور خواص میں محبت و مقبولیت ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کے یہاں بھی محبوب مقبول ہو اور یہی

محبت عوام تک سرایت کر جائے تو بیشک قابل مدح و شکر ہے ورنہ قابل مذمت۔ اکثر دنیا طلب
علماء اور مشائخ کی مقبولیت قسم اول کی ہوتی ہے اور علماء ربانین کی مقبولیت قسم ثانی کی۔

نتیجہ رسوم

اُن تمام اوصاف کمالات کیساتھ جو حضرت عمرؓ بدرجہ اتم موجود تھے لیکے اندر شانِ فراست
خاص امتیاز لئے چھپے تھے جس کے بارہ میں جو فراست ظاہر کی کبھی اُسکے خلاف نکلی۔
قبیلہ سکون بھی مجملہ دیگر قبائل کے جوش اور اخلاص کیساتھ معرکہ کارزار کی طرف قدم بڑھانا
ہوا چلا جاتا ہے۔ لیکن آپ کے سامنے گزرے تو بجائے خوش ہونیکے آپ منقبض ہو گئے اور اس انقباض
کا اثر پیشہ قبیلہ سکون کے ذکر پر ظاہر ہوتا رہا۔ اور یہ صرف اسوجہ سے کہ آپ نے اپنی شانِ فراست سے
اس قبیلہ میں فتنہ پردازی کا مادہ احساس فرمایا۔ اور یہ آپ کی فراست بالکل صحیح اور سچی تھی بڑے بڑے
مفسدوں اور اسلام میں سخت سخت نخرنے والوں کا معدن یہی قبیلہ تھا جیسا ہم مختصر اور اشارہ کرتے ہیں۔
حضرت عمرؓ کی اس خاص امتیازی شان کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكَ مِنْ الْأُمَمِ
مُحَمَّدٌ ثُمَّ أَنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَأَنَّهُ
د ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اُمتوں میں صاحب الہام
میں محمدؐ توں پہلے میری اُمت میں ایسا کوئی
ہے تو عمر ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس فضیلۃ خاصہ میں امتیاز و اختصاص ضرور تھا
ف۔ کوئی شخص الفا حدیث سے یہ نہ سمجھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اُمت میں کجا
صاحب فراست و الہام کے ہونے میں تردد تھا۔ یہ بات وہ شخص کہہ سکتا ہے جو عربی اور اردو کے
محاورہ سے بالکل ناواقف ہو۔ اس طرزِ ادا میں اظہارِ تردد نہیں ہوتا۔ بلکہ جس شخص کی نسبت اثبات
حکم ہے اُسکی نسبت متیقن اور تاکید کا اظہار منطوق ہوتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ دنیا میں اگر کوئی
سخی ہے تو حاتم ہے اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ دنیا بھر میں سوار حاتم کے اور کوئی سخی نہیں ہے۔

یاد دنیا میں کسی سخی کے موجود ہونے میں تردد ہے۔ بلکہ حاتم کے بالیقین وصف سخاوت سے متصف ہونے کو ثابت کرنا ہے۔

واقعات و حالات تاریخی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر وسیع اور طویل و عریض ملک میں جس کا انتظام آپ کے مبارک ہاتھوں میں تھا اور انتظام بھی صرف ایک قسم کا نہیں۔ بلکہ ایک طرف معرکہ کارزار میں فوجیں بھیجنے اور افسروں کو نائزہ کرنے اور مواقع جنگ متعین کرنا کہ ہر تود و سری جانب ملکی اور عدالتی یا رفاہ عام شہر و نیک آباد کرنے سڑکوں کے نکالنے پلوں کے بنانے اور نہروں کے جاری کرنے کا وغیرہ وغیرہ۔

جس بارہ میں آپ نے جو فراست ظاہر فرمائی وہ بالکل ہو بہو صحیح نکلی۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اہل حص نے بارگاہ خلافت میں اپنے ولی سعید بن عامر کی خلاف شکایات پہنچائیں۔ آپ نے سن کر فرمایا۔ اہی میری فراست سعید بن عامر کے بارہ میں غلط نہ نکلیے سعید بن عامر کو مدینہ میں طلب کر کے اُن لوگوں سے فرمایا تم اپنی شکایات بیان کرو عرض کیا پہلی شکایت یہ ہے کہ ہر روز بہت دن چڑھے برآمد ہوتے ہیں۔ سعید بن عامر نے جواب دیا کہ بیشک صحیح ہے۔ میرے پاس کوئی خادم تو ہے نہیں خود ہی آنا گوندھ کر دینی ٹپکاتا ہوں۔ اور وضو کر کے باہر نکلتا ہوں۔ فرمایا اور کیا شکایت ہے۔ عرض کیا دو تیسری یہ کہ رات کو کسی کی بات نہیں سنتے۔ سعید بن عامر نے جواب دیا کہ میں اس بات کو ظاہر کرنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اب مجبوراً عرض کرنا پڑا۔ میں نے دن تو ان لوگوں کی واسطے خاص کر دیا ہے اور رات خالص اللہ کی واسطے رکھی ہے۔ فرمایا اور کیا شکایت ہے۔ عرض کیا تیسری یہ کہ مہینے میں ایک دن بالکل برآمد نہیں ہوتے۔ سعید بن عامر نے عرض کیا صحیح ہے۔ خادم نہ ہونگی وجہ مجھے خود ہی اپنے کپڑے دھونے پڑتے ہیں۔ مہینہ میں ایک روز اس کام کی واسطے مقرر کر لیا ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے میری فراست غلط نہ نکلی۔ اہل حص سے فرمایا جاؤ اپنے والی کی قدر کرو۔

نتیجہ چہارم

عراق کے اس عظیم الشان معرکہ میں تیس ہزار سے کچھ زیادہ اسلامی لشکر تھا جن میں کاہر لیکہ فرد

تہذیب و شائستگی۔ اخلاص و ہمدردی۔ دشمنندی و حسن تدبیر و شجاعت و مردانگی کا مجموعہ نہ ہوتا تھا۔ کسی ایک فرد سے بھی اس طویل معرکہ میں ابتدا سے انتہا تک کوئی ایک حرکت ایسی سرزد نہیں ہوئی جس سے مسلمانوں پر بے بنیاد دھبا لگتا۔ بلکہ انکی ہر سہرا سے اسلامی صداقت کا مکہ مخالفوں کے دلوں پر بیٹھا جاتا تھا۔ ہر ایک بات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات منہ سے نکالتے ہیں پہلے سے سوچے ہوئے اور مشورہ کر کے طے ہوئی ہے۔ جو انداز اختیار کرتے ہیں اُس سے خلیفہ پر رعب پڑتا اور اسلام کی برتری کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ ملک فتح کرتے تھے تو مفتوح قوموں کی حالت ابتر سے بہتر ہو جاتی تھی۔

کسریٰ اور رستم کے دربار میں ہر ایک سفیر نے اپنے اپنے نمبر پر جو بات کی مناسب وقت اور تدبیر و فراست سے لبریز کی جس سے درباری اور عام رعایا کو کیا خود کسریٰ و رستم بھی مرعوب ہو گئے۔ ایک اگر اپنے گھوڑے کو قیمتی فرشتہ پر سے گذارتے ہوئے۔ یا بیش قیمت قالینوں کو اپنے زینوں سے پھاڑتے ہوئے مسند منے باگ ڈور باندھنے اور مکلف فرش کو اٹھا کر خود زمین پر بیٹھنے سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سادہ سامان ہماری نظروں میں نہایت حقیر اور بغیر قابل اوقات ہیں اور ان نشی سامانوں سے ہم کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ تو دوسرے سفیر غیرہ نہایت استغنا سے گذرتے ہوئے رستم کی برابر تخت پر جا بیٹھتے ہیں۔ اور اہل فارس انکو کھینچ کر تخت سے نیچے اتارتے ہیں۔

تخت پر بیٹھنے سے اپنے مساوات یا برتری کا ثبوت دینا مقصود نہ تھا اور نہ اپنے لئے وہ اسکو باعث عزت سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ مجھکو تخت سے اتار دیا جائیگا۔ مگر اپنی فراست و روشن ضمیری۔ تدبیر و دانائی سے اقل ہی سمجھ لیا تھا کہ اس طرح بیدھڑک جا بیٹھنے سے اس فوق للعات جرات کو دیکھ کر وہ مرعوب ہو جائیں گے اور جب وہ مجھکو تخت سے اتارینگے تو یہ ظاہر کرنا کہ موقع ملے گا کہ اسلام نے اس تفاوت اور امتیاز کو جائز نہیں رکھا جو فارس میں مروج ہے کہ حکام و امراء رعیت کو بمنزلہ غلام کے سمجھتے اور خود خدا بن کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

درباریوں پر تو رعب چھا گیا اور اہل فارس کے لوگوں میں اسلام کی محبت کا بیج جم گیا۔

رعایا حریت و مساوات کی تحصیل کیلئے اسلام کے حلقہ آتشیں داخل ہو نیکے واسطے بیتاب ہو گئی۔
 اُدھر رستم بول اٹھا کہ اس گفتگو کو سُننے کے بعد عایا کبھی ہماری مطیع نہ رہیگی۔ امراء فارس گھبرا کر
 کہنے لگے خدا برا کرے ہم اُسے اسلاف کا جنہوں نے فارس میں اس تفوق امتیاز کی بنیاد ڈالی۔
 جس کا خیال نہ آج ہو کہو بھگتنا پڑتا ہو دونوں سفیروں کی دونوں ادائیں گہری پالیسی اور اعلیٰ تدبیر و
 ہوشمندی کا نتیجہ تھیں۔

پہلے دن کے طرز عمل نے اگر بلا اثر ڈالا کہ انسان کی برتری ان سامانوں سے نہیں ہے۔ بلکہ
 اُس کا مدار اعلیٰ اخلاق اور شریفانہ معاملات اور سب سے بڑھ کر اپنے خالق و مالک کیساتھ ربط و کامل
 انقیاد سے ہو۔ دل اگر ان کمالات سے معمور ہے جو ایک انسان میں ہونے چاہئیں تو ان نمائشی سامانوں
 کی ضرورت نہیں اور اگر بجائے انسانی کمالات کے وحشیانہ اخلاق بھرے ہوئے ہیں تو یہ سامان
 کچھ کارآمد نہیں ہیں۔ تو دوسرے دن کے معاملہ نے اسلامی قوانین حریت و مساوات وغیرہ کا سکہ
 دلوں پر بٹھا دیا۔

اہل فارس خود سمجھ گئے کہ اہم ابتری و ذلت کی حالت میں زندگی کے مراحل طے کر رہے تھے
 اگر انسانیت و آزادی کا لطف ہی تو صرف مسلمانوں کی اطاعت اور اُن کے زیر اثر آجائے میں۔ رستم
 سفراء اسلام کو بار بار اس لئے بلاتا تھا کہ اُنکی گفتگو سے امراء و بار متاثر ہو کر میرے بھیاں بچائیں
 وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ مگر سفیر اپنا کام کر گئے۔ انہیں سے ہر ایک جوابات کہتا یا جو
 معاملہ کرتا تھا اُس سے نہ صرف رستم اور درباری متاثر و مرعوب ہوتے تھے۔ بلکہ عوام افراد میں اسلام
 اور مسلمانوں کی محبت بیٹھتی چلی جاتی تھی۔ ایک ایسی قوم سے جس کو وحشیانہ اور بدویانہ زندگی بسر کرتے
 ہوئے صدیاں گزر گئی ہوں جنکی تنگدستی و فاقہ مستی ضرب المثل ہو جو ہمیشہ فارس و روم کے غلام
 بنے رہے ہوں۔ کسریٰ و رستم بھی بروقت گفتگو اُنکی اس حالت کو یاد دلا کر شرمندہ کرنا۔ اور طمع زر
 دیکر ڈال دینا چاہتے ہوں۔ یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے کہ دشمن کے ملک میں قاتحانہ حیثیت سے داخل
 ہو کر بھی کسی پرچہ و دستے نہ کریت۔ فقر و فاقہ کی تکلیف اٹھاتے ہوئے ایسے سرسبز ملک میں پہنچیں اور

کوئی چیز خلاف قانون لینا گوارا نہ کریں۔ بلکہ اپنی ہر ادا سے ثابت کریں کہ انکو ان لہجانیوالی چیز کی طرف اصلاً رغبت نہیں ہے۔

اسلام کی اشاعت کا اصلی راز انہیں اخلاق و معاملات میں ختم تھا اور اب بھی مسلمان کسی قسم کی ترقی کر سکتے ہیں تو انہیں اخلاق و اوصاف سے متصف ہونیکے ساتھ وحشیانہ افعال یا حرکت یا جابرانہ تصور و مردانگی۔ یا ملحدانہ تخیلات کبھی ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیں گے۔

نتیجہ پنجم

شام و روم عراق و جزیرہ وغیرہ ممالک پر مشفقہی سے مسلمانوں کو خون ریزی کا بازار گرم کرنا یا باشندوں کو ملک بدر کر کے ان کی ممالک متاع پر قابض ہونا مقصود نہ تھا۔ نہ انکو ذلیل کرنا خود آقا و مالک بنائے ان کی اغراض میں داخل تھا بلکہ اصلی غرض غایت یہ تھی کہ مخلوق کو قوانین کی تیرہ و تار ہلکا کر پیچیدہ عقبات سے نجات دلا کر امن و آسائش تہذیب تمدن کی شاہراہ پر لاڈالیں اور ان کو حریت و آزادی کے ذائقہ انسانیت کی دولت و نعمت سے متمتع کریں اس اعلیٰ و ارفع مقصود کیلئے جو طریقہ اختیار کئے گئے نہایت سہل تھے۔ یا اسلامی اوصاف و کمالات کی طرف راغب ہو کر برضار و رغبت مسلمان بن جائیں یا تھوڑا سا محصول (جزیہ) دیکر مسلمانوں سے مساوات کا درجہ حاصل کریں۔ میزان عدل میں مسلمانوں کی برابری جس حقوق میں برابر کا حصہ لیں آزادی و اطمینان کے ساتھ اپنی الماک پر بلکہ ملک پر قابض و حاکم نہیں مسلمان خود ان کی حمایت و حفاظت کریں گے۔

اسلامی سفراء اور نائبین کی گفتگو نیز دجرا و رستم سے بغور ملاحظہ کی جائے اس کا حاصل اسکے سوا کچھ نہیں ہے اور یہی مطلب کلمہ اللہ کے بلند و بالا ترک کرنے سے تھا جس کیلئے مسلمان نامور تھے۔ نظیر دیکھنی ہے تو ہر زمان سے مصالحت کا معاملہ دیکھ لینا کافی ہے جن کا مفصل تذکرہ آئندہ ایک عنوان میں لکھا جائیگا۔ وہ بشرط ادا محصول اپنے ملک قابض و متصرف ہا۔ اور مسلمانوں نے اُسکی اور اُسکے ملک کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔

نتیجہ ششم

مسلمانوں کا سرزمین عرب سے نکل کر قدیم اور زبردست سلطنتوں سے معرکہ آرا ہونا۔ لیٹوں اور غارتگروں کا سامان یا چنگیز خانی فتوحات کا نمونہ نہ تھا۔ بلکہ ابتدا سے انتہا تک انکی تمام حرکات و سکنات۔ اراکے منصوبے عملی کام ایسے مرتب اور باقاعدہ تھے۔ کہ اس زمانے کے تمدن و دانش قومیں بھی اس سے زیادہ تو کیا پوری پوری تقلید بھی نہیں کر سکتیں تاریخ عالم کی ورق گردانی اور واقعات سابق و حال کے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتح و اقبال مند قوموں کی کامیابی کا راز امور ذیل میں مضمر ہے۔

فنون جنگ میں مہارت۔ اتفاق و اتحاد۔ ہمدردی ملکی و قومی۔ ایثار و جان نثاری۔ جوش و استقلال۔ ہمت۔ و مردانگی۔ حفظ آراز۔ اطاعت امیر و معذلت گسٹری و نصفت شعاری۔ مساوات و حریت۔ تعدی و ظلم سے پرہیز۔ جوش انتقام میں اعتدال پر قائم رہنا۔ دشمن کے ملک سے کما حقہ حفاظت و انتظام۔ ذرا لغت خبر رسائی۔ و فراہمی سد و غیرہ وغیرہ

یہ وہ باتیں ہیں کہ جس قوم میں پائی گئیں فتح و نصرت انکی ہمہ کاب ہوئی

مذکورہ بالا واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک بات بدرجہ کمال مسلمانوں میں موجود تھی۔ مادی ترقیات کی وجہ سے یہ ممکن بلکہ واقع ہے کہ بعض خاص انتظامی امور میں تمدن تو یہ اس وقت ترقی کر جائیں۔ مگر اصولی باتوں پر نظر ڈالتے ہوئے صاف صاف تسلیم کر لینا پڑے گا کہ ان اوصاف میں مسلمانوں سے بڑھ کر کوئی قوم نہ اُس وقت تک تھی اور نہ اُس کے بعد اب تک ہوئی۔ لیکن تو پہلے سے بھی بہت اچھے ہیں اور اب بھی ہیں مگر کوئی یہ بتلا دے کہ ان اصول پر مجموعی طور سے کہاں تک عمل کیا گیا ہے مسلمانوں کا اتفاق و اتحاد جو اُس وقت تھا۔ کسی قوم میں بھی نہیں ہوا۔ حفاظت کا حال ظاہر ہے غیر تو کیا انہوں کو تدابیر جنگ کے راز و قبل وقت معلوم نہوتے تھے۔ ایثار کی یہ حالت تھی کہ سخت سے سخت خطہ کے موقع پر ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ میں آگے ہو جاؤں۔ جو گزند پہنچے مجھ کو پہنچے۔ میرے بھائی اس سے محفوظ رہیں۔ نیز جبر و اورکستم کے یہاں جا کر دلیرانہ گفتگو کرنا خطرہ

خالی نہ تھا۔ مگر اس پر بھی رہنما کہ ایک شخص کو دوسری بار جانکی نوبت ہوتی۔ بہت استقلال کا یہ حال تھا کہ تنہا بادشاہ وقت سے ایسی بیدھڑک گفتگو کرتے تھے جس سے خود بادشاہ اور درباری مرعوب ہو جاتے تھے۔ جوش و مردانگی اس سے ظاہر ہے کہ طلحہ اسدی تنہا ساٹھ ہزار کی جمعیت میں رات کی وقت گئے اور چپ چاپ واپس آنے کو پسند نہ کیا۔ دشمن کے ملک میں اُس وقت تک قدم نہ رکھتے تھے جب تک اُسکی اندرونی حالت سے پوری واقفیت نہو جاتی۔

اس زمانہ میں میدان جنگ اور دشمن کے ملک کے نقشے تیار ہوتے ہیں مگر اُس وقت بھی اس اصول پر مضبوطی سے عمل تھا۔ حضرت عمرؓ نے امیر لشکر حضرت سعدؓ کو تحریر فرمایا۔

صِفِّ لِي الْأَرْضَ كَأَنَّا نَظُرُ إِلَيْهَا (سرزمین عراق کا حال ایسا لکھو کہ گویا میں اُسکو دیکھ رہا ہوں۔)

حضرت سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔ یہ نقشہ کھینچنا نہ تھا تو کیا تھا۔ اس نقشہ کو ملاحظہ فرما کر قادیسیہ کو جنگ کیلئے منتخب کیا گیا۔ اسی طرح ایک قدم بھی اندرون ملک میں داخل ہونے کی ممانعت تھی جب تک کہ سامان رسد اور ذرائع خبر رسانی کا کامل بندوبست نہو۔ سلسلہ امداد برابر متصل نہو۔ انشطارم واک ایسا تھا کہ امیر عراق چھوٹی چھوٹی باتوں میں ارا الخلافہ سے مشورہ طلب کرتے تھے اور وہاں سے فوراً جواب آتا تھا۔ اگر ڈاک کا کامل انتظام نہوتا تو ہزاروں میل کے فاصلہ پر اس قدر جلد خبریں کیونکر پہنچ سکتیں۔ اور جواب کیسے آسکتا تھا۔ رہی معدلت و الصافات و مسافات وغیرہ تو وہ باتیں ہیں جس کا سکہ مفتوح قوموں پر فتح سے قبل ہی بیٹھ چکا تھا۔ اس قانون میں حاکم و محکوم امیر و رئیس عالم و جاہل سب مساوی تھے اور باہمنہ مساوات امیر کی اطاعت اس درجہ تھی کہ سر کوئی شخص سرتابی نہ کر سکتا تھا۔ امیر عسکران ہدایات پر جو دار الخلافہ سے آتی تھیں نہایت پابندی کے ساتھ کار بند ہوتے تھے اور یہی حال ہر ماتحت کا اپنے افسر کی اطاعت میں تھا۔ کیا ایسے شائستہ اور باقاعدہ لشکر کو کوئی شخص غارتگوں سے تشبیہ دے سکتا ہے۔ یا ان فتوحات کو غارتگری کا نتیجہ بتلا سکتا ہو۔ اگر کسی شایستہ اور متدین قوم نے اس سے آدھا بھی کہہ دیا ہو تو بتلا دے۔ لیکن مسلمانوں نے ان قوانین کی تعلیم کسی لاکلچ یا لیڈر کی کلچ میں نہیں پائی تھی۔

قانون بین الاقوام بھی اُس وقت مقون نہ ہوئے تھے۔ اس عام قائم رکھنے کی واسطے ہر ملک کی کانفرنس بھی وضع نہ ہوئی تھی۔ اور پھر بھی وہ سادہ لوگ سب امور میں ماہر تھے۔

عرب کا جہل اور بدویت۔ سادگی وفاقہ مستی تو ایسی مشہور تھی کہ روم و شام فارس وغیرہ میں جب کسی سفیر سے گفتگو ہوئی تو انکو سابق حالات یاد دلانے لگے اور مسلمانوں نے بھی بے تکلف اُن سب باتوں کو تسلیم کیا۔ بایں ہمہ یہ باتیں انہیں کہاں سے آئیں اور کیونکر سیکھیں۔ صرف **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا اقرار و اعتقاد کرنے اور خدا کے حبیب و محبوب نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ساعت سمیٹنی سے۔

اس سے یہی بات نہ معلوم ہوئی کہ اسلام نہ تمام باتوں کی رہبری کیلئے کافی ہے۔ بلکہ یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ نفس اسلام کو درجہ صدق دل سے اور کمال رسوخ و پختگی کے ساتھ ہو وہ تمام خوبیاں اور عمدہ اطوار و عادات جو ہدایات قرآنی و تعلیم پاک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہیں۔ اور جن کے ساتھ مصیبت ہونے سے خود دین و دنیا کی خوبیاں عقل و دانش کے مراتب حاصل ہو جاتے ہیں (لازم و ملزوم ہیں) مسلمان اور پختہ مسلمان ہونا تمام اخلاقی اور دماغی کمالات و روشن ضمیری کی ضمانت ہیں۔

نتیجہ مضمت

ستم کو خود یہ علم تھا کہ مسلمان ضرور ملک فارس پر قابض ہونگے۔ اور ہم پر غالب آئیں گے اور اس لئے وہ ہر پہلو سے لڑائی کو ٹالنا چاہتا تھا۔ اُس نے بادشاہ سے باصرہ عرض کیا کہ مجھے مسلمان جنگ میں جانے سے معاف کیا جائے۔ اُس نے بار بار سفر اسلام کی گفتگو امر فارس کو سنا کر انکو سمجھانا چاہا کہ ان لوگوں کی یہ گفتگو اور یہ پاکیزہ حالات اور اعلیٰ و برتر خیالات و کمالات ہیں۔ اُن کے معاملات اپنے دشمنوں کے ساتھ یہ ہیں۔ وہ کس قدر سچے اور صاف اور اُن کا دین کیسا برگزیدہ اور اُن کے قوانین کیسے عمدہ ہیں۔ اُس نے کوشش کی کہ میں خود اور میرے ساتھ تمام امراء و لشکر غربت مسلمان ہو جائیں اور اپنے ملک و حکومت کو بدستور اپنے قبضہ میں رکھیں جس کا اقرار وہ مسلمانوں سے لے چکا تھا اگر مسلمان ہو گئے تو ملک اُن کا اُنکے قبضہ میں رہے گا۔ مسلمانوں کے غلبہ و رجحانیت کا

علم فقط رستم ہی تک محدود نہ تھا بلکہ جلد خواص و سردار اس میں شریک تھے جس کو وہ عوام پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ رستم اور باجان کی گفتگو اس کی شاہد ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تمام خواص و سرداروں کو رستم و باجان کی برابری قین نہ ہو۔ مگاس علم سے خالی نہ تھے اور گو عوام کو اس ماز سے کتنا ہی غافل رکھنا چاہا مگر کس نہاں کے مانناں بازے کرو سنا مذمخ فلما جبکہ خواص میں باہم چرچا تھا۔ تذکرے تھے اور رستم نے برسر دربار سفیران اسلام سے گفتگو کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تو ناممکن تھا کہ اُن تک یہ خیال نہ پہنچتا۔ اور وہ اس اثر سے متاثر نہ ہوتے رستم کی کچھ پیش نہ چلی اُدھر بادشاہ نے مجبور کیا۔ ادھر اس کے ماتحت افسروں نے ملک کی حفاظت میں جان تو رگر کوشش کی دشمن کو ہلاک و تباہ کرنے کی سب تدبیریں عمل میں لائے۔ کوئی دقیقہ سرفروشی و جانبازی کا اٹھانہ رکھا۔ رگ حمیت نے تھوڑی دیر کیلئے اُس کے سب قلبی خیالات باخ اور متیقن علم کو مٹا دیا اور وہ نہایت قوت و شوکت کے ساز و سامان کے ساتھ ولیانہ (عدا اَنَدَا قَهْرًا) کہتا ہوا میدان کارزار کو روانہ ہوا۔ اس علم نے اُس کے ارادے میں کسی قسم کی سستی اور ہمت میں ضعف پیدا نہیں کیا بلکہ اس سے زیادہ تنہی و کھلائی جو لاعلمی کی حالت میں کھلا تا۔ اب اُس نے اُس عداوت کا اظہار کیا جو معاند اور جاحد حق کرتا ہے۔ یہ عداوت جہل کی عداوت سے کہیں زیادہ اور مضبوط ہوتی ہے جہل کا علاج تنبیہ سے ہو سکتا ہے۔ مگر عناد کا علاج نہیں ہے۔ مسلمانوں کے غلبہ و تسلط کو اہل فارس کے ضعف یا پستی ہمت و شکستگی پر محمول کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اور جس طرح کھاجر و اہل مکہ نے باوجودیکہ اُن کے لوں میں مذہب اسلام کی سچائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و رستبازی مرکز تھی۔ اُنہوں نے وہ تمام حالات و معجزات دیکھے تھے جن کو دیکھنے و سُننے سے سنگدل سے سنگدل بھی نرم ہو جاتا۔ آپ کی کوئی بات کہی غلط نہ نکلی۔ جو پیشین گوئی فرمائی صادق پڑتی۔ جو حجت طلب کی دکھلا دی گئی۔ وہ آپس میں بیٹھ کر آپ کی حقانیت کے تذکرے کرتے تھے۔ مگر بائیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی۔ آبروریزی۔ و شنام دہی۔ اور انجام کا بغاوت اور قتل میں مسلمانوں کو تنگ کرنے اور حتیٰ کہ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے جانے اور وہاں بھی اٹکا

پہچھا کرنے اور ضعیف مسلمانوں کو طح طرح کے عذاب دیکر اسلام سے پھیر دینے میں ممکن سے ممکن کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انجام کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاہدہ اپنی جماعت کے ہمیشہ کے لئے مکہ معظمہ چھوڑ دینا پڑا۔ مگر ہجرہ کر جانیکے بعد بھی اُنکے صفحہ ہستی سے معدوم کر دینے کی کوششوں سے باز نہ آئے کبھی یہود مدینہ سے سازش اور منافقوں کو آمادہ کر کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی تدابیر میں مشغول ہونا اور انجام کار عرصے کے تمام قبائل کو متفق بنانا کفر و خدق کی صورت میں مدینہ کا محاصرہ کرنا کبھی ملوک غسان وغیرہ کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کیلئے آمادہ کرنا۔ غرض خفیہ و علانیہ جس طرح بھی ممکن تھا اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے اور مسلمانوں کو جو ان کے ہم قوم ہو وطن پرستہ دار اور غریزہ تھے۔

جنگی عزت اُنکی عزت تھی جنگی فلاح میں اُنکی فلاح تھی جو اگر غالب اگر سلطنت و حکومت کی مسند پر بیٹھتے تو انہیں کی سلطنت و حکومت ہوتی دچنانچہ ایسا ہی ہوا جب اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کا تسلط مالک شام و روم وغیرہ پر ہوا۔ یہی لوگ مسند آرائے حکومت بھٹے بابوسفیان و جولہد و جل کے تمام کفار مکہ کے افسر اعلیٰ اور تمام معرکوں کے بانی مبنی تھے اور انہیں کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے جوش انتقام سے جنگ اُحد میں حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا معرکہ یرموک میں اعلیٰ اور زہری کی خدمت قاص خطیب و لیکچرار پر مامور تھے جن کا کام یہ تھا کہ اپنی موثر تقریر اور جادو بیانی سے مسلمانوں میں جوش کی روح پھونکتے رہیں اُنکے دونوں بیٹے یزید و معاویہ گوری شام پر ممتاز ہوئے اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل اور سب بڑے بڑے سرداران مکہ خود یا اُنکی اولاد ذمہ داری کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے۔ مگر یہ علم حقانیت اور یہ تعلقات قومیت و قربت و وطنیت اُن کو کسی بائیسک مانع نہ آئی فتح مکہ اور ہر طرح سے مغلوب ہو جانے کے بعد بھی جب تک اُنکے اندر کا حقہ اسلام راسخ نہ ہو گیا دلوں میں یہ خیال لئے رہے جنہیں کی لڑائی میں جب نومسلموں اور اُن کے ذیل میں چند قدیم اور پختہ مسلمانوں کے قدم اکٹھے گئے تو یہی بابوسفیان وغیرہ جو ابھی چند روز پہلے فتح مکہ کے دن مسلمان ہو چکے تھے ایسے خوش ہوئے کہ اپنی دلی جذبات کو چھپانہ سکے اور لوہے کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

جاو اب ملل ہو گیا۔ دوسرے بے کس حجازی مسلمانوں کے قدم کہیں نہ جینگے۔ دریا سوسے تو یہ ٹھہری نہیں سکتے۔ مدینہ کے یہود خوب جانتے تھے کہ نبی آخر الزمان بعوث ہونے والے ہیں۔ آپ کے اندر وہ سب علامتیں دیکھتے تھے جو ان کے یہاں بھی ہوتی تھیں۔ مگر غنا و نفیض حب جاہ و ریاست نے اجانت نہ دی۔ پر نہ دی کہ دولت ابتلاء سے مالا مال ہوتے۔ دغا بازیاں لکیں۔ کتاب اللہ کے احکام چھپائے۔ شکرین مکہ کا ساتھ دیا۔ قتل و غارت ہوئے۔ جلا وطن ہوئے۔ گورہٹ سے باز نہ آئے۔ علی ہذا منافقین مدینہ سب کچھ جا کر اپنے بھائیوں کے قصد و نفیض کی وجہ سے اس حقیقی نعمت سے محروم ہے۔

یہی حال رستم اور اس کے بھتیجاں امرار اور ارکان سلطنت رعایا کا تھا اور ان کو علم اور تقویٰ ضرور تھا۔ مگر نہ اس درجہ کا جو شکرین عرب و یہود مدینہ و منافقین کو تھا اور نہ ان کے سامنے علم و تقویٰ کے وہ اسباب تھے جو ان لوگوں کے سامنے تھے اس لئے وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی پوری قوت اور سلمان سے نبرو آزا ہوئے اور نہ فقط معرکہ قادسیہ کے اختتام تک ہی ان کی یہ تہمت قائم رہی۔ بلکہ پانچ تخت نکل جانیکے بعد بھی اپنی ہٹ پر قائم ہے۔ نہاوند کا سب سے آخری معرکہ ایسا سخت تھا کہ باوجود قوت و جرات اسلامیہ کے اس قدر وسیع ہو جانے اور تقریباً کل مملکت فارس و شام زیر نگین ہو جانے اور ہرمز کے سامان جنگ میں سہولت و وسعت ہونے کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر اہتمام کرنا پڑا کہ اس سے پہلے کسی معرکہ میں نہ کیا تھا۔ اہل فارس نے بھی اتنا زور نہ دکھلایا کہ اس سے قبل نہیں دکھلایا تھا۔ رستم کے ہمرتبہ فیروزان کی کمان میں ڈیڑھ لاکھ نہرو آزا فوج جمع تھی۔ اور امداد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ ہر میت سے محفوظ رہنے کی واسطے وہ سخت صورتیں تجویز لکیں جو قادسیہ میں بھی نہ کی تھیں۔ اپنے پیچھے گری خندق کھودی اور اپنے اور خندق کے درمیان لوہے کے گوکھرو اور کانٹے بچھا دیے اور سات سات سپاہیوں کو ایک ایک زنجیر میں باندھ دیا کہ بھاگ ہی نہ سکیں اور اگر بھاگیں تو کانٹوں میں پھنس کر رہ جاویں اور اس پہنچی کوئی بھاگ نکلے تو خندق میں گر کر ہلاک ہو جائے۔ غرض اپنی انتہائی کوشش اور بہادری کو خرچ کیا اور جبکہ نیرد و جرد کو ملک فارس میں کہیں قدم نہ رکھنے کو جبکہ نہ ہی تب بھی اپنی زد سے باز نہ آیا۔ خراسان و ترکستان اور چین تک پہنچ کر مسلمانوں سے مقابلہ کرتا اور کرتا رہا۔

اس لئے یہ تو کوئی شخص ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ اہل فارس میں فی الحقیقت ضعف تھا یا اپنے
 اس علم کی وجہ سے کما حقہ مقابلہ نہ کیا اور مسلمانوں نے ایک ضعیف مردہ قوم پر غلبہ حاصل کر لیا
 ہاں اس علم و یقین کا یہ اثر ضرور ہوا کہ جس جس ملک پر فتح حاصل کر کے مسلمان مسلط ہو جاتے
 اور وہاں اسلام کی برکات پھیلاتے جاتے تھے وہاں کے باشندے جو پہلے سے علم کے
 درجے میں اسلام کی صداقت دل میں لئے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے معاملات سے اور ان کے
 اس قانون حریت و آزادی معدلت و نصفت سے واقف تھے جس کا بڑا وادھ اپنے دشمنوں اور
 مفتوح قوموں سے کرتے تھے جب ان کو بالذات مسلمانوں سے واسطہ پڑتا تھا ان کی ہر ہر
 بات کو آنکھ سے دیکھتے تھے اور پھر اُس ہمدردی اور شفقت اور مساوات کا مشاہدہ کرتے تھے
 جو ان کیساتھ برتے جاتے تھے اور ان سب سے بڑھ کر ان کے ان حالات کو بھی دیکھتے تھے جس سے
 مسلمانوں کی دنیا سے بے تعلقی آخرت کی رغبت اور ہر ایک بات میں خضار الہی کا طالب ہونا
 معلوم ہوتا تھا۔ تو اسلام کی محبت ایسے غیر محسوس طریقے سے سرایت کر جاتی تھی کہ وہ بے
 اختیار زبان کے اقرار سے پہلے دل سے مسلمان اور نہ صرف مسلمان بلکہ اسلام کے شیدائی بن جاتے
 تھے اور یہی ایک سبب تھا جسکی وجہ سے ہر ایک قسم کے جبر یا تدبیر و حیلہ کے ملک کے ملک اور قوم کی
 قوم تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان ہو جاتے تھے اور یہ ایسا موثر اور قوی سبب تھا کہ کوئی دوسرا سبب
 اُسکے مقابلہ میں موثر نہیں ہو سکتا۔ اسکے خلاف جو شخص کوئی دوسرا سبب بیان کرے محض دعویٰ
 ہے دلیل ہے جس کو کبھی ثابت نہیں کر سکتا۔

رستم کے اور امراء فارس کے خیالات اور اُس کے ذیل میں دوسرے خیالات یکے میں بیٹے
 کسی قدر طول سے کام لیا لیکن جس مطلب کے ہم درپے ہیں اُسکے اظہار کے واسطے واقعات مذکورہ کا
 تذکرہ نہایت ضروری تھا۔ ان واقعات سے چند نتائج اخذ کئے ہیں جن میں ہر ایک بجائے خود مہتمم بننا
 اور نہایت مفید ہے لیکن اصلی مقصود ان سلسل حالات کے ذکر کرنے سے یہی آخر نتیجہ ہے جس کا تعلق
 ہمارے اصلی دعوے سے ہم امید کرتے ہیں کہ منصف مزاج و معقول پسنداس کو بغور ملاحظہ فرمائینگے

لیکن قبل اس کے کہ ہم اس عنوان کو ختم کریں اس قدر رکھ دینے کی ضرورت باقی ہے کہ رستم یا اس کے
سلطنت امراء فارس یا عام رعایا کو اسلام کی صداقت اور مسلمانوں کے غلبہ کا یقین کس ذریعہ سے
ہوا تھا۔ قیصر روم و شام تو اہل کتاب میں سے تھا۔ علیٰ ہذا یہودیہ بھی انکو اگر آسمانی کتابوں کے
ذریعہ سے علم ہوا تو قرین قیاس ہے مگر قوم محوس جو کسی آسمانی مذہب کی پابند نہ تھی نہ کتاب الہی
انکے پاس انکو علم ہوا تو کیونکر اس خلجان کا جواب یہ ہو کہ اقل تو یہ ممکن ہے کہ فارس اور روم کی
سلطنتیں باہم ملی جلی تھیں کہیں ان میں باہمی جنگ ہوئی تھی اور کبھی صلح غرض آپس میں ایسے تعلقات
تھے جنکی وجہ سے ہر امر کچھ مستبعد نہیں ہے۔ کہ جو خیال قیصر شام و روم اور علماء رنصارٹی میں اسخ تھا انکے
ذریعہ سے فارس تک بھی پہنچ گیا ہو۔ یا یہ کہ عرب کے اکثر حصوں پر فارس کی حکومت تھی اور عرب کے
کاہنوں اور نجومیوں میں ولادت باسعادت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی کھل ملی
پر لگتی تھی اور بعد ولادت حضور اور تو عرب بھر میں چرچا ہو گیا تھا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے کہ یہ خیالات
عرب فارس تک پھیل گئے ہوں لیکن اصلی وجہ اسکی یہ ہے کہ فارس میں خود ایسے واقعات پیش
آئے جن کی وجہ سے ان کو بالذات یہ علم ہو گیا۔

آپ کی ولادت باسعادت کی شب میں ایوان کسریٰ کو زلزلہ آگیا اور اس کے چودہ کنگرو
گر گئے۔ یہ ایوان دنیا کی مشہور عمارتوں میں تھا۔ کسریٰ جیسے زبردست بادشاہ نے کروڑ مارو بیہ صرف
کر کے ۲۳ سال میں تعمیر کرایا تھا۔ اسی زلزلہ آنا اور کنگروں کا گر جانا معمولی بات نہ تھی۔ کسریٰ
انوشرواں سخت مغموں اور پریشان ہوا۔ اول اول تو اس نے استقلال سے کام لیکر اپنے صد کو
پوشیدہ رکھنا اور اس واقعہ کو طشت از باہ نکرنا چاہا۔ مگر بالآخر دربار منعقد کیا اور اراکین سلطنت پر اس
غیر معمولی اور عظیم واقعہ کو جس کے لئے بظاہر کوئی سبب نہ تھا ظاہر کر کے اسکی وجہ اور کم کو دریافت کرنا
چاہا۔ دربار بھی منعقد ہی ہوا تھا۔ اور انوشرواں کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اطلاع ملی کہ ابھی شب تمام آتشزدگی
آگ بجھ گئی اور اس مجلس میں ایلیا کے گورنر کا مراسلہ بدیں مضمون پہنچا کہ :-

آج شب بجز سادہ کا پانی بالکل خشک ہو گیا اور اسی مجلس میں شام سے اطلاع پہنچی کہ

سواہ کی ندی کا پانی منقطع ہو گیا۔ اور اُسی وقت طبریہ سے خبر لئی کہ بحیرہ طبریہ میں پانی کی روانی موقوف ہو گئی۔ انوشرواں تو اپنے دل میں پہلے ہی سے پریشان تھا۔ ان خبروں سے اُس کے رنج و ملال کی انتہا نہ رہی۔ اور اُس وقت اُس نے بیان کیا کہ آج کی شب میں اوان کو سخت لرزہ آیا۔ اور چودہ کنگرے گر گئے۔ یہ سن کر موبدان بولائیں نے بھی آج کی رات دیکھا ہو کہ سخت زبردست اونٹ اور اُنکے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو عبور کر کے بلا دم خم میں پھیل گئے۔ کسریٰ نے موبدان سے اسکی توجیہ چھی تو اُس نے کہا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی جانب سے کوئی بات ظاہر ہوئی ہوگی ہے۔ آپ حیرہ کے عامل کو لکھئے وہ کسی عالم کو جو قائل آئندہ کے حالات سے باخبر ہو بھیج دے گا۔ کسریٰ کے حکم پر نعمان ابن المنذر نے عبدالمسیح غسانی کو بھیج دیا جس کی عمر اُس وقت ڈیڑھ سو سال کی تھی۔ یہ سب واقعات اور مشاہدات و خوابیں اُس کے سامنے بیان کئے گئے تو اُس نے کہا کہ اس کا پورا عالم میرے ساموں سطح کو ہے جو شام کے شہر جابیہ میں رہتا ہے عبدالمسیح کو مع ایک جماعت کے سطح کے پاس بھیجا گیا۔ یہ ایسے وقت پہنچے کہ سطح تین سو سال اور بعض آیات کیوفیٰ سات سو سال زندہ رہ کر دم توڑ رہا تھا اور اپنے حال میں مشغول تھا مگر سطح نے آواز بلند کیا۔

اصم ام یسمع غطریف الیہون زمین کا سردار بہرہ ہو گیا ہے یا ستہاری

عبدالمسیح کی آواز سن کر سطح نے آواز سن کر کہا۔

عَبْدُ الْمَسِيحِ عَلَى أَجَلٍ مُّسَيَّجٍ إِلَى السَّطِيحِ
عبدالمسیح تیرا اونٹ پر سطح کے پاس ایسے وقت پہنچا
وقد وافی علی الضریح بعثت ملث کہ وہ قبر کے کنارے پہنچ گیا تھا۔ شاہ فارس نے سمجھ کر اُپراٹھ

لی موبدان جنیف جسٹس کو کہتے تھے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ سب سے بڑے منصف کے محافظ و خادم کو موبدان کہتے تھے۔ لیکن اس میں کچھ مخالفت نہیں ہے۔ لیکن یہوکرید و نون جلیل القدر عدلے ایک ہی شخص کے سپرد ہوں ۱۷۔
بلکہ عرب میں دینا برا ہی ہے ضعیف ہو جائیکے وقت کہانتہ کا زور ہو گیا تھا۔ اہل عرب اپنے معاملات میں کاہنوں کے فیصلے پر راضی ہوتے تھے۔ اور قائل آئندہ کے مطابق انہیں کے اقوال پر اعتماد کرتے تھے۔ ان کاہنوں میں دو شخص ہر بندی مشہور و مستند ہوتے ہیں۔ شوق اور سطح۔ لیکن ان دونوں میں بھی سطح کا درجہ بڑھا ہوا تھا۔ سطح کے نہیں سوائے گھوہری کے کہیں بڑی ذہنی اور اسی وجہ سے وہ پیچھے پر قادر نہ تھا۔ البتہ غفرت کی وقت بھول جاتا تھا اور پیچھے پر قادر ہوتا تھا۔ خود کہیں نہ جاسکتا تھا۔ اُس کا چہرہ سینہ میں تھا گردن بالکل نہ تھی جیسے اس سے کہ دریافت کرنا ہوتا تھا تو ہنس کو ایسی طرح ہلاتے تھے جیسے گھئی نکالنے کی وقت برتن کو ہلاتے ہیں۔ ہلاتے سے اُس میں ہوا ابھرتی تھی۔ سانس چڑھ جاتا تھا۔ اُس وقت پوچھنے پر جواب دیتا تھا۔ سطح کی عمر تین سو اور بقول بعض سات سو سال ۱۸۔

سماں لاجہ تجاس الیوان وجمود
النیران و سرویا الموبدان رای
ابلا صعبا تقود خیل عیابا قد
قطعت دجلة وانتشرت فی بلادها
یا عبدالمسیلم اذا کثرت التلاوة
وظهر صاحب لہراوة و غاصت
بحیرة ساوة و خمدت فاراس فلیس
بآبل للقداس مقام اول الشام یسطیم
شاماً یملک منهم ملک و ملکات علی عدل
الشرافات وکل ما هو آت آت۔

متزلزل ہونے آتشکدوں کے سرو ہو جائیگا بہت
اور موبدان نے جو یہ خواب دیکھا تھا کہ زبردست اونٹوں
کے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو قطع کر کے بلاد فارس میں
بھیل گئے اسکی تعبیر دیکھنے بھیجا ہے! و عبدالمسیح حبلا و
قرآن ہجرت ہونے لگے اور صاحب دہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ظاہر ہو جائیں مجھ کو سادہ کاپانی خشک ہو جائیگا اور فارس
آتشکد سرو ہو جائیں تو مجھ کو لیا بابل ایل فارس کی جا قیام نہیں
رہی اور نہ شام کا ملک سطح کی واسطے رہا چودہ کنگری جولوان
فارس کے گرسے ہیں انکی شمار کیوناق کل چودہ بادشاہ فارس کے
ہونگے اور جو بات آنیوالی ہی نہایت قریب ہی

اس گفتگو کے ختم ہوتے ہی سطح کا دم تو ہوا ہوا۔ اور عبدالمسیح نے فارس کی راہ لی کسری
انوشرواں سے سالامہا جرایان کیا تو اس نے سن کر کہا۔ چودہ بادشاہ ہونگے واسطے تو زمانہ
دراز چاہئے۔ اس مدت میں تو بڑے بڑے تغیرات ہو جائیں گے لیکن مسکین کو یہ خبر نہ تھی کہ وعدہ
خداوندی بہت جلد پورا ہونیوالا ہے۔ چارہی برس کی قلیل مدت میں دس بادشاہ تو سلطنت کے
قتل یا مغرول ہوئے۔ باقی چار کا خاتمہ بھی حضرت عثمانؓ کی شروع خلافت تک ہو گیا۔ لیکن
پایہ تخت اور مملکت فارس کو تو پہلے ہی سے دلع کر گئے تھے۔ یزدجرد نے دوسرے نئے گھر پر پا کر
جان دی اور تین ہزار ایک سو چونسٹھ سال کی قدیم سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ واقعات تو کسری انوشرواں عادل کے زمانہ میں ہوئے اور یہ ایسے واضح حالات تھے
کہ کسی خاص شخص تک ان کا علم محدود نہ تھا۔ کوئی شخص اپنے خواب کو مخفی رکھ سکتا تھا۔ اور کوئی
کسی خاص واقعہ کا اختلا بھی کر سکتا تھا۔ جیسا کہ خود انوشرواں نے ایوان کے زلزلہ کو مخفی رکھنا چاہا
مگر ان تمام حالات اور متواتر روایات کا اخفا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اگرچہ فارس میں اس امر کا

علم پہلے سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور تھا کہ اہل عرب ملک فارس پرسلط ہو جائیں گے چنانچہ ساہوڑی
 الاکتاف کے حالات میں لکھا ہے کہ اُس نے عرب کو سخت اذیتیں پہنچائیں وہ قبائل عرب کو
 برباد اور تباہ کرتا تھا۔ اور جو شخص ملجاتا تھا۔ اُس کے مونڈھے اُگھاڑ دیتا تھا۔ اور اسی وجہ
 اُس کو ذوالاکتاف کا لقب دیا گیا تھا۔ اسی طرح تباہی نازل کرتا ہوا قبیلہ بنیم تک پہنچا تو یہ لوگ
 پہلے ہی اپنے منازل کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہاں سواہ عمیر بن تمیم کے جس کی عمر تین سو سال
 کی تھی کوئی بھی نہ ملا۔ یاس درجہ ضعیف ہو گیا تھا کہ بیٹھ بھی نہ سکتا تھا اور اسی لئے اُس کو زنبیل میں
 لٹا کر لٹکا دیا جاتا تھا۔ سپاہی عمیر کو ساہوڑ کے پاس لیگئے۔ ساہوڑ نے اُس سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ
 باوجود ضعف پیرانہ سالی عقل گویائی کامل ہے عمیر نے ساہوڑ سے عرب کو قتل و غارت کرنے اور اس قسم
 کی اذیتیں پہنچانے کا سبب دریافت کیا۔ اُس نے کہا ان لوگوں کا گمان ہے کہ بنی آخر الزمان مبعوث ہوئے
 تو ملک فارس ہمارا ہو جائیگا عمیر نے کہا اگر آپ نے شاہانہ عقل و حلم سے کام نہ لیا۔ اگر ان کا یہ خیال غلط
 ہو تو آپ کو کیا مضرت اور اگر صحیح ہو تو ان کی گردن پر کوئی ایسا احسان چھوڑنا چاہیے تھا جس کو وہ یاد رکھتے
 اور اپنے غلبہ کی وقت اہل فارس کے ساتھ بطور جزاء احسان مراعات کرتے عمیر کی اس گفتگو کا ساہوڑ
 پر پورا اثر ہوا۔ اور وہ ان سخت حرکات سے رُک گیا۔

گویہ علم کسی معتبر اور مستند روایات یا دلیل پر مبنی نہ ہو مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خواہ بر بنار
 کمانت و بنجوم جس کا اس زمانہ میں بہت چرچا تھا۔ اور انہیں کے اقوال پر عام طور پر اعتماد کیا جاتا تھا۔
 اور انہیں کے فیصلوں کو ناطق و واجب العمل سمجھا جاتا تھا۔ یا بر بنار روایات یہود مدینہ جو خاص
 بنی آخر الزمان کے اتباع اور امداد کیلئے وہاں آباد ہوئے تھے اور بوجہ اہل کتاب ہونیکے اُن کے اقوال
 قابل اعتماد مانے جاتے تھے اس کا چرچا عرب میں اور اُن کی وجہ سے ممالک متصلہ میں ضرور تھا لیکن
 انوشروان عادل کے وقت جو اس وقت آئے وہ ایسے واضح اور روشن تھے کہ کسی کو انکار کی گنجائش
 نہ تھی اور اسی وجہ سے یہ علم درجہ یقین تک پہنچا اہل فارس میں رائج ہو گیا تھا۔

انوشروان کے بعد اُس کا پوتا پرویز تخت سلطنت پر بیٹھا تو اُس کو بھی متواتر ایسے ہی اُفتات

پیش کئے۔ اور اُس کے دربار کے کثیر التعداد کاہنوں اور بنجومیوں نے بھی ان آثار کو مبعوث ہوتے
 والے بنی کا پیش خیمہ بتلایا جن کی اُمت ملک فارس پر حکمرانی کرے گی۔ ان واقعات نے اس
 سابق علم کو اور بھی تقویت پہنچا دی رستم اور اُس کے سوا بہت سے دوسرے اراکین سلطنت
 خود بھی علم نجوم و کہانت میں مہارت رکھتے تھے اُن کو ذاتی طور پر بھی اور اس لئے وہ تقلید نہیں
 بلکہ اپنے مشاہدات کی بنا پر اسلام کو حق سمجھ کر اُس کی طرف مائل تھے۔ ان سب کے علاوہ وقت
 ظہور اسلام سے اس وقت تک جس قسم کے حالات خود ملک عرب میں پیش آئے یا فتوح شام
 و عراق کی وقت دیکھے گئے اور مسلمانوں کا طرز و انداز خالق و مخلوق کے ساتھ معاملات اور
 اپنے دشمنوں اور مفتوح قوموں کے ساتھ برتاؤ ان سب باتوں کی وجہ سے خود بخود بلا استدلال
 و استنباط یہ امر ذہن نشین ہوتا گیا کہ اسلام ایک نبردست قوت ہے جو تمام قوتوں پر غالب آکر رہے گی
 رہیگی اور مسلمان اپنے اندر وہ اوصاف لئے ہوئے ہیں جنکی خوبی کا سکھ اسی طرح بیٹھا چلا جائے گا
 کہ کوئی تدبیر اُس کے خلاف کارگر و مفید ثابت نہوگی۔ ایسا ہی ہوا مسلمانوں نے جدھر کا رخ
 کیا۔ قوموں کی قومیں اسلام کا خیر مقدم کرنے کیلئے تیار بیٹھی تھیں۔ خوشی خوشی اُس کے حلق میں داخل
 ہوتی گئیں مسلمانوں نے کسی کے ساتھ نہ جبر و معاملہ کیا اور نہ ناجائز اور خلاف عقل و انسانیت عجیب
 و تحرص کا۔

وہ صداقت سے معاملہ کرتے تھے اور یہی اُن کی بڑی تدبیر تھی اور اسی سے اُن کو ہر قسم
 کی کامیابی نصیب ہوئی مخالف اپنی پوری قوت سے مقابلہ کرتے تھے مگر اُن کے پاس ان
 اعلیٰ اوصاف کے مقابلہ کا سامان نہ تھا۔ اس سے وہ بالکل عاجز تھے اور یہی وہ اوصاف
 تھے جن کا بے اختیار قلب کو مسح کر لیتا تھا۔

مسلمانوں کے کمال اخلاق جس معاملہ صلح پسندی جب اس حفظ جان و مال کی خواہش
 و رغبت۔ احکام شرع کی پابندی۔ وفادار اور اس قسم کے جملہ اوصاف حسنہ کے ساتھ تصف
 ہونیکا یقین موافق و مخالف کے ذہنوں میں یہاں تک راسخ ہو گیا تھا کہ کوئی سے ادنیٰ ملازم

و غلام بھی اُنکے ان اوصاف کے اعتقاد پر بڑی سے بڑی ذمہ داری کا کام بلا استفسار کر بیٹھا تھا اور مخالف بھی مسلمانوں کے برتاؤ سے ایسے مطمئن تھے کہ ذرا سا سہارا ملنے پر اپنی جان و مال کو بالکل اُن کے حوالے کرنے کی واسطے تیار ہو جاتے تھے اور مسلمان ادنیٰ آدمی کی بات کا بھی وہی پاس کرتے تھے جو ایک مقتدر عمدہ دار کی بات کا۔

ذیل کا واقعہ بھی انہیں واقعات میں سے ہے جس سے بڑھ کر امن پسندی و وفاء و عہد کی مثال کوئی شخص کسی قوم میں کسی ملک میں کسی زمانہ میں دیکھ نہیں سکتا۔

سوس کو صلحا فتح کرنے کے بعد جندی سالور کا محاصرہ کیا گیا۔ صبح و شام محاصرین حملہ کرتے تھے اور کچھ نہ کچھ لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ اسی حالت میں ایک دن صبح کو مسلمانوں نے دفعہ یہ بات بھی کہ محصورین شہر کے دروازے کھول کر باہر نکلنے شروع ہو گئے۔ اور اپنے ساتھ مسلمانوں سے خرید و فروخت کرنے کیلئے دوکانیں بھی لے آئے۔ مسلمان اس حالت کو دیکھ کر سخت متعجب و متحیر تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ مگر انہوں نے اپنی ستر عادت پر عمل کر کے بجائے اس کے کہ اُن پر حملہ کرتے یہ دریافت کیا کہ تم اس طرح بلا کھٹکے کیسے چلے آئے۔

محصورین نے کہا کہ تم نے ہم کو امن دیا اور امن کا رقعہ لکھ کر شہر میں پھینکا۔ مسلمانوں نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہوا اُن لوگوں نے کہا ہم جھوٹ نہیں بولتے ہمارے پاس یہ قلعہ موجود ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے جو محصورین ہی کا ہم قوم تھا امان کا رقعہ لکھ کر شہر میں پھینکا۔ مسلمانوں نے محصورین سے کہا کہ یہ ایک غلام کا فعل ہے اُن لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں تم میں غلام کون ہوا اور آزاد کون۔ ہم تو تم پر اعتماد کر کے چلے آئے تمہارا جی چاہے عہد شکنی کرو۔ مسلمان یہ سن کر چپ ہوئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں لٹکھو بیجا و اہل سے جواب آیا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَظَمَ الْوَفَاءَ فَلَا
تَكُونُوْنَ اَوْفِيَاءَ حَتّٰى تَقُولَ مَا دُمْتُمْ
اِنَّ اللّٰهَ لَئِنِ وفاداری کی بڑی عظمت بیان فرمائی ہو
اور تم لوگ کبھی فادار نہیں کہلائے جا سکتے جب تک تم
ایسی حالت میں بھی فادار نہ کرو خود تمکو شک ہو کہ آباہم پر
فِيْ شَاكٍ اَحِبُّوْهُمْ وَ قُولُوا لَهُمْ قَوْلًا

لَهُمْ وَأَنْصَرُوا عَدُوَّهُمْ

وفا عہد لازم ہے یا نہیں اُنکے عہد کو نافذ کرو۔ اس پہلوان
نے عہد کو پورا کیا۔ اور وہاں سے واپس ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ اگر غلام کو یہ اطمینان نہوتا کہ جو کچھ میں کرگزروں گا اُس کو مسلمانوں کا سپہ سالار
پورا کرے گا۔ تو وہ اپنی قوم کو کبھی خطرہ میں نہ ڈالتا۔ اور اُن کو محفوظ اور چہ بندی سے نکال کر کھلے میدان
میں مسلمانوں کے رحم پر چھوڑتا۔ اور خود مصورین کو یہ یقین نہوتا کہ مسلمانوں میں کا ادنیٰ بھی جو عہد لے گا
اُس کو وہ پورا کریں گے۔ تو وہ کبھی نہایت بغیر کی کے ساتھ بلا ساز و سامان جنگ و کانیں اور بازار
لیکر نہ نکلتے۔ وہ تو یہ سمجھ کر کہ امن تو ہو ہی گیا۔ اب چکر اُن لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کر کے نفع اٹھاؤ
تجارتی سامان لیکر آئے تھے۔ یہ تھے مسلمانوں کے اخلاق و معاملات اور یہ تھے اُنکی شریعت کے
احکام جس پر شخص کو اطمینان تھا۔ اور کیسے نہوتا جبکہ اُن کی شریعت کا مسلم مسئلہ تھا۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُسْلِمَیْنِ وَاَحِلُّۃُ تَسْعٰی
بدن متھما دناھم

اور جبکہ اُن کے خلیفہ کی بار بار یہی تاکید ہو کہ کسی طرح خواہ سہی میں یا اشارہ سے کوئی
ایسا فعل کیا جائے جن سے دشمن اپنے لئے امن سمجھ لیں تو اُس کو پورا کرو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ
عنه نے حضرت سعد کو تحریر فرمایا۔

دیر سے مل میں یہ بات ڈالی گئی ہو کہ جب تم دشمن سے
مقابلہ کرو اور ان کو نہایت ہو جائے اور تم بطور مذاق
امن دینے کی بات کو یا زبان اور اشارے سے کوئی
ایسی حرکت کرو جس کو دشمن امان سمجھیں تو اس کو پورا کرو
وفا کرنا اگرچہ خطا سے ہو کار آمد نہ ہو۔ اور عہد شکنی اگرچہ
عہد نہ ہو غلطی رائے سے ہو تب بھی ہلاکی کا سبب ہے اور یہ
بات تمہاری ضعف اور دشمن کی قوت کا موجب ہے۔

اِلَی الْقٰی فِی سُرْعٰی اَنْکُمْ اِذَا الْقِیَمَةُ الْعَدُو
وَهَزَمْتَهُمْ فَمَنْتِ لِحَبِیْبِ اَحَدٍ
مِّنْکُمْ اَحَدًا مِّنَ الْعِجَمِ بِاَمَانٍ اَوْ
بِلِسَانٍ کَانَ عِنْدَہُمْ اَمَانًا فَاجْرُوا ذٰلِکَ
بِحُرِّ الْاِیْمَانِ وَالْوَفَاءِ فَاِنْ اَخْطَا
بِالْوَفَاءِ بَقِیَّةٌ وَاِنْ اَخْطَا بِالْعَدْلِ هَلٰکَةٌ
وَفِیْہَا وَهْنٌ مِّنْکُمْ وَقُوَّةٌ عَلٰی کُلِّ

مطلب یہ ہے کہ وفا کرنے میں غلطی ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔ اور نقض عہد کرنا کسی حال میں بھی اچھا نہیں ہے۔ اس لئے وفا کرنے میں احتیاط کی جانب اختیار کرنی چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ کے ارشاد اور مسلمانوں کے اس معاملہ سے جو محصورین کے ساتھ کیا یہ بات نور و روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ کہ مسلمان حقیقی طور سے ان زرین اصول کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے۔ ان کی مذہبی تعلیم یہی تھی اور وہ واقعی یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہم دنیا میں اسلام کی خوبیاں پھیلانے اور مخلوق خدا کو امن و آزادی کی شاہراہ پر چلائے اور ان کی جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے آئے ہیں۔ ان کو اعتقاد تھا کہ ہم سچے طور سے ان اصول پر عمل نہ کریں گے تو کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے اور نہ جو وعدے ہم سے کئے گئے ہیں پورے ہو سکتے ہیں اگر اسلام کی حقیقی اور واقعی تعلیم یہی نہ ہوتی اور مسلمان یہ سمجھے ہوئے نہ ہوتے کہ اسلام پھیل سکتا ہے یا اُس کے اوصاف ان میں جگہ پکڑا سکتے ہیں۔ تو اسی طرح پر کہ ہم ان اصول پر ظاہر و باطن صدق دل سے عمل نہ کوں۔ اگر ان کی یہ باتیں محض ظاہری اور نمایشی ہوتیں تو ممکن تھا کہ جب محصورین بلا کسی قسم کی اطلاع کے دفعہ شہر سے باہر نکل آئے تھے اور امن حاصل کرنے کی کوئی درخواست بھی نہ کی تھی تو مسلمان بلا دریافت حکم کر لیتے اور جب ایک جماعت کو قتل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے تب ان کی بات سننے اور انجام کار اپنی انصاف پسندی اور حسب امن کا بھی ثبوت دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ایک شخص نے بھی بھولے سے ان پر دست درازی نہیں کی حالانکہ سوار اُس غلام کے جس نے محض وطن پرستی اور اپنے ہم قوموں کے بچانے کیلئے یہ حرکت کی تھی کبھی ہی علم نہ تھا۔ مگر چونکہ اس وقت اسلام کے اصلی محاسن اور اوصاف کیساتھ مسلمانوں میں کوئی ایسی بات پیدا نہ ہوئی تھی کہ ان کو جو نفسانی خواہشوں کی طرف چلائی یا دنیا کے مال و جاہ کی طرف مائل کرتی اس لئے سب نے احتیاط کی جانب کو اختیار کیا اور بعد اس تحقیق کے بھی کہ یہ فعل ایک غلام کا ہے اور وہ اُسکے نافذ کرنے پر مجبور نہیں ہیں اپنی طرف سے اُس کے عہد کو توڑنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ دوبار خلافت سے بدلیعہ عرضداشت ہدایت طلب کی۔ اور وہاں سے ہی حکم آیا کہ ہمیں اُس عہد کو اگرچہ غلام ہی کا ہے پورا کرو۔ علیٰ اہذا حضرت عمرؓ کا اپنی طرف سے یہ تحریر فرمانا کہ جس کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں خود اس بات کی

شہادت دیتا ہے کہ شریعت میں فی نفسہ اس کا کس قدر اہتمام تھا۔ اور یہ کہ خلیفۃ المسلمین اور مسلمان اپنی کامیابی صرف اس صوت میں سمجھے ہوئے تھے کہ مخلوق کی حقیقی فلاح و بہبود کی کوشش کریں۔ اس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ وہ غلطی سے بھی کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے یا اسلام پر عہد شکنی کا دھبہ لگے۔ وہ اسلام کی قوت اور شوکت اسی بات میں سمجھے ہوئے تھے کہ اس کے احکام کی پوری پابندی کی جائے۔ ورنہ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے ممکن تھا کہ مسلمان بھی اپنی قوت و شوکت کھانے کیلئے کبھی کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتے جو عموماً طور پر فاتح اقوام کا دستور ہے۔ دنیا نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے اور اس وقت جیسا کہ ایک جانب فحش و فحشاء کا رواج کمال پر پہنچا گئے اور نسل انسانی کو حیات کی خوشگوار فضا سے نکال کر ملک عدم میں پہنچانے کے وہ آلات ایجاد کئے گئے جس سے آن کی آن میں دنیا ویران ہو سکتی ہے۔

اسی طرح دوسری جانب امن عام۔ حفظ جان و مال کے بھی وہ قوانین بنائے گئے ہیں کہ دنیا کو حیرت انگیز سمجھتی ہے۔ یہ اسی ترقی یافتہ زمانہ کا کرشمہ ہے کہ سلطنتیں بھی باہم ایک عام قانون میں جکڑی ہوئی ہیں۔ خونریزی سے اور بد امنی سے بڑھ کر اس وقت کوئی جرم نہیں ہو۔

گلاب تمام اعلیٰ قوانین اور تمدن و شائستگی کی ان تمام برکتوں کا جو مخلوق کو بلا امتیاز رنگ و مذہب شامل ہیں۔ اور جن پر تمدن و اقوام کا ناز بجا ہے۔ اسلام کی سادہ اور بے لوث ہدایات سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام اقوام ملکر بھی اُس درجہ کے قریب نہیں پہنچ سکیں جس کو اسلام نے جاری کیا اور جس پر ایک سادہ اور بدویت کے اخلاق سے متصف قوم عمل پیرا ہو چکی اس شان کی کہ زمانہ میں بھی حالت جنگ کے اندر امن طلب کر نیکی سے جو نہایت سہل اور انتہائی طریقہ مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ متہمدار اللہ کے جائیں یا سفید جھنڈا اٹھا دیا جائے مگر اس کو اس اسلامی طریقہ سے کیا نسبت ہے جسکی عمر نے ہدایت فرمائی اور جس پر مسلمان کار بند ہوئے۔ امن کا اشارہ اور وہ بھی خواہ مذاق میں ہو یا واقعی اور کوئی ایسا فعل جس سے واقع میں امن دینا مقصود بھی نہ تھا مگر فریق ثانی امن سمجھ گئے۔ اور پھر امن دینے والا ایسی حرکت کو نہ والا بھی یہ ضرور نہیں کہ ذمہ دار افسر ہی ہو بلکہ ادنیٰ

سپاہی اور غلام بھی کر بیٹھے تو وہی حکم ہو جو ایک اعلیٰ افسر کے فعل کا۔ انصافاً فرمائیے کہ کیا کوئی مسلمان قوم بھی اسن کے ایسے پہلے قاعدوں کی پابند ہے یا ہو سکتی ہے۔ جن کا پابند اسلام آج سے تیرہ سو برس پہلے اپنے پیروں کو کر گیا ہے۔ اور پھر کیا ایسے ہی مذہب کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بحجر پھیل گیا۔ اور پھر اگر ہم یہ دعویٰ کریں تو کیا سچا ہے کہ تمام بہترین اصول کا جاری کرنیوالا اسلام تمام اقوام دنیا کے رہبر مسلمان ہیں۔ وہ جو کچھ کر گئے ہیں اسکی تقلید بھی پوری نہیں ہو سکی اور جو کچھ کیا گیا ہے انہیں کے اصول سے اخذ کر کے اور اُسی راستہ پر چل کر۔

ہرمزان کا عجیب حیلہ سے | ہرمزان فارس کے اُن سات مشہور گھرانوں میں سے ایک خاندان کا
اسن حاصل کہ کئے مسلمان ہونا | معزز ممبر تھا۔ جن فارس بھڑ میں چوٹی کے شریف اور خاندانی نواب کہلاتے
تھے۔ ہرمزان اپنے ذاتی جوہروں میں بھی ممتاز تھا۔ اسی وجہ سے قادیہ کے معرکہ میں مین کی کمان
جس میں تقریباً بیس ہزار نبرد آئے تھے۔ اسکے سپرد تھی۔ جنگ قادیہ کا فیصلہ فارس کے برخلاف
ہرمزان کا تو ہرمزان نے بھی بھاگ کر جان بچائی۔ اہواز پہنچ کر وہاں کی خود مختار حکومت سنبھال لی
اور مسلمانوں پر غارت گرانہ حملے شروع کر دیے۔

عتبہ بن غزو ان عامل بصرہ نے اس سے مشور ہو کر حضرت سعد سے اہل مہسان کے
لئے امداد طلب کی نعیم بن مقرن انکی امداد کو بھیجے گئے۔ اور عتبہ نے سلمیٰ بن ابیہن اور حر بن
مریطہ کو بھیجا۔ انہوں نے حد و میسان پر ایک غزنی قوم کی امداد سے جو وہاں آباد تھی جس کو نعیم
بن مالک کہا جاتا تھا اور جس کے سردار غالب و کلیب وغیرہ تھے ہرمزان پر حملہ کیا اسکو شکست
ہوئی۔ اور سوائے صلح کر لینے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ صلح میں اتنی نرمی برتی گئی کہ ہرمزان اپنے
مذہب پر قائم رہ کر تمام ملک اہواز کا حاکم رہے۔ البتہ نہر تیری۔ منافذ اور سوق اہواز مسلمانوں
کے قبضے میں رہے۔

منافذ پر جنگی چوکی قائم کر کے غالب کو امیر مقرر کر دیا گیا۔ اور نہر تیری کی جنگی چوکیاں کلیب
کی امارت میں ہی گئیں۔ اس طرح انتظام کر دینے کے بعد مسلمان افسر واپس آ گئے۔ تھوڑے ہی

دنوں کے بعد غالب اور حرمہ سے ہرمزان کا ایک زمین کی حد بندی کے معاملہ میں نزاع ہو گیا عتبہ بن غزو ان نے اس کے تصفیہ کیلئے ایک کمیشن بھیجا۔ جس کے افسر علی حرمہ اور سلی فاتح ہوا۔ انہوں نے جا کر بیانات سنے تو غالب و کلب حق پر تھے انہیں کے موافق فیصلہ صادر فرمایا۔ ہرمزان نے اس فیصلہ سے ناراض ہو کر عہد شکنی کر کے اداء محصول سے انکار کیا اور قبائل اگر اد سے امداد لیکر بھاری لشکر جمع کر لیا۔ امرار سرحد نے عامل بصرہ کو اطلاع دی انہوں نے بارگاہ خلافت میں اطلاع دیکر مشورہ اور امداد طلب کی۔ امیر المومنین نے حرقوص بن ہرمز سعدی کو فوج کی کمان اور جو ملک فتح کریں اُسکی امارت سپرد کی۔ حرقوص نے ہرمزان پر حملہ کیا وہ شکست کھا کر احرار مزہاگ گیا۔ حرقوص نے تمام ملک اہواز پر قابض ہو کر ملکی انتظامات شروع کر دیئے۔ اس سے فلعغ ہو کر جزیر بن معاویہ کو ہرمزان کے تعاقب میں بھیجا۔ جزیر نے سرق فتح کر کے اُس میں نرسیں جاری کیں اور نجیر زمینوں کو آباد کر کے ویرانہ کو سرسبز و آباد بنا دیا۔ ہرمزان یہ حالت دیکھ کر پھر صلح کر لینے پر مجبور ہوا۔ اور اب بھی اُسی نرمی کے ساتھ صلح ہوئی کہ جن جن شہروں پر وہ قابض ہو اُسی کے تسلط میں ہیں۔ البتہ محصول ادا کرنا ہے جسکے معاوضہ میں مسلمان اُسکی اور اُسکے ملک کی حفاظت کریں گے لیکن ہرمزان کو عہد شکنی کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ یزید جو دار السلطنت کو چھوڑ کر ویرانہ پھر تاتھا اُس نے ہرمزان کو ابھارا اور ساتھ ہی کل باشندگان اہواز کو مسلمانوں کے خلاف شتعل کر دیا جس سے ایک دفعہ پھر ہرمزان آمادہ جنگ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے عامل کوفہ حضرت سعد کو لکھا کہ نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں بھاری لشکر بھیجیں۔ اور ابو موسیٰ اشعری کو جو اس وقت بجائے عتبہ کے بصرہ کے گورنر تھے لکھا کہ ایک بڑی جمیعت بصرہ سے بھیجی جائے اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ بصرہ اور کوفہ کے دونوں لشکروں کے سپہ سالار ابو سیرۃ بن ابی رہم بنائے جائیں۔ اس دفعہ ہرمزان نے حجام بن ثور کے مقابلہ کیا۔ کیونکہ فارس کا بیشمار لشکر اس کی امداد کیلئے تھا۔ ادھر باشندگان ملک باغی ہو گئے تھے مسلمانوں کے نامی اور مشہور بہادر اس معرکہ میں شہید ہوئے مگر انجام کار ہرمزان کو ہزیمت

ہوئی اور وہ تشریں جا کر نپا ہلین ہوا۔ چند ماہ محاصرہ جاری رہا۔ دوران محاصرہ میں مسلمانوں کے چند سربراہ اور وہ اور نام آوڑش سوار شہید ہوئے۔ برابر بن مالک جو پیام کے معرکہ میں شہرت حاصل کر چکے تھے اور مخزومہ بن ثور کو خود ہرمزان نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اس درمیان میں ایک شخص نے نعمان بن مقرن کو شہر میں داخل ہونیکے کے خاص راستہ سے اطلاع دی اور چند بہادروں نے داخل ہو کر شہر پر قبضہ کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی اتحاد و اتفاق کے ساتھ صوری و ظاہری یکجہتی و مسادات اس درجہ مرغوب و محبوب تھی کہ نماز کی صفوں میں ذلے سے تفاوت کو کسی کا سینہ نہ کھلایا ہوا ہو یا قدم آگے پیچھے ہو جائے ہرگز گوارا نہ فرماتے تھے اسکے خلاف کرنیوالوں کیلئے سخت تہدیدیں احکام جاری فرمائے۔ فرمایا:-

لَتُسَوَّيَنَّ صُفُوفُكُمْ اَوْ لَيَجَافَنَّ
اللَّهُ بَيْنَ وَجْهِكُمْ

مسلمانو! یا تو نمازیں اپنی صفیں سیدھی کیا کرو۔
ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں میں مخالفت پیدا کرے گا۔

حاصل یہ کہ اگر صفیں سیدھی نہ کرو گے اور قیام نماز کی حالت میں تم ایک سیدھی نہو گے تو اندیشہ ہو کہ تم میں نفاق و اختلاف پیدا ہو جائے۔ یا اس سے بڑھ کر نرا یہ ملے کہ چہرے سرخ ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ کے ارشاد نے حکمتوں کے دوازے کھول دیے آپ نے اول تو یہ فرمایا کہ نماز جاہلیت میں باوجود فرقہ بین کی باطل پرست اور تعداد میں مساوی ہونیکے کامیابی و نصرت کا سرور اہل فارس کے سر پر اس لئے بندھا کہ وہ ایک حکومت کے تابع ایک اشارہ پر چلنے والے تھے۔

اور اسی ارشاد سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ باوجود اسلام کے آسمانی مذہب ہونے اور مسلمانوں کے حق پرست ہونیکے ان کی کامیابی کا ظہور بھی اتفاق و اتحاد ہی کی صورت میں ہی اور اس میں شک نہیں کہ قوموں کی ترقی و تہذیب کا راز اتفاق میں مضمر ہے اور نا اتفاقی کو ادبا و دولت لازم۔ مسلمان جہاں اپنے مذہب کے بے خبر ہو کر آسمانی برکات کو کھو بیٹھے اور اصول شریعت کو چھوڑ کر عقل نارسا کی بدولت فحش کے تابع ہو گئے۔ مادیات کی پریش میں لگ گئے۔ وہیں اتفاق کی لازوال

دولت کو بھی کھو بیٹھا اور اسی وجہ سے فقر و زلت کے گڈھے میں گرتے چلے گئے۔ اور
چلے جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ہرمزان سے فرمایا کہ تیرے پاس بار بار عہد شکنی اور مسلمانوں کے اذیت پہنچانے
انگو قتل و ہلاک کرنے کا کیا جواب اور کیا عذر ہے۔ ہرمزان نے کہا میں بوجہ اندیشہ قتل اپنا عذر دو
جواب بیان نہیں کر سکتا۔ اگر آپ امن دیں تو بیان کروں۔ آپ نے فرمایا۔ لا تخف (اندیشہ مت کرو)
اُس کے بعد اُس نے پینے کی واسطے پانی طلب کیا۔ جو ایک جھڑے بدھیت لکڑی کے پیالہ میں لاکر
دیا گیا اُس نے کہا اگر میں پیاس سے مر بھی جاؤں گا تب بھی ایسے پیالہ میں نہیں پی سکتا۔ اُس پر
اُسکی مرضی کی موافق گلاس میں لاکر پانی دیا گیا۔ اُس نے گلاس ہاتھ میں لیکر سخت مضطربانہ انداز سے
کہا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ آپ نے فرمایا:-

اَوْبَاسٌ عَلَيْكَ حَتَّى تَشْرِبَهُ

ہرمزان نے یہ سُن کر باقی گرا دیا۔ آئیے فرمایا۔

اُعِيذُوا عَلَيَّ وَلَا تَجْمَعُوا عَلَيَّ
بَيْنَ الْقَتْلِ وَالْعَطَشِ

ہرزمان نے کہا مجھے پانی پینا منظور نہیں۔ نہ پیاس ہے۔ مجھے تو اس بہانہ سے اس حاصل کرنا تھا آپ نے فرمایا میں تجھے قتل کے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ اُس نے کہا آپ مجھے اس دیکھئے۔ فرمایا ہرگز اس نہیں دیا۔ اس پر حضرت انس بولے۔ امیر المؤمنین یہ سچ کہتا ہے آپ اس کو اس نے یا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا میں براہ بن مالک اور مجزہ بن ثور جیسے لوگوں کے قاتل کو اس دے سکتا ہوں۔ تم یا اس کی کوئی دلیل بیان کرو ورنہ تم کو بھی باطل کی تائید کی وجہ سے تنبیہ کی جائیگی حضرت انس نے فرمایا آپ کو فرما دیجئے۔

لَا بَأْسَ عَلَيْكَ حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَىٰ بَاسٍ
عَلَيْكَ حَتَّىٰ تَشْرَبَكَ۔

دجبتک تو بیان نہ کر دے کچھ اندیشہ نہیں۔ او جبتک پانی نہ پی لے کچھ اندیشہ نہیں،

دو سے حاضرین مجلس بھی حضرت انس کی تائید کی ساس پر حضرت عمرؓ نے سکوت فرمایا۔ اور بزرگ

سے ارشاد فرمایا -

خَدَّ عَتْنِي وَلَا اخْتَلِعْ إِلَّا لِسْلِمٍ دقت نے مجھے ہو کر دیا اور میں تو کسی مسلمان ہی کے ہو کر برآں نہ آتا ہوں۔
ہرمزان اس تدبیر سے امن حاصل کر کے مطمئن ہو نیکی بعد مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اس کے
واسطے عطاء میں وہ درجہ مقرر فرمایا جو بڑے رتبہ والے مسلمانوں کے واسطے تھا۔ یعنی دو ہزار ڈالوں
میں نام لکھا گیا۔ اس عجیب و غریب واقعہ سے چند نتیجے حاصل ہوتے ہیں -

نتیجہ اول - ہاں فارس آخر دم تک مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی کوشش کرتے رہے کسی ممکن اور
مناسب موقع پر مقابلہ سے درگزر نہ کیا۔ مغلوب ہو کر صلح کو لیتے تھے اور وقت مانتے آتے ہی آمادہ
جنگ ہو جاتے تھے۔

نتیجہ دوم - مسلمان جس ملک اور جس علاقہ کو فتح کرتے تھے تمدن و تہذیب پھیلاتے جاتے تھے
اور ملک آباد کر کے گلزار بنا دیتے تھے ایک جگہ کو جب تک باقاعدہ مسلمان نہ بناتے آگے نہ بڑھتے
نتیجہ سوم - مسلمانوں کی امن پسندی - خونریزی - اور ان کا اتلاف نفوس سے پرہیز و
اجتناب اس وجہ تسلیم ہو چکا تھا کہ ان کے مخالف اور سخت پولیٹیکل مجرم بھی حیلے بہانوں کے ساتھ
نفع اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔

ہرمزان کو اپنے جرم کا حال معلوم تھا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نقیض عہد اور جلیل القدر اصحاب کو
قتل کی سزا کبھی قتل سے وہے نہوگی حضرت عمرؓ بھی پہلے سے ارادہ اُس کے قتل کا کر چکے تھے۔ مگر
بایں ہمہ ہرمزان نے ایک نہایت پوچھ حیلہ سے امن حاصل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چونک کر
فرمانا کہ میں نے ہرگز امن نہیں دیا۔ بالکل صحیح تھا۔ کیونکہ شکم اپنی مراد و مطلب کو خوب سمجھتا ہی۔
کلام کا مطلب ظاہر تھا کہ اس پانی کو پینے تک اندیشہ نہیں یعنی اگر بیجا ہے تو اندیشہ نہیں مطلب
ہرگز نہ تھا کہ جب تک پانی نہ پئے۔ چاہے ساری عمر نہ پئے تب بھی اندیشہ نہیں ہے ہرمزان تو حیلے
چالاک سے کام لینا چاہتا تھا اور صحابہ بھی اُس کو خوب سمجھتے تھے۔ مگر ان کو تو حضرت عمرؓ کے وہی نظر
یا دتھے جو امان العبد کے عنوان میں بیان ہو چکے ہیں کہ وفار عہد میں غلطی کر گزری وہ اُس سے بہتر

کہ نقصِ عمر میں غلطی کرو یعنی اگر شبہ بھی ہو کہ عہد ہو چکا ہے تو اُسکو پورا کرو۔ اس لئے اُنہوں نے احتیاط کی جانب اختیار فرما کر ہرمزان کی تائید کی اور حضرت عمرؓ کو بھی ماننا پڑا اور اس چالاک سے ہرمزان نے امن حاصل کیا۔ لیکن اسلام کی محبت اُس کے دل میں آچکی تھی۔ گو حبِ ریاست اس کو مانع آتی تھی۔ مگر ابتداء سے مسلمانوں کے حال دیکھتا تھا۔ اور راستہ کی طویل صحبت میں اور بھی خوب سمجھا کا موقع ملا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے پر حضرت عمرؓ کے حالات دیکھ کر تو بول ہی اُٹھا کہ کیا یہ نبی ہیں۔ مگر چونکہ وہ ایک بہادر خاندانی نواب تھا اُس کو یہ گوارا نہوا کہ اسلام لانا خوف پر محمول ہو اس لئے مامون اور مطمئن ہو کر مسلمان ہوا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس احساسِ میلانِ باطنی کا ادراک کر لیا اور فرمایا۔

وَلَا اخذخ الا لسلامہ

ظاہر ہے کہ ہرمزان کی تدبیر کارگر ہو چکی تھی۔ صحابہ کی تائید سے حضرت عمرؓ بھی تسلیم فرما چکے اور اُسکو امن دے چکے تھے۔ پھر اس فرمانے کا مطلب کیا تھا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اگر تو مسلمان نہوا تو قتل کر دیا جائیگا۔ یہ امر تو خود آپ کی عام ہدایت کے مخالف تھا۔ بلکہ ان الفاظ سے آپ نے لطیف پیر میں اپنی فراست کا اظہار فرمایا جس کا ظہور یہ ہوا کہ وہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہو جانیکے بعد نہ صرف سابق تمام جرموں سے درگزر ہوئی بلکہ اُس کو اُسی اعزاز سے اپنے گروہ میں داخل کیا گیا۔ جیسا کہ اپنے خاندان کے اعتبار سے تھا۔

کیا ایسے صریح اور صحیح واقعات کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہو کہ اسلام نبیؐ پر بھیلایا گیا۔ مسلمانوں نے کسی ایک فرد کو بھی گوان کے قابو اور اختیار ہی میں کیوں نہوا۔ اسلام لانے پر مجبور کیا۔

ہرمزان جس تدبیر سے امن حاصل کر کے باطنیان اختیار مسلمان ہوا اور ہرمزان کا مقتول ہونا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

اُسکو تو ہم فصل بیان کر چکے لیکن اُس کے قتل کا واقعہ بھی اسلامی

تاریخ میں مہتمم بالشان واقعہ ہے جس کی بدولت وحلیل القدر خلفاء اسلام میں اختلاف رائے ہوا۔

اگرچہ واقعہ قتل کو ہمارے عنوانِ اشاعت سے تعلق نہیں ہو۔ مگر قول تو اس وجہ سے کہ ہرمزان کے

ابتدائی حال کے ساتھ اُسکے خاتمہ کا تذکرہ بھی ایک مضمون کی مناسبت رکھتا ہے۔ علاوہ بریں چونکہ اس

بیان میں بہت سی ایسی مفید باتیں بھی جائیں گی جن سے اصل عنوان کی تائید ہوگی اور مسلمانوں کے ذاتی محاسن اور شریعت کے پاک قوانین پر روشنی پڑے گی۔ اس لئے ہم اُس کو بھی کھ دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اُس کے قتل کا تعلق امیر المومنین حضرت عمرؓ کی شہادت سے ہے۔ اس لئے وہیں سے مضمون کو شروع کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے قلب میں دو خیال جو بظاہر متضاد معلوم ہوتے تھے جمع تھے۔ اور شہادت کا شوق۔ اُدھر مدینہ منورہ میں وفات اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک میں دفن ہونا اور اس لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ شَہَادَۃٌ فِیْ سَبِیْلِکَ (اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما۔ اور میری واجل موتی فی بلد رسو لاٹ موت اپنے رسول کے شہر میں مقرر فرما)

ظاہر ہے کہ شہادت کی تمنا اس کی مقصدی تھی کہ آپ مدینہ منورہ سے دو معرکہ کارزار میں جان دیتے اور مدینہ میں وفات کی خواہش کا تقاضا یہ تھا کہ آپ بسترِ مرگ پر وفات پاتے مگر حق تعالیٰ نے آپ کی دونوں آندوؤں کو پورا فرمایا جس کی ظاہری صورت یہ پیش آئی۔ مغیرہ بن شعبہ کے پاس ابو لؤلؤہ نام ایک غلام تھا جو عیسائی مذہب رکھتا تھا اور روم سے اسیر ہو کر آیا تھا۔ مگر اصل سے فارسی تھا۔ کسی زمانہ میں اہل روم اُس کو اسیر بنا کر لگئے تھے۔

یہ غلام اپنے موجودہ مذہب پر پختگی سے قائم رہنے کے ساتھ قومی تعصب اور حسیت کو بھی پوری طرح دل میں لئے ہوئے تھا نہ اوند کا سخت معرکہ ختم ہو کر بہت سے قیدی جب مدینہ منورہ لائے گئے تو ابو لؤلؤہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا۔ قیدیوں میں سے چھوٹے چھوٹے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتا تھا اور کہتا تھا۔

(عمرؓ میرا جگر کھالیا)

اکل عمر کبدی

مگر باوجود ان خیالات کے مسلمانوں میں ہر بے خوف و خطر نہایت آزادی سے زندگی بسر کرتا تھا۔ آدمی بہت ہوشیار اور طرح طرح کی صنعت و دستکاریوں میں ماہر تھا۔ اُس کے

سولی امغیر بن شعبہ نے پوری آزادی دیکر دوسرے یومیہ کا ٹکس اُس پر لگا دیا تھا۔ ایسے صنایع اور ماہر پرہیزگار یومیہ کچھ بھی نہ تھے۔ مگر اُس پر بھی اُس نے یہ دیکھ کر کہ اسلامی عدالت میں ہر شخص نہایت آزادی کے ساتھ عرض معروض کر سکتا ہے خلیفہ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے آقا امغیرؓ سے کہہ کر محصول کم کر دیا جاوے۔ حضرت عمرؓ نے منکر دل میں تو لیا اور فرمایا کہ امغیرؓ سے کمی کی سفارش کر دیں گے۔ مگر اُس سے فرمایا کہ تجھ کو تو بہت سی صنعتیں آتی ہیں یہ محصول زیادہ نہیں ہے۔ اور پھر فرمایا میں نے سنا ہے تو ایسی چکی بنا سکتا ہے جو ہوا کے ذریعہ سے آٹا پیسے۔ اگر ایسا ہے تو مسلمانوں کیلئے ایک چکی بناؤ۔

ابو لوہہ نے کہا بیشک ایسی چکی آپ کیلئے بنا دوں گا جس کا چرچا مشرق و مغرب میں ہو جائیگا۔ اُس نے اس گفتگو میں آپ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی تھی اور آپ بھی اُس کو فوراً سمجھ گئے۔ چنانچہ اُس کے چلے جانے کے بعد فرمایا۔

لَقَدْ اَوْعَدَنِي الْعَبْدُ الْاِن
(غلام مجھ کو قتل کی دھمکی دیکر گیا ہے۔)
مگر اُس پر اُس سے کسی قسم کی تباہی پر س کی اور نہ اُس کو خطر نہ کیا اور نہ اپنی حفاظت کا خاص سامان کیا۔

اس گفتگو سے اگلے روز کعب احبار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ آپ کی وفات کے صرف تین دن باقی ہیں۔ جو کچھ وصیتیں کرنی ہیں کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا تمہیں کسے معلوم ہوا کہ تورات میں ایسا ہی ہے۔ فرمایا کیا تورات میں عمر کا نام ہے کہ نام تو نہیں۔ مگر جو علامات ہیں وہ سب آپ پر منطبق ہیں۔ اگلے روز کعب نے اگر پھر کہا کہ اب دو روز باقی رہ گئے ہیں۔ دو سے روز اگر کہا اب صرف ایک روز رہ گیا۔ حضرت عمرؓ بالکل تندرست تھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی تین دن ختم ہو جانیکے بعد صبح کی نماز کیلئے تشریف لیگئے۔ نماز غلس سے یعنی اندھیرے سے شروع ہوئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ مصلے پر پہنچ کر دو نو طرف صلوٰۃ کو سیدھا کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

ابو لوہ اندھیرے سے اول صف میں قریب مصطفیٰ مسلمانوں میں بل جیکر کھڑا ہو گیا جب آپ مصلیٰ پر پہنچے اور تسویۃ صفوف کیلئے فرمایا۔ تب اُس نے آپ پر دو دھائے خنجر سے جو زبردست بجھایا ہوا تھا حملہ کیا اور چھ زخم لگائے آپ وہیں گر گئے۔ ابو لوہ نے اور بھی کئی مسلمانوں کو شہید کیا۔ بالآخر ایک مسلمان نے اُس پر اپنی بارانی کو ڈال دیا۔ ابو لوہ نے یہ سمجھ کر کہ میں گرفتار ہو گیا اُسی خنجر سے اپنا کام تمام کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے اُسی وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اپنا امام بنا دیا۔ نماز مختصر کے ساتھ پورا کرنے کے بعد آپکو مکان پر لیگئے۔ صحابہ پر اور تمام مسلمانوں پر صدمے کی یہ کیفیت تھی کہ گویا آج تک اُن پر اس قسم کی کوئی مصیبت پیش نہیں آئی۔ اور اُن کا صدمہ حتیٰ پنجاب تھا۔ دور بین اور خواص حضرت تو جانتے تھے کہ آپکی بابرکت زندگی فتن اور حوادث کیلئے سدا رہ ہے۔ آپ کا اس عالم سے اٹھ جانا اور مسلمانوں میں اختلاف و فتن کا ظہور پزیر ہونا ناگزیر و ملازم ہیں۔ مگر وہ طبقہ جو ان احساسات سے خالی الذہن لیکن آپ کے عدل و رافت عام کے خوشگوار سایہ میں تربیت پاتا تھا اُس پر خواص سے زیادہ اس صدمہ کا اثر تھا۔

استثقال احکام شرع کی بنا پر جو ظاہر گو صبر و سکون تھا۔ گردلوں میں قلق و اضطراب کے دریا موجزن تھے۔ چہرہ پرا داسی چھائی ہوئی تھی حسرت و یاس اندیشہ و اضطراب کا سماں بندھا ہوا تھا مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی۔ مگر حضرت عمرؓ کو نہ اپنی جان کا کچھ خیال تھا اور نہ ان مملکت زخموں کی تکالیف پر کچھ اظہار کلفت۔ بلکہ وہی مسلمانوں کی محبت ہمدردی اب بھی انہیں مشغول کئے ہوئے تھی۔ اول فکر تو یہ تھا کہ میرا قتل کسی مسلمان کے ہاتھ سے تو نہیں ہوا۔ مبادا میری وجہ سے کوئی مسلمان عذاب میں مبتلا ہو۔ چنانچہ آپ نے گھر پہنچے پر اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بلا کر یہ کہا۔ دیکھو مجھ کو کس نے قتل کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ابو لوہ غلام غیرہ نے۔ فرمایا کہ وہی صنلع و کاریگر۔ عرض کیا گیا کہ وہی۔ فرمایا:۔

الحمد لله الذی لم یجعل منینی بید . خدا کا شکر ہے اس نے میری موت ایسے شخص کے

ہر چل سجد اللہ سجدۃ واحداۃ امامہ کی جس نے ایک سجدہ بھی اللہ کیواسطے کیا ہو۔
لیکن ابھی یہ فکر باقی تھا کہ شاید کوئی مسلمان اس مشورہ میں شریک ہو۔ اس لئے جب نصیحت
وہا جرین عیادت کی غرض سے آتے تھے تو آپ پوچھتے تھے۔

اھن صلاؤ منکم کان هذا کیا تمہاری جماعت کے مشورہ و اتفاق سے یہ فعل ہوا
وہ فرماتے تھے معاذ اللہ (خدا کی پناہ ہم ایسا کیونکر کر سکتے تھے)

اس سے مطمئن ہو کر سب اہم امر کی طرف متوجہ ہوئے اور خلافت کا معاملہ ان چھ صحابہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا جن سے آخر دم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور
خوش رہے۔ اسی درمیان میں کعب جبار بھی بغرض عیادت آئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

فأوعدنی کعب ثلاثاً اعدھا ولا شک ان القول ما قل کی کعب
بھگو کہ میں تیرے لئے تین چیزیں خبر دی جسکو میں شمار کرتا تھا اس میں شک نہیں بات یہی تھی جو کہنے کی تھی
ومالی حداً سراموت اخی میت ولکی حداً سراموت اخی میت
موت کا تو کچھ ڈرنیس تھا کیونکہ میں مر نبوا لافھا ہاں گناہوں کا خوف تھا جو یکے بعد دیگرے ہو چکے تھے
ایک مرتبہ اسی حالت میں فرمایا۔

ظلوم لنفسی غیرائی مسلمہ اصلی الصلوۃ کلھا واصلہا
اپنے نفس کیلئے بظالم ہوں۔ مگر ان مسلمانوں نمازیں بٹھاتا ہوں اور روزی سب رکھتا ہوں
اس کے بعد آپ آخر تک تسبیح و تہلیل و ذکر میں مشغول رہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاه۔

بڑے صاحبزادے عبداللہ تو آپ کے قدم بقدم جھگڑے اور فتنہ سے نور بہنے والے اور
مسلمانوں میں کسی قسم کے اختلاف پیدا کرنے یا کسی اختلاف اور نزاع میں شرکت سے پرہیز کرنے
والے تھے۔ حدود و شرع سے ایک انچہ ادھر ادھر قدم رکھنے والے نہ تھے۔ اس لئے آپ تو باب
کی مفارقت اور ایک نصرانی غلام کے ہاتھ سے قتل ہو نیکی جو فی الحقیقت ناقابل برداشت
صدمہ تھا صبر و استقلال سے ضبط کئے ہوئے کوہ و قارین ہے تو کوئی حرف زبان سے ایسا نہ نکلا

جو خلاف شان ہوتا۔ کوئی حرکت لے نہ کی جس سے اضطراب معلوم ہوتا۔ مگر چھوٹے صاحبزادے عید اللہ کی حالت دگرگوں تھی۔ وہ ضبط سے گذرے ہوئے تھے۔ اُنکو یہ بھی دم تھا کہ میرے باپ کا قتل گری سازش کا نتیجہ ہے۔ اس لئے وہ کہتے تھے۔

واللہ لا قتلن سر جالا من

شرک فی قتل ابی
رخدا کی قسم میں اُن لوگوں کو قتل کرونگا جو میرے باپ کے قتل میں شریک ہوئے

اسی غم و غصہ میں ابو لوئہ کی بیٹی کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمن ابن ابی بکر نے بیان کیا کہ میں نے ابو لوئہ اور حنیفہ (نصرانی غلام تھا) اور ہرزان کو باہم سرگوشی کرتے دیکھا تھا جھکودیکھ کر بھاگ گئے اور اُن کے پاس سے ایک خنجر گرا جس کی دونوں طرف نوکیں تھیں۔ یہی خنجر تھا جس سے حضرت عمرؓ شہید کئے گئے تھے۔ یہ سننا تھا کہ عید اللہ نے مجنیہ اور ہرزان کو بھی حاکم قتل کر دیا۔ اور ابھی ان کا غصہ فرو نہ ہوا تھا معلوم نہیں اس شبہ میں کس کس کو قتل کرتے مگر حضرت سعدؓ نے اُن کو گرفتار کر کے اپنے یہاں نظر بند کر دیا۔

خلافت کا معاملہ جب طے ہو چکا اور حضرت عثمانؓ خلیفہ تسلیم کر لئے گئے بیعت عامہ ہو چکی تو سب سے پہلے عید اللہ کا ہی معاملہ پیش ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

اشید و علی فی حد ۱۱ لرحل
مجھے اُس شخص کے بارہ میں جس نے اسلام کے اندر ایسا
الذی فتن فی الاسلام ما فتن
بزار خند ڈالا مشورہ دو کیا کروں

یعنی اس شخص نے جو بیگناہ صغیر سن بچی کو اور ایک نصرانی کو جو ہمارے عہد میں تھا اور ایک مسلمان کو بلا ثبوت قتل کر دیا اور اسلام کے اندر بڑا رخنہ ڈالا کیا کیا جائے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا قصاص لیا جائے۔ بعض مہاجرین بولے یہ لمبھی نازیبا معلوم ہوتا ہے کہ کل تو عمرؓ شہید ہوئے تھے اور آج اُن کا ثیاق قتل کیا جائے۔ ہمیں اختلاف رائے ہوا تو عمرؓ بن العاصؓ نے کہا کہ لیر المؤمنین یہ قتل ایسے وقت ہوا کہ آپکو مسلمانوں پر تسلط نہ تھا۔ اس لئے آپ

اگر قصاص جاری نہ ہو تو گنجائش ہے حضرت عثمانؓ نے سب کی رائیں سن کر اور صحابہ کے عام خیالات کا اندازہ کر کے حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ کو ایسے وقت کہ ابھی وہ شہید ہو چکے ہیں قتل کر دیا۔ پسند نہیں کرتے فرمایا کہ میں خلیفہ ہوں اور مجھ کو ولایت حاصل ہو اسلئے میں قصاص سے ہلکا کر کے مقتولین کی دیت اپنے مال میں سے ادا کرتا ہوں مگر حضرت علیؓ نے اس فیصلہ کو پسند نہیں کیا۔ اور اپنے زمانہ خلافت میں ارادہ قصاص لینے کا فرمایا۔ عبد اللہ اسی خوف سے شام چلے گئے اور امیر معاویہ کی رفاقت کا دم بھرنے لگے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ اور صدر اول کے مسلمانوں کا دینی امور میں اہتمام کس قدر بڑھا ہوا تھا۔ اور ان کی استقامت کس درجہ پر تھی۔

حضرت عمرؓ کی شہادت معمولی واقعہ نہ تھا۔ اور وہ بھی اندھیرے میں مسجد کے اندر اور عین نازکی وقت۔ اول تو یہ بالکل ممکن تھا کہ ایک ایسے اچانک اور مخفی حملہ کی وجہ سے جسکی نسبت یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حملہ آور کون ہے۔ نہ اس پر اجتماع ہو۔ اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تنہا حضرت عمرؓ کی مقتول ہیں یا اور بھی خصوصاً جبکہ حضرت عمرؓ کے ساتھ کئی شخص مقتول و مجروح ہوئے ہوں۔ یہ خیال غلط ہو سکتا تھا کہ بہت سے آدمی اسی ارادہ سے آئے ہوں اور ان کا مطمح نظر صرف ایک ایک ذات و احد نہ ہو بلکہ اور بھی جدیدہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دینا نظر ہو۔

ایسی حالت میں بالکل ممکن تھا کہ بہت سے لوگ خصوصاً وہ جو پچھلی صفوف میں تھے گھبرا کر مسجد سے نکل جاتے اور جیسا کہ ایک ایسی مہم اور گول مول حالت میں اضطراب ہونا چاہیے تھا پیش آتا لیکن تمام مسلمان ایسی حالت پر باطنیان کھڑے رہے صفوف کی ترتیب میں فرق نہ آیا۔ اگلی ہی صف میں بعض حضرات نے اپنا برنس ڈال کر ابوبکرؓ کو گرفتار کر لیا چاہا اور اس نے خود کشی کر لی۔

حضرت عمرؓ زخمی ہو کر گر گئے مسلمانوں پر رحم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مگر کیا ممکن تھا کہ ایسے سخت وقت میں بھی دین کے رکن اعلیٰ نمازیں کچھ فرق پڑتا۔ حضرت عمرؓ اسی جگہ رہے اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی ایسے اضطراب میں نماز کا وقت سو گزر رہا تھا۔

قریب الوقوع تھا۔ مگر گزرا ایسا نہ ہوا۔ یہ تھا صحابہ کا انہماک امور دین میں اور یہ تھی اُن کی استقامت جس سے ہمکو سبق لینا اور اُن کے افعال کو مشعل راہ بنانا چاہئے۔

یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کو سولے ایک دو سو کوئی درود نہ تھا وہ ہر وقت ایک ہی فنکریں مشغول تھے اپنی زندگی صحت اور عافیت کے زمانہ میں بھی وہی خیال تھا جو سخت لوہیر غالب تھا اور زخموں کی بچینی میں جبکہ موت سامنے کھڑی تھی وہی ایک مسلمانوں کی بہبودی اور خیر خواہی کا خیال پیش نظر تھا اپنی تکلیف کا احساس نہیں تھا فکر تھی تو صرف یہ کہ کوئی مسلمان تو میرے قتل میں ملوث ہو کر مستوجب عذاب نہیں ہوا۔ اللہ اکبر یہ بہمدی اور دلسوزی تھی۔ مسلمانوں نے اپنا دھرم کو کھو دیا ہے جس سے اُنکی حالت تباہ و برباد ہو ان میں بہمدی بھی ہے تو دینی نہیں بلکہ جس کا نام قومی رکھا گیا ہو اور جس کو مذہب سے بیگانہ اور علیحد سمجھتے ہیں۔ ہمکو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حبیل القدر صحابہ کا قدم توکل اور ایمان بالقدر پر کس قدر طبع تھا۔ حضرت عمرؓ نے ابو لو لوؓ کی تمہید کا منشا اور نتیجہ اُسی وقت سمجھ لیا تھا۔ آپ کو دوسرے ذرائع سے بھی علم تھا کہ میں ضرور شہید ہو گا۔ اور آپ کا یہ فرمانا۔

لَقَدْ أَوْعَدَنِي الْعَبْدُ الْأَوَّلَ (غلام ابھی دھکی دیکر گیا ہے)

بتلا رہا ہے کہ ابو لو لوہ کے قاتل ہونیکا بھی یقین تھا مگر چونکہ ادھر تو توکل کامل اُدھر ایمان بالقدر پورا اس لئے باوجودیکہ ابو لو لوہ پر سیاست انگیزی قائم کر دینے کا حق حاصل تھا کچھ انتظام نہیں فرمایا۔ اپنی حفاظت بھی فرماتے تو کسی قسم کا شرعی ہرج نہ تھا لیکن تدبیر سے بھی تو تقدیر کے خلاف نہوتا قل لو کڈتم فی مبؤقکم لکبرن الذین کتب علیہم القتل الی مصنا جمعہ میں اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔

ایمان بالقدر کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کا درجہ چونکہ محض علم سے جو شرط ایمان ہی کافی ہو کہ مقام اور حال نسخہ تک پہنچا ہوا تھا اس لئے اپنے قتل کے یقین کے بعد بھی جو وجود ہو کہ حاصل تھا کسی قسم کی جنبش یا حرکت آپ میں پیدا نہیں ہوئی کعبہ جبار روزا کر کتے ہے کہ

اتنا وقت آپ کی زندگی کا باقی رہ گیا ہے۔ آخری دن بھی اطلاع دے گئے کہ صرف ات ہی رہ گئی ہے۔ مگر نہ آپ کی طبیعت پر خلجان تھا اور نہ کسی قسم کا اضطراب۔ نہ کسی تدبیر کے پے ہوئے۔ نہ اپنی جان بچانے کی فکر کی۔ بلکہ حسب معمول اسی اطمینان و سکون کے ساتھ نماز کو اشراف کیلئے۔ یہ ہر حقیقی توکل اور یہ ہر ایمان بالقدر جو صحابہ کو حاصل تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ شہادت بھی بجنسہ ایسا ہی ہے۔ ابن ملجم رادی جس کے ہاتھ آپ شہید ہوئے قتل سے بلکہ قتل کے ارادہ سے بھی غالباً پہلے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اپنی ایک حاجت لیکر حاضر ہوا جس کو آپ نے پورا فرمانیکا حکم دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ فیخص میرا قاتل ہے۔ اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔

اُسْرَیْدَا حَیْوَتُکَ وَیُرِیْدُ قَتْلَیْ | عَنِیْرُؤْمِنْ خَلِیْلِکَ مِنْ قُوَادِ

میرا سکی زندگی چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کے پے ہے۔ اس رادی دست کی ہمدردی پر مجھے کون معذور سمجھے والا ہے

کسی نے عرض کیا آپ اس کو قتل کیوں نہیں کر دیتے۔ فرمایا
فَمَنْ یَقْتُلُنِیْ | مجھے کون قتل کریگا،

اور بعض آیات میں یہ لفظ ہیں۔

کَیْفَ اَقْتُلُ قَاتِلِیْ | (میں اپنے قاتل کو کیوں نہ قتل کروں)

اس ارشاد کا صاف مطلب یہ تھا کہ میرا قتل جس وقت اور جسکے ہاتھ سے تقدیر آئی میں مقرر و معین ہو چکا ہے اس کے خلاف ہرگز نہ ہوگا۔ نہ میں اس کے سوا کسی اور کے ہاتھ سے قتل ہونگا اور نہ میں اس کے قتل کرنے پر قادر ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی حفاظت کیلئے کچھ انتظام نہیں فرمایا بلکہ شہادت کی گھڑی کا اشتیاق کیسا تھا انتظار فرمائے لگے۔ اور محبت لقاء الہی کے غلبہ میں کسی روز غذا بھی تقریباً ترک کر دی۔ اطفال کے بعد کبھی بڑے صاحبزادے کے یہاں اور کبھی چھوٹے صاحبزادوں کے یہاں چند لمحے تناول فرما لیتے تھے اور فرماتے تھے میں چاہتا ہوں اپنے رب کے یہاں خالی سپٹ جاؤں۔

ابن بلعم کو بھی نہ نظر بند فرمایا۔ اور نہ قتل کا ارادہ کیا۔ کیونکہ آپ کو خوب علم تھا کہ تقدیر کخلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر باوجود اس علم و یقین کے بھی آپ اپنے تحفظ کی تدبیر فرماتے یا ابن بلعم پر بنیائے ظن نگرانی فرماتے تو سب گز خلاف شرع ہوتا۔ اور نہ ایمان بالقدر کے منافی سمجھا جاتا۔ کیونکہ تقدیر کے ایمان کے ساتھ تدبیر اور ہر قسم کی تدبیر کرنا کی اجازت ہو بلکہ بعض موقعوں پر لازم و ضروری ہے۔

ایمان بالقدر بایں معنی کہ فاعل و متصرف ہر چیز میں جناب باری ہیں اور جو مقرر ہو چکا ہے اُس کے خلاف کسی تدبیر سے نہیں ہو سکتا۔ ہر مسلمان پر فرض ہے فرق اتنا ہو کہ عوام کو درجہ علم میں بہتر ہو حاصل ہوتا ہے۔ اور خواص کو علم سے متجاوز ہو کر ذوق و حال مشغول کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے اُن کا توکل تام اور کامل ہوتا ہے۔ بائینہ خواص کے اکثر افراد تدبیر مناسب اختیار فرماتے سے دریغ نہیں فرماتے۔

صحابہ میں توکل اور ایمان بالقدر علی تفاوت الدرجات کامل تھا مگر بایں ہمہ تدبیر اور عدم تدبیر میں اُن کے حالات مختلف ہیں۔ کبھی تدبیر کرتے ہیں اور کبھی ساقط الدبیر ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما محاربات اور انتظامات ملکی میں ہر تدبیر استعمال فرماتے تھے جن کی ایسے عظیم الشان خلفاء سے توقع رکھنی چاہئے اور اپنی خاص فائزات کے بارہ میں ساقط التدبیر رہے لیکن دونوں حالتوں میں ایمان بالقدر یکساں تھا۔

تقدیر کا مسئلہ جیسا کہ شرط ایمان ہے ویسا ہی اُس کا سمجھنا ذرا دشوار بھی ہے۔ اکثر سطحی خیال اور بعض اپنی عقل یا تمام کے تابعین کو اس کے سمجھنے اور تقدیر و تدبیر کو جمع کرنے میں اُس کا خیال ہوتا ہے لیکن جو شخص قرآن و حدیث کی بیشمار خصوص و صحیح روایات پر مطلع ہے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات و اعتقادات سے واقف ہو اُس کو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تقدیر کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ تقدیر بایں معنی جو جہود اہلسنت کا عقیدہ اور سلف صالح و ائمہ مجتہدین کا متفق علیہ ہے۔ بیشک شرط ایمان ہے۔ ایمان بلا اعتقاد مسئلہ تقدیر ہر گز صحیح نہیں ہو سکتا اور یہ کہ تقدیر و تدبیر کے جمع ہونے میں عقلاً کوئی اشکال ہے۔ اور نہ شرعاً اس میں کسی قسم کی تنگی درج ہے۔

لیکن تعجب ہوتا ہے جب ہم کسی ایسے رسالہ میں جس میں اسلام کے اصلی خط و خال حقیقتی تصور واقعی اور آج سے تیرہ سو سال پہلے اسلام کے اعتقادات بیان کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہو اور جس کے اجراء سے مسلمانوں کا صراطِ مستقیم پر چلنا مقصود ہو دیکھتے ہیں کہ بسکے اپنے افعال کے مختار کامل اور قادر مطلق ہیں۔ خدا تعالیٰ کو ان کے اختیار میں کچھ دخل نہیں ہے تقدیر کا حاصل فقط یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے علم کامل اور مطابق واقع کے موافق افعال عباد کی نظام اور ترتیب و قومی کا ساتھ علم ہے اس کے خلاف خارج میں واقع نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کی مثال ریلوے ٹائم ٹیبل بنانے والوں کی سی ہے جس طرح وہ ریلوے لائنوں کے اوقات کو مضبوط کر کے ٹائم ٹیبل بناتے ہیں اور اسی نظام مرتبہ کی موافق ٹرینوں کی آمد و شد ہوتی ہے۔ مگر ان کو ٹرین کے چلانے اور روکنے میں کچھ دخل نہیں ہے اس کا تعلق محض انجن ڈرائیو سے ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا تعلق نظام افعال کے سلسلہ میں علم و انکشاف سے زیادہ نہیں ہے انسان جو اپنے اندرونی اسٹیٹ کا رخا نہ کا دیور ہے افعال کو صادر کرنے نہ کرنے کا مختار ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کا علم چونکہ ناقص ہے حوادث و موانع اتفاقی تک اس کی رسائی نہیں ہے۔ اس لئے یہاں اوقات اس میں تفاوت ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا علم چونکہ ہر طرح کامل ہے۔ اس میں احتمال خلاف کا نہیں ہے۔ یہ حاصل مطلب ہے اس تقریر کا جو مسئلہ تقدیر کی تحقیق میں رسالہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ لاہور جلد ایک نمبر میں لکھی گئی ہے۔

باہر حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ یہ تحقیق جو رسالہ مذکورہ میں مندرج ہے معتزلہ اور قدریہ کے مسلک کے موافق ہے قرآن و حدیث کی صاف و صریح ہدایات۔ قرن اول صحابہ سلف صالح اور جمہور امت کے عقیدہ سے مخالف ہے ہم کو خواہ مخواہ اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی شخص اس لئے کسی مذہب کو پسند کرے۔ یا زعم خود دلائل سے اس کی ترجیح بھی ثابت کرے۔ لیکن گفتگو صرف اس میں ہے کہ اسلام کے اصلی خط و خال دکھانے کے پردہ میں معتزلہ اور قدریہ کے مذہب کو رواج دیا جائے۔

مسلمانوں کی قیمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ کوئی ہمدرد اسکی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے
 مگر ان کی شومی طالع سد راہ ہو جاتی ہے۔ اور مصلح کی سعی بھی بجائے مفید ہوئی کہ مضر ہو جاتی ہے
 ہمیں نہیں معلوم کہ مسئلہ تقدیر کو اس پیرایہ میں جو اعتقادات اہل سنت سے مخالف ہو قرون
 اولیٰ میں جس کا پتہ نہ ہو۔ قرآن وحدیث جسکے خلاف شہادت دیتے ہوں بیان کرنے کا محرک کیا ہے
 ہوا ہے۔ اگر قطعی یہ کہ تقدیر کو تدبیر کے منافی سمجھ لیا ہی یا یہ کہ لوگ تقدیر کی مجبوری کو اڑ بنا کر اخلاقی
 کمزوریوں کے ترکیب ہوتے ہیں اور اپنے کیر کڑ کے تقاض کو اس پردہ میں چھپاتے ہیں۔ تو میرے
 خیال میں یہ بھاری غلطی کا ارتکاب ہے۔ تدبیر تقدیر کے منافی نہیں ہے۔ کوئی شخص شرعاً اس کا بجا
 نہیں کہ اپنے کیر کڑ کے تقاض کو اس پردہ میں چھپائے۔ یا افعال قبیحہ کے ارتکاب اور اخلاق
 ردیہ کے انہماک کیلئے مسئلہ تقدیر سے ادا دلے۔ خداوند عالم بیشک افعال عباد کا خالق ہے
 مخلوق جو کچھ کرتی ہے اسی کے اختیار سے کرتی ہو۔ اُس نے اپنے علم محیط و قدرت کاملہ سے افعال
 عباد کو خاص نظام و ترتیب سے مقدر فرمایا ہے۔ مگر ساتھ ہی تدبیر کا بھی حکم دیا ہے۔ بہت سے مواقع میں
 ترک تدبیر قطعاً حرام ہے۔ اسی طرح تقدیر کے حوالہ سے اخلاقی کمزوریوں کے ارتکاب میں اقدام کرنا
 یا اعمال حسنة اور عبادات شرعیہ سے تقدیر کے بہانہ سے جان چڑانا دونوں قطعی حرام ہیں کوئی شخص
 محبت میں اُس کو پیش نہیں کر سکتا اور نہ کسی درجہ میں معذور سمجھا جاسکتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یہ اشکال پیش آیا۔ اُنکے جب خبیثی کا جنتی ہونا اور ذبیحی کا دوزخی
 ہونا پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کوئی ساری عمر کیسے عمل کرے ہوتا وہی ہے جو مقدر ہو چکا ہے تو
 عمل کی کیا ضرورت ہے۔ تقدیر کے برسوسہ بیٹھے رہنا چاہئے اور اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
 وسلم کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا۔ فِیْهِ الْعَمَلُ (پھر عمل سے کیا فائدہ)

جواب میں ارشاد فرمایا:۔

عمل کرنے پر ہو کہ نہ ہو ہر شخص کیلئے وہی کام ہل سوتا
 ہو جس کے لئے دو پیدا کیا گیا ہے۔

اَعْمَلُوا فَاَنْتُمْ مُبْتَلٰوْنَ
 خَلِقَ لَہُ

یعنی جو کچھ مقدر کیا گیا ہو اُس کا ترتیب اعمال پر ہے اور اعمال علامت ہیں انجام نیک و بد کے صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے یہ مختصر جامع ارشاد کافی ہو گیا۔ تقدیر و تدبیر جمع کر نیکی حقیقت انہی سمجھ میں آگئی۔ اس کے بعد ان کو اس مسئلہ میں کبھی خلجان نہ ہوا اور نہ تدبیر کے استعمال میں کبھی متروک ہوئے۔

الغرض یہ سمجھ لینا کہ مسئلہ تقدیر کا اعتقاد انسان کو کامل و مست تکملا اور پابج بنا دیتا ہے مسلمانوں کے ادب و منزل کا سبب فقط ہی ایمان یا تقدیر ہے غلطی اور بھاری غلطی ہے نہ اسلام کی یہ ہدایت ہے نہ مسلمانوں کا یہ طرز عمل اسلام نے ضرور تاکید ہر قسم کی تدبیر کے استعمال کا حکم دیا ہے مسلمانوں نے اپنے عروج و نمو کے زمانہ میں جبکہ ایمان یا تقدیر صدر اقل کے دلوں پر استحکام کے ساتھ قابض تھا اور جبکہ ایمان یا تقدیر محض علم ہی کے درجہ تک محدود نہ تھا بلکہ شہود تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ تدبیریں کہیں۔ وہ اصول و قوانین وضع کئے۔ ایسے انتظامات جاری کئے جن کو آج تیرہ سو سال بعد بھی مشعل راہ بنا ہر قسم کی فلاح و بہبود کی ضمانت کر سکتا ہو۔

خلفاء راشدین ایک طرف اگر انتظامات ملکی میں نہ ہتک و مصروف رہتے تھے تو دوسری جانب تدبیر منزل سے بھی غافل نہ تھے۔ ایک جانب اگر قوت و جنگ میں جدوجہد ہو رہی تھی تو دوسری جانب اصول تمدن بنائے جاتے تھے۔

ہاں خواص اہل اسلام کا ایک طبقہ کسی وقت تدبیر کو ترک بھی کر دیتا اور ساقط التدبیر بن جاتا ہو کر وہ نہ اسلام کے حامی و مدافع اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے اسباب میں ترک تدبیر کا حکم دیتے ہیں اور نہ خود اس کا ارتکاب کرتے ہیں اور نہ عبادات و معاملات میں ترک تدبیر کو دخل دیتے ہیں بلکہ یہ طبقہ جس قدر ترقی کرتا جاتا اور سلاطین و حاکمین زیادہ تر متکشف ہو جاتا ہے اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ میں انکی جدوجہد بڑھتی جاتی رہی۔

البتہ ایسے معاملات میں جبکہ اندر تدبیر و عدم تدبیر دونوں کی اچانٹ ہو اور جن کے نفع و ضرر کا تعلق عامہ مسلمین سے نہیں ہو تدبیر کو ترک فرماتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق جن کے حسن تدبیر اور بروقت تدارک نے اسلام کو ایک سخت محکمہ فتنہ سے بچایا۔ سیف بنی ساعدہ میں پہنچنے سے ایسا اختلاف کی جڑ کاٹ دی جو قریب تھا کہ

مہاجرین و انصار میں پھوٹ پڑتا۔ اسلام کو سخت تر زلزل اور نہایت خطرناک عواقب سے بچانے کی تدبیر نے نکالا۔ قندار تدا میں بڑے بڑے صحابہ کے متامل و متروک ہو جانے کے وقت انہیں کیستفا و ثابت قدمی نے اسلام کے اکھڑے ہوئے قدم جوائے فخر و شام و عراق اور ہر قسم کی انتظامات کی بنیاد آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے پڑی۔

بایں ہمہ تدبیر و ہوشمندی جب آپ کو مرض و فوات پیش آیا اور لوگوں نے عرض کیا۔

اَلَا نَدْعُو الطَّيِّبَ
 (کیا طیب کو نہ بلا لائیں، آپ نے فرمایا)
 (طیب سے کیا اس آیت کا معنی ہے کہ آپ کو چاہوں گا کہ وہ)
 (لوگوں نے آپ کا مطلب سمجھ کر سکوت کیا)

مطلب یہ تھا کہ حق تعالیٰ کا جو ارادہ میری ذات کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے ہو کر میرا طیب کی ضرورت نہیں ہو۔

آپ نے اس وقت خاص اپنے بارہ میں تدبیر کو ساقط کر دیا اور علاج نہ کیا اس لئے کہ علاج کرنے اور نہ کرنے کا از روئے شرع آپ کو اختیار تھا۔ اور عین اسی حالت میں جبکہ آپ ساقط التدبیر تھے تھے۔ مسلمانوں کی فلاح کی فکر و تدبیر سے غافل نہ تھے آپ کو اس وقت یہ فکر پیش تھا کہ مبادا میرے بعد خلافت کے معاملہ میں کچھ اختلاف ہو جائے اور مسلمانوں کو بیوقوف قلعہ میں مبتلا ہونے سے ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے اس لئے آپ اسکی تدبیر میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عمرؓ سے بہتر کوئی دوسرا شخص آپ کے خیال میں اس منصب کیلئے موزوں نہ تھا مگر تنہا اپنی رائے سے ایسا کرنا نہ چاہتے تھے۔ بلکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بلا کر اس بارہ میں مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا آپ کا حسن ظن جس قدر ان کی جانب ہو وہ اس سے بھی بہت بڑھ چکا ہے۔ ہیں البتہ مزاج میں ذرا سختی و کدورتی ہو۔ آپ نے فرمایا یہ دشمنی اس لئے ہوئی کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں میں نے خوب آزمایا ہے۔ کہ جب مجھے زیادہ نرمی کرتے دیکھتے تھے تو وہ سخت بن جاتے تھے اور جب مجھے ذرا غصہ میں دیکھتے تھے تو نرمی کا پہلا اختیار کر لیتے تھے مستقل خلیفہ ہو کر درشتی نہ کرینگے۔

اس کے بعد حضرت عثمان کو بلا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا:-

سَيُرِيْتَهُ خَيْرٌ مِّنْ عَلِيٍّ نَبِيٍّ
وَلَيْسَ فِينَا مِثْلُهُ

دو بڑوں صاحبوں سے مشورہ لیکر آپ نے فرمایا:-

لَا وَحْدَكَ هِيَ قُلْتُ لَكُمَا شَيْئًا
وَلَوْ نَزَلَتْهُ مَا عَدَاوَتُ عُثْمَانَ
وَالْخَيْرُ لَهُ أَنْ لَا يَكُنِيَ مِنْ أُمُورِكُمْ
شَيْئًا - وَكَوْجِدَتْ أَيْ كُنْتُ مِنْ
أُمُورِكُمْ خُلُوءًا -

(میں نے جو کچھ کہا اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ اور اگر
میں عمر کو کھوڑتا تو عثمان کو اختیار کرتا۔ اور بہتر اُن کیلئے
یہی ہے کہ تمہارے معاملات میں سے کسی بات کے
ذمہ دار نہ بنے۔ میں چاہتا تھا کہ ان معاملات کی ذمہ داری
سے بری رہتا)

اس گفتگو کے بعد طلحہ بن عبید اللہ تشریف لائے اور فرمایا کیا آپ نے عمر کو خلیفہ بنایا ہے
آپ کی موجودگی میں اس قدر متشدد ہیں تو مطلق العنان ہو کر کیا نہ کریں گے۔ آپ کو خدا کے
یہاں اس کی جوابدہی کرنی ہوگی۔

آپ نے یہ گفتگو سن کر فرمایا۔ مجھ کو تبھلا دو۔ بیٹھ گئے تو فرمایا:-

أَبَا اللَّهِ تُخَوِّفُنِي إِذَا لَقِيتُ رَبِّي
فَسَاكَتِي قُلْتُ اسْتَخْلَفْتُ عَلَى أَهْلِكَ
خَيْرَ أَهْلِكَ

(کیا اللہ کے خوف سے مجھ کو ڈراتے ہو جب میں اپنے رب کے
پاس جاؤں گا۔ اور مجھ سے سوال ہو گا تو کہیں گا کہ تیری
خلوق پر سب سے بہتر کو خلیفہ بنا کر کیا ہوں۔)

یہ باتیں ہو چکیں تو حضرت عثمان کو عہد نامہ خلافت عمری لکھوانے کیلئے تنہائی میں بلایا
اور فرمایا لکھو۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ -

هَذَا مَا عَهْدَ ابْنِ أَبِي قُحَافَةَ
إِلَى الْمُسْلِمِينَ - أَمَّا بَعْدُ

(یہ وہ عہد نامہ ہے جو ابو بکر ابن ابی قحافہ نے مسلمانوں
کیلئے لکھا۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے)

اس قدر لکھوانے پائے تھے کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ لیکن حضرت عثمان کو چونکہ مشفق

معلوم تھا۔ اس لئے ابا بعد کے بعد یہ عبارت تحریر فرمادی۔

فَاِنْ قَدْ اسْتَخْلَفْتَ عَلِيَّكَ عَمْرٌ | رہے کہ میں نے عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا۔ اور
بْنِ الْخَطَّابِ وَلَمْ اَلِكُمْ خَيْرًا۔ | تھا۔ یہی خیر اندیشی میں کوتاہی نہیں کی۔

تھوڑی ہی دیر میں آپ کو ہوش آیا۔ تو حضرت عثمان سے فرمایا کیا لکھا ہے۔ انہوں نے پوری عبارت جو لکھی تھی سنا دی۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کی دہمندی اور دور اندیشی سے خوش ہو کر فرمایا اللہ اکبر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا شاید آپ کو یہ خیال تھا کہ عہد نامہ نامہ تمام رہ گیا ہو اگر اسی بیہوشی میں میرا انتقال ہو گیا تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا احتمال ہے۔ فرمایا بیشک یہی بات تھی حضرت عثمانؓ نے فرمایا :-

خَوَاتِكُمُ اللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّنْ اَلْاِسْلَامَ وَاَهْلِهِ | واللہ تعالیٰ اچھا اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے جو خیر عطا فرمائے

جب عہد نامہ مرتب ہو چکا تو لوگوں کو جمع کر کے اُس کو برسرِ جمع مناسبت کا حکم دیا سب نے من کر لیا۔ اسکے بعد خود آپ نے سب سے خطاب کر کے فرمایا۔ کیا تم اُس شخص سے راضی ہو جس کو میں نے خلیفہ بنایا ہے۔ دیکھو میں نے اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا۔ بلکہ عمر کو بنایا ہے میں نے اپنی طرف سے غور و تامل میں کوتاہی نہیں کی۔ تم سب کو اُن کی اطاعت کرنی چاہئے سب نے جواب دیا ہم تمہاری سے اطاعت کو تیار ہیں۔ اس قصہ سے فراغت پا چکے تو حضرت عمرؓ کو بلا کر بہت کچھ نصیحتیں اور نصیحتیں فرمائی۔ سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ وہ ذات مقدس جو مسئلہ تقدیر پر اس غمی میں جو جہو اہل سنت کے

نزدیک علم ہے۔ اس مرحلہ ایمان کامل کہتی ہے کہ ہر چیز میں فاعل و متصرف ذات باری کو سمجھتی ہے۔ اور جو اپنے خاص معاملہ میں تدبیر کو ساقط کئے ہوئے تقدیر پر شاکر ہے۔ معاملہ خلافت کے سر انجام میں جس کا تعلق عام مسلمانوں کی یہودی و فلاح سے ہے۔ کس قدر نہ ہلک ہے اور کس حُسن تدبیر و دانشمندی سے انجام دیا ہے کیا ایسے حالات کے بعد کوئی شخص کمدیہ کا بھانہ ہے کہ ایمان بالقدیر یا تھیر توڑ کر بیٹھے اور تدبیر کو چھوڑ کر ذرائع کسب و معاش اور ترقی سے روکنے کی طرف داعی ہو معاذ اللہ یہ سلسلہ زناہی ہے۔ وہ کوئی نسا زماہ صدر اول سے اس وقت تک ایسا گندرا ہے جس میں

مسلمانوں نے تدابیر کا استعمال نہیں کیا صنعت و حرفت تجارت وغیرہ میں جدوجہد سے کام نہیں لیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اقوام عالم کا حال ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ جب کسی قوم کے تنزل کا زمانہ آتا ہے تو بمقتضا ارشیت الہی تدابیر میں بھی نقصان پڑ جاتا ہے۔

البتہ اسلام نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم سب کچھ کریں۔ گراہی تدبیر پر پھر وسوسہ نہ کریں۔ بلکہ فاعل و متصرف ہر چیز میں خدا کے وحدہ لا شریک کو سمجھیں اور یہ اسی سچی تعلیم ہے۔ کہ اس کے خلاف کا دعویٰ منکر کوئی حاکمی و مخلوق کا رابطہ قائم نہیں رکھ سکتا۔

یہی بات کہ بہت سے لوگ اپنے کیر کڑ کے نقصان کو چھپانے کیلئے مسئلہ تقدیر کو آڑ بناتے ہیں گھنڈ پر لڑ کتاب معصیت میں حلیہ مروج جاتے ہیں۔ سو یہ اعتقاد خیال اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ یہی لوگ اپنی بہت ہی حقیر اور جہنی شفقت پر تمام ممکن تدبیریں خرچ کر لیتے ہیں کو تاہی نہیں کرتے۔ لیکن معاملات خداوندی میں محض مخلوق کے طعن و تشنیع سے جان بچانے کیلئے ایسی شے چینی سے کام لیتے ہیں نہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ آخرت میں ہمارا یہ عذر لنگ کچھ کارآمد نہیں ہوگا۔ یہ لوگ فی الحقیقت ایمان بالقدیر نہیں رکھتے۔ ان کا حال بالکل اُن راسخ الایمان والوں کے عکس ہے جو ایمان بالقدیر میں پختہ ہو چکے ساتھ شرعی اور مہودوی خلق کے معاملہ میں نہایت چست اور پختہ ہوتے ہیں اور اپنے ذاتی و دنیاوی معاملات کی تدبیر میں مشغول و منہمک نہیں ہوتے۔ لیکن کیا ضرور ہے کہ ایسے مہودہ لوگوں کے خیال و روش سے متاثر ہو کر ہم ایک اسلامی اصول اور اعتقاد کی مسئلہ کو بدلنے یا اسکی اسی تشریح کرنے پر مجبور ہوں جس سے وہ عقیدہ جو تیس سو سال سے انسانیت کا مسلم مسئلہ ہے اور قرآن و حدیث میں جس کیلئے بشمار تصریحیں موجود ہیں بدل جائیں۔

اور اگر مسئلہ تقدیر میں اس جدید تحقیق اور مذہب قدریہ کی تائید کا محرک یہ خیال ہو کہ تقدیر کا مذہب اہل منت کے مسلک پر جان لینے سے سلسلہ اسباب و مسببات لغو ہوا جاتا ہے حالانکہ اسباب و مسببات کا ارتباط انکی تاثیر و تاثر ایسا بدیہی اور عقلائے عالم کا مسلم ہے کہ اُس کی خلاف کوئی دلیل اور کوئی دعویٰ مسموع نہیں ہو سکتا تو یہ خیال بھی سطلی ہے مسئلہ تقدیر اور ایمان بالقدیر سے ہرگز ہمسلا

اسباب و مسببات منقطع و لغو نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ نے اپنے تصرفات و اختیارات کو عالم امکان میں اسباب و مسببات کے پیرایہ میں ظاہر فرمایا ہے۔ امور تقدیری کا ظہور بھی اسی لباس میں ہوتا ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی موثر حقیقی وہی ذات پاک ہو تمام اسباب و علل کی علت اُس کا ارادہ و مشیت ہو مسئلہ تقدیر کے متعلق ایک مبسوط و مدلل تحریریم عابدؒ لکھیں گے اس حلقہ ذیل میں بقدر ضرورت لکھ دیا ہے تاکہ مسلمان اس مہلک غلطی میں مبتلا نہ ہوں جس کا اندازہ تہذیب الاخلاق کے مضمون سے ہم منازعت و مخالفت یا اظہار خلاف کو ہرگز پسند نہیں کرتے مگر تہذیب الاخلاق اور اشاعت اسلام دونوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام کے حقیقی مسائل بلا افراط و تفریط مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جائیں اور مسلمانوں کو عام گمراہی و غلط فہمی سے بچایا جائے۔ اس لئے ہمارا عرض کرنا محض نیک نیتی پر مبنی ہے۔ ہم کو امید ہو کہ تہذیب الاخلاق اپنے دعوے کا پاس کرے گا اور ایسے مسائل جو متفق علیہ اہل سنت ہیں قلم فرسانی کر کے مسلمانوں کو مغالطہ اور پریشانی میں نہ ڈالے گا مسلمان بحال خود دراندہ و تباہ ہیں۔ سب کچھ تباہ ہو جائیکے بعد صرف اسلام کا نام باقی ہے۔

ہم کو یا کسی ہمدرد کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اسلام کے اصول پر طبع آزمائی کر کے ایک طرف تو مقابلہ نصوص کے مجرم بنیں، دوسری جانب اسلام کا نام مٹا کر دنیا سے مسلمان کی کو نخصت کر دینے کے سبب نہیں ہماری تحریروں تقریر کیلئے وسیع میدان موجود ہیں۔ ہم کو گنجائش ہے کہ مسلمان کی فلاح و بہبود کیلئے نفیس سے نفیس مضمون قوم کے سامنے پیش کریں اور دنیا و آخرت کی بھلائی اور نیکنامی کمائیں۔ خدا تعالیٰ مجھ کو اور سب مسلمانوں کو اُس کی توفیق عطا فرمائے۔

اس ضمنی بحث کو ہمیں چھوڑ کر اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں۔

واقعہ شہادت عمری سے یہ نتیجہ بھی بہت آسانی سے نکلتا ہے کہ مذہب اسلام میں ایک بلند پایہ مسلمان اور معمولی نصرانی یا یہودی غلام کی درجہ کے ذریعے سے حرم اسلام کے پرامن فضا میں داخل ہو چکا ہو، حفاظت جان و مال کیساں ہو جس آزادی سے ایک نچرے مسلمان مالک اسلام میں رہ سکتا ہے اُسی آزادی سے ایک ادنیٰ درجہ کا غلام۔ عیسائی ہو یا یہودی و مجوسی بسر کر سکتا ہو۔

حضرت عمرؓ کی شہادت معمولی بات نہ تھی۔ آپ حبیبی مجموعہ اوصاف و کمالات کا ایسی بیدری سے ہلاک کیا جانا خود ایک عظیم انسان حادثہ تھا۔ لیکن جبکہ یہ دیکھا جائے کہ آپ کی ذات فتنہ اختلافات کیلئے سدا رہ بنی ہوئی تھی اور آپ کے بعد اسلام میں نیا دور شروع ہو نیا تھا تو یہ صیبت اور بھی ہولناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں پر اس حادثہ کا زیادہ اثر تھا۔ اور وہ اس طرح تیر و پریشان تھے کہ گویا اس سے پہلے اُن پر کوئی حادثہ گذرا ہی نہیں۔ اس حالت کا مقتضایہ تھا کہ فوراً ایک کمیشن کے ذریعہ سے سازش قتل کی تحقیقات شروع ہو جاتی جس جس پر شبہ بھی ہو تا فوراً زیر حراست لے لئے جاتے اور جو کسی درجہ میں ملوث ثابت ہوتے ان کو سخت تر سزائیں دی جاتیں۔ یا جن پر کسی درجہ میں بھی شبہ ہو تا تو اُن پر تفریری احکام جاری کئے جاتے اور عجب نہیں کہ اس معاملہ کے متعلق فوری تدابیر شروع کی جاتیں۔ مگر عبید اللہ بن عمرؓ کی بے قاعدہ اور خلاف احکام اسلام تعبدی نے معاملہ کی صورت ہی بدل دی اور بجائے اس کے کہ حضرت عمرؓ کے قتل کی تحقیقات ہوتی عبید اللہ بن عمرؓ بحیثیت مجرم گرفتار کئے گئے جفینہ و ہرزان اور ابولولوہ کی بیٹی کا معاملہ پیش ہو گیا۔

تھوڑے تامل کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر حضرت عمرؓ کی شہادت اور وفات کا صدمہ تو بے انتہا تھا۔ مگر معاملہ قتل میں دیت یا قصاص یا تحقیقات کا اس قدر اتمام نہ تھا۔ جبکہ ہرزان۔ جفینہ وغیرہ کے قتل کا جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کو ایک نصرانی کے ہاتھ سے دارالاسلام بلکہ دارالخلافہ میں شہید ہوئے تھے اُس کی سزا یہ تھی کہ اولیاء مقتول یا قصاص میں اُس کو قتل کرتے یا دیت لیکر چھوڑ دیتے یا بالکل معاف کر دیتے لیکن جبکہ قاتل نے خود کشتی کر لی تو اب قصاص و دیت کا معاملہ نو ختم ہو چکا۔ صرف یہ بات باقی رہ گئی تھی کہ یہ قتل کسی سازش کا نتیجہ تو نہیں ہو اگر سازش ثابت ہوتی تو مجرموں کو جرم کے موافق سزا دی جاتی۔ خلاصہ یہ کہ از روئے احکام شریعت ایک ات کے بدلے میں قاتل ہی قتل کیا جاسکتا ہو اس میں خلیفہ وقت ہیں یا کمتر درجہ کا مسلمان اور وہی سب برابر ہیں اس سے بچاؤ نہ ہونا تعبدی و ظلم ہے اسی وجہ سے قاتل کی خود کشتی کرنے سے یہ معاملہ تو ظاہری طور پر ختم ہو گیا تھا۔ مگر ہرزان وغیرہ کا قتل چونکہ دارالخلافہ میں ایک مسلمان کے ہاتھ سے بلا وجہ

و بلا تحقیق ہوا۔ اس لئے صحابہ خلیفہ وقت اور تمام مسلمانوں میں پریشانی پھیل گئی۔ کیونکہ وہ جاننے تھے کہ اگر یہ دروازہ کھل گیا تو ذمی لوگ دارالاسلام میں مقبوضے سے شبہ پر بیدار ہو کر قتل کر دیے جائیں گے اور اسلام نے جو مساوات و آزادی کا عام قانون دے کر ذمی اور مسلمانوں کی جاں و مال کو مساوی کر دیا ہے وہ متروک العمل ہو جائیگا۔ اسی وجہ سے یا ہتمام تھا کہ خلافت کا حصہ کیسے ہوتے ہی بیعت عامہ سے فراغت کے بعد سب سے پہلے ہی معاملہ پیش ہوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمانؓ نے حنفیہ اور ہمرزان کے قتل کو اسلام کے اندر رخنہ ڈالنے سے تعبیر کیا کہ حضرت عمرؓ کے قتل پر جوئی تحقیقت اسلام کیلئے ناقابل تلافی نقصان تھا ضبط کر لینا اور ایک نصرانی دوسلم کے قتل کو رخنہ عظیم سمجھنا اس کی وجہ سچا اس کے اور کچھ نہ تھی کہ اس صورت میں اسلام کے قانون کا متروک ہونا اور ان کے اُن اوصاف کا مٹ جانا لازم آتا تھا جن کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو تمام مذاہب اور تمام عالم پر برتری حاصل تھی۔

یہی وجہ تھی کہ جب خلیفہ شہید کے صاحبزادے عبید اللہ بحیثیت مجرم پیش ہوئے تو آزادی کے ساتھ رائے زنی شروع ہو گئی حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ جیسے علیل القدر صحاب کی رائے صاف بلا توریہ یہ تھی کہ اُن کو قصاص میں قتل کر دیا جائے اور جو لوگ اُن کے قتل میں متاثر تھے انہوں نے بھی یہ عند پیش نہیں کیا کہ ایک نصرانی یا دوسلم کا قتل جن کے اسلام پر بھی اعتماد نہ ہو، خصوصاً شبہ کی حالت میں اس کی سزا نہیں ہو کہ ایک مسلمان کو اُس کی عوض میں قتل کر دیا جائے۔ یہ تو سب کے نزدیک مسلم تھا کہ سزا اس کی بجز قصاص یا دیہ کے لگا کر اولیاء مقتول راضی ہو جائیں کچھ نہیں۔ مگر وہی صدمہ قتل اور مفارقت عمری جو عام طور پر سوان روح ہو رہا تھا بہت سے حضرات کو اس کشمکش میں ڈال رہا تھا کہ کل تو حضرت عمرؓ پر یہ ردائے قتل ہوئے اور آج قصاص میں اُن کا بیٹا قتل ہو جائے اور اس میں اس قدر گنجائش بھی مل گئی تھی کہ خلیفہ وقت کے تسلط سے پہلے کا واقعہ تھا اور خلیفہ کو باعتبار ولایت عام یا اختیار بھی تھا کہ مقتول کی دیہ دیکر سزا قتل جاری نہ کرتے۔ اور آخر اسی پر فیصلہ ہوا۔

حضرت عثمانؓ نے یہ فرما لیا کہ مجھ کو ولایت حاصل ہو میں اپنے مال میں سے اولیاء مقتول کو دیہ دیکر

قصاص سے درگزر کرتا ہوں۔ معاملہ کو ختم کر دیا۔

مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس فیصلہ پر رضامند نہ ہوئے اور اپنے اپنے زمانہ میں پھر قصاص جاری کرنا چاہا اور اس اندیشہ سے عبید اللہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ عبید اللہ اپنے علی مرتبت باپ کے ادب و لحاظ کی بدولت قصاص سے بچ گئے۔ مگر وہ سب کی آنکھوں سے گر گئے اور ہرگز انکی وہ وقعت باقی نہ رہی جو ان کے مرتبہ و حیثیت کے مناسب ہونی چاہئے تھی یا ان کے برادر عبید اللہ بن عمر کو حاصل تھی۔ تو ایرخ سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو آخر تک یہ فیصلہ کھٹکتا رہا۔ بلکہ شاید وہ اُس وقت قصاص جاری نہ کرنے کو دفع الوقتی اور مصلحت پر مبنی سمجھتے تھے۔ چنانچہ زیاد بن لبید انصاری جب عبید اللہ کو دیکھتے تو کہا کرتے تھے۔

(اے عبید اللہ! خبر دار تم کو کوئی ٹھکانا اور کوئی پناہ دامن کی جگہ ابن اردوی یعنی عثمان سے نہیں ہے)

دستہ ہجو خد کی تو نے ایک ناحق خون کیا ہو۔ اور ہرگز ان کا قتل بڑی بات ہو۔

ایک شخص کی اہل بات کہنے سے بلا وجہ قتل کر دیا کیا اتنی باتیں تم ہرگز ان کو عمر کے بارہ میں منہم سمجھنے لگے۔

ایک سیو تو فتنے کہہ یاد حالانکہ حوادث کے اسباب بہت ہیں ضرور اسکو بہت سہجی ہوئی ہے اشارہ کیا اور اسی نے قتل کا کام دیا

اَلَا يَا عَبِيدَ اللَّهِ مَا لَكَ مَهْرُبٌ
وَلَا مَلْجَأٌ مِنْ ابْنِ أَسْرَى وَلَا خَفَرٌ
أَصَبْتَ دَمًا وَاللَّهُ فِي غَيْرِ جِلْدٍ
حَرَامًا وَقَتْلُ النَّمْرِ مَزَانٌ لَهُ خَطَرٌ
عَلَى غَيْرِ شَيْءٍ غَيْرَ أَنْ قَالَ قَاتِلُ
إِتْمَمُونَ الْهَرَمَزَانَ عَلَى عَمْسٍ
فَقَالَ سَفِيهٌ وَالْحَوَادِثُ جُبَّةٌ
لَعَمْرَاهُ قَدْ أَشَارَ وَقَدْ أَمَرَ

عبید اللہ نے حضرت عثمانؓ سے اسکی شکایت کی تو آپ نے بے لکڑن کو منع فرما دیا۔ مگر اس پر بھی یہ معافی کشتی رہی۔

اب ایک منصف صاحب فہم و بصیرت جس کے آگے تو ایرخ عالم بھی کھلی ہوئی ہوں اور جو اقوام دنیا کا وسیع تجربہ رکھتا ہو انصاف اکہدے کہ کیا دنیا میں کسی قوم نے ایسی آزادی اور مساوات کا برتاؤ اپنی ایسی رعایا کے ساتھ کیا ہے۔ جو ان کے ہم مذہب ہر موطن نہوں کیا کسی

قوم نے ایسی بہت دست‌تقلال سے کسی اس قسم کے واقعہ کا فیصلہ کیا ہے جو مسلمانوں نے کیا۔ اور کیا کسی نے ایسا ضبط و تحمل دکھلایا ہے جو مسلمانوں نے ایسے تلاطم و سخت حادثہ کے وقت دکھلایا یہی وہ اوصاف تھے جن کی بدولت دنیا اسلام کی مخر ہو گئی۔

ہرمزان کے قتل اور اداءِ دنیا کا یہ فیصلہ تو اُس عام روایت کے موافق ہے جس کو تمام خلیفین نے تسلیم کر لیا ہے لیکن اگر ہم ایک دوسری روایت پر نظر ڈالیں جس کو مؤرخین نے بعض وجوہ سے قابل قبول نہیں سمجھا۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ تمام مباحث کا خاتمہ ہو گیا۔ اور گویا حسبِ روایت اول جس فیصلہ سے بمقتضا بعض مصالح رکنا ثابت ہوتا تھا۔ اُس کا تلافی پوری طرح ہو گیا۔

ہرمزان کا بیٹا غماذیان کہتا ہے کہ عجمی لوگ ہوطن ہونے کی وجہ سے باوجود اختلاف مذہب بھی آپس میں ایک دوسرے سے مانوس ہو جاتے تھے جیسا کہ اُس زمانہ میں جب وہ ہوطن اگرچہ مختلف المذہب ہی کیوں نہ ہوں اجنبی جگہ جمع ہو کر باہم مربوط و مانوس ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ ابو لؤؤہ کا گذر ہرمزان کے پاس ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ ہرمزان نے کہنے کیلئے خنجر ہاتھ میں لیا۔ اور پھر اُس کو دیدیا۔ ایک شخص نے خنجر واپس دینے ہوئے اُس کو دیکھ لیا۔ جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے تو اُس شخص نے خنجر کو پہچان کر کہا کہ یہ تو ہرمزان نے ابو لؤؤہ کو دیا تھا۔ عبید اللہ بن عمرؓ نے سن کر ہرمزان کو قتل کر دیا۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہو گئے اور معاملہ قتل ہرمزان پیش ہوا۔ تو عبید اللہ قصاص کی غرض سے میرے حوالے کئے گئے میں اُن کو قتل کرنے کی غرض سے لچلا۔ اور جتنے مسلمان تھے سب میرے ساتھ میرے موید اور مددگار تھے کوئی مزاحم نہ تھا البتہ اُن کی دلی خواہش تھی کہ میں معاف کر دوں میں نے اُن کے میلان قلبی کا خیال کر کے کہا کہ میں اُس کو قتل کر سکتا ہوں رب نے عبید اللہ کو بڑا کمکر بالاتفاق جواب دیا بدیشک کر سکتے ہو۔ میں نے کہا کیا تم مجھ کو اُس کے قتل سے روک سکتے ہو۔ رب نے کہا ہرگز نہیں۔ اس طرح پراطمینان کر چکنے کے بعد میں نے محض اللہ کے واسطے عبید اللہ کو معافی دیدی مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ مجھے اپنے سروں پر اٹھالیا اور اسی طرح میرے گھر تک لیگئے۔ ایک قدم بھی نہیں پڑنے پڑنے دیا۔

اس روایت کو اگر صبح مان لیا جائے تو یہ مسلمانوں کی استقامت اور تہمت کی انتہائی مثال ہوگی جس میں کسی مصلحت اور رعایت کو ہرگز دخل نہیں۔ اور یہ وہ بات ہوگی جس کی تقلید سے تمام اقوام دنیا عاجز سمجھے جائیں گے۔

لیکن مؤرخین کو اس روایت کی صحت میں اس وجہ سے کلام ہے کہ اگر ولی قصاص یعنی غمخیزان معاف کر چکا ہوتا تو حضرت علیؑ اپنے نانہ خلاف میں عبید اللہ کے قتل کا ارادہ نہ کرتے اور عبید اللہ بھی اس اندیشہ سے بھاگ کر شام میں جا کر امیر معاویہ کے زمرہ میں شامل نہوتے مگر میرے خیال میں یہ وجہ اس روایت کے رد کرنے کے واسطے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ جب حضرت عثمان نے اپنے مال میں سے دیت دیکر قصاص کو معاف کر دیا اور یہ فیصلہ نافذ ہوئے بارہ سال گزر گئے تو اس قدر عرصہ کے بعد حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ خلیفہ وقت کے نافذ شدہ فیصلے کو منسوخ کر کے قصاص لینے کا ارادہ کرتے سمجھ میں نہیں آتا۔

عبید اللہ کا بھاگ کر شام میں چلا جانا تسلیم ہے مگر یہ ضرور نہیں ہو کہ وہ حضرت علیؑ کے اس ارادہ سے مطلع ہو کر گئے ہوں۔

..... بلکہ اُن کو معلوم تھا کہ حضرت علیؑ کا خیال میری نسبت اچھا نہیں ہے۔ اُن کے پاس مہنا سیر لئے مضر ہوگا میں یہاں ہر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور میں ضرور کسی نہ کسی وقت مورد عتاب بن جاؤں گا۔ اس وجہ سے اپنے لئے شام چلے جانا ہی بہتر سمجھا۔

البتہ روایت اول کے مرجح ہونے کی دو وجہیں ضرور ہیں۔ اول یہ کہ باعتبار سند کے یہ روایت قوی ہے۔ دوسری یہ کہ اگر عبید اللہ اس طرح معاف کئے گئے ہوتے تو زیادہ دین لبید انصاری اپنے اشعار میں اس کا تذکرہ نہ کرتے۔ اور حضرت عثمانؓ کو قصاص لینے پر آمادہ نہ کرتے۔ یا حضرت عثمانؓ کو ترک قصاص کی وجہ سے مورد ظمن نہ بناتے۔

بہر حال ان میں سے جس روایت کو بھی صبح مان لیا جائے ہم جس مہم کے مدد پر ہیں وہ دونوں میں با حسن وجہ حاصل ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے قبل ہم اس کا فیصلہ بھی کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کسی گہری اور لمبی سازش کا نتیجہ تھا جس میں ابو لؤلؤہ جفینہ، ہرمزان اور کعب اجبار اور دوسرے اسی قسم کے نو مسلم اور ذمی شریک تھے۔ یا صرف ابو لؤلؤہ کی ہی خباثت تھی جس کی اطلاع ممکن ہے اس نے کسی کو دی ہو یا نہ دی ہو۔

زمانہ حال کے بعض مورخین کا خیال ہے ہرمزان و کعب اجبار وغیرہ بہت سے مجوسی و یہودی ایسے تھے جو گو مسلمان ہو گئے تھے مگر نجوسیت و یہودیت کی محبت ان کے اندر سے زائل نہ ہوئی تھی اس کا خواہ یہ مطلب سمجھ لیا جائے کہ ان کا اسلام محض منافقانہ تھا یا سمجھ لیا جائے کہ مسلمان تو تھے مگر دھرم سے تعلق منقطع ہو کر اسلام کی محبت پوری راسخ نہ ہوئی تھی۔ دھرم بہت سے عجیب و غریب غلام جو اپنے اصل مذہب پر قائم تھے مدینہ منورہ میں موجود تھے حضرت عمرؓ کے ہاتھوں سے روم، شام، عراق و فارس کی سلطنتوں کا تباہ ہونا تازہ ہی قصہ تھا مسلمانوں کا لشکر اطراف عالم میں پھیل کر جس طرح ملکوں کو زیر و زبر کر کے سلاطین و امرا کو اسے بنارہا تھا اس کو بھی وہ دیکھ آئے تھے۔ یہ وہ اسباب تھے جنکی وجہ سے بغض و عداوت کی آگ ان کے اندر مشتعل ہو رہی تھی وہ مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی قوت اور روز افزوں ترقی کیساتھ اپنی قوم کی تباہی کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ اور چونکہ حضرت عمرؓ کی قوت انتظامیہ کے یہ سب ظاہری ثمرات تھے۔ اس وجہ سے ان کے ساتھ خصوصیت سے بغض و عداوت ہونا بھی لازمی بات تھی۔ ابو لؤلؤہ کا غیظ و غضب تو اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ اس کے چھپانے پر بھی قادر نہ تھا نہ اس کے اسیر بنانے میں آئے تو وہ مضطرب نہ ہر ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا جانا اور کہتا جاتا تھا۔ عمرؓ نے میرا جگر کھالیا ہرمزان اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا مگر اقول تو وہ خود شاہی کے تہ سے قیدیوں کی حیثیت میں مدینہ لایا گیا تھا۔ اس کے اندر عداوت و نفیض عکسہ پہلے ہی موجود تھا۔ چند بار مسلمانوں سے معاہدہ کر کے پھر چکا تھا ایسے حالات کو دیکھتے ہوئے قرین عقل ہے کہ وہ بھی اپنے دل میں سخت غم و غصہ لئے ہوئے انتقام کی فکر میں ہو۔ کعب اجبار بھی گو مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر اصل سے یہودی تھے۔ یہود کو جو عداوت

اہل اسلام سے مخفی ظاہر ہے۔ پھر یہ قیاس کرنا کیوں مستبعد ہو کہ ان سب کی سازش اور شور سے یہ واقعہ
ظہور پذیر ہوا۔ یہ بات تو بہت ہی مستبعد تھی کہ تورات میں آپ کی شہادت کا ذکر ہو یا کعب اجمار کو اس
کے ذریعہ سے علم ہوا ہو بلکہ وہ حقیقتاً اس راز پر مطلع تھے۔ اور خیر خواہی جملانے کیلئے بار بار اگر آپ کو مطلع
کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ کعب اجمار خود اس سازش میں شریک نہوں۔ مگر اسی تعلق کی
بنیاد پر جو ان سب میں مشترک موجود تھا اس راز پر مطلع ضرور تھے۔ اور آپ صراحتاً سازش کا حال نہ کہہ
سکے مگر دوسرے پیرایہ میں اس کو ظاہر کر دیا۔

یہ حاصل ہوا اس مضمون کا جو اس بارہ میں علامہ رفیق بک اعظم مصری نے اشہر مشاہیر اسلام
میں لکھا ہے۔ مگر مجھے اس فیصلے سے کچھ اختلاف ہے۔

جفینہ اور ابولولوہ کا نصرانی ہونا ظاہر ہے اور ان کو روم و عجم کی سلطنتوں کے تباہ ہونے
اور اپنی غلامی اور جلا وطنی کا بے انتہا صدمہ بھی مسلم ہے۔ اور ابولولوہ کا غم و غصہ کو اپنے حرکات و
افعال سے ظاہر کرنا بھی تسلیم ہے اور اس لئے یہ امر بالکل قرین قیاس ہے کہ اس کے ساتھ جفینہ
بھی مطلع یا شریک نہ ہو۔ اگرچہ جفینہ کا ارتکاب جرم میں کسی درجہ بھی حصہ نہ لینا بتلا رہا ہے کہ جو
جانت و شرارت ابولولوہ کے دلیں بھری ہوئی تھی اس سے وہ خالی تھا ورنہ اگر دونوں ابتداء سے
اس سازش میں مساویانہ شریک ہوتے تو جفینہ کچھ نہ کچھ عملی حصہ بھی لیتا اور اس طرح الگ تھلگ نہ رہتا۔

مگر ہر حال اور کعب اجمار کو سازش قتل میں شریک سمجھنا یا کم از کم مطلع ہونا قابل تسلیم نہیں ہے۔
ہر زمان پیشک جو سی تھا مسلمانوں کے ہاتھوں اس کی ریاست بھی برباد ہوئی تھی اور اس کو
خمدکنی کی عادت بھی پڑی ہوئی تھی۔ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ صدق دل سے مسلمان ہو جائیکے بعد بھٹکا
اس کے اندر دغا بازی و مصرت سانی کا مضمون باقی رہ گیا ہو۔ دیکھو طلحہ اسدی اور عمرو بن معدی
کرب دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائے۔ لیکن بعد ازاں مرتدین کے
سرگروہ بن گئے۔ طلحہ نے تو دعویٰ نبوت ہی کر دیا اور عمرو نے اپنی ذاتی تشجاعت سے اس فتنہ
میں بہت کچھ حصہ لیا اور جب پختہ کار مسلمان ہو گئے تو وہ کار نمایاں کئے جن سے صفحات تاریخ

بھرے پڑے ہیں۔

اُن دونوں کی حالتوں میں انقلاب اُس انقلاب سے بہت زیادہ ہے۔ جو ہرمزان کی حالت میں ہوا تھا۔ ہرمزان نے مسلمانوں سے مصالحت کی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ جس قدر ملک اس کے قبضے میں ہو اُس پر آزادانہ قابض و متصرف ہے۔ مذہب نہیں بدلاتا تھا۔ ایسی صورت میں اُس کو توڑنا موقع ملتے ہی سب معاہدوں کو توڑ کر رکھ دینا مستعد بات نہ تھی۔ دنیا کے تمام بہادر و مدبر ایسا ہی کرتے ہیں۔ ضرورت پڑ جانے پر دب جاتے اور صلح کر لیتے ہیں اور وقت ہاتھ لگنے پر پھر غم ٹھونک کر مقابلہ کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن جب وہ اسیر ہو کر دینے میں لایا گیا۔ اور ایک عجیب حیلہ سے امن حاصل کر کے مطمئن ہو گیا۔ اور پھر اپنے ارادہ و اختیار سے مسلمان ہوا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُس کے اسلام کو نفاق پر محمول کریں۔

ہرمزان خلافت فاروقی کے چوتھے یا پانچویں سال مسلمان ہوا تھا۔ اگر اُس کا اسلام نفاق پر مبنی ہوتا تو اس پانچ چھ سال کے عرصے میں ضرور اس کی حالت کا اندازہ مسلمانوں کو ہو جاتا اور وہ اُن کی نظروں میں مشتبہ ہوتا لیکن تاریخ ہمیں بتلا رہی ہے کہ اُس پر کبھی کوئی اشتباہ نہیں ہوا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جب وہ امن حاصل کر چکنے کے بعد اپنے قدیم مذہب پر قائم رہ کر آنادی سے رہ سکتا تھا جیسا کہ جینیہ اور ابولولوہ نے تو اُس کو منافقانہ مسلمان ہو کر خطرہ میں پڑنے کی کیا وجہ تھی کیونکہ مسلمان ہو جانے کے بعد اسلام سے پھر کمر تدین کی سزا کا مستوجب ہوتا۔

کیا بہت سے اور مجوسی مسلمان ہو کر اپنے اسلام پر آخری دم تک صداقت سے قائم نہیں رہے بیشک جو مسلمان ہوئے صدق دل سے ہوئے اور جو مسلمان بھی نہیں ہوئے مگر مسلمانوں کے زیر سایہ رہے وہ اُن کے حسن معاملہ۔ عدل و انصاف قانون مساوات کے ایسے گردیدہ رہے کہ کوئی حرکت خلاف نہ کر سکے الا ما اشار اللہ۔ اس لئے ہم ہرگز ہرمزان کے اسلام پر شبہ کرنے اور سازش قتل میں شریک سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھتے۔

یہی وجہ ہے کہ جب عبید اللہ سے قصاص لینے کی تیاری تھی تو کسی نے اُن کو بچانیکے لئے

یہ عند پیش نہ کیا کہ ہرمزان مسلمان ہی نہ ہوا تھا۔ یا گو نطا ہر مسلمان تھا۔ مگر دل سے مسلمانوں اور اسلام کا دشمن تھا۔ قتل کی سازش میں وہ عمرو شریک تھا۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دار الخلافہ میں ایک ایسے شخص کی حالت پر (جہاں اس قسم کے لوگوں کی تعداد بھی زیادہ نہ ہو۔ اور جو ہر وقت اُن پختہ کار بیدار مغرور ذی ہوش مسلمانوں کے ساتھ مشب و روز بیکرنا ہو) کسی کو بھی کسی قسم کا اشتباہ نہوتا اور کوئی عبید اللہ کا ہمدرد اس موقع پر اس عذر کو پیش نہ کر سکتا بلکہ برخلاف اُسکے زیادہ بن لبید نے اس اشتباہ کا ذبیحہ کیا اور کہا:۔ (انتھمون اہل ہرمزان علی عمر)

اگر فقط ابو لؤلؤہ جھینہ اور ہرمزان کو سرگوشی کرتے دیکھنا اور عبدالرحمن بن ابی بکر کو دیکھ کر متفرق ہو جانا یا خنجر کا اُن کے پاس سے گرنا اس کی دلیل ہے۔ تو یہ ہرگز کافی نہیں ہے۔ ابو لؤلؤہ تو یہ ارادہ پختہ کئے ہوئے تھا۔ اور اس غرض کیلئے اُس نے خنجر ہر او تیار کیا تھا۔ جھینہ کو بھی اُس کا ہرمزان لو۔ اُن دونوں کا گزر ہرمزان کے پاس ہوا اور انہوں نے دیکھنے کو خنجر ہاتھ میں لیا دیکھ کر واپس کر رہے تھے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر سامنے آگئے۔ اُن دونوں کے دلوں میں چور تھا۔ اور چور کو اضطراب ہونا لازمی امر اور فطرت کی موافق ہے۔ اس لئے گہرا کر متفرق ہونے لگے۔ اور اسی اضطراب میں خنجر بھی گر گیا۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہرمزان پر بھی کوئی اثر اضطراب کا ظاہر ہوا تھا۔ جو اضطرابی حرکت ہوتی اُن دونوں کی طرف سے ہوتی۔ خنجر بھی اُن دونوں کے پاس سے گر کر اُٹھا۔ اس قرینہ کی وجہ سے بھی ہرمزان مشتبہ ہو سکتا ہے نہ مجرم بنایا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زیادہ بن لبید نے اس قرینہ پر اس کو مشتبہ قرار دینا سفاہت سے تعبیر کیا۔ اور اپنے اُس شعر میں جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ بتلادیا کہ حوادث کیلئے مختلف سبب ہوتے ہیں کسی ایک واقعہ کیلئے ایک ہی سبب قرار دینا دانشندی نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ ہرمزان کے کسی طریقہ عمل سے مسلمانوں کو اس کی نسبت کچھ اشتباہ نہیں ہوا تھا۔ اور فقط اس قرینہ سے جو عبید الرحمن بن ابی بکر نے بیان کیا تھا۔ اُس کو مشتبہ نہیں سمجھا گیا۔ اس لئے ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ ہرمزان کو اس سازش میں شریک سمجھا جائے۔

بلکہ حضرات صحابہ اور خود حضرت عمر کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرمزان کے صادق الایمان ہونے پر ان کو اعتماد تھا۔ اس کا خلاصہ نیک نیتی پر بھروسہ کر کے امور عظام میں امیر بنائے مشورہ طلب کرتے اور اس کی رائے پر عمل پیرا ہوتے۔

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۷۷ میں جبرین حبیب سے روایت ہے۔

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو مختلف بلاد میں کفار کے مقابلہ کیلئے بھیجا تھا جب ہرمزان مسلمان ہو گئے تو آپؓ ان سے فرمایا کہ میں تم سے اس بارہ میں مشورہ کرتا ہوں کہ مسلمان کس طرف کو زیادہ متوجہ ہوں ہرمزان نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے جس قدر دشمن اور مد مقابل ہیں انکی مثال ایک ٹانور کیسی ہے جس کے ایک سر بازو اور دوسرا سر بازو ہے۔ اگر اسکی ایک بازو توڑ دی جائے تو دوسری بازو اور پیروں سے نقل و حرکت کر سکتا ہے اور اگر دوسری بازو بھی توڑ دی جائے تو پیروں اور سر کے ذریعے کھڑا ہو سکتا ہے اور حرکت کر سکتا ہے لیکن اگر سر کھل دیا جائے تو بازو اور پیر سالم بھی اب میں تب بھی کچھ نہیں کر سکتا اسی طرح کسریٰ بنزدیک ہے اور ایک بازو قیصر دم ہے دوسرا بازو فارس مناسبت ہے کہ مسلمان پہلے کسریٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

قال بعث عمر الناس في افناء
الامصار يقاتلون المشركين
فا سلمنا لهم مزان فقال ائني
مستشيرك في مغاربي هذه
قال نعم مثلها وثل من فيها
من عدو والمسلمين مثل طائفة
راسات وله جناحان وله سرجان
فان كسر احد الجناحين هضمت
الرجلان والراس وان كسر الجناح
الآخر هضمت الرجلان والراس
وان شلخ الراس ذهب الجناحان و
ذهب الرجلان والجناحان و
الراس فالراس كسرى والجناح
قيصر والجناح الآخر فارس
فهم المسلمين فلينفروا الى كسرى۔

تھوڑے سے تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہرمزان کا یہ مشورہ سراسر خلاصہ ہمدی سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے اس رائے پر عمل فرما کر نعمان بن مقرن کو کسریٰ کی طرف بھیجا۔

اس حدیث میں واقعات کا بہت اختصار و اجمال کیا ہے۔ اور اس وجہ سے اس شخص کے لئے جس جو ہر زمان نے بیان کیا مورخین و محدثین نے تفصیلی بحث بھی کی ہے مگر مفصل واقعات اور جناب و اس کی تحقیق ہمارے بحث سے علیحدہ ہے۔ اس لئے ہم اس کو ترک کرتے ہیں ورنہ اس کی بھی مکمل بحث کر دی جاتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں بذیل شرح حدیث مذکور ہر زمان کے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں:-

فأسوة ابو موسى الاشعري
وإدسل به الى عمر مع اسن فأسلم
قصار يقرمه وليستشيرة لثا اتفق
ان عبدا لله ابن عمر بن الخطاب
اھمله بانه واطاع ابا لؤلؤة
على قتل عمر فعد اعلی الھر مزان
فقتله بعد قتل عمر

ابو موسیٰ اشعری نے ہر زمان کو قید کر کے اس بن ہاک کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ وہاں جا کر وہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمرؓ اس کو مقرب بنا کر محلات میں مشورہ فرماتے گئے۔ پھر اتفاق یہ ہوا کہ عبید اللہ بن عمرؓ نے اس کو ابو لؤلؤہ کی موافقت اور سازش قتل عمر رضی اللہ عنہ کی شرکت میں متہم سمجھا اور زیادتی کر کے اس کو قتل کر دیا۔

حافظ ابن حجر کی تحریر سے دو باتیں صاف معلوم ہو گئیں۔ اول یہ کہ حضرت عمرؓ نے اس کو قابل اعتماد سمجھ کر مقرب اور رازداری کے امور میں اپنا مشیر بنالیا۔ کیا حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور صاحب فراست کی نسبت کوئی شخص یہ خیال کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ اپنے ایک منافق اور نکمراہ عہد شکن پر اعتماد کیا تھا۔ ممکن تو ہے مگر حالات اور واقعات اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ابو لؤلؤہ کی موافقت کے اشتباہ کو اتہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کسی کے نزدیک بھی ان کی حالت مخدوش نہ تھی۔

حافظ موصوف الصدیر تقریب میں بھی اس کی نسبت ایسے ہی لفظ لکھتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد اس واقعہ کے بھی قرون مابعد اس کو مشتبہ سمجھا گیا۔ تقریب التہذیب کی عبارت

یہ ہے

وقع فی البخاری عنہ کلام
موقوف و هو مختصر من
الثانیۃ اسلام علیہ
و قتل یوم قتله

د بخاری میں ہرمزان۔ سے کلام موقوف مذکور ہے
وہ مختصر یعنی آپ کا زمانہ پایا۔ مگر مسلمان بعین ہوا
طبقہ ثانیہ سے ہی حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔
اور جس دن شہید ہوئے اسی دن مقتول ہوا۔

ہرمزان کے متعلق جس قدر بیان ہوا اس سے اس قدر ثابت ہو گیا کہ اس کو مشتبہ و متہم سمجھنے
کے لئے کوئی وجہ اور قرینہ صحیح نہیں۔ اس لئے اس مضمون کو ختم کر کے کعب اجبار کے متعلق بھی
کچھ لکھ دینا چاہتے ہیں۔

ہرمزان کی نسبت تو ایک ظاہری بات ایسی بھی تھی جس کی وجہ سے اس پر کسی کو کچھ اشتباہ
کی گنجائش ہوتی۔ مگر کعب اجبار کی شرکت سازش قتل یا کم از کم سازش کے حال سے خبردار
سمجھنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں۔

کعب اجبار تورات کے عالم تھے۔ اور مسلمان ہو جانے کے بعد صحابہ کو ان پر کسی قسم کا شبہ
باقی نہ رہا تھا بلکہ کتب احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ان کو وقعت کی نگاہ سے
دیکھتے تھے اور خوب اختلاط و ارتباط سے معاملہ کرتے تھے مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ امام مالک
والبو داؤد و ترمذی و نسائی ابو ہریرہ کی حدیث نقل کی ہے۔

ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں طور کی جانب گیا۔ وہاں کعب اجبار سے ملاقات ہوئی۔ ہم
دونوں کی آپس میں بات چیت شروع ہو گئی۔ وہ مجھ کو توراۃ کی باتیں سناتے تھے اور میں احادیث
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتا تھا میں نے اسی دوران گفتگو میں وہ حدیث بیان کی جس میں
یہ آیا ہے کہ جمعہ کے روز ایک ساعت ہے جس کے اندر مسلمان کی دعا قبول ہوتی ہے کعب
نے کہا یہ ساعت ہر جمعہ کو نہیں بلکہ سال بھر میں ایک دفعہ ہوتی ہے میں نے کہا ہرگز نہیں۔ بلکہ ہر
جمعہ کو ہوتی ہے کعب نے توراۃ کو دیکھ کر کہا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہر جمعہ کو ہوتی ہے۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں! اسکے بعد میری ملاقات عبداللہ بن سلام سے ہوئی۔ اور میں نے کعب احبار کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ کیا جب میں نے کعب کا یہ قول ذکر کیا کہ وہ ساعت سال بھر میں ایک دفعہ ہونی ہی تو انہوں نے کہا کذب کعب رکعب غلط کہتے ہیں، اور جب میں نے ذکر کیا کہ تورات کو کھینک کر کعب نے کہا کہ بیشک ہر جمیع کو ہونی ہے تو فرمایا صدق کعب رکعب نے ٹھیک کہا،

مذکورہ بالا احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ کعب احبار ان سے علی باتیں کرتے اور تورات کی باتیں پوچھتے تھے تورات میں حضرت عمرؓ کے قتل کی پیش گوئی مذکور ہونا تعجب کی بات نہیں ہے۔ تورات آسمانی کتاب تھی اور اس میں گذشتہ واقعات کے ساتھ زمانہ آئندہ کے متعلق بھی خبریں دی گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس میں بشارت کا ہونا تو محقق امر ہے اگر خلفاء راشدین کا تذکرہ بھی نبیل واقعات کسی ایسے پیرامیں ہو جس کو علماء توراتہ خوب سمجھتے ہوں تو اس میں انکار کی کیا بات ہو۔

آخرا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی توقیامت تک کے پیش آنیوالے حوادث کی نسبت مذکور ہے۔ خود حضرت عمرؓ کی شہادت کے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ گو اس طرح پر نہ فرمایا کہ عمرؓ شہید ہونگے مگر جس اشارہ سے اس مضمون کو ادا فرمایا وہ صراحت سے کم نہ تھا۔

عن انس أن النبي صلى الله

عليه وسلم صعد احد او

ابو بكر وعمر وعثمان فوجف بهم

فضربه برجله فقال اثبت احد

فاثبت عليك نبى وصدىق و

شهيدان -

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم مولو بوکر صدیق اور حضرت عمر و عثمان رضی اللہ

عنہم کے جبل احد پر تشریف لیگئے۔ پھاڑ لڑنے لگا۔ تو

آپ نے پیر مار کر فرمایا۔ احد مارا کہ ہو جاؤ۔ تمہارے

اوپر سوار ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہیدوں کے

اور کوئی نہیں۔

ظاہر ہے کہ وہ شہید حضرت عمر و عثمان تھے۔ یہ کنایہ صراحتہ عمر و عثمان و شہیدان کہہ دینے سے زیادہ بلیغ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ تورات میں تحریف تبدیل ہو گئی ہو تو ہم کو اس کے تسلیم کرنے میں کچھ تامل

نہیں مگر یہودیوں میں تورات کے ایسے عالم بھی موجود تھے جو صحیح کو مستقیم سے جدا کر کے بتلا سکتے تھے احادیث میں بھی ضعیف اور موضوع روایتیں شامل کر دی گئیں مگر خافا اور نقاد احادیث نے جزا ہم اللہ خیر الجزاء) سب کو الگ کر کے رکھ دیا۔

اگر کعب اجبار اس وجہ سے مشتبہ سمجھے جاتے ہیں کہ وہ اصل سے یہودی تھے اور یہودی کی بغض و عداوت معلوم ہے۔ تو یہ نہایت ہی پوچھ بات ہی یہودی الاصل ہونا اگر وجہ اشتباہ قرار دیا جاسکتا ہے تو عبد اللہ بن سلام بھی یہودی تھے۔ کیا کوئی شخص فقط اس وجہ سے کہ وہ یہودی تھے اُن کے تمام فضائل و کمالات سے قطع نظر کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ مسلمان فاضل بھی اصل سے مجوسی تھے اور پھر نصرانی ہو کر یہود مدینہ میں آکر رہے تھے۔ گویا اس اعتبار سے اُن کی عداوت سے آتش تھی مسلمان منا اہل البیت (مسلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں) کے عالیشان ارشاد سے انہیں کی سرفرازی فرمائی گئی تھی اور پھر ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بھی اُن کی بات پر اعتماد کرتے تھے اور خاص اس قصہ میں بھی سن کر یہ فرمایا کہ کیا تورات میں میرا نام ہے۔ تورات کی روایت سننے سے اکراہ و انکار نہیں کیا تو اس وقت ان کو مشتبہ قرار دینے کا مطلب صاف یہ ہے کہ تمام صحابہ اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دانائی۔ بوشمندی عقل و فراست پر دھبہ لگایا جائے۔

معمولی سامعین شخص بھی حرکات و سکنات اقوال و افعال سے اپنے ہم نشین کی حالت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ مگر صحابہ اور حضرت عمرؓ باوجود اس فراست کے ایسے بھولے بھالے سیدھے سادھے تھے کہ کعب اجبار ان کو ساری عمر دھوکا دیتے رہے اور ان میں سے ایک بھی کبھی متنبہ نہ ہوا بلکہ برابر ان کے خفا پر اعتماد کرتے رہے۔ اور عبد اللہ بن سلام نے بھی جو کعب اجبار سے واقف ہو نیکیے ساتھ تورات کے بڑے عالم تھے کبھی اس دھوکے سے بچانے کی فکر نہ کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کعب اجبار کے ہم خیال ہو گئے۔ لیکن میرے خیال میں شاید ہی کوئی شخص حضرت عبد اللہ بن سلام کی نسبت اس قسم کا خطرہ یا وہم بھی دل میں لانے کی جرأت کر سکے گا اور جب یہ نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عبد اللہ بن سلام کو تو مشتبہ نہ سمجھا جائے اور کعب اجبار کو متہم بنانے میں محض ایسے قیاسات

جن کیلئے کوئی منشا صحیح موجود نہ ہو کام لیا جائے۔

ہرمزان اور کعب احبار کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ اگرچہ اصل مضمون سے غیر متعلق ہے مگر میرے نزدیک اس کا صاف کر دینا ضرور تھا۔ اس لئے بہت ہی اختصار کے ساتھ اس قدر عرض کر دیا گیا۔ مجھے اُمید ہے کہ باخبر اور فہیدہ اصحاب کیلئے یہ بیان کافی ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جیلہ بن الایہم | اس مضمون کو سلسل دیکھنے والے سخت متعجب و پریشان ہونگے کہ سلسلہ مضمون میں
کا مرتد ہونا۔ اسلام کے پھیلنے غیر اقوام کا حلقہ اسلام میں داخل ہونے اور اسلام کے محاسن کا

بیان ہوتا چلا آتا ہے مسلمان ہو کر مرتد ہو جانے کو اس عنوان سے کیا تعلق ہے لیکن فہیدہ اور سخن شناس کبھی متعجب نہوں گے۔ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ ہماری غرض اس عنوان کے تحت میں یہ امر ثابت کرنا ہے کہ اسلام نے کسی کو زور اپنے حلقہ میں داخل نہیں کیا۔ اُس نے دُنیا کے سامنے اپنی خوبیاں اور اپنے متبعین کے اخلاق و معاملات پیش کئے ہیں جس شخص میں قابلیت و ولایت قبول حق کی تھی خوشی داخل ہوا۔ اسلام نے نہ کسی کو مجبور واکراہ اپنے اند بُلایا اور نہ ایسے افراد کو جن کے اسلام کی بنیاد مستحکم نہ تھی۔ یا جو اسلامی قوانین کے قبول کرنے اور ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔ جن کے دماغ میں سے سابق خیالات و اعتقادات محو نہ ہوئے تھے۔ اور ان میں اس کی قابلیت بھی نہ تھی کہ کسی وقت سچے مسلمان بن جائیں اُن کو اپنے حلقہ سے نکال کر باہر پھینک دیا۔

جیلہ کا واقعہ فی الحقیقت ہمارے عنوان کے جس کے ذیل میں یہ حالات و واقعات بیان ہوتے چلے آتے ہیں اعلیٰ درجہ کی تائید ہے۔ اسی لئے ہم اس کو یہاں لکھنا چاہتے ہیں۔

ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ جیلہ کے مرتد ہو جانے اور اسلام کے حلقہ اثر میں داخل ہو کر نصرانیت کے حصار میں پناہ پکڑنے سے اسلام کی وہ برتری ثابت ہوتی ہے کہ جیلہ جیسے بہت تاجداروں کے اسلام قبول کرنے سے نہوتی اور اس کے اعلیٰ قوانین اعلیٰ و ادنیٰ لطبات کی سادات خلفاء اسلام کی معدلت و نصفت اور بلاد اہنفت تعمیل احکام کا ایسا ثبوت ملتا ہے جس کا وجود زمین کے کسی حصہ پر باقی نہ تھا۔ اور جو صرف اسلام اور محض اسلام کی تعلیم کا اثر تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم

اس خاص واقعہ کو کھیں ملوک غسان کا مختصر تذکرہ اور ان کی اقتدار و سطوت کی اجمالی حالت دکھلا کر جیلہ سے روشناس کرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سیل عرم کے بعد بنی قحطان کے بہت سے قبیلے یمن کو چھوڑ کر دوسرے اطراف و اکناف میں آباد ہو گئے بنی لحم کے بعض افراد نے یمن سے ہجرت کر کے ملک عراق میں فراک کے قریب حیرہ اور انبار پر آبادی قائم کر کے ایک جدید سلطنت کی بنیاد ڈالی اور یہ سلاطین منافذہ کے لقب سے مشہور ہوئے اسی طرح اوس و خزرج کے بعض قبیلوں نے ملک شام میں اماتشہ پر جس کا نام غسان تھا ڈیرہ ڈالا اور حوران و بقیارہ پر قبضہ کر کے عظیم الشان سلطنت قائم کر دی اور ملوک غسان کے مغز اور باسطوت نام سے مشہور ہو گئی۔

عرب کی یہ دونوں سلطنتیں ایک عراقی میں اور دوسری شام میں اگرچہ بجائے خود نہایت زبردست اور باسطوت و جبروت تھیں اور اندرونی انتظامات میں خود مختار و آزاد بھی تھیں مگر اصل طور پر اول الذکر تو کسریٰ فارس کی اور دوسری قیصر روم کی ماتحت تھیں بغیر منظوری مرکزی سلطنت کے بادشاہ کی تخت نشینی اور امور عظام طے نہ ہو سکتے تھے۔ فارس اور روم میں جب کبھی مقابلہ ہوتا تھا تو ہر ایک سلطنت اپنے اپنے ماتحت یا سبکے امداد لیتی تھی۔ اور اس اعتبار سے گویا ملوک حیرہ یعنی مناذرہ اور ملوک غسان میں بھی مقابلہ رہتا تھا۔ ملوک غسان میں سب سے پہلا بادشاہ جفنہ ہوا ہے اور سب سے آخری بادشاہ جبلم بن الایم ہے جس کا تذکرہ اس عنوان میں کیا جائیگا۔

حسان بن ثابت نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر خاص اور مؤید بروج القدس تھے ایک سو بیس برس کی عمر پائی جس میں سے ساٹھ برس زمانہ جاہلیت میں گزرے اور ساٹھ اسلام میں زمانہ جاہلیت میں آپ کا تعلق دربار آل جفنہ سے بہت کچھ تھا۔ جبلم بن الایم کے یہاں سے نابغہ عالم غالباً سب سے حضرات کو سیل عرم کے حالات معلوم کر کے خیال پیدا ہو جائے۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ جبلم بن الایم کے زمانہ کے واقعہ بھی اختصار کیساتھ بیان کر دیے جائیں گے۔

ذبیانی جیسے شہر حجابیت کے مقابلہ میں بڑے بڑے انعام و خلعت پائے تھے۔

ملوک غسان نے قیصر روم کے ساتھ تعلق و ارتباط کی وجہ سے اپنا قدیم مذہب بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ اور اسی وجہ سے شام کے اکثر قبائل میں نصرانیت کے قدم جم گئے تھے اور یہ قبائل عرب متصرفہ کہلائے جاتے تھے۔

اسلام کی روز افزوں ترقی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے حق بلند و بالا تر ہونے کا تمام ملک عرب پر اثر تھا۔ اور جب تک یہ لوگ اس کے ذائقے سے واقف نہ ہو گئے اور انکی کوششیں ہی رہیں کہ اسلام کی اٹھتی ہوئی قوت کو وہیں بادیاجائے۔ اس عالم کے ہکا دینے والے بھول کو کھلنے سے پہلے کلی ہی میں مسل دیا جائے۔ اسی بنا پر جس سے جس قدر ہوسکا اپنا اپنا زور ختم کر کے بیٹھ رہے لیکن قریش کے بعد سب سے زیادہ جن کو اسلام کی قوت توڑ دینے اور اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی فکر تھی وہ ملوک غسان تھے۔ قبائل عرب اگرچہ مقابلہ پر آمادہ ہوئے تھے۔ مگر اُن کے پاس نہ باقاعدہ لشکر تھا اور نہ کسی قسم کا ساز و سامان تھا۔ غسانوں کی سلطنت نہایت باقاعدہ اور زوردار تھی اُن کا لشکر بھی آہستہ آہستہ تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک زبردست سلطنت سے اُن کے تعلقات والبتہ تھے قیصر روم ہر وقت اُن کی امداد پر آمادہ اور مستعد تھا۔ ملک غسان اُن میں اس خیال کو لئے ہوئے بیٹھا اور اسی کوشش و پنج میں مبتلا تھا کہ اسی درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد شجاع بن وہب الاسدی نامہ مبارک لیکر اس کے نام ایسے وقت پہنچے جبکہ قیصر روم کسریٰ کے مقابلہ سے فارغ ہو کر دو گانہ شکار کر کے بیت المقدس آیا ہوا تھا اور شاہ غسان اُن کی دعوت کے انتظام میں مشغول تھا۔ اسی وجہ سے کئی روز حضرت شجاع کو وہاں قیام کرنا پڑا اور رسائی نہ ہوئی۔ مگر اس درمیان میں بادشاہ کا حاجب (ایڈجیکٹ) اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالات اور اسلام کی حقیقت دریافت کرتا رہا۔ اور جب وہ بیان فرماتے تو اس پر رقت طاری ہوتی۔ اور کہتا کہ میں نے انجیل میں آخر الزمان کے حالات دیکھے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام میں مبعوث ہوں گے۔ مگر معلوم ہوا کہ عرب کے بے آب و گیاہ ملک میں مبعوث ہوئے ہیں تو ایمان لے آیا۔ البتہ اظہار کیا

اس کا اندیشہ ہے کہ بادشاہ مجھے قتل کر دے گا۔ آخر ایک وزیر قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک غسان کے سامنے پیش ہوئے۔ اور انہوں نے نامہ مبارک اُس کو دیا جس کا مضمون یہ تھا

فانی ادعوا الی ان فومن باللہ میں تم کو فقط ایک خدا پر ایمان لانے کی طرف بلاتا ہوں

وحدانہ بقی لک ملکت۔ اگر تم ایمان لائے تو تمہارا ملک بجا رہے گا۔

شاہ غسان نامہ مبارک کو پڑھ کر کھڑک اٹھا۔ اور غصہ سے یہ بات کہی کہ مہر ملک کون چھین سکتا ہے میں خود مدینہ پر چڑھائی کروں گا۔ اور اُسی وقت فوجی افسروں کو آراستگی لشکر کا حکم دیا۔ اور قاصد سے کہا جواب خط یہی ہے کہ جو کیفیت تم نے دیکھی ہے بیان کر دینا چلتے وقت حاجب نے پیام دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کے بعد عرض کر دینا کہ میں ایمان لے آیا ہوں۔ حضرت شجاع فرماتے ہیں میں نے ملک غسان کی پوری کیفیت بیان کی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ باد مملکہ (اُس کا ملک تباہ ہو گیا) اہل سیر نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ نامہ مبارک کس کے نام لکھا تھا۔ حارث بن ابی شمر غسانی کے نام جو منجانب قیصر روم دمشق کا گورنر تھا یا جبلة بن الایم کے نام جو حوران و بقاء کا تاجدار اور مالک تاج و نگین تھا۔ سیرۃ جلی میں تو اصل اس کو قرار دیا گیا ہے کہ نامہ مبارک حارث کے نام تھا۔ اور ابن ہشام وغیرہ دوسرے مصنفین نے لکھا ہے کہ شجاع بن وہب جبکہ یہاں نامہ مبارک لیکر گئے تھے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ دونوں کے نام علیحدہ علیحدہ نام لیکر گئے تھے میرے خیال میں بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اصل بادشاہ توجبلہ تھا۔ اس لئے لازم تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب چھوٹے بڑے لوگوں اور عرب کے نام خطوط بھیجے توجبلہ کے نام جو سب سے زیادہ طاقتور اور بانوخت تھا۔ کیوں نہ بھیجتے۔ البتہ یہ امر قرین قیاس تھا کہ حارث کے نام خط نہ بھیجا جاتا۔ کیونکہ وہ خود مستقل بادشاہ نہ تھا۔ بلکہ قیصر روم کا گورنر اور ایک خاص صوبہ پر مامور تھا۔ اور گو مستقل بادشاہ نہ تھا۔ مگر اپنے اقتدار اور اُس تقریب کی وجہ سے جو دربار قیصر میں اُس کو حاصل تھا۔ جب سے بھی زیادہ باوقفت سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ گورنر شام سلطنت غسان کا ریزڈنٹ بھی ہوتا تھا۔ قیصر کے احکامات شاہ

غسان تک بواسطہ گورنر شام پہنچتے تھے۔ اس لئے اس کے نام بھی نامہ مبارک بھیجا جانا چاہئے۔
 الغرض اس مراسلت کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ جو اگ اندر ہی اندر شلگ ہی تھی اب مشتعل ہو گئی اور
 ملک غسان اپنی تمام قوت سے آمادہ پیکار ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔
 غسانیوں کے اسی دیرینہ اور مضمر عداوت اور حال کے اشتعال ہی کا ایک شمرہ معرکہ موتہ بھی تھا۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قل قیصر روم کے نام ایک خط حارث بن عمیر کے ہاتھ بھیجا۔ ملک شام
 کے ایک صوبہ پر شریل بن عمرو غسانی منجانب قیصر حاکم تھا۔ حارث جب اس موضع میں پہنچے جس کا
 نام موتہ تھا تو شریل نے حارث سے دریافت کیا شاید تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہو
 انہوں نے اقرار کیا تو شریل نے اسی وقت انکی گون مادی۔ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کا کوئی قاصد کسی جگہ مقتول نہوا تھا۔ اور نہ دنیا کے قانون میں قاصدوں کا قتل کرنا جائز تھا۔
 آپ کو اطلاع پہنچی تو نہایت سخت صدمہ ہوا اور آپ نے تین ہزار کی جمعیت انتقام کی غرض سے
 بھیجی۔ اور زید بن حارثہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا۔ لیکن یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر زید مقتول ہو جائیں تو حفصہ
 بن ابی طالب امیر بنائے جائیں اور وہ بھی مقتول ہوں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر مقرر کئے جائیں
 وہ بھی مارے جائیں تو مسلمان خود کسی کو منتخب کر لیں ایک یہودی نے جو اس مجلس میں بیٹھا ہوا تھا
 سن کر کہا کہ انبیاء بنی اسرائیل جب ایسا فرماتے تھے تو سب کے سب مقتول ہوتے تھے۔ آپ بھی اگر نیکی
 ہیں تو یہ تینوں ضرور مقتول ہوں گے۔ پھر اس یہودی نے زید بن حارثہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا
 کہ اگر یہ نبی ہیں تو یا در کھو کہ تم اب یہاں لوٹ کر نہ آؤ گے جو کچھ کہنا سنا ہے کھلو اس پر حضرت
 زید نے بلا کسی قسم کے خوف و تردد کے فرمایا (آٹھ جہل اندہ نبی) (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں)
 تین ہزار کی جمعیت جو مسلمانوں کے اعتبار سے تو بھاری لشکر سمجھا جاتا تھا مگر دشمن کے سامنے
 کچھ بھی حقیقت نہ رکھتا تھا روانہ ہوئے اور موتہ پہنچ کر مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ خود قیصر ایک لاکھ رومی لشکر
 کے ساتھ موجود ہے اور اس کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ عرب لشکرہ اور دوسرے قبائل ہیں۔ غرض اٹھائی
 لاکھ کی جمعیت سے مقابلہ ہے اس خبر سے مسلمانوں میں تردد پیدا ہو گیا اور دو روز اس مشورہ میں

گذر گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اصل حال کی اطلاع بھیج دی جائے۔ اُس پر آپ با
اندادی لشکر بھیجیں گے یا ہم کو واپسی کا حکم دیں گے۔ مگر تیسرے روز عبداللہ بن رواحہ نے سلمان نوٹنی
بہتیں بندھوائیں۔ اور کہا کہ ہم آج تک لشکر کی کثرت اور سامان کی عمدگی پر بھروسہ کر کے کبھی یہیں
لڑے ہم تو ہمیشہ اپنے دین کی سچائی اور وعدہ ہائے خداوندی پر بھروسہ کر کے میدان میں جاتے ہیں
یا تہی کیا ہے یا غالب آجائیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔

یہ گفتگو سن کر سب سلمان آمادہ ہو گئے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ یہاں تو معرکہ کارزار گرم ہوا وہاں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب حال انکشف ہوتے گئے۔ آپ نے جمع صحابہ میں فرمانا شروع کیا۔ زید
مقتول ہوئے۔ اور جھنڈا جعفر نے سنبھالا جعفر مقتول ہوئے اور جھنڈا عبداللہ بن رواحہ کے سپرد ہوا
عبداللہ بن رواحہ بھی مقتول ہوئے اور اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد نے
ہاتھ میں لیا۔ اور اسکے ہاتھ پر سخت ہوئی تینوں حبیل القدر صحابہ اور سب سالاروں کے بعد حضرت خالد میر ہوئے
تو انہوں نے لشکر کی ترتیب کو بدل کر جنگ کی ابتداء کی اور دشمن نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو جدیلہ پہنچا
اس طرح ایک سخت خونریز معرکہ کے بعد ہر فریق اپنے اپنے موقع پر ہٹ گیا اور لڑائی بند ہو گئی مسلمانوں
کیلئے فی الحقیقت صحیح و سالم بیکر مکمل آنا ہی فتح عظیم تھی۔ کیونکہ مٹی بھر آدمی اس بے تعداد لشکر سے کیونکر
جان بچا سکتے تھے۔ اور اس لئے اُس کو فتح فرمانا بالکل درست تھا۔

لیکن بعض آیات میں یہ بھی ہے کہ حضرت خالد کے حملہ کی تاب نہ لا کر رومی لشکر کو سخت زبردست
اختیار کرنی پڑی اور ان میں سے بے انتہا مقتول و مجروح ہوئے۔

فی الحقیقت ان دونوں روایتوں میں کچھ تغالف نہیں ہے حضرت خالد نے لشکر کی ترتیب بدل کر
اقل بار حملہ کیا تو ایک سخت لڑائی کے بعد ہر دو فریق بلا ہزیمت لڑائی کو ختم کر کے اپنے اپنے موقع پر
ہٹ آئے ہوں اور جب حضرت خالد کو یہ معلوم ہوا کہ رومی لشکریں آثار مرعوبیت پیدا ہو گئے ہیں تو دوسرا
زبردست حملہ کیا جو جس سے اُنکے پیرا گھر گئے کیونکہ لڑائی سات دن تک جاری رہی تھی۔ اور اس دھندلے
میں متعدد بار حملوں اور ملاقات کی نوبت آئی تھی۔

الغرض موتہ کا سخت ترین معرکہ جو حقیقت میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے سب سے پہلا معرکہ تھا۔ اور مسلمانوں کو اس وقت تک کسی باقاعدہ لشکر سے مقابلہ نہ ہوا تھا۔ اور سلاطین عظام میں کسی کے ساتھ بے درازمانی کی نوبت نہ آئی تھی غسانوں ہی کی عداوت اور سخت تر بغض کا نتیجہ تھا۔

غزوہ تبوک جو سخت ترین غزوہ تھا جس نے کھڑے اور کھوٹے کو علیحدہ کر کے رکھ دیا جس نے منافقوں کی پوری حقیقت کھول دی۔ اور اسی وجہ سے اس کو فاضل یعنی رسوا کرنے والا بھی کہتے ہیں سہیں گو معرکہ کا رزار کی نوبت نہیں آئی مگر یہ وہ غسانوں ہی کی عداوت کا ایک شوشہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ عرب تنصرہ اور غسانوں نے ہر قل قیصر روم کو اطلاع دی کہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعویٰ نبوت کرتا تھا ہلاک ہو گیا اور اس کی امت کو گونہ پر قحط سالی کی سخت مصیبت نازل ہے۔ اس وقت سے بہتر و سر کوئی وقت اُن کے استدصال کا نہ ملے گا۔ قیصر نے یہ خبر سنا کر لشکر عظیم ملک شام میں جمع کیا اور مقدمہ الحیش کو بلقاء یعنی پانچ تخت ملوک غسان میں بھیجا۔ اس خبر کو سنا کر آپ نے بھی بنفس نفیس مسلمانوں کی بھاری جمعیت کے ساتھ شام کا قصد فرمایا اس غزوہ میں مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل بے اصل تھی۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملوک غسان اور عرب تنصرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کس قدر بغض تھا۔ اور گویا تمام مخالفین کی منتشر قوتیں سمٹ کر بلقاء میں جمع ہو گئی تھیں اور اسی وجہ سے سلمان بھی اس کو اہمیت اور اندیشہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔

مسلمانوں میں غسان کے حملہ کا جس قدر چرچا تھا اُس کا حال اُس طویل حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے جو بخاری وغیرہ کتب حدیث میں عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے۔

ہم اُس حدیث کو تباہہ نقل کرنا مناسب مقام نہیں سمجھتے۔ البتہ وہ فقرے جو اس غرض سے متعلق ہیں یہاں لکھتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس نے حضرت عمرؓ سے دریافت فرمایا تھا ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے وہ دو کونسی ہیں جن کے بارے میں ان تنوبنا الی اللہ فقد صغت قلوبنا انزل ہوا ہے

اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب قصہ بیان فرمایا منجملہ اُس کے یہ ہے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ کے عوالی میں سوئی اُمیت بن زید میں رہتا تھا ایک انصاری میرے رفیق تھے اُن کی ادبیری یہ قرار دہو چکی تھی کہ ہم میں سے ایک شخص اپنی اپنی باری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کرے اور وہاں کے واقعات اگر دوسرے سے بیان کر دے اور دوسرا سو خانہ داری وغیرہ ضروریات میں مصروف ہے ہم برابر سنتے تھے کہ غسان مدینہ پر چڑھائی کر نیوالا اور اُس کے سامان میں مصروف ہے ہم کو اس کے حملہ کا خوف اور آمد کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اسی درمیان میں ایک وزیر ارفیق انصاری اپنی باری کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے عشاء کے بعد لوٹا۔ تو اُس نے نہایت زور و شدت سے دواڑہ کو کوٹا اور کہا کیا عمر گھر میں ہیں۔ اُس کے اس خلاف عادت انازار سے میں گھبرا کر نکلا۔ تو اُس نے کہا غضب ہو گیا سخت حادثہ پیش آیا۔ میں نے کہا اجاء غسان رکھا غسان آپہنچا۔

قال راجل اعظم من خلاص
واہول۔

رکھا نہیں اس سے بھی بڑھ کر حادثہ پیش آیا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انداز کو طلاق دی ہی ہو

حضرت عمر صبح ہی اُٹھ کر آپ کی خدمت میں پہنچے اور وہاں جا کر معلوم ہوا کہ طلاق کی خبر غلط ہے البتہ آپ کسی وجہ سے رنجیدہ اور کیسو ہو کر بالا خانہ میں تشریف رکھتے ہیں۔

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غسان کی چڑھائی کا مدینہ کے گھر گھروں پر جاتا چھوٹے بڑے سب کو اس کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ گو باہر وقت اُسکی آمد کے منتظر تھے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے حادثہ کا لفظ سنتے ہی یہ خیال کر لیا کہ غسان آپہنچا۔

یہاں پر یہ خدمتہ نہ کیا جا۔ اُسے کہ صحابہ کو کھانے غلبہ اور دین اسلام کی کامل شائستہ اور فتح کا۔۔۔

یقین تھا ان کو ہر قسم کا اطمینان نہ لایا گیا تھا۔ تو ان کو غسان کی وجہ سے اس قدر خوف اور اندیشہ کیوں تھا کیونکہ بیشک ان کو اسلام کی برتری اور غلبہ کا یقین کامل تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سلے عوالی اُن محلوں کا نام جو مدینہ منیرہ سے جانب مشرق واقع تھے اور قبیلہ اوس کی منازل اُن میں واقع تھیں۔

وعدوں کو موبو پتیا سمجھتے تھے اُن کو یقین تھا کہ ایک دن کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں اسلامی علم کے سایہ میں ہونگی غسان بچارہ کی کیا حقیقت ہو۔ مگر انسانی طبیعت آنار سے ضرورتاً اثر ہوتی ہے اور ظاہری طور پر سرور و عظم شدہ۔ و رخا۔ وسعت و تنگی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ امر بھی باعث تشویش نہ تو عجیب نہیں کہ اگرچہ انجام کار غسانی خائب و خاسر ہی رہیں۔ مگر معلوم نہیں کہ ایسے سخت معرکہ میں کتنی جانیں ضائع ہوں گئے گھر ویران و برباد ہو جائیں۔ آخر موت کے سخت اور عظیم الشان معرکہ میں انہیں غسانوں کی بدولت مسلمانوں کو کس و کس نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اُن کے جیدہ برگزیدہ سپہ سالار کام آئے تھے۔ اور اس لشکر کو خواہ اس وجہ سے کہ لڑائی کا اختتام کامل فتح پر نہ ہوا تھا۔ بلکہ حضرت خالد کے حسن تدبیر سے لڑائی اس طرح ختم ہو گئی تھی کہ ہر دو فریق ہٹ گئے تھے۔ یہاں سے کہ بعض لوگ میدان سے بھاگے تھے (فرار ہوں) یعنی بھاگنے والے کہا گیا جس کے ذمہ کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے بل انتم الکوا (و) تم بھاگنے والے ہرگز نہیں ہو بلکہ لوٹ کر حملہ کرنے والے ہو)۔

الغرض فتح و غلبہ کے یقین کے ساتھ ہر شخص میں انفراد تشویش کا پیدا ہو جانا۔ اور اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرنے کی وجہ سے یا ہر شخص خاص کو اپنے انجام کی فکر ہونے سے خوف اندیشہ کا محسوس ہو جانا صحابہ کے علوم تربت۔ توکل اور رسوخ یا بانی کے بالکل منافی نہ تھا۔

یہاں ایک دوسرا شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ غسانی کا مدینہ پر چڑھائی کرنا۔ اور مسلمانوں کے استحصال کے ارادہ سے آنا حقیقت میں اسلام کیلئے بھاری اور سخت وقت تھا۔ اگر خدا نخواستہ وہ اپنے ارادہ میں کسی درجہ بھی کامیاب ہوتا تو نہ اسلام کی خیر تھی نہ مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا تھا۔ پھر حضرت عمر کے نیستی انصاری کا یہ کہنا جل اعظم من ذلک و اھول (بلکہ اُس سے بھی بڑا اور خوفناک حادثہ پیش آیا) کیونکہ درست ہو سکتا ہے غسانی کا فتنہ غام تھا اور یہ صورت خاص تھی جس کا اثر ازواج مطہرات یا اُن کے قریبی رشتہ داروں تک پہنچتا تھا۔ اور وہ اس قسم کا صدمہ تھا جس سے کسی زندگی کے مراحل طے کرنا اور تامل و معاملات میں مشغول رہنے والے کا بالکل محفوظ رہنا دشوار اور قریب ناممکن کے ہے۔

اسی وجہ سے اس قسم کے واقعات معمولی سمجھے جاتے ہیں اور انکی مضرت ایک خاص احاطہ سے متجاوز نہیں ہوتی۔

اس شبہ کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چونکہ حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ بھی ازواج مطہرات میں تھیں۔ اس لئے اس صدمہ کا اثر خاص حضرت عمر کی ذات تک نہ زیادہ پہنچتا تھا۔ اور اسی بنا پر انکے رفیق انصاری نے اسکو عظم قرار دیا۔ یعنی آپ کیلئے غسانی کے حادثہ سے بھی زیادہ ہے یہ جواب بجائے خود صحیح ہے۔ اُس تعلق کی وجہ سے جو آدمی کو اپنی اولاد کیساتھ ہوتا ہوا اور اُس دائمی شرف و فخر کے فوت ہو جانے سے جو در صورت ظہور طلاق تین تین تھارہ رفیق انصاری کا نسبت حضرت عمرؓ اسکو عظم و اہول قرار دینا معلوم قرین قیاس اور مطابق عقل تھا۔

لیکن اگر اُس وجہ کے ساتھ اس کو بھی ملا لیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو محبت اور عشق ذات مقدس حضورؐ و رکائات صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اسکی بنا پر کوئی حادثہ اور کوئی صدمہ اور کوئی مصیبت اگرچہ کتنی ہی بڑی ہو اس سے زیادہ نہ ہو سکتی تھی کہ آپ کے قلب مبارک کو کسی قسم کی کلفت یا کوئی ملال و صدمہ پہنچے غسانی کا فتنہ ایک ظاہری طور پر تشویش میں ڈالنے والی بات تھی اور حضورؐ کے قلب مبارک کا ملال صحابہ کے خرم و صبر کو جلا دینے والا۔ انکی عافیت و راحت کو برباد کرنے والا۔ اُن کی زندگی کو تلخ کر دینے والا تھا۔

اس بنا پر سب پریشانیوں پر یہ پریشانی غالب آگئی۔ غسانی کی آمد آمد کی خبریں سب صحابہ صبر و سکون کیساتھ سُن رہے تھے فکر تھا تو بمقتضائے بشریت اسی قدر تھا جیسا کہ اس قسم کے واقعات میں ہونا چاہئے ظاہری طور پر نہ کچھ اُس کا اہتمام تھا نہ ایسی ہل چل تھی جسے کوئی اجنبی شخص محسوس کر سکے۔ برخلاف اس صورت کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو ذرا اندوگین دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم بے اختیار ہو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صبح کی نماز پڑھا کر بلا احاطہ پر تشریف لیگئے اور صحابہ کی ایک جماعت منبر شریف کے گردا گرد گریہ زاری میں مشغول تھی۔

صحابہ کی اس حالت کو دیکھ کر ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ یہ صدمہ کتنے نزدیک بھی اور فی الواقع بھی

اُس فتنہ سے جو غسانی کی آمد میں متصور تھا بہت زیادہ تشویش ناک اور خطر ناک تھا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ غسانی جس کے شیعے پر حملہ کرنے کی خبر گرم تھی۔ حارث ابن ابی شمر گورنر دمشق تھا یا جبلة ابن الایم تاجدار حوران و ملقاء۔

طبرانی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ غسانی جبلة بن الایم تھا یہی روایت یہ قیاس بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جبلة خود مستقل بادشاہ اور اندرونی انتظامات میں خود مختار تھا۔

اگر قیصر روم کے ایما سے بھی ایسی صورت پیش آئی ہو تب بھی ظاہر یہ ہے کہ جبلة ہی آگے کیا گیا ہو گا۔ اور ممکن ہے کہ حارث و جبلة دونوں کے اتفاق و اتحاد سے ایسا غم کیا گیا ہو۔ اُدھر قیصر روم نے حارث کو مامور کیا اور ادھر جبلة آمادہ ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ بالصواب۔

ناظرین ان واقعات سے آپ کو ملوک غسان اور اُس کے سب سے آخری بادشاہ جبلة کا حال بالاجمال معلوم ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اُنکے تعلقات مسلمانوں سے کس قدر کشیدہ تھے اور یہ کہ قریش مکہ کے بعد جو مدینہ منورہ کا محاصرہ کر کے بنی نعل مرام واپس گئے تھے اب اسلام کی شوکت اور عروج کے زمانہ میں باقاعدہ اور جبار لشکر کے ساتھ حملہ کا ارادہ کیا تو صرف ملوک غسان نے اس سے اُن کی عداوت اور قوت دونوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ناظرین یہ ہے وہ جبلة بن الایم جس کا تذکرہ اس عنوان میں کرنا چاہتے ہیں۔

جبلة بن الایم نے اظہار عداوت میں کوئی کمی نہیں رکھی۔ مگر بایں ہمد و اسلام کے محاسن سے واقف تھا اُس کے کانوں تک اسلام کی خوبیاں پہنچتی رہتی تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور مرسل من اللہ ہونیکے دلائل و علامات کا بھی اُس کو علم ہوتا رہتا تھا۔ انصار کا مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں ٹھہرانا اور حمایت اور حفاظت کیلئے کمر بستہ ہو کر جان و مال کو فدا کر دینا بھی رفتہ رفتہ اُس کے اندر اسلام کی تحریک پیدا کر رہا تھا۔ کیونکہ انصار اُس کے ہم جد تھے۔

بالآخر یہ تحریک قوی ہوتی گئی۔ اور گورنر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو گزر گیا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ خیال اُسکے قلب میں اس درجہ راسخ ہوا کہ اُس نے خود بدایت کر کے حضرت

عمر کو لکھا کہ اسلام میں داخل ہونے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

آپ نے نہایت مسرت سے تحریر فرمایا تم بے تکلف چلے آؤ۔

لاک مالنا وعلیک مالنا رہر حال میں تم ہم جیسے بن جاؤ گے۔

جیل اپنے قیدہ ملک و غسان کے پانسو آدمیوں سمیت روانہ ہوا۔ مدینہ سے دو منزل بگیا تو حضرت عمر کی خدمت میں اطلاع بھیجی اور اپنے لشکر کے دو سو سواروں کو حکم دیا کہ زربفت تحریر کی نسخہ زبردور دیاں پہنیں اور گھوڑوں پر دیبلج کی کھولیں ڈال کر سونے کے طوشی انگو پنادیں اور خود اپنا تلخ سر پر رکھا اور پوری شان دکھلانے کو اپنے خاندان کی بہترین اور مایہ فخر یادگار قوطہ مہر پہنایا جس میں نکاحیں اور اس شان سے مدینہ میں داخل ہو نیکی لئے تیار ہوا۔

حضرت عمر نے مسلمانوں کو اُس کے استقبال اور باغراز و تکریم اُنارنیکا حکم دیا۔ مدینہ منورہ میں ایک عام مسرت اور خوشی کا جوش پہلا ہوا تھا۔ بچے اور بوڑھے اس جلوس کے نظارہ کے دیکھنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ اور نہ صرف مردوں ہی کو اس پر اثر نظارہ کو دیکھنے کا شوق تھا بلکہ بوڑھیاں۔ اور جوان عورتیں کمزاری لڑکیاں اور چھوٹی بچیاں سب کی سب جھروکوں اور کھڑکیوں میں دیکھنے کے لئے کھڑی ہو گئیں حقیقت میں مسلمانوں کیلئے اس سے بڑھ کر خوشی کی کوئی بات ہو سکتی تھی کہ دین اسلام جس کے پہلانے کی خدمت اُنکے سپرد ہوئی تھی اُس کے اندر اس طرح رضا و خوشی سے بڑے بڑے تاجدار داخل ہوں لیکن اس وقت یہ خوشی اس وجہ سے بھی دو بالا ہو رہی تھی کہ وہی شاہ غسان جس کے حملہ کا چرچا گھر گھر تھا اور جس کے خوف سے سب سم بہے تھے آج اس طرح مسرت و شہجہ کائے حصار مدینہ میں داخل ہوتا ہے۔ یہ خدا کی قدرت کا ایک تماشا اور اسلام کی ایک کرامت تھی اور اسی وجہ سے سب چھوٹے

لحاہار یہ بنت عالم جہرا لک المراسک زو جا و رہند اللہو کی ہن تمام ملک غسان کی ادا دی ہو اُس کی پاس جو بالیاں تھیں جن میں دو موٹی کوتر کے بیضی کی برابر لگے ہوئے تھے۔ یہ بالیاں اپنی خوبصورت اور بیش قیمت موتیوں کی وجہ سے بٹل بھی جاتی تھیں کہا جاتا تھا کہ روئے زمین کے بادشاہوں کے خزانہ میں ایسے موٹی اور ایسی بالیاں نہیں ہیں۔ ملک غسان کو اُن پر فخر تھا اور وہ اُن کو بیش قیمت اور نادر ہونیکی علاوہ اپنی صاحبہاں قبائل وادی کی یادگار سمجھ کر اُن کا نہایت احترام کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے جلد سے یہ دکھلانے کو کہ اپنی اس شان و حیثیت و حالت آنکھوں کی خود بخود کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو کر غنائیں لیں کے اتباع کو گوارا کرتا ہوں۔ ان بالیوں کو بھی اپنے تلخ میں لگایا تھا۔ ۱۲

بیابانہ اس جلوس کو دیکھنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔

الغرض اس غرت و محرم شان و شوکت اور استقبالیہ جماعت کی جھڑپ میں شاہانہ جلوس کے ساتھ جبلہ مدینہ کے اندر داخل ہوا حضرت عمرؓ نے مراسم جہانماری میں کوئی کسر نہ رکھی۔ اور مدینہ منورہ میں چند روز اُن نئے ممانوں کی آمد سے خوب چہل پہل ہی۔

زمانہ حج قریب تھا حضرت عمرؓ ہر سال بنفس نفیس حج کو تشریف لیا کرتے تھے۔ اس سال ارادہ کیا تو جبلہ بھی ہم کاب وادہ ہوا۔ بدقسمتی سے وہاں یہ بات پیش آئی کہ طواف کی حالت میں جبلہ کے تہبذ پر جو بوجشان امارت زمین پر گھسٹنا ہوا جاتا تھا قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کا پیر کھا گیا۔ جس کی وجہ سے تہبذ کھل گیا۔ جبلہ کو غصہ آیا اور اُس نے اس زور سے تہبذ مارا کہ اُس کی ناک ٹیڑھی ہو گئی۔

مقدمہ خلافت کی عدالت میں پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے جبلہ سے فرمایا کہ یا تم مدعی کو رضامند کرو ورنہ قصاص دینے پر رضامند ہو جاؤ۔ جبکہ کو یہ خلاف توقع فیصلہ سخت ناگوار گذرا۔ اُس نے کہا کہ ایک معمولی شخص کے عوض مجھ سے قصاص لیا جائیگا۔ میں بادشاہ ہوں اودہ عام رعیت کا ایک فرد آپ نے فرمایا کہ اسلام نے تمکو اور اُس کو بادشاہ اور رعیت کو اپنے احکام میں مساوی کر دیا ہے کسی کو کسی پر فضیلت ہو تو اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے۔

جبکہ نے کہا کہ میں تو یہ سمجھ کر مسلمان ہوا تھا کہ پہلے سے زیادہ باعزت و محترم ہو کر رہوں گا۔ آپ نے فرمایا اسلامی قانون کا فیصلہ تو یہی ہے جس کی پابندی ہم پر اور تم پر لازمی ہے۔ اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا غرت قائم رکھنی ہے تو اُس کو راضی کرو۔ ورنہ مجمع عام میں بدلہ دینے کو تیار ہو جاؤ۔ جبلہ نے کہا تو میں عیسائی بن جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تو اب تیرا قتل ضروری ہو گا۔ کیونکہ مرتد کی سزایں ہیں۔ جبکہ نے کہا تو آپ مجھے اپنے معاملہ میں غور کرنے کے واسطے رات بھر کی مہلت دیجئے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ جبکہ رات کو لشکر سمیت خفیہ مکہ سے نکل بھاگا۔ اور قسطنطنیہ پہنچ کر نصرانی بن گیا۔ قیصر نے اُس کے اکرام میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اہمہ اور جاگیریں اُس کو

دیں۔ عزت و احترام میں اپنے مساوی بنادیا۔

اس عرصہ میں حضرت عمرؓ نے ایک قاصدؓ دعوت اسلام دینے کی واسطے قیصر کے پاس بھیجا۔ قیصر نے اسلام سے تو انکار کیا۔ مگر مصالحت پر رضا مند ہو گیا۔ اور اس قاصد سے کہا کہ تمہارا ایک بھائی جو اسلام سے بیزار ہو کر عیسائی بن گیا ہے۔ یہ یہاں موجود ہے اُس سے بھی ملو۔ یہ قاصد جبلہ کے یہاں پہنچے تو قیصر کے دروازہ پر جو سادو سامان جاہ جلال نہ دیکھا تھا وہ یہاں دیکھا۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ جبہ اعلیٰ درجہ کے بلورین تخت پر جلوہ گر ہے اُس نے مجھ کو ہچانا تو اپنے برابر تخت پر بٹھلایا۔ اور مسلمانوں کے حالات پوچھنے شروع کئے میں نے کہا اب تو بہت زیادہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو دریافت کیا میں نے کہا بہت اچھی طرح سے ہیں حضرت عمرؓ کی خیریت اور سلامتی کا حال سنکر اُس کے چہرہ پر انقباض کے آثار ظاہر ہوئے مجھ کو بیٹھنے کی وقت معلوم نہ تھا کہ میں سونے کی کرسی پر بیٹھا ہوں جب معلوم ہوا تو تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا۔ جبہ نے کہا۔ تم اس اعزاز کو کیوں چھوڑتے ہو۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اسی جگہ بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ کے نام مبارک کیساتھ مجھ سے صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سنکر اُس نے بھی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ زبان سے ادا کئے۔ بعد میں مجھ سے کہا کہ دل صاف ہونا چاہئے پھر کسی جگہ بیٹھنے میں کیا حرج ہے۔

قاصد کہتے ہیں کہ اُس کی زبان سے صلی اللہ علیہ وسلم سنا تو مجھے اُس کے مسلمان بن جانے کی طبع ہوئی۔

میں نے کہا کہ جبہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔ کہا کیا ان حرکتوں کے بعد بھی میں مسلمان ہو سکتا ہوں۔

میں نے کہا ایک فزاشی شخص نے اس سے بھی بڑھ کر جرم کیا تھا مسلمانوں پر تلوار چلائی تھی پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ میں اُس کو مدینہ میں مسلمان چھوڑ کر آیا ہوں۔

جبہ نے کہا اتنی بات پر تو مسلمان نہیں ہوتا۔ اگر حضرت عمرؓ غرضی بیٹا کا حکام مجھ سے کریں۔ اور

اپنے بعد مجھے ولی عہد خلافت بنادیں تو بیشک مسلمان ہو جاؤں گا

راوی کہتے ہیں میں نے نکاح کی ذمہ داری تو کر لی۔ مگر ولید عہدی کی ذمہ داری نہ کی اُس کے بعد جب نے ایک خادم کو اشارہ کیا۔ فوراً ہی چاندی کی رکابیوں میں کھانا آنا شروع ہوا۔ اور ایک سونے کے خوان میں میرے سامنے بھی رکابیاں رکھی گئیں۔ میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اُس نے سبب پوچھا۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اُس نے بھی میرے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ادا کئے۔ اور پھر یہی کہا کہ دل پاک ہونا چاہئے کسی برتن کے اندک کھانے میں کیا ڈر ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر پھر خادم کو اشارہ کیا تو فوراً سونے کی صرح بجا ہر رکابیاں دس اُس کے داہنی جانب اور دس بائیں جانب بچھا دی گئیں۔ اور پھر بیس خوش گلو گانے والیاں زیور سے لدی ہوئی قیمتی لباسوں میں ناز و انداز سے آکر داہنے بائیں بیٹھ گئیں۔ اور پھر ایک باندی آئی جس کے سر پر ایک خوبصورت چھوٹی ٹیسی چڑیا بیٹھی تھی۔ اور دونوں ہاتھوں میں دو بیالیاں تھیں ایک میں مشک اور دوسری ایک پسا ہوا۔ دوسری میں گلاب کا عرق۔ خادم نے ایک سیٹی دی جس کو سن کر وہ چڑیا اٹھی اور گلاب کے عرق میں غوطہ لگا کر دوسری پیالی میں لت پت ہو گئی۔ اور جبکہ تاج پر جو صلیب تھی اُس کے اوپر جا کر بیٹھی۔ اور اپنے پروں کو اس خوبصورتی سے ہلایا کہ مشک و عنبر کے چھینے جبکہ کے چہرے اور ڈاڑھی پر گرے۔ جبکہ غایت سرور سے بہت ہنسا۔ اور ان باندیوں کو گانے کا اشارہ کیا۔ داہنی طرف کی جماعت نے اس خوبی سے گایا کہ جبکہ پر سرور کی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر دوسری جماعت کو اشارہ کیا اُن کے گانے سے اُس پر گریہ طاری ہوا۔ یہ حالت تھی یہ جاہ و جلال تھا۔ یہ احترام و اکرام تھا۔ قیصر کو جیات نصیب تھی وہ جبکہ کوئی جہلہ خود بھی بادشاہ تھا اور قیصر کو ایسے باعزاز شخص کا نصرائی بن جانا نصیبت کیا عزت کا باعث تھا۔ اس لئے اپنی ذات سے بھی اُس کو مقدم سمجھتا تھا۔

مگر جبکہ اسلام کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا۔ مسلمانوں کے معاملات اُن کے اخلاق اور برتاؤ کا

خود تجربہ کیا تھا۔ رہ رہ کر اپنی حرکت پر پشیمان ہوتا تھا۔ اور اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت میں داخل ہونے سے سخت بیزار تھا۔

سیف اسلام کو سب کچھ اپنا ترک و احتشام دکھلانے کے بعد نہایت حسرت و اندوہ کے ساتھ اشعار ذیل اسکی زبان پر جاری ہوئے۔

وَمَا كَانَ فِيهَا لَوْصَبْتُ لَهَا صَبْرٌ
اگر میں اُس پر صبر کرتا تو کچھ نقصان نہ تھا

وَبِعْتُ بِهَا الْعَيْنَ الصَّحِيحَةَ بِالْعَوْرِ
اور میں نے تندہ دست آنکھ کو عیب ناک کے بدلے فروخت کیا

سَجَعْتُ إِلَى الْأَمْرِ الَّذِي قَالَهُ الْعَمَى
میں حضرت عمرؓ کے حکم کو مان لیتا

وَكُنْتُ أَسِيرًا فِي سَبْعَةِ أَوْ مَضْرُ
اور ربیعہ و مضر میں غلام بنا ہوا ہوتا

أَجَالِسُ قَوْمِي ذَاهِبِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ
اور اپنی قوم میں اندھا بول ہو کر گذار دیتا

تَتَصَوَّرَتِ الْأَشْرَافُ مِنْ خَوْفِ لَطْمَةٍ
خاندانی شریف پتھر کے خوف نصرائی بن گئے

تَكَنَّفَنِي فِيهَا لِحَاجٍ وَخَوْفٌ
نخوت اور ہٹنے جھکو گھیر لیا

فَيَا لَيْتَ أُمِّي لَمْ تَحِلْ فِي وَكِيتِي
اے کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی اور کاش

وَيَا لَيْتَنِي أَرَدَعَنِي الْجَنَاحُ بِقَفْرِ
اور کاش میں کسی جنگل میں اونٹ چرتا

وَيَا لَيْتَ لِي بِالسَّامِ أَدْنَى مَعِيشَةٍ
اور کاش ملک شام میں تھوڑا سا روزِ نہ ہوتا

ہر شخص جلد کی اس حالت اور اشعار کے مفہوم کو ملا کر اندازہ کر سکتا ہے کہ شاہی جاہ و جلال میں بھی اسکو اسلام کی سادگی اور برتری رہ رہ کر یاد آتی تھی اور اُس کے دل میں حسرت اور یاس کے نشتر چھوٹی تھی۔ وہ پشیمان تھا کہ ایک تھوڑی سی بات پر میں نے اسلام کی لازوال دولت کو ہاتھ سے کھو دیا اور دنیا کی ہی حقیقی راحت اور آسائش کو جو حریت و مساوات کے سوا کہیں حال نہیں ہو سکتی برباد کر کے اس چند روزہ عیش و آرام اور ترک و شان کو خرید لیا۔ مسلمانوں کے اخلاق و اوصاف عظیمہ سے لیکر ادنیٰ رعیت تک ایک رنگ میں رنگے ہونا اور تفوق و امتیاز کا نام تک نہ ہونا انکھوں میں پھرتے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح پھر اُن میں جا ملوں۔ مگر بدبختی سداہ تھی۔

ناوی کہتے ہیں کہ میں نے واپس ہو کر سب حال حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم نے اُس کی تمام شرطیں کیوں نہ مان لیں وہ اسلام لے آتا۔ ہوتا وہی جو اللہ کو منظور تھا دوسری مرتبہ جب پھر حضرت عمر نے قیصر کے پاس قاصد کو بھیجا تو اُس کو ہدایت کر دی کہ جبکہ جو شرطیں کرے اُن کو مان لیا جائے۔ مگر جب یہ قاصد قسطنطنیہ پہنچے تو لوگ جبکہ کو دفن کر واپس آئے تھے۔ سریشی نے شرح مقامات میں جبکہ کے واقعہ کو اس طرح لکھا ہے۔ مگر آغانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیصر روم کے یہاں قاصد کا بھیجنا اور جبکہ سے ملاقات کا ہونا متعدد بار ہوا ہے۔ حضرت امیر معاویہ نے بھی ولایت دمشق کے زمانہ میں قاصد بھیجا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بھیجا ہے۔ اور جبکہ سے دونوں قاصدوں کی گفتگو ہوئی ہے حضرت عمر نے جابر بن مساحق الکنافی کو بھیجا تھا۔ اور حضرت معاویہ نے عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری کو۔ ایک دوسرا فرق سریشی اور آغانی کی روایات میں یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرائط کی گفتگو کو جو جبکہ نے اپنے اسلام کیلئے پیش کی تھیں۔ سریشی نے حضرت عمر کے قاصد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور آغانی میں حضرت عمر کے قاصد کا ساوا واقعہ ملاقات اسی طرح لکھا ہے جس طرح سریشی نے۔ مگر شرائط اسلام اور حضرت عمر کی طرف سے اُس کے جواب کا تذکرہ اُس میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ گفتگو حضرت امیر معاویہ کے قاصد عبداللہ بن مسعدہ کے ساتھ لکھی ہے۔ اور شرائط بھی وہ نہیں جو حسب بیان سریشی ہم نے اوپر بیان کی تھیں۔ بلکہ حسب ذیل شرائط پیش کی تھیں۔

(۱) میں گاؤں جو غوطہ و دمشق میں واقع اور ہماری ملک تھے۔ ہم کو واپس دیے جائیں۔

(۲) میری تمام جماعت کیلئے بیت المال سے روزانہ مقرر کیا جائے۔

(۳) ہم کو پیش قیمت خلعت و انعامات دیے جائیں۔

حضرت امیر معاویہ نے ان شرائط کو قاصد سے من کر کہا کہ تم نے کیوں نہ ان شرطوں کو منظور کر لیا۔ میں پورا کرتا اس کے بعد آپ نے اس مضمون کا خط لکھا کہ تمہاری سب شرائط منظور ہیں لیکن اُس کا انتقال ہو چکا تھا۔

ان روایات میں اگرچہ بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں تعارض نہیں ہے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے بھی اُس وقت جبکہ حضرت عمرؓ کی جانشینیت دمشق کے گورنر اور سرحد و م و شام کے محافظ تھے قیصر روم سے مراسلت کی ہو۔ اور اُن کے قاصد کو جبلہ سے ملنے کی نوبت آئی اور اُسکی طرف سے ایسی شرائط پیش کی گئی ہوں جو حضرت امیر معاویہ کے حد اختیار میں ہوں۔ اور جو گو مالی اعتبار سے بھاری ہوں مگر اُن کے تسلیم میں نظائر عند نکاح کی کوئی وجہ نہ ہو۔ اور حضرت عمرؓ کے قاصد کے سامنے ایسی سخت شرائط پیش کیں۔ جن کا تسلیم کرنا بظاہر ممکن نہ تھا۔ مگر حضرت عمرؓ نے بحال دو راندیشی و شفقت اُن کو منظور کر لیا ہوا۔ اور دونوں کی طرف سے منظوری کی اطلاع اُس وقت پہنچی ہو کہ اُس کا انتقال ہو چکا تھا۔ ہاں اگر ہم حضرت امیر معاویہ کی مراسلت کو اُس زمانہ کے واقعات میں درج کریں جس وقت وہ مستقلاً دمشق کو روانہ ہوا بنا کر مسند خلافت پر متمکن تھے۔ تو یقیناً دونوں وایتوں میں سے ایک کو غلط کہنا پڑتا ہے۔ گویا احتمال خلاف واقع ہے۔ کیونکہ جبکہ کا انتقال سلسلہ یعنی خلافت عمری میں ہو چکا تھا۔

آغانی کی روایت میں اگر حضرت عمرؓ کے قاصد کے ساتھ کسی قسم کے شرائط اور اُن کے جواب کا تذکرہ نہیں ہے تو کچھ مرجح نہیں۔ راوی اکثر روایات میں اختصار کر دیتے ہیں۔ آغانی کے اس ایک ہی واقعہ میں مختلف روایات ہیں بعض روایات مجمل ہیں۔ اور بعض مفصل۔ الغرض جبکہ کے واقعہ میں ہم سریشی کی روایات کو قابل اعتماد ٹھہرائیں تو کچھ خرابی لازم نہیں آتی۔

جبکہ کے اس مفصل واقعہ سے ہم کو بہت سے اہم نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

نتیجہ اول

اسلام نے جو مکمل قانون دنیا کے سامنے پیش کیا اُس کی ایک چمکتی ہوئی اور روشن دفعہ اصول مساوات و حریت کی بھی تھی۔ اسلام نے اپنے اصول میں شریف۔ رفیل۔ امیر و غریب۔ حاکم و محکوم کو ایک شاہراہ مساوات پر چلا دیا اور شیر مکاری کو ایک گھاٹ پانی پلایا۔ اس مساوات میں مسلم و غیر مسلم کا امتیاز بھی نہ تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے عہد میں داخل ہو کر غیر مسلموں کے حقوق بھی مسلمانوں

کے حقوق کے برابر پہنچتے تھے اور اسلام کے یہ اصول محض نمائشی نہ تھے۔ بلکہ حقیقی تھے جن پر عہدِ زامد کرنا خلیفہ موقت اور اُس کے عمال کا فرض عین تھا۔

نتیجہ دوم

اسلام کے اعلیٰ اور برتر قانون نے جہاں اسکی اجازت نہیں دی کہ کسی کو بزور و جبر مسلمان بنایا جائے وہیں اُس نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ جو شخص قوانینِ اسلام کو تحارت کی نظر سے دیکھے یا کسی قانون سے اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھے وہ اُس کے حلقہ اثر میں رہ سکے۔ اسلام کی حقیقی کسوٹی پر جو پورا اُترتا تھا وہی اُس کے اندر رہ سکتا تھا۔ ورنہ جلد کی طرح نکال باہر کر دیا جاتا تھا۔

نتیجہ سوم

صحابہ کو اسلام کی اشاعت کا حکم تھا۔ اور وہ اس حکم کی نہایت رغبت و شوق سے تعمیل کرتے تھے۔ اُن کو اس سے زیادہ کوئی امر محبوب تھا۔ ایک شخص بھی اُن کے ذریعہ سے اسلام میں داخل ہو جائے تو دنیا کی تمام نعمتوں اور راحتوں سے اُس کو بہتر اور مقدم سمجھتے تھے لیکن باینہ شغف و رغبت احکامِ اسلام کے بھی اس درجہ پابند تھے دیا آجکل کی اصطلاح میں اس قدر متعصب اور تنگ خیال تھے کہ اگر دنیا بھی اسلام یا مسلمانوں کے مخالف بن جائے تب بھی کسی ایک حد شرعی کو چھوڑنا یا کسی اسلامی قانون کو بدلنا گوارا نہ کرتے تھے۔

ایک وہ دن تھا کہ جلد نہایت احتشام اور عزت کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ مدینہ کی مرد و عورت بچے بوڑھے اُس کے دیکھنے کیلئے گھروں سے نکل پڑے تھے۔ کنواری لڑکیاں بھی جھروکوں میں سے اس اسلامی شان کو دیکھنے کے واسطے چھتوں پر چڑھ گئی تھیں حضرت عمرؓ نے بھی اُس کے ساتھ وہی معاملہ فرمایا جو ایک بادشاہ کیساتھ ہونا چاہئے۔ اُس کے استقبال کیلئے جلیل القدر صحابہ بھیجے گئے۔ اور اس احترام و شان کے ساتھ وہ ہاتھوں لٹے لیا گیا اور شایانِ شان اسکی جہانی نیکی گئی۔

لیکن ایک دن وہ آیا کہ اُس نے بادشاہی کی تخت میں غریب مسلمان کو ذیلِ سمجھ کو دستِ تعویٰ دوا کیا۔ اور حضرت عمرؓ کے ارشاد لکھ مال نہاد تیرے لئے ہی رہی جو ہمارے یعنی مسلمانوں کیلئے کو یاد رکھو

اپنی رفعت و غرت کو بڑھانا اور دوسرے جملہ علیک ماعیننا ذخیرہ ہی باتیں لازم ہیں جو ہم پر کو
 نظر انداز کر کے اپنی برتری کو قائم رکھنا چاہا۔ تو حضرت عمرؓ نے کچھ بھی پروا نہ کی اور اُس کے ساتھ مثل عام
 رعایا کے معاملہ کر کے برسرِ جمع قصاص کے طالب ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بد بخت راتوں رات
 مع اپنے لشکر کے مکہ معظمہ سے نکل بھاگا اور ہر قل کے پاس جا کر نصرانی بن گیا۔ ناد کو عار پر ترجیح
 دی۔ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس تشدد کو کوئی شخص تعصب و تنگ خیالی پر معمول کرے یا ان کو
 سہو تدبیر اور ناعاقبت اندیشی کا جوہم بنانے کو تیار ہو جائے۔ اور یہ کہہ گزے کہ تھوڑے سے
 تشدد پر ایک بادشاہ اور اُس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اسلام کی دولت سے محروم کر دیا۔ اور
 مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے ایک ایسا دشمن پیدا کر دیا۔ جو ان کا ہم قوم تھا۔ اور جو ان کے راز من کے
 طور و طریق اور ان کے قصائل و عادات پر مطلع تھا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس سے اسلام کو کچھ بھی
 نہیں پہنچا بلکہ اس اعلیٰ و برتر قانون نے لاکھوں غیر مسلموں کو مائل باسلام کر دیا۔

جبکہ مرتد ہو جانے سے جس قدر نقصان متصور ہو سکتا تھا اُس سے نہرا گونہ فائدہ پہنچا
 اور اُس وقت سے اس وقت تک اسلام کا قانون سادات دنیا بھر کے واسطے رہبر بن گیا۔ جو لوگ معائنہ
 دین پر بخیرہ کاری اور حدود شرعی سے متجاوز نہ ہوئے تو تعصب و تنگ خیالی سمجھتے ہیں اُن کو ذرا غور
 و فکر سے کام لینا چاہیئے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کو جبکہ کے مرتد ہو جانے کا قلق تھا۔ اور جبکہ بھی اسلام کی خوبیاں
 سنی الجملہ آشنا ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے جب جملہ نے دوبارہ مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کر کے سخت
 شرائط پیش کیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ حضرت عمرؓ اپنی صاحبزادی کا مکمل مجھ سے کر دیں تو حضرت عمرؓ نے
 اسی شرط کو جن سے اسلام کے کسی ایک حکم شرعی پر مضرت نہ پڑتا تھا۔ اور عام مسلمانوں کو بدلی
 سنتی تھی قبول فرمایا۔ مگر بد بختی نے جبکہ کا بچپانہ چھوٹا۔ اور قبل اُس کے کہ اُس کی شرائط کی منظوری
 کی اطلاع پہنچے راہی عدم ہو گیا۔

نتیجہ چہارم

یہ بھی ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ فرزادی کو مالی معاوضہ لینے یا معاف فرماتے پر آمادہ فرمادیتے اور اُس

ذرا بھی تردد نہ تھا کہ اگر جیلہ بہت کر کے قصاص دینے پر..... رضا مندی ظاہر کر دیتا تو حضرت عمر اس معاملہ کو بہ تراضی طے فرما دیتے۔ اور نوبت قصاص نہ پہنچتی۔

یہ بھی ممکن تھا کہ آپ کی فہمائش پر فراری اول ہی معاف کر دیتا اور یہاں تک نوبت نہ پہنچتی مگر آپ اپنی شانِ محدثیت و فراست سے اس امر کو بخوبی جانتے تھے کہ جیلہ میں غرور و سلطنت و تحوت کفر ابھی موجود ہے۔ اس کا علاج اگر ابھی نہوا تو یہ مادہ ترقی پذیر ہو کر انجام کار اس سے زیادہ بُری صورت میں ظاہر ہو گا۔ جس کا تدارک شوریانا ممکن ہو جائیگا۔ اس لئے آپ نے اُس کو قصاص دینے پر مجبور کیا۔ اگر جیلہ اول ہی مرتبہ اس تلخ گھونٹ کو حلق سے اُتار لیتا تو دین دنیا کی عزت اُس کو نصیب ہوتی عوام و خواص کی نظروں میں زیادہ وقعت سے دیکھا جاتا اور انجام کار اُس کو سچپانہ پڑتا اور جہاں تک حضرت کی فراست و حسن تدبیر کی طرف خیال کیا جاتا ہے یہ یقینی بات تھی کہ جیلہ کو قصاص دینے کی نوبت آتی فقط اُسکی آمادگی ظاہر ہونے پر فراری کو معاف کر دینے کا فوراً خیال ہوتا۔ یا آپ کا ایما ہو جانا۔ اور جیلہ پر کسی قسم کا بدنامہ جت نہ لگتا۔

جیلہ نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قاصد سے منجملہ شرائط قبول اسلام ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ حضرت عمر اپنی صاحبزادی سے میرا نکاح کر دیں۔ اس کا منشا رنظاہر یہ تھا۔ کہ امیر المؤمنین کی جانب سے جو قصاص کا حکم اور ارتداد کی سزا کی دھمکی دی گئی تھی جس سے جیلہ نے اپنی ہتک سمجھی تھی وہ اس طرح زائل ہو جائے۔ نکاح کی شرط اول تو فی نفسہ اکثر اوقات ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ ایسے شرائط کا پورا ہونا تو درکنار سنا بھی بسا اوقات گرائی سے خالی نہیں ہوتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ خود شرط لگانے والا خلیفہ اسلام کے فیصلہ سے روگردانی ملکہ حدود اللہ کو توڑ کر نکل بھاگا ہو۔ اس کیلئے تو یہ شرط جس قدر بھی ناممکن العمل ہوتی کم تھا۔ لیکن فاروقِ اعظم کا بلا کسی ناگواری کے اس شرط کو تسلیم فرالینا صاف طور سے اس کو تجلارہا ہے کہ انہیں اسلام سے بڑھ کر پیاری کوئی چیز نہ تھی۔ یوترون علی الفسھم کے سچے مصداق اور اشداء علی الکفار حجابِ یحصر واقعی نشان نشان تھے چونکہ اس شرط کا تعلق صرف حضرت عمر کی ذات سے تھا۔ خلافت و امامت سے اس کا کوئی علاقہ نہ تھا

اس لئے حضرت عمر کو یہ گوارا نہوا کہ میرے کسی ذاتی معاملہ کی وجہ سے جیلہ دولت اسلام سے محروم رہے اور وہ جو حدیث میں آتا ہے کہ مومن کامل انسان اُس وقت تک نہیں ہوتا جب تک ماں سے اور باپ سے بیوی سے اور بچوں سے اور کل انسانوں سے زیادہ خدا کے رسول سے محبت نہ کرے۔ اُسے حضرت عمر نے اس واقعہ میں کر کے دکھلادیا۔ (اَوْنَ يَا عُمَرُ تَصَاحِبًا ذَلِكِ كِي جَوْبَارَتِ حَدِيثِ تَرْجَمَانِ وَحِي الْهِي كِي زَبَانِ فَيَضْ نَشَانِ سَعْدِي گئی تھی۔ وہ ہو ہو پوری ہوئی۔ اس واقعہ سے جہاں یہ ثابت ہوا ہے کہ حضرت عمر دربارہ دین کسی بڑے سے بڑے کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے تھے وہیں یہ بھی نکلتا ہے کہ دین کی ترقی و عروج کیلئے وہ مال و نذر و زندوزن کی بھی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے اور اُن کے ہر کام میں لہیت نفسانیت پر مقدم رہتی تھی۔

حضرت عمر مسلمانوں کے جسمانی اور روحانی خلیفہ تھے۔ آپ جس طرح اُن کے ظاہری اخلاق اطوار کی پابندی احکام شرع کی نگہداشت کرتے تھے اُسی طرح یہ بھی چاہتے تھے کہ اُن کے باطنی اوصاف و ملکات میں جن پر حقیقتاً اسلام کا مدار ہے نقصان نہ آئے۔ وہ دنیا میں بڑے بڑے بزرگ و کمالات کو نہ کھوٹیں۔ اس لئے آپ مسلمانوں کو برابر ایسی ہدایت فرماتے تھے جن سے اُن کے حقیقی اسلامی کمالات میں کمی نہ آئے۔ اور بجائے اخلاق فاضلہ کے اوصاف رذیلہ ممکن ہو جائیں اور خود بھی اپنے نفس کے ساتھ وہی معاملہ فرماتے تھے۔

آپ اگر ایک طرف جلیل القدر صحابہ کی خدمت میں ہزاروں اشرفیاء ہجرا اس امر کو آزماتے تھے کہ کہیں دنیا کی محبت تو اُن کے قلب میں جاگزیں نہیں ہو گئی اسی طرح ذرا ذرا سی بات پر اپنے نفس سے بھی مطالبہ کرتے تھے۔ اور ہر خطہ اور اندیشہ کے وقت اپنے نفس کا علاج فرماتے تھے۔ ایک دفعہ قبائل عرب کے دُفود (ڈپوٹیشن) اپنے معاملات پیش کرنے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے۔ تمام معاملات کو طے کرنے کے بعد دربار برخواست ہوا تو خلیفہ المسابین حضرت عمرؓ عمرؓ عمرؓ پر شکیزہ اٹھا کہ ایک غریب مسلمان کے یہاں پانی بھرنے تشریف لیگے۔ کسی نے اس خصوصیت کا سبب دریافت کیا کہ آپ اپنے نفس خود کیں تشریف لیگے۔ اگر اُس کے یہاں پانی کی ضرورت تھی تو کسی خادم کو کونم فرما سکتے

فرمایا کہ خود کے آنے سے جو ایک قسم کی بڑائی پیدا ہو نہ کیا اندیشہ تھا اُس کے معاملہ اور نفس کی اصلاح کے واسطے ایسا کیا۔

یہ تھی حقیقی سیاست اور تہذیب جس سے فقط معاملات باہمی ہی کی اصلاح مقصود نہ تھی بلکہ اصل مقصود اخلاق و ملکات کی تہذیب تھی جن کی اصلاح پر کل معاملات کی درستی موقوف ہو اور جن کے فاسد ہو جانے پر کل حالات بدلتے اور معاملات بگڑتے جاتے ہیں۔

حضرت عمر خود اپنے نفس کے ساتھ یہ معاملہ فرما کر رعایا کی اصلاح کی فکر فرماتے تھے اور یہی وہ گرتھا جس سے اسلام نے دلوں پر قبضہ کیا۔

سدا رہا یا | اس سے قبل حالات جلد بن الایم کو بیان کرتے ہوئے سیل عوم کا تذکرہ بھی آیا تھا
سیل عوم | چونکہ دنیا کی تلخی میں یہ واقعہ بہت سی حیثیتوں سے عجیب اور عظیم الشان گزرا
ہے اس لئے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اُس کا حال بھی بیان کیا جائیگا۔ اگرچہ اُس وقت یہ خیال
تھا کہ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہو گا۔ جس سے ناظرین کو اصل واقعہ کا علم ہو جائے لیکن
چونکہ اُس میں اصل مضمون اشاعت اسلام کی تائید بھی ہوگی اس لئے اب ہمارا خیال یہ ہے کہ اُسکو
کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کریں۔

ننانہ کے انقلاب اگر سبق آموز نہیں۔ قوموں کا عروج و نزول اگر عبرۃ انگیز ہے۔ دنیا کی تغیرات
سے اگر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ دھلتے ہوئے سایہ کی طرح ہے کسی کی مستقل جاگیر نہیں ہے اور
کسی کیلئے اس کا دوامی پڑ نہیں بھدیا گیا ہے تو یہ واقعہ اُسکی بہترین مثال ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنے مضبوط قوانین سے دنیا میں عروج و زوال کو دوش بدوش بنادیا ہر پست
سے پست شے کو ایک وقت میں عروج نصیب ہو جاتا ہے اور بلند و بالا تر بھی کسی وقت گمنامی
و ذلت کے غبار میں پڑا ہوا نظر آتا ہے۔ مال و دولت تحت و تلخ سب کی ہی حالت ہے کسی کے
گھر کو آباد ہونے دیکھ کر فوراً پتہ لہنا چاہئے کہ کسی کا کاشائے دولت ضرور ویران ہو جائے اور کسی پر
تاج شاہی نظر آئے تو یہ قیاس کر لینا بجا ہے کہ کسی کو الوداع کہہ کر یہاں آیا ہے۔ اگر کوئی جگہ اس وقت

گزارہی ہوئی ہے تو ضرور وہ کسی وقت کھنڈر تھے۔ اور جو آج خشک میدان ہیں وہ ضرور ایک زمانہ میں سرسبز اور پر فضا گزار تھے یہ حالت نہوتی تو آج رومہ الکبریٰ کی غفلت کی داستان زبان نہوتی اور کسرتی کا مشہور عالم ایوان یوں وحشیوں کا مسکن نہ بنتا۔ امریکہ کے وحشی تہذیب تمدن کے استاد نہ مانے جاتے اور جاپان جیسا حقیر بکڑا دوس جیسی باجبروت سلطنت کو نیچا دکھلا کر دنیا کے دول عظام میں شمار نہ کیا جاتا۔

عرب کے شعراء نے اس مضمون کو خوب داکیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ولو دامت الدارۃ کانوا کغیرہم رعایا ولکن ما لہن دوام
اگر دولت سلطنت ہمیشہ ایک ہی کے پاس آکرتی تو بے بادشاہ ہوتے اور ملکی طرح رعیت ہوتے لیکن دنیا کی دولت کو دوام نہیں
دوست کہتا ہے:-

ھی المندیۃ مویوم الیوم دنیا تنقل من قوم الی قوم
یہ موت ہر کسی کیلئے آج اور کسی کے لئے کل دنیا ہے جو ایک قوم سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس آتی ہے
متنبی نے ایک مصرعہ میں ساری دنیا کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔
مصائب قوم عند قوم فوائد
ایک گروہ کی مصیبت دوسرے کے فائدے میں مضمر ہوتی ہے۔

لیکن دنیا کی بے ثباتی اقوام کے عروج و نزول آبادی کے بعد بربادی اور حیوۃ مستعانی کے بعد
قبر کی گوشہ نشینی کو جس موثر اور پروردگار داد میں حضرت اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ لہا فرمایا ہے
اس خوبی سے کسی نے نہ کیا ہو گا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:-

بَا نُوْا عَلٰی قُلُلٍ لَّوْجِبَالٍ فَمِنْ سَہْمُہٗ غُلْبُ الرِّجَالِ فَلَمْ يَنْفَعْہُمْ مَّہْمُہٗ
بادشاہان جبلتے کچھ بھی تو آئے نہ کام وہ قوی ہو کر سپاہی اور وہ اونچے مکان
وَأَسْتَنْزَلُوْا اَعْدَاءَ عِزِّہُمْ مَّعًا فِلِیْہُمْ اِلٰی مَقَابِرِہُمْ یَا یٰلِیْسَ مَا نَزَلُوْا
چھوڑ کر عیش و طرب کے ساتھ سامان ہائے آپسے کچھ ہمیں بادشاہان جہان

فَاَدَاهُمْ صَارِخٌ مِنْ بَعْدِ مَا دُفِنُوا
 ہو چکے جب فن تو ہاتھ نہ آئے یوں کہا
 اَيْنَ الْوُجُوهُ الَّتِي كَانَتْ مُحِبَّةً
 وہ سہری وہ چیس وہ ساز و سان کیا ہوئے
 فَاَفْصَحَ الْقَبْرِ عَنْهُمْ حِينَ سَأَلَهُمْ
 قبر بولی پوچھتا کیسے سروس غیب سن
 قَدْ لَطَلْ مَا اَكَلُو فِيهَا وَمَا شَرَبُوا
 عمر بھر کھاتے رہے پیتے رہے اور بعد مرگ
 وَطَلَمَا كُنُوا لِرُءَا اَمْوَالٍ وَاَدْخَرُوا
 عمر بھر جس مال کی دمن میں رہے آشفہ حال
 وَطَلَمَا اشْبَدُوا وَاَدْوَرُوا لِمَا اَتَّخَصَّصَهُمْ
 چھوڑے آخر پڑے اُن کو مع اہل و عیال
 اَصْحَتْ مَسَاكِنُهُمْ مَوْضِعًا مَعْطَلَةً
 ہو گیا ویران اور ہو گا مکان ہر نشین
 سَلَ لِمَخْلِقَتِهِ اِذْ وَاَفَتْ مَبْنِيَّتُهُ
 کوئی پوچھو تو شہ عالم سے جب پانی و فائ
 اَيْنَ الْكُلُوبُ الَّتِي كَانَتْ مَفَاتِيحُهَا
 وہ خزانے ہیں کہاں نہ ایسے تو کچھ حضور
 اَيْنَ الْعَبِيدُ الَّتِي رَضَعُوا مِنْ عَدَدِهَا
 کیا ہوئی شانِ امارت میں کہاں اب وہ غلام
 اَيْنَ الْمَوَارِسُ وَالْعِلْمَانُ فَاصْنَعُوا
 ہیں کہاں اب وہ سوار اور آپ کے قہر نگذار

اَيْنَ لَاسِرَةٌ وَالتَّجَانُّ وَالْحُلُّ
 تخت ٹاؤسی کہاں ہر تلخ ترین ہے کہاں
 مِنْ دُونِهَا نَضْرِبُ اِلَاسْتَارُوا كُلُّ
 ہیں کہاں ہر چہرے جو چروں میں بہتے تھو نہاں
 تِلْكَ الْوُجُوهُ عَلَيْنَا اللّٰهُ فَاسْتَفْلُ
 ہیں لحد کے کیڑے اُن پاکیزہ چہرہ نیر دواں
 فَاصْبَحُوا بَعْدَ طُولِ لَحْلٍ قَدْ كَلُوا
 بجگئے رونے مار و مور اُن اُف الامان
 فَخَلَفُوْهُمَا عَلَى الْاَعْدَاءِ وَارْتَحَلُوا
 دشمنوں کو دے کے خالی ہاتھ آئے ہیں یہاں
 فَقَارَقُوا الدُّوْرَ الْاَهْلِيْنَ وَاَنْتَقَلُوا
 جو حفاظت کیلئے نچتے بنائے تھے مراں
 وَسَاكَلُوا هَا اِلَى الْاَعْدَاءِ قَدْ رَحَلُوا
 جب سکیں کچھ لحد میں ہو گئے جا کر نہاں
 اَيْنَ الْجَنُودُ وَاَيْنَ الْخَيْلُ وَالْخَوَلُ
 کیا ہوئی وہ فوج وہ گھوڑے وہ خاد ہیں کہاں
 قُلُوبُ الْعَصَبَةِ الْمُقَوَّنَ كَوْحَمَلُوا
 تالیاں جن کی ٹھلکتے تھے بشکل ہیراں
 اَيْنَ الْجَدِيدُ وَاَيْنَ الدِّبْعُ مِنَ الْحَسَلُ
 وہ نذر وہ خود وہ نیرے وہ ترکش وہ کمان
 اَيْنَ الصَّرَائِمُ وَالْحَطِيئَةُ الذَّبَلُ
 ہیں کہاں بار یک نیرے اور تیغ خوں بچاں

لَمَّا سَاوَوْهُ صَرِيحًا وَمُتَّعِلًا

جب پڑا دیکھا زمین پر شاہ کو زاری کیا

أَيُّ الْحَمَاءَةِ الَّتِي جَاءَتْ بِهَا الدُّوَلُ

ہائے ملک دولت کے نگہاں کہاں

لَمَّا أَتَتْكَ سِيَهَامُ الْمَوْتِ تَنْصِلُ

جب لگے تیرا جل تم پر برسے ناگہاں

عَنْكَ الْمُنِيَّةُ إِذْ وَفِيكَ الْوَجَلُ

وئے ناکامی نہ کچھ کام آسکی گرو جاں

وَلَا الْوَلِيُّ انْفَعَتْ فِيهَا وَلَا الْحَمِيلُ

کوئی مستر کوئی حیلہ چل نہیں سکتا ہاں

بَلْ سَلَمُوا لَهَا يَا فِتْرَ مَا فَعَلُوا

چھوڑ کر دست اجل میں چلیے سب ہاں

وَلَا يَصُوفُ بِهَا مِنْ بَنِيهِمْ حُلُ

شمع بھی افسوس تربت پر نہیں ہو سزا

وَكُلُّهُمْ بِأَقْسَامِ الْمَالِ قَدْ شَفَلُوا

مال کی تقسیم میں مشغول ہیں پیر و جاں

يَفْشَاكَ مِنْ كُنْهِيهِ الرَّوْعُ وَالْوَهْلُ

آپ کا قصر ہایوں ہو گیا ہو کا مکان

إِلَّا فَاغُ عَلَيْهِ الْمَوْتُ وَالْوَجَلُ

خوف و ہشت کے سیاہ کوئی نہیں ہر جاں

زَالِ دُنْيَا كَوْغَضِبِ كِي آتِي فِي عِيَارِيَا

أَيُّ الْكَمَاءَةِ الَّتِي جَاءَتْ بِهَا الدُّوَلُ

ہیں کہاں مردان کاری کیوں نئے کام

جَوْشَنُ بَهْتِ تَحْضِيَّتِهِ مِثْلَ الْهَرَبِ

آئیں اگر مائتہ الہ تمنع بآسہمہم

تیرا ناز و نکی رکھی رہ گئی تیسرا فکری

هَيْهَاتَ مَا صَنَعُوا صَبْرًا وَلَا دَفْعًا

موت کے جنگل سے بچاؤ واقعی شواہت

وَلَا الْوَشْدُ فَعْمَهَا عَنْكَ لَوْ دَلُوا

دفعہ کر سکتے نہ تھے وہ دیکے ثبوت موت کو

مَا سَاعَدُوهُ وَلَوْ أَسْأَلَهُ أَقْرَبُهُمْ

جو مقرب تھے انہوں نے خاک غمخواری کی

مَا بَالُ قُبْرِهِ لَا يَأْتِي بِهِ أَحَدٌ

فاتحہ خوانی کو کوئی قبر پر آتا نہیں

مَا بَالُ ذِكْرِهِ مُنْفِيًا وَمُطْرَحًا

مکابال کو بھول کر بھی آپ یاد کرتے نہیں

مَا بَالُ قَصْرِكَ وَخَشَا لَا يَكْسِرُهُ

خاص خیرانی کے حصہ میں ہر دیوان عام

كَتَبَ دَفْنٍ مِنْ بَحْرِ وَشْتِ نَيْسَ كُونِي أَنْسِ

لا تُنْكِرُونَ قَبْرًا دَامَتْ عَلَى مَلِكٍ

موت کا انکار مت کر کہانہ دنیا کا فریب

وَكَيْفَ يُجَادُوْا اَمَّ الْعِيْشِ مُتَّصِلًا وَرُوْحَهُ يَحْيَا اَلْمَوْتِ مُتَّصِلًا

روح کی جب موت سے مُدھڑھڑھوتی ہے آند و مند بھا کیونکر ہو کوئی نکتہ داں

وَحَيْثُمَا لِبَسِيَّاتِ الْوَدَى عَرَضُ وَمُلْكُهُ زَائِلٌ عَنْهُ وَمُتَّقِلٌ

ملک پر غرہ نہ کرے و سرس کی ارش ہے جسم انسان ہے ہلاکت کا نشانہ بگیاں

دنیا کی سب حالتیں منقلب ہونے والی نعمتیں زائل اور حالات بدلنے والے ہیں۔ خواہ موت اُس کو سب جاہ و جلال مال و منال چھوٹنے پر مجبور کرے۔ یا سلب نعمت ہو کر جو درجہ اعلیٰ کو کا مصلوق بنے۔ سلب نعمت بہت سخت اور عبرت انگیز ہوتا ہے لیکن اگر وہ بطور ابتلا و امتحان بغرض نفع درجات ہے جیسا مومن کامل ایمان کو بھی خاص خاص صورت میں پیش آجاتا ہے تو مقابلہ اُن مراتب فیض کے جو اُس کیلئے مقرر کئے گئے ہیں اور بوجہ اُس طمانہ و انشراح صدقہ کے جو مومن کو حاصل ہے سلب نعمت کچھ افسوسناک امر نہیں ہوتا بلکہ موجب ازدیاد مسرت بن جاتا ہے۔ البتہ اگر بوجہ سرکشی و کفران نعمت یہ سزا دی جائے اور اُس کا ظہور عذاب الہی کی صورت میں ملک کے ملک کو تباہ اور عالم کو برباد کر دے تو یہ واقعات جیسا کہ موجودہ زمانے کیلئے سخت تازیانہ کا کام دیتے ہیں۔ ایسے ہی آیہ الیٰ نسلوں کیلئے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کیلئے اپنی ہولناک صورت پیش کرتے رہتے ہیں۔

قوم سبا اور شہر ماریت کے وہ عجائب حالات جو ہم تک پہنچے ہیں۔ ایسے ہیں جن پر اقل و کثر میں یقین کر لینا عقل انسان سے مستبعد تھا۔ مگر کلام الہی میں چونکہ ان واقعات کو خاص شان اور اہتمام سے بیان فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اب اُن کی تصدیق میں کچھ بھی تامل نہیں ہو سکتا۔

ہمارا خیال ہے کہ اول ہم ان واقعات کو مسلسل بیان کر دیں اور پھر جو نتائج اُس سے مفہوم ہوتے ہیں اُن کو ظاہر کریں اور آخر میں قوم سبا کے متعلق کلام الہی میں جو کچھ ارشاد ہے اُس کے ضروری مباحث بھی درج کر دیں امید ہے کہ ناظرین اس مضمون سے بہت کچھ فائدہ حاصل کریں گے۔

زمانہ قدیم میں مین کا ملک سرسبزی و شادابی میں وہ درجہ رکھتا تھا جو آج بڑے سے بڑے صمدان ملکوں کو نصیب نہیں ہے۔ اُس میں نہایت خوبصورت اور دلربا شہر آراستہ اور عالیشان قصرو

و کلا موچو صنعا بھی ملک میں کا ایک خوش منظر شہر تھا جو سرسبزی و شادابی عالیشان عمارات خوش وضع مکانات اور ہر قسم کے دلفریب مناظر و محاسن کے لحاظ سے دمشق کی نظیر سمجھا جاتا تھا۔ اُسکی آب ہوا ایسی صحت بخش اور خوشگوار تھی کہ موسم سرما میں اگرچہ سردی سخت ہوتی تھی۔ مگر ایسی راحت نساں کہ کسی کو کسی قسم کی بھی تکلیف اُس سے نہ پہنچتی تھی۔ اُس کے باشندے لباس وغیرہ موکے اعتبار سے نہایت تنعم میں گزارتے تھے۔

قصر عثمان بھی ملک میں کی کمال صناعی کا ایک بے مثل نمونہ تھا۔ یہ محل قحطان جدِ عبد اہل میں کے بیٹے ازال کی زیر نگرانی تعمیر ہوا تھا۔ یہ قصوں میں منزل کا بنایا گیا تھا۔ ہر ایک منزل کا ارتفاع میں ذراع یعنی بقدر دس گز معماری کے تھا اور بے اوپر کی منزل موٹے اور دولدار آئینوں سے سقف کی گئی تھی۔ اس قصوں سو کرے تھے۔

یہ ایک قصر کا حال ہے جس کی وسعت اور تکلفات کا اندازہ اس مختصر بیان سے ہو سکتا ہے اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مشہور اور عالیشان قصر محلات اور قلعے تھے جنکی عظمت و خوبصورتی کے افسانے زبانوں پر جاری اور صفحات تاریخ میں درج ہیں۔ مگر ہم ان کا بیان کر کے طول دینا نہیں چاہتے۔

سب ابن شیبہ بن لہب بن قحطان بن کاسر ہے پہلا بادشاہ گذرا ہے اُس نے چار سو چوبیس سال سلطنت کی ہے۔ اُس کا اصلی نام عبد شمس تھا جو نکدا اُس نے اقوام عرب میں غلامی کا طریقہ جاری کیا اسلئے اُسکو سب کا لقب دیا گیا اور اُسکی شہرت اس لقب کے ساتھ ایسی ہو گئی کہ اصلی نام گویا فراموش ہو گیا۔ مورخین اور بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ سب اسلامان تھا اور وہ اپنے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہزاروں برس پہلے ہی آپ پر ایمان لے آیا تھا اُسکی طرف جو اشعار منسوب ہیں ان میں صاف صاف اقرا کرتا ہے۔ ان اشعار میں اول حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ طقیس کا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے ساتھ ہوا ہے اور انبیاء میں سے آپ ہی میں کے بادشاہ ہوئے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

و یملک بعد ہم منا ملوک یصیر الملک فینا بانقہام

اور اُن ملوک کے بعد جو حضرت سلیمان کے بعد ہوئے گئے ہیں بہت بادشاہ ملکت ہوئے۔ اور ملک باہم تقسیم ہو جائے گا۔

و یملک بعد قحطان البئی تقی محبت خیر الانام

اور قوم قحطان کے بعد ایک نبی ملے گا جو متقی مشبہ اور تمام مخلوق سے بہتر ہوئے گا۔

یسعی احمد ایالیت ائی اعمر بعد مبعثہ بعام

اُن کا نام احمد ہوگا۔ اے کاش میں انکی بعثت کے ایک برس کے بعد تک زندہ رہتا

فاعضدوا حبوہ منصوی بکل مذحج و بکل سراحی

تو میں اُن کی امانت کرتا اور انکی نصرت کیلئے ہر سلحہ کامل تیر انداز کو لے جاتا

متی یظہر فکوفنا صریہ ومن یلقی یبلغہ سلامی

جب وہ ظاہر ہوں تو اُن کا مدد کرنا اور جو اُن سے ملے میرا سلام پہنچا دے

شہر مارب جس کے حالات یہاں بیان ہوئے اسی بادشاہ سبا کا بنا کر دے تھا۔ بانی کے نام

کی وجہ سے اُس شہر بھی سبا کا اطلاق ہو جاتا ہے اور اُس قوم کو جو وہاں موجود تھی سبا کہتے ہیں

کلام اللہ میں قوم سبا اور یل عرم کے واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِهِمْ آيَةٌ جَنَّتِ عَنْ يَمِينٍ وَشِئَانٍ كَاؤُمُنِ رِضْقٍ سَرِيكُمُ

اشكروا له فَبَلَدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبُّ غَفُورٌ فَاعْرِضُوا قَا زَسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَبِيلَ الْعَرَمِ

وَبَدَّلْنَا لَهُمْ مَجْتِبَهُمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ كُلِّ خُطْوَةٍ أَقْلٍ وَشِئَانٍ سَبِيلٍ قَلِيلٍ ۝

ذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ كَفَرُوا وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْبَيْنَ الْفُرَى

الَّتِي لَمْ يَكُنْ فِيهَا قَرْيٌ ظَاهِرَةٌ وَقَدْ رَمَيْنَا فِيهَا السَّيْدَ سَيِّدُ وَافِيهَا لِيَالِي وَأَيُّهَا آمِنِينَ

فَقَاؤُرْنَا بِأَعْدَائِنَا أَسْفَارَنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَعَادِيثَ وَمَرَّ قُنُومُ

كُلٌّ قُنُومٌ مِّنْ ذِي ذَٰلِكَ الْأَمَلِ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ

مطلب یہ ہے کہ قوم سبا کیلئے خاص انکی بستیوں اور وطن میں خدا تعالیٰ کی قدرت

اور غیر متناہی نعمتوں کی عجیب نشانی تھی۔ اُنکے گردا گرد اُتر اور بائیں باغوں کی دو قطاریں تھیں لاکھوں اجانت اور ہماری طرف سے بطور امتنان یہ حکم تھا کہ تم کو جو انواع و اقسام کی نعمتیں دی گئی ہیں اُن کو بے تکلف کھاؤ اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔ اُنکا شہر میں وہ بہتے تھے ایک شہر تھانہایت پاک و صاف ہر قسم کی تکالیف اور موزیات سے خالی۔ اور رب تمہا مغفرت کرنے والا۔ لیکن اُنہوں نے شکر گزاری اور اطاعت سے انکار کیا۔ بجائے شکر گزاری کے مرتکب کفرانِ نعمت ہوئے تو ہم نے اُن پر سخت اور برباد کن رو کو مسلط کر دیا اور اُن کے سر پر و شاداب باغوں کے عوض میں دباغ پیے گئے جن کے پھل کرٹھے بن رہے تھے اور جن میں کچھ تھوڑے دخت بیری کے تھے۔ یہ سب اُنکو کفرانِ نعمت کی دی گئی اور ہم ناپاسوں ہی کو ایسی منزل دیتے ہیں۔ اہلِ سب پر ہمارے انعام اسی حد تک ختم نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ ہم نے راحت اور آسانی مفر کیلئے اُنکے اور ملک شام کی درمیانی مسافت میں قریب قریب مسافت میں پر گاؤں اور منزلیں بنادی تھیں جس کی وجہ سے وہ رات اور دن امن و اطمینان کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ لیکن اُنہوں نے اس نعمت کی بھی قدر نہ کی بلکہ دعا کی کہ اُسی ہمارے سفر کی منزلوں میں دوری پیدا کر دے۔ کیونکہ سفر کا لطف بھوک اور پیاس ہی میں حاصل ہوتا ہے اور ایسی خواہش کر کے اُنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ ہم نے اس ناشکر گنداری کی منزل میں اُنکو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ لوگوں کی بناؤں پر صرف اُن کی کہانیاں باقی رہ گئیں اور وہ متفرق و پیریشان کر دے گئے اور تمام واقعہ میں صبر کرنے والوں کیلئے بڑی بڑی علامات اور نشانیاں ہیں۔

آیات مذکورہ بالا میں قومِ سب کے حالات آبادی کے بربادیِ تمام نعمت کے بعد ناپاسی اور اُنکی منزل کا اجمالاً بیان ہوا ہے مگر جس اطلاع سے ہوا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دنیا کے عجیب ترین واقعات میں سے ہے اب ہم اُنکی تفصیل مورخین و مفسرین کے اقوال سے منتخب کر کے لکھتے ہیں۔

قوم سباجن بستیوں میں آباد تھی ان میں زراعت کیلئے ندی اور نالوں کا پانی کام میں آتا تھا۔
 ستر چھوٹے بڑے ندی اور نلے ایسے تھے جن میں خاص اوقات کے اندر پانی کی آمدنی ہوتی تھی۔
 جیسے برساتی نالوں میں ہوتا ہے۔ اور سال کے سال جو پانی آتا تھا۔ وہ تھوڑا ہوتا تھا۔ جس کی
 تقسیم میں باہم خوب جنگ و جدل اور قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی تھی اور جو ایام برسات کے ہوتے
 تھے ان میں روکے پانی سے جان و مال عمارت و زراعت کا نقصان ہوتا تھا۔ ایک ماہ اسی حالت
 میں گذر گیا مگر بلیقہ سخت شاہی پرنسپل ہوئی تو ان کو باہمی مجادلہ اور مقابلہ سے منع کیا لیکن پانی
 ایسی حاجت کی چیز ہے جس کے بعد گناہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی حالت میں مجبور تھے بلیقہ کے حکم کی
 اطاعت نہ کر سکے اور اسی لڑائی جھگڑے میں مستدار رہے بلیقہ نے جب یہ دیکھا تو وہ سخت سلطنت
 سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گئی اور ملک بے سر رہ گیا ان لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر ملک سے
 بلاطفہ درخواست کی کہ زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ مگر اُس نے صاف انکار کر دیا۔ جب
 کسی طرح اُس نے منظور نہ کیا تو ان لوگوں نے دھکی دے کر کہا کہ یہ تو سخت شاہی پرنسپل ہو کر سلطنت

سے یہ وہی بلیقہ ہے جس کا تذکرہ کلام محمد کی سورۃ نمل میں ان آیات کے اندر کیا گیا ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ اِدْرِي اَلِهَٰلُ هٰذَا اَمْ كَانَ مِنْ اَلْعَالَمِيْنَ ۝ اَلْحَقَّ يَبْنَٰ عَنَّا اَبَا
 شَدِيدًا اَوَّلًا اَذْجَنَّهُ اَوْ لِيَا قَبِيْئِيْ لِيَسْلُطٰنٍ مُّبِيْنٍ (الاحزاب) ۝ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ
 رَاٰتِ الْعَالَمِيْنَ ۝

خلاصہ مطلب ان آیات کا جس سے ہماری غرض کو تعلق ہے یہ ہے کہ جن انس اور طیور جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے
 لشکر میں داخل تھے جب آپ سفر کرتے تو یہ تینوں لشکر ہمراہ ہوتے اور ان لشکروں کی ترتیب بالکل علیحدہ علیحدہ ہوتی تھی ہر ایک
 لشکر اور جنس کا افسر علی اپنے ماتحت حصہ فوج کا ذمہ دار و ناظم کی ترتیب کا جواہر ہوتا تھا یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے
 تل جاتے یا آگے پیچھے بڑھ جاتے جن انس اور طیور میں سے ہر ایک کیلئے جدا جدا حد متین معین تھیں اور حضرت سلیمان
 علیہ السلام خود اسکی نگرانی اور پڑتال فرماتے رہتے تھے اسی طرح اس ترتیب اور جلیوس کیساتھ آپ نے ایک بار
 ملک شام سے حجاز کا سفر کیا۔ کہ معظمہ میں قیام فرماتے کہ بعد ملک میں کارا دہ کیا اور صنعا پہنچ کر قیام فرمایا۔

کام کو سنبھالو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ ملکہ نے کہا تم عجیب احمق اور بے عقل ہو مجھ کو مجبور بھی کرتے ہو اور میری اطاعت بھی نہیں کرتے۔ اس پر بے حد کڑیا کہ ہم ضرور فرمانبرداری کو لینگے تب ملکہ نے پھر کاروبار سلطنت کو سنبھالا۔ اور دو پہاڑوں کے درہ کو جس کا طول تین میل اور چوڑائی بھی تین میل تھی بڑی بڑی چٹانوں سے اور لوہے کے ذریعے سے جوڑ کر آہنی سہ بنادی اور تمام ندی نالوں کے پانی کو با اختیار جوہنے سے روک دیا۔ اس دیوار میں تین دروازے اور نیچے ایسے قاعدے اور حساب قائم کر دیے کہ جب چاہا دروازہ کھول دیا اور جب چاہا بند کر دیا۔ اور نیچے ایک بہت بڑا حوض بنا دیا پہلے سب سے اوپر کا دروازہ کھولا جاتا تھا اور جب تک پانی اونچا رہتا اس دروازہ سے حوض میں آتا۔ اور جب نیچا ہوتا دوسرا دروازہ کھول دیا جانا۔ علیٰ ہذا بھر ضرورت ہوتی تو تیسرا کھولا جاتا۔ اگر اسکی نوبت غالباً کم آتی تھی کیونکہ پانی اس کثرت سے ہوتا تھا کہ اس کے کم ہونے پہلے دوسری برسات آجاتی تھی۔

مورخین اور مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ تین دروازے اور پر نیچے بنائے تھے۔ لیکن یہ مرقین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۸) جہاں سے شہر اب صرف تین منزل دہ جاتا ہے۔ ہمد کے یہ خدمت سپرد تھی کہ پانی کے مواقع کی جستجو رکھے اور جس وقت ضرورت ہو فوراً بتلا دے۔ صفا پہنچ کر آپ کو پانی کی ضرورت ہوتی ہمد کو طلب کیا تو وہ موجود نہ تھا۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ اگر وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ نہ بیان کرے تو اس کو سخت عذاب یا جازگا۔ تھوڑی دیر میں ہمد حاضر ہوا اور اس نے نہایت جرأت کیسا غیر حاضری کی وجہ بیان کی کہ میں ایسی بات دریافت کر کے آیا ہوں جس کی آپ کو اطلاع نہیں ہے میں ملک سب سے آیا ہوں جہاں ایک عورت حکمران ہے جس کے پاس تمام لوازم سلطنت اعلیٰ درجہ کے موجود ہیں۔ اور نہایت عظیم الشان تخت شاہی ہے۔ مگر بایں ہمد بجائے شکر گذاری کے کھڑیوں مبتلا ہے۔ وہ اور اسکی تمام فوج آفتاب کی پوجا کرتی ہے اور میری غرض اس عرض سے یہی ہو کہ وہ آپ کے ہاتھ پر سلمان ہو جائے۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ ہم اسکی تصدیق کریں گے۔ یہ ہمارا خط لیا کر اس کے پاس ڈال دے۔ دیکھیں وہ کیا جواب دیتی ہو۔ ہمد نے خط لیا کر ڈال دیا۔ یقیناً اپنے ایمان سلطنت کو جمع کر کے سنایا کہ یہ خط حضرت سلیمان کا ہو وہ تحریر فرماتے ہیں کہ (بقیہ صفحہ ۲۵۰ پر)

قیاس نہیں ہے کہ اس قدر طویل دیوار میں پانی کا صرف ایک ہی دروازہ ہو۔ اس لئے یہ خیال
میں تین دروازوں سے یہ مراد ہے کہ پانی کے نکلنے کے تین ذنبے مقرر کئے ہر ایک ذنبے میں
اگرچہ کئی منفذ ہوں مگر ان سب پر ایک ہی دروازہ کا اطلاق کر دیا گیا۔

حوض کے اندر سے بارہ نہریں نکالی تھیں اور ان میں صنایع اور انجیری کا ایسا کمال
دکھلایا کہ ان واحد میں اگر سب نہروں میں پانی جاری کر دیا جائے تو ہر ایک نہر کے اندر اندر ایک فٹ
سے جائے۔ انکی جانچ اس طرح کی کہ حوض میں مینگینا ڈال کر دیکھا گیا۔ اور جت دیکھا گیا کہ یہ سب نہروں
کی طرف انکی رفتار یکساں نہیں ہے بلکہ کسی سمت کو مینگنی سرعت کیساتھ گئی اور کسی جانب بہتہ توڑنے
کی سطح کو ہر جانب ایسا یکساں ہوا کہ دیکھا کہ یہ فرق باقی نہ رہا۔

ان بارہ نہروں سے تمام ملک سبکی آبپاشی ہوتی تھی اور اس میں یہ کمال دکھلایا کہ ہر شخص اپنی
زمین کیلئے ایک آن واحد میں پانی لے سکے اور ظاہر ہے کہ پانی کی ایسی عجیب و غریب تقسیم جیب ہی
ہو سکتی ہے کہ ملک بھر کو نہایت قریب کے ساتھ مساوی بارہ حصوں پر تقسیم کیا گیا ہو اور نہریں

(بقیہ صفحہ ۲۴۹) تم مسلمان ہو کر فرما گئیاں حاضر ہو جاؤ۔ اب تم سب مجھے اس بارہ میں مشورہ دو کیا کروں
سب نے کہا ہم بڑی قوت اور شوکت والے ہیں ہم خوب مقابلہ کریں گے۔ لیکن کرینگے ہی جو تمہاری رائے ہوگی۔ ہم
سب مطیع ہوں گے۔

ملکہ نے کہا بادشاہ جب کسی شہر کو فتح کرتے ہیں تو اسکو ویران کر دیتے اور وہاں کے مغزین کو ذلیل
دخا کر دیتے ہیں میں ایک تدبیر کرتی ہوں انکے پاس قیمتی ہدایا اور تحفے بھیجتی ہوں شاید وہ اس طرح نرم ہو جائیں
اور بغیر کسی جھگڑے کے مصالحت ہو جائے۔

یہ ہدایا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کیا تمہارا یہ خیال ہو کہ میں بال و
دولت کا طالب ہوں میں کے پاس اس سے بدرجہا زائد اور بہتر موجود ہوں ہدایا کو واپس لجاؤ ہم ایسے
عظیم انسان لشکر سے چڑھائی کرینگے جسکی تاب مقاومت نہ لاسکیں گے اور ذلیل کرکے انکو ہاں سے نکال دینگے۔
ملکہ کے پاس جواب پہنچا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ بادشاہ نہیں بلکہ نبی ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۲۵۱) پر ملاحظہ فرمائیں

ٹھیک حساب کے مطابق بڑے راجہ اور اُس میں سے گولیں اور گولوں میں سے نالیاں اس قریب سے نکالی ہوں کہ ہر کھیت میں وقت واحد کے اندر پانی پہنچ سکے اور پھر ہر نہر کے اندر پانی اس حساب سے لیا گیا ہو کہ تمام چھوٹے بڑے راجہ کھول دیے جائیں تو سب کیلئے کافی اور ہر ایک میں بقدر اُس کے اندازے کے جاری ہو سکے۔

بدیو اور پانی کا بندہ ملکہ بلقیس نے بنایا تھا۔ اسی کو سد مارب کہتے ہیں اکثر مورخین و مفسرین کا بیان ہے کہ سد مارب ملکہ بلقیس کے زمانہ میں اُس کے حکم سے طیار ہوئی۔ لیکن بعض مورخین لکھتے ہیں کہ سد مارب خود سبائیں اشجب بن یعرب بن قحطان کی بنائی ہوئی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ لقمان بن عامر نے بنائی تھی جس میں پانی نکلنے کے تیس منفذ تھے اور بعض کہتے ہیں کہ قبائل مبینہ کے جد امجد قحطان نے اُس کو بنایا تھا۔

اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ فی الواقع کس نے بنایا تھا اگر حضرت عبداللہ بن عباس اور وہی ہے یا وایت ہے کہ بلقیس نے بنایا تھا۔ اور اس وجہ سے اس قول کو ترجیح دیا جاسکتی ہے۔

دبقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۰) ہم کسی طرح اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ موعود تمام اعیان سلطنت امر و وزرا اور لشکر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو نیکے لئے روانہ ہوئے جب قریب پہنچ گئے تو آپ کو اطلاع ہوئی آپ نے فرمایا کہ کون شخص بلقیس کے پہنچنے سے پہلے اُس کے تخت کو یہاں لاسکتا ہے۔ بقول اکثر مفسرین اخصاف ابن برخیا نے بیکر اس اعظم اور بقول بعض ایک فرشتے نے جو آپ کے ساتھ رہتے تھے اُس کو اکمل جھپکنے سے پہلے لا کر سامنے رکھ دیا جب بلقیس پہنچی تو آپ نے فرمایا تمہارا تخت ایسا ہی ہے۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ وہی تخت ہی ہے مگر احتیاط کے طور پر جواب دیا کہ یہ بالکل اُس ہی جیسا ہے۔ اور مجھے اب ایسے معجزے کھانے کی اب ضرورت باقی نہیں رہی مجھے تو اول ہی آپ کی نبوت کا احساس اور علم حاصل ہو چکا اور میں تو اسلام لا چکی ہوں۔

یہ مختصر بیان ہے بلقیس کے مسلمان ہونے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونیکا۔ واقعات کی تفصیل اور تشریح کا یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ یہ بیان کر دینا کہ مسلمان ہونیکے بعد (دبقیہ صفحہ ۲۵۲) پر ملاحظہ فرمادیں

ہر حال کسی نے بنایا ہو گر پانی کے اس عجیب و غریب تقسیم اور ہر وقت بلا وقف و منت سنبالی
نے تمام ملک کو گلزار بنا دیا۔ باشندے نہایت خوشحالی اور اطمینان کی حالت میں بسر کرنے لگے۔
خدا تعالیٰ نے اُن پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیے اُنکے ملک کو دنیا میں جنت کا نمونہ بنا دیا۔
انکی بستی کے دونوں جانبوں شمال و جنوب میں متصل اور متلاصق باغوں کی قطاریں چلی گئی تھیں۔ مغرب
شرق و غرب کو اس جسکے خالی چھوڑا گیا تھا کہ آفتاب کی گرمی اور دھوپ پہنچنے میں بروقت اور
رطوبت کے غلبہ کا اندیشہ تھا جسکی وجہ سے فراہوں کے اعتدال اور جہوں کی صحت میں خلل پڑ جاتا
پھلوں اور میوؤں کی یہ کثرت تھی کہ ایک عورت اگر اپنے سر پر ڈیڑھ لکھ کر اس طرح گزرے کہ ہاتھ کسی کام
میں مشغول ہوں تو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر درخت کو ہلائے ہر قسم کے میوؤں سے اُسکی ڈلیا بھر جاتی
تھی۔ میوؤں کی طلب اور تحصیل میں ذرا بھی حرکت اور جنبش کرنی نہ پڑتی تھی۔

آب و ہوا ایسی فرحت بخش روح پرور اور صحت افزا تھی کہ کوئی نمودی جانور خواہ سانپ۔ بچھو
کھٹل۔ پسو وغیرہ از قلم حشرات الارض ہوں یا درندے اُس میں پیدا نہوتے تھے اور نہ زندہ رہ

دلچسپ حاشیہ صفحہ ۲۵۱ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا مناسب۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام
نے فوراً اُس سے نکاح کر لیا اور اُسکو بدستور سلطنت پر برقرار رکھا۔ ہر مہینہ میں ایک بار خود اس کے پاس تشریف
لیجاتے اور تین دن قیام کے بعد واپس تشریف لاتے۔ بلقیس سے آپکی اولاد بھی ہوئی۔

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ سلمان ہو جائیکے بعد اپنے اُس سے فرمایا کہ تم اپنی قوم میں سے کسی شخص کو منتخب
کر لو جس سے تمہارا نکاح کر دیا جائے اُس نے کہا کہ مجھ جیسا شخص نکاح کر کے کسی مرد کا تابع اور مطیع بنے نہایت
نازیبا بات ہے۔ اپنے فرمایا کہ اسلام لائیکے بعد ایسا کرنا ضروری ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر نکاح کرنا ضروری ہے۔
تو آپ میرا نکاح ہمدان کے بادشاہ ذابیع سے کر دیجئے۔ چنانچہ نکاح کر دیا گیا اور ملک میں بدستور اُن کے
حوالے کر دیا گیا۔ ذابیع نے سلطنت میں نبھالی اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی تو انکی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا
ان دنوں اقوال میں سے جس کو بھی صحیح مان لیا جائے اُن سے اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ سلمان آپکی
بعد ملک بلقیس اپنے ملک میں بحیثیت سلطان بن گیا ہی اُس کا ملک زائل نہیں ہوا۔

رہ سکتے تھے۔ اگر کسی نووارد کے کپڑوں میں سپو کھٹیل یا جوں ہوتی تھی مارب کے حد میں داخل ہوتے ہی فوراً فنا ہو جاتی تھی۔ باشندوں کو نہ کبھی کوئی مرض پیش آتا تھا اور نہ کسی قسم کا سویرہضم ہوتا تھا اور نہ ذائقہ خراب ہوتے تھے۔ غرض نعمت کے تمام شعبے اُن کو حاصل تھے نہ ایسی عجیب و غریب نعمتوں کے حصول سے کوئی مانع تھا۔ نہ طلب میں دقت اور مشقت لاحق ہوتی تھی۔ اور نہ استعمال کے بعد اُن کو کسی قسم کی ناگواری یا اگرانی پیش آتی تھی۔ اور پھر یہ دنیاوی اور جسمانی ہی نعمتیں اُن کو نہیں دی گئی تھیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ اس کا بھی اطمینان دلادیا تھا کہ جس قدر اور جس طرح چاہوان ہماری نعمتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھاؤ تم ہر قسم کے مواخذہ سے بری ہو تم سے کچھ پریش اور بانہیں نہیں ہے۔

البتہ یہ سب دنیا و آخرت کی نعمتیں عطا فرما کر اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنے رب کو جانتے پہچانتے اور اسکی مشکر گزاری ادا کرتے رہو۔

اس کے علاوہ اُن پر اور بھی قسم قسم کے انعامات خداوندی مبذول تھے۔ اپنے وطن میں مقیم رہ کر یہ دولتیں اُن کو میسر تھیں۔ جو دنیا میں کسی قوم اور کسی ملک کو حاصل نہ تھیں۔ اور اگر تجارت و تفریح کیلئے ملک سے باہر جاتے سفر کرتے تو اُس میں بھی اُن پر ایسے ہی انعام مبذول تھے ان لوگوں کو زیادہ تر ملک شام کی طرف سفر کرنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ملک شام کا خط اپنی سرسبز و شادابی برکات ظاہری و باطنی میں مشہور و مسلم تھا۔ مارب اور شام کے درمیان کئی مہینے کی راہ تھی اس طویل مسافت میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے برابر کے فاصلے اور قریبے کے ساتھ سرسبز و شاداب دیہات کا سلسلہ قائم فرمادیا گویا صحیح پیمائش کے بعد مساوی حصہ کر کے ایسی منزلیں بنادیں جن میں مسافرین کی راحت و آرام کیلئے سرسبز اور ہوٹل موجود تھے۔ صبح سے دوپہر تک چکر اگر مسافر مقام کرنا چاہے تو اُس کو اتنی مسافت پر ایک اچھی آباد اور پر فضا بستی ملتی تھی جس میں ہر قسم کی ضروریات زندگی اور سامان آسائش مہیا ہوتے تھے۔ علیٰ ہذا دوپہر کے شام تک چلنے والوں کیلئے اس کی یہ حالت تھی کہ راستہ میں کسی درندے کا خوف تھا اور نہ

دشمن کا کھٹکا بلکہ ہر ایک کے اوپر ایسی سکون اور صفائی باطن کی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ راستہ میں اگر بیٹا باپ کے قاتل کو بھی دیکھے تو اُس میں کسی قسم کی استفحامی حرکت پیدا نہ ہو۔ ہر جگہ کھانے پینے کا سامان اور اسائنس کے سامان مہیا تھے۔ ایک شخص بلا کسی قسم کا توشہ ساتھ لئے تنہا بخوف و خطرات اور دن سفر کر سکتا اور اسی طرح مہینوں کی راہ کو باطنیان طے کر سکتا تھا۔

اسی طرح آرام و آسائش سے ایک زمانہ تک بسر کرتے رہے۔ مگر بالآخر دولت نعمت کا نشہ اُن پر سوار ہوا اُنہوں نے ہر قسم کی ہمتیاں شروع کر دیں ان انعامات خداوندی کو اپنا خانہ زاد اور اپنی ذات و ملک کی خصوصیات یا اپنے کسب و کمالات کے ثمرات سمجھ کر خدا کو فراموش کر بیٹھے اور بجائے شکر گزاری کفران نعمت کے مرتکب ہوئے بعض روایات کی مطابق ۳۱ اُن کی ہدایت و اصلاح کیلئے بھیجے گئے۔ مگر اُنہوں نے ایک نہ سنی اور اُسی اپنے خیال خام پر چبے ہوئے ازبکا معاصی میں منہمک رہے اور اب ان بے انتہا اوپیشل نعمتوں کے سلب اور زوال کا وقت آگیا لیکن قبل اسکے کہ ہم انکی بربادی کے حالات کو بیان کریں ایک خلیجان کو رفع کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

کلام الہی کے بیاق سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قوم سب باران لذائذ و نعمات خداوندی سے مست ہونے کی سبب تھا ایک زمانہ واز تک خدا تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مصروف اور اسکی شکر گزاری میں مشغول رہے کیونکہ جلد بہت غفوف و اس کا مقتضی ہے کہ انکی لغزشوں اور خطاؤں سے جو کسی منہمک لذات یا مبتلا تعلقات سے سرزد ہونا غیر اغلب نہیں درگزر کیا جائے اور جو نعمتیں اُن کو دی گئی ہیں اُن پر دینی و دنیاوی مواخذہ نہ کیا جائے۔ اور یہ بغیر اسکے کہ وہ مومن ہوں ممکن نہیں ہے۔ علیٰ ہذا فاعرضوا بھی اسی کو مقتضی ہے کہ اُنہوں نے کچھ عرصے بعد شکر گزاری سے اعراض و انکار کیا۔ اور اسی کی تابید اُس جلد سے ہوتی ہے جو ابن جریر نے ضحاک سے روایت کیا ہے۔

فعاشوا زمانا من الدھر ثم دینی یک زمانہ تک اسی حال میں رہے اور پھر اُس کے انھم عتوا و عملوا بالمعاصی بعد سرکشی شروع کر کے معاصی کے مرتکب ہو گئے۔ اور یقین جو بانی اس سد باب کی ہے اُس کی نسبت کلام اللہ میں صاف موجود ہے کہ وہ اور

اُسکی قوم آفتاب کی عبادت کرتی تھی لیکن اگر ہم اُن دوسرے اقوال کو ترجیح دیکر تسلیم کریں کہ سدا بانی سبار بن شجب یا لقمان یا قحطان تھے تب تو کچھ مشکل ہی نہیں کیونکہ یہ لوگ موحد مومن تھے سبار کے اُستار تو ہم اُقل نقل کر چکے ہیں۔ جن سے اُس کا مومن ہونا معلوم ہوتا ہے یا لقمان یا ہی جو یہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور قحطان کی نسبت گو تضریح نظر سے نہیں گزری۔ مگر سبار جو اُن کا پڑوتا ہوتا ہے مومن تھا تو یا غلبہ اور یقینی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مومن تھا۔

البتہ بلقیس کو بانی ماننے میں کچھ مشکل نظر آتا ہے لیکن یہ مشکل بھی تھوڑی سی نال میں رفع ہو سکتا ہے۔ بلقیس نے سد ماب ایسے وقت میں بنائی کہ وہ شرک کی حالت میں تھی لیکن آخر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہو کر سلطنت کرتی رہی تو اب یہ نتیجہ کمال لینا کچھ دشوار نہیں ہے کہ قوم سبار جس قدر انعام و اکرام ہوئے جن کا ذکر کلام الہی میں ہے وہ بلقیس کے مسلمان ہونے کے بعد ہوئے ہیں اور گو سد ماب بنائے کے بعد اُس ملک کی حالت درست ہو گئی تھی۔ مگر اُس منتہائے درجہ ترقی عروج پر بعد اسلام بلقیس کے پہنچی تھی۔ اور پھر زمانہ دراز تک قوم سبار اسلام پر ثابت قدم عبادتہ خداوندی میں مصروف اور انعام الہی سے شکر یہ میں مصطب اور اخلاص قلبی رطب اللسان ہے ہوں۔ اور اُس کے بعد اُن میں طغیان کفران کا مادہ پیدا ہوا ہو جس نے انجام کار اس تباہی و بربادی تک پہنچا دیا۔

اس حلجان کو رفع کرنے کے بعد ہم اصل واقعہ تباہی قوم سبار کی طرف رجوع کرتے ہیں جس مفسرین اور مؤرخین کا اس پر تو اتفاق ہے کہ سد ماب کے خراب ہونے اور بند کو توڑ سیلاب کے آنے کا ظاہری سبب ہو کہ جو ہوں نے اُس میں حلجان قبیلہ لگا کر سوراخ کر دیے تھے مگر واقعات کے بیان اور ترتیب میں اختلاف ہے۔

ابن جریر طبری اور ابن حاتم نے وہب بن منہ سے روایت کیا ہے کہ قوم سبار جب کرشی اور مدو میں حد سے گزرنے لگی تو اُن کی ہدایت کو تیرہ (۱۳) نبی بھیجے گئے مگر اُن پر کچھ اثر نہیں ہوا اُن کو سد پر اعتماد تھا کہ سیل وغیرہ اُن تک نہیں پہنچ سکتی۔ البتہ حکم کسانتہ کے ذریعے سے اُن کے

ذہن میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ اُن کے آہنی سد کو چوہے خراب کر ڈالیں گے اس سے محفوظ رہنے کی یہ تدبیر کر لی تھی کہ اس دیوار پر جہاں دو چٹانوں کے درمیان کچھ ذرا سا بھی سوراخ دیکھا وہاں ایک بلی کو باندھ دیا تاکہ چوہا اُس میں داخل نہ ہو سکے۔ اور نہ اُس کے قریب آ سکے۔ مگر جب اُس کے ٹوٹنے کا زمانہ آیا تو ایک سرخ چوہے نے بتی پر حملہ کیا جس سے ڈر کر وہ پیچھے کو ہٹی اور چوہے نے انڈر گھس کر کھودنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ انجام کار سیلاب نے دیوار کو توڑ دیا۔

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال عام طور پر اُن لوگوں میں پھیلا ہوا تھا کہ اُسکی تباہی چوہوں سے ہوگی اور اس سے محفوظ رہنے کی یہ تدبیر کر لی تھی۔

اور ایک روایت یہ ہے کہ قوم سب نے اپنے بے انتہاء ترغیب و تحمیل کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے تکلفات اختیار کر رکھے تھے۔ اُنکی ایک عام نشست گاہ تھی جس میں سنگ مرمر کا فرش لگا ہوا تھا۔ اس جگہ اُن کا اجتماع ہوتا تھا۔ ایک وزیر نصاریٰ وہاں پہنچے۔ اُنہوں نے اُنکی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ تم لوگ اُس ذات کی شکر گذاری اور عبادت کرو جس نے تمکو یہ تمام نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُنہوں نے جواب دیا ہمکو یہ نعمتیں کسی نے نہیں دیں۔ ہم نے جو کچھ پایا ہے وہ ہمارے باپ دادا کا متروکہ کر غرض کسی نے اُنکی بات پر کان نہ دھرا۔ مگر وزیر اُس مجلس میں موجود تھا وہ تاڑ گیا کہ یہ بات معمولی نہیں ہے۔ ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اُس کا نتیجہ نکلنے والا ہے اُس نے اُسی وقت یہاں سے جلا وطن ہو جانیکا قصد کر لیا۔ اور اُسکی تدبیر نہ نکالی کہ اپنے بیٹے سے کہا کہ کل بھری مجلس میں آکر تو میرے چہرے پر تھپڑ مارنا۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو میں تجھ سے عمر بھر کلام نہ کروں گا۔ بیٹے نے ایسا ہی کیا اُس نے کہا میں ایسی سرزمین پر جہاں بیٹے نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہرگز رہنا نہیں چاہتا میں اپنی جائداد فروخت کر ڈالنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے اسکو غیبت سمجھ کر تمام جائداد و مکانات خوب اچھے داموں خرید لئے۔ وزیر اُن سے رخصت ہو گیا اور اُس کے بعد چوہوں نے سد کو تباہ کر دیا۔

ایک روایت قنادہ اور عکرمہ سے ہے اور اکثر مورخین نے اسی روایت کو قابل اعتماد

قرار دیا ہے جس کا حاصل باوجود جزوی اختلاف کے یہ ہو کہ عمرو بن عامر جو انصار مدینہ منورہ کے
 جدا جدا تھے یا اُن کے بھائی عمران بن عامر اُن دنوں میں سے کسی ایک کا یہ واقعہ ہو سکے پاس مقدّر
 باغات اور جائداد تھی کہ کسی دوسرے کے پاس تھی۔ یہ خود بھی کاہن تھے اور اُن کے یہاں ایک عورت
 تھی جس کا نام طریفہ تھا یہ عورت علم کھانت میں کمال رکھتی تھی اس عورت نے اُن کو اطلاع دی کہ سدا
 ٹوٹ کر سیلاب عظیم آئیوا لاہے جو ملک کو تباہ کر دے گا۔ اور اس کی علامت یہ ہو کہ اس میدان میں
 جو سدا کے نیچے ہے ایسے بڑے بڑے چوہے نظر پڑیں گے جو اتنی بڑی چٹانوں کو جنکو بہت آدمی
 بھی ملکر نہیں ہلا سکتے اٹھا کر پھینکیں گے۔ یہ سنکر وہ اپنے خواص میں سے چند لوگوں کو لیکر جنگل
 پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ایک چوہا اتنے بڑے پتھر کو جسکو تنو آدمی نہیں اٹھا سکتے سدا میں سے نکال کر پھینک رہا
 ہے یہ دیکھ کر اُس نے اپنے کنبہ کے تمام سمجھ دار لوگوں کو جمع کر کے یہ حال بیان کیا اور کہا اس امر کو بالکل
 محضی رکھو ہمارا خیال ہے کہ ہم کسی حیلہ سے اپنی جائداد باغات اور مکانات فروخت کر کے نکل جائیں
 اُس نے اپنے برادر زادہ حارثہ کو بلا کر کہا کہ کل جب مجلس میں اشراف و اعیان ملک جمع ہوں تو میں
 تمکو کسی بات کا حکم دوں گا۔ تم اُسکے ماننے سے انکار کر دینا میں تم کو مار دوں گا تم بھی میرے پتھر مانا ہی تجھے
 کہا یہ کیونکر ممکن ہو کہ بیٹا باپ کو مارے اُس نے کہا ایسا ہی کرنا ہو گا۔ ہمیں تمہاری اور ہماری مصلحت
 اگلے روز جب سردار اور اشراف سلام کی غرض سے حاضر ہوئے تو حسب قرار داد عمران نے حارثہ کو حکم دیا
 اُس نے تعمیل سے انکار کر دیا۔ عمران نے حارثہ کو لکڑی ماری۔ حارثہ نے بھی حارثہ کے نور سے
 پتھر رسید کیا اس پر عمران بگڑ گیا اور کہا کہ چھری لاؤ میں اسکو اسی وقت بیچ کر لیا ہوں۔ تمام حاضرین نے سفارش
 کی کہ جرم بیشک سخت ہو مگر قتل سے درگزر کر کے اور کوئی سزا چاہیے کتنی ہی سخت ہو دیجائے عمران نے
 کہا ہرگز نہیں میں اسکو ضرور بیچ کروں گا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ عمران ہرگز نہیں ماننا تو حارثہ کے کمانا
 اطلاع کر دی وہ سب فوراً وہاں پہنچے انہوں نے کہا کہ اس جرم کے تادان ادا کرنے کیلئے ہم ہر طرح سے
 حاضر ہیں عمران نے ایک مانی اور ذبح کرنے پر مصر رہا۔ اُن لوگوں نے یہ دیکھا تو کہا کہ ہم سب جب تک مرنا ہی
 تو ایسا نہیں کر سکتا۔ عمران نے کہا کہ اگر یہ بات ہو تو میں ایسے ملک میں ہرگز نہ رہوں گا۔ جہاں میری توہین

کی گئی ہو۔ میں جاتا ہوں اور اپنی تمام جائداد فروخت کرتا ہوں۔ بنو حمیر نے خوب بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگا دیں اور سب کچھ خرید لیا۔ عمران نے اپنے قبیلہ اور خاندان کے مارتب سے رخصت ہو گیا۔
ان تینوں روایتوں میں اگرچہ بظاہر تضاد و تناقض معلوم ہوتا ہے مگر ان سب کو اگر صحیح مان لیا جائے تو جمع کرنا بھی ممکن ہے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ سب سے اول عمران بن عامر کو کاسنہ کے ذریعے سے علم ہوا ہو اور وہ اس حیلہ ملک چھوڑ گیا ہو۔ اُس نے چوہوں کو بھی دیکھا ہو لیکن وہ کیفیت اس درجہ تک پہنچی تھی کہ دوسرے لوگ بھی اُنکو دیکھ کر متنبہ ہو جاتے۔ تو تاریخ پنجی اس پر شاہد ہیں کہ عمران بند کے ٹوٹنے سے زمانہ دراز پہلے مارتب کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ لیکن یہ بات قریب ناممکن کے بھی ہے کہ گو عمران نے کیسا ہی اس باز کو مخفی رکھا مگر وہ ایسا پوشیدہ رہا ہو کہ اُس کے چلے جانے کے بعد بھی کوئی اُس پر مطلع نہ ہوتا۔ عمران کے بعد یہ خیال اُن لوگوں میں ضرور پھیلا اور اسکے دفعیہ کی واسطے انہوں نے ہر ایسی جگہ جہاں بند میں شگاف نظر آیا بلیاں بندھوا دیں۔ یہ خیال اُن میں ایک درجہ تک ضرور پھیلا ہوا تھا مگر اس درجہ کا یقین اُن کو نہ تھا کہ عمران کی طرح گھربار چھوڑ کر چلے جاتے لیکن چند سچی لوگوں نے جو دین حق کے متبع اور علم کتاب سے حصہ وافر رکھنے والے تھے ذوزن کی مجلس میں وہ گفتگو کی جو ہم ادنیٰ نقل کر چکے ہیں تو اگرچہ اس میں بند کے ٹوٹنے یا چوہوں کے ذریعے سے ایسی سخت آفت آئیکا تذکرہ نہ تھا مگر اُن کے اذنبیان اور طرز کلام سے ذوزن پر فوری اثر ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی ہونیوالی بات ہو اور جو خیال عام طور سے راسخ تھا ذوزن کے نزدیک اب درجہ یقین کو پہنچ گیا۔ اور چونکہ سچی علماء کی گفتگو میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے کسی کو کھٹکا ہوتا اسلئے اُس کا چرچا بھی نہ ہوا۔ اور ذوزن بھی عمران کی طرح اپنی جائداد وغیرہ فروخت کر کے مارتب سے ہجرت کر گیا۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمران کا واقعہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کا ذوزن کا قصہ مارتب کی بربادی سے قریب کا۔ اس طرح تینوں روایتیں جمع ہو جاتی ہیں اور ان کا باہمی تضاد باقی نہیں رہتا۔

الغرض عمران تو اپنے خاندان کو ساتھ لے کر : ہاں سے رخصت ہو گئے اور چوہوں نے اُس

ناممکن الشیخ دیواریں ایسے شگاف ڈال دیے کہ بانی نے اپنا راستہ کر لیا اور اس نور سے سیلاب کیا کھام
 باغات۔ مکانات۔ زراعت تباہ ہو گئے۔ زمین قابل کاشت نہ رہی۔ ہر جگہ ریت کے قوے لگ گئے
 اُن سرسبز اور فرحت بخش باغوں کی جگہ نکلے اور ناقابل کار درخت رہ گئے اور جو لوگ کہ اُس وقت وہاں
 موجود تھے وہ ایسے متفرق ہوئے کہ جس کو جہاں موقع ملا وہاں چلا گیا۔ اور اُس وقت سے آج تک
 عرب میں سبکی بربادی و تباہی بطور ضرب المثل کے پڑے وہ کسی قوم کی بربادی کا نقشہ کھینچنا چاہتے
 ہیں تو کہتے ہیں تضرعوا ابادی سبدا۔ ایا دی کے معنی میں اولاد کے مطلب یہی کہ مثل اولاد سبکے
 متفرق ہو گئے۔ ایک اسلامی شاعر کثیر غزہ اپنی محبوبہ غزہ کو خطاب کر کے کہتا ہے ۔

ایا دی سبایا عتر ما کنت بعدا کمہ فکمد یحیل بالعینین بعدا کمہ منظر

(اے غزہ جب تک میں تم سے دور نہ رہتا ہوں مثل اولاد سبکے پریشان رہتا ہوں۔ اور کوئی خوشگوار منظر آنکھوں میں بھلا نہیں معلوم ہوتا)

خدا تعالیٰ نے قوم سبک پر اپنے خاص انعام مبذول فرمائے۔ اور قدرت کے وہ کرشمے دکھائے
 کہ کوئی ملک اور کوئی قوم اُن کی سہری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی اُنکے باغ جنت کے باغوں کے مشابہ تھے
 اُنکی سرزمین اسی پاک و صاف بنائی گئی تھی کہ اُنکو جنت کا ٹکڑا کہنا زیبا تھا۔ مگر جب تباہی کا وقت آیا
 تو اُس میں بھی قدرت کا تماشا دکھلایا گیا۔ وہ دیوا جس کا عرض ایک فرسخ یعنی تین میل ہو جس میں سیہ
 پلایا گیا ہو۔ جس کی بڑی بڑی چٹانوں کو سینکڑوں آدمی بھی ملکر جنبش نہ دے سکیں چوہے جیسے حشر جانور
 سے برباد کر دی گئی۔ وہ دور وہ باغوں کی قطاریں اور وہ عالی شان قصور و مضبوط حصار اُن کی اُن میں
 زمین نہ نہ کر دیے گئے۔ وہ قوم جس کیلئے سفر میں بھی یہ راحت کے سامان تھے کہ تھوڑی تھوڑی مسافت
 پر سرائیں۔ باغات۔ آرام دہ مکانات۔ ہر قسم کی مکلف غذائیں جیتا تھیں اور وہ اُن سے اُگنا کر دیا
 کرتے تھے کہ ہماری منزلیں در کر دیجائیں۔ ایسے پریشان کر دیے گئے کہ ان میں سے ایک اگر روپ بگیا
 تو دوسرا چھ ایکہ شرق کی طرف چلا تو دوسرا مغرب کی طرف گویا اُنکی استعا کا نتیجہ سڑکی صوبہ میں ظاہر ہوا۔
 اہل سبک اگر اول حالت میں اہل جنت کی طرح ہر قسم کی نعمتوں میں تھے تو کفران و طغیان کی بدلت
 اہل ناری کی طرح سخت عذاب میں مبتلا ہو کر پریشان کر دیے گئے۔ اور آج بحر قصہ کہانی کے کچھ باقی نہیں رہا

نہ وہ باغ ہے اور نہ وہ مکانات نہ سرکیں باقی ہیں اور نہ سرائیں۔ فقط کھنڈر اور ریت کے توفے ہیں۔ یا وہ آبادی یا یہ بربادی۔ اِن رَفِیْ خَالِکَ رِطَیَاتٍ بِکُلِّ حَبَا شِکُوْر
اس تمام قصہ میں بڑی بڑی نشانیاں اور عبرت کے قابل باتیں ہیں۔ اُس لوگوں کے لئے جو خواہشات نفس سے رکنے والے۔ طاعات و عبادات کی شقت و سہرے صبر کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والے ہیں۔

نفس واقعہ تو ختم ہو چکا لیکن اُس کے نتائج بیان کرنے سے پہلے ہم یہ بھی ختلانا چاہتے ہیں کہ قوم سبا یہاں سے اُٹھ کر کہاں گئی اور اس بربادی میں کتنی آبادیاں مضمحل تھیں۔ عمران بن عامر کا حال ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ وہ مع اپنے اقارب کے یسل عم کے واقعہ سے قبل اپنے وطن کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ موصیٰ بن مکیس کہتے ہیں کہ عمران کا ہتیجہ ثعلبۃ العنبا بن عمر بن عامر ملاء السماء تو حجاز کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اپنے اہل و عیال کے ثعلبیہ اور ذی وقار کے درمیان فروکش ہو گیا اور جب کچھ عرصہ میں اُسکی اولاد جوان اور حالت درست ہو گئی تو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں قبائل یہود پہلے ہی سے متفرق طور پر آباد تھے۔

ثعلبہ نے مدینہ منورہ میں قیام کیا اور جب اُہاں پہنچے رہتے کچھ قوت و شوکت حاصل ہو گئی تو یہود کو خاص مدینہ سے نکال دیا اور وہاں گڈھیاں بنالیں۔ کھجور کے باغات لگائے اور یہ بستی خاص ثعلبہ اور اُسکی اولاد کی ہو گئی۔ ثعلبہ کے بیٹے حارثہ ہوئے اور حارثہ کے دو بیٹے اوس اور خزیم ہوئے تمام انصار مدینہ انہیں دونوں کی اولاد ہیں۔

ثعلبہ کے دوسرے بھائی حارثہ حرم مکہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں پہلے قوم جریم آباد تھی اور یہ وہی قوم ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت یہاں آکر آباد ہوئی تھی۔ لیکن یہ قوم سرکشی اور طغیان میں حد سے متجاوز ہو گئی تھی۔ بیت اللہ کی تعظیم اور حرمت اُن کے دلوں میں باقی نہ تھی انہیں میں کے ایک مرد نے جس کا نام اساف تھا اور ایک عورت نے جس کا نام نائم تھا خاص بیت اللہ کے اندر زنا کیا تھا۔ جس کی سزا میں وہ مسخ ہو کر پتھر بن گئے اور انہیں غنا

اسی کی زندہ تصویر کو زمانہ درانہ کے بعد عربوں نے معبود بنا کر تمام اقوام عرب کا خدا بنا دیا۔ خدا تعالیٰ کو منظور ہوا کہ قوم جرہم کا حرم بے اخراج کیا جاوے اس کا یہ سامان ہوا کہ ثعلبہ مع اپنے تعلقین کے وہاں آباد ہوئے۔ اور یہ قوم خزاعہ کے نام سے معروف و موسوم ہو گئی۔ خزاعہ جب وہاں جا کر دم گئے تو انہوں نے جرہم کے ساتھ سخت معرکہ آرمائیاں کیں۔ ان کو حرم سے صل کی طرف نکال دیا اور خود حرم پر قابض اور متمکن ہو گئے۔ قوم جرہم یہاں سے ویران ہو کر جگہ جگہ مارے مارے پھرے۔ اور بالآخر انکی نسل منقطع ہو گئی۔ اور آج دنیا ان کے وجود سے خالی ہے مگر جرہم کو کعبہ سے جلا وطن ہو کر انعامات خداوندی کی قدر یاد آئی اپنی بد افالیوں پر پشیمان ہوئے۔ چنانچہ ان کا شاعر حسرت یاس کے ساتھ کہتا ہے۔

كَانَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْجَحْمِ إِلَى الصَّفَا زَيْنُسٌ وَكَدْسِمَا بِسَكَّةَ سَاءَ مَرُؤًا
گویا کہ جحون اور صفا کے درمیان کوئی آدمی تھا ہی نہیں۔ اور کدس میں کسی رانکو بیٹھ کر اس کی نہیں
جلی اتھن کُنَّا أَهْلَهَا فَأَبَا دَنَا صُحُوفٌ إِلَيَّ الْوُجُوهِ وَالْخُطُوبِ الزُّوْجُ
کیوں نہیں ہیں تو وہاں کے ساکن تھے۔ ہمیں کو گردش زمانہ اور جلوت عظیمہ نے تباہ کیا۔
وَكُنَّا وَلَاحَةَ الْبَيْتِ مِنْ بَعْدِ نَابِتٍ نَطُوفٌ بِذِئَابِ الْبَيْتِ وَالْخَيْرِ ظَاهِرُ
نابت کے بعد ہم ہی بیت اللہ کے متولی تھے ہم ہی بیت اللہ کا لونی کرتے تھے اور قسم کی خبر بیکٹ ظاہر تھی
جرہم کے بعد ایک زمانہ تک خزاعہ بیت اللہ کے متولی اور کارکن رہے۔ لیکن انہیں میں سے ایک
بقیمت نے جس کو ابو عیشاں کہتے تھے بیت اللہ کو تلب کے ایک مشکیزے کے عوض دیدیا اور بھی
وہاں سے رخصت ہوئے اور بیت اللہ کی تولیت قریش کے سپرد ہو گئی۔ عرب میں یہ منحوس
معاملہ بیع و شرار وہ بد قسمت شخص ضرب لشل بن گئے۔ کہا جاتا ہے۔

أَحْسَرُ صَفْقَةً مِنْ أَبِي عَيْشَانَ دَالِي عَيْشَانَ سَ مِنْ زِيَادَةِ طُؤْطُؤِ دَالِي
خزاعہ پر اس معاملہ کی وجہ سے ایسا دھبہ لگ گیا کہ کسی طرح نہیں دھلتا۔ چنانچہ ایک
شاعر کہتا ہے۔

وَجَدْنَا فَخْرَ هَاشِرٍ الْحُمُورِ

فخر شراب پینے کے اندر ہوتا ہے

لحمی بلس مفقہ الفخوسا

خدا کے گھر کو اپنے جہل کی وجہ سے فروخت کر دیا۔ قسم ہے اپنی جان کی فخر کرنے والیکے لئے یہ بہت بری بات ہو

ثعلبہ کا تیسرا بھائی عمران بن عمرو بن عامر بن السمار ہے جد اہل کرمان کی طرف چلا گیا وہاں

پہلے طلسم و جدیس آباد تھے لیکن انکی نسل منقطع ہو چکی تھی۔ عمران نے عمان کو وطن بنا لیا اور وہ از د عمان کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اور اُس کا چوتھا بھائی حفصہ بن عمرو بن عامر ملک شام کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں جاکر مالک

بن گئے۔ اور یہی حفصہ جبلة ابن الایم کا جد امجد ہے۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ انصار اور جبلة بن الایم ہم جد تھے جس کی طرف ہم جبلة کے بیان

میں اشارہ کر آئے ہیں۔ اسی تعلق قرابت کی وجہ سے حضرت حسان بن ثابت ملک حفصہ کے یہاں

جاتے۔ انکی میح سرائی کرتے اور عمان بنتے تھے اور آل حفصہ بھی اسی وجہ سے اُن کا ادب و لحاظ

کرتے تھے۔ باقی قبائل میں بھی اسی طرح جگہ جگہ آباد ہو گئے مگر یہاں اُنکی تفصیل بیان کر نیکی حاجت

نہیں ہے۔ اب ہم واقعہ سیل عرم سے مفید اور اہم نتائج اخذ کر کے بیان کرتے ہیں۔

نتیجہ اول۔ قوم سبار کی آبادی۔ انتہائی تنعم اور خوشحالی کا نفس واقعہ کلام الہی میں جس قدر

اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا گیا اُس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دنیا کے عجیب ترین واقعات میں سے

تھا۔ اگرچہ اُسکے تفصیلی حالات ہم تک نہ پہنچے ہوں۔ اور جو پہنچے اُن میں سے بعض حالات صحیح نہ ہوں

مگر نفس واقعہ کی صحت و تسلیم اور اُس کے منجملہ عجائب قدرت الہی ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہو

سکتا۔ ہو سکتا ہے تو اُسی کو جو خدا تعالیٰ کی وسیع قدرت کا منکر ہو یا جسکو کتب آسمانی کے تسلیم سے

انحراف ہو۔

اس واقعہ کی تفصیل میں جس قدر حالات ہم نے مفسرین و مومنین کے حوالہ سے لکھے ہیں

اُن سے ہم کو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا کے حالات ایک تماشگاہ کی طرح ہیں جس میں ایک وقت پر ایسا عجیب منظر دکھایا جاتا ہے۔ جس سے حاضرین محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر میں وہ پردہ اُٹھا دیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ دکھایا تھا وہ خواب و خیال بن جاتا ہے۔ اُس کے بعد دوسرا سینہ سامنے آتا ہے اُسکی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ہم جس وقت کوئی عجیب سے عجیب تماشہ دیکھیں تو ہم کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ خوش قسمتی سے یہ ہمارا ہی حصہ تھا۔ ہم سے پہلے جو گذر چکے ہیں وہ اس سے محروم تھے۔ ممکن ہے کہ اس بعد کے تماشے میں کوئی جدہ ہو۔ لیکن یہ بالکل واقع اور نفس الامری بات ہے کہ پہلا تماشہ اس سے ہزار گنا زیادہ بہتر اور نفس گذر چکا ہو تو جانتے نہیں ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ تماشگاہ میں ہمیشہ نئے ہی تماشے ہوتے ہیں بلکہ ایک تماشے کو کئی دفعہ دہرایا جاتا ہے۔ اگرچہ کسی دہرائے ہوئے تماشے کو سب سے آخر دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ میرے سوا اُسکو کسی نے نہیں دیکھا مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

دنیا میں ہزاروں تماشے ہوتے۔ اور پردہ عدم میں چھپ گئے۔ لاکھوں کھیل بنے اور بگڑ گئے۔ اگر آثار قدیمہ کے متلاشی کو وہ صحرا اور ہولناک میدانوں کی خاک چھان کر کھوج نہ نکالتے یا تواریخ سے ہموان کا پتہ نہ لگتا یا کتب سماوی میں ایسے حالات کی طرف اشارہ نہوتا تو یقیناً کوئی شخص ایسے دوزخ قیاس و افتات کو تسلیم کر نیکی لئے تیار نہوتا اور جس طرح ریل تار وغیرہ کی ایجاد سے پہلے کوئی شخص اُن کو مان لینے کی وجہ سے قابل مضحکہ بن سکتا تھا۔ اسی طرح اُن کے تسلیم میں بھی اُن کو محض و کم عقل کا خطاب دیا جاسکتا تھا۔ مگر شکل یہ ہے کہ دنیا کے پردہ پر ضعیف الخلق انسان کے ہاتھ سے جس قدر عجائب مقدرات الٰہی کا ظہور ہو چکا ہے اب اُن سے کلیۃً انکار کی گنجائش نہیں رہی گو کسی ایک واقعہ کے خاص اسباب تکذیب کر دینا ممکن ہے۔

آج تہذیب و تمدن کا زمانہ ہے صنعت و ایجاد معراج کمال پر پہنچے ہوئے ہیں۔ فولاد و گرافٹین سلیکرافٹ۔ تار وغیرہ ہزار ایجادات ایسی ہیں کہ اگر اُن کے صاحب دعوہ بنو کر کہیں اُن کو اپنے ہجر میں پیش کرتے تو بہت کم عقل حقیقہ نامہ شناس۔ تاثیرات شہید خاص ہمارے ناواقف۔ علم

علم طبقات الارض سے جاہل ایمان والے کو خیار ہو جاتے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ جو اکتشافات اب ظہور پذیر ہوئے وہ سب جدید ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اکتشافات جدید بھی ہوں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ بعض ان عجائب ایجادات کا جو کسی زمانہ میں صفحہ روزگار پر جلوہ گر تھے ابھی تک کسی موجد و محقق کو پتہ بھی نہ لگا ہو۔

تمام علوم کی ابتدا انبیاء علیہم السلام سے ہوئی ہے۔ صناعتوں کا وجود ان کے طفیل ظہور میں آیا ہے خواص اشیاء اور تاثیرات ادویہ سب انہیں کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں بغرض اصول ہر علم کے خواہ علم شائع و ادیان ہو یا علم ریاضی و ہندسہ ہیئت و طب انکے ذریعے دنیا میں پھیلے ہیں۔ بنیاد ان علوم کی انبیاء علیہم السلام نے ڈالی اور انکی تفصیل حکما کے ذریعے پہلی جہنوں ہر زمانہ میں اپنی عمریں ان کی تحقیق و تفصیل میں صرف کر دیں اور انیوالی نسلوں کیلئے ایسا ذخیرہ چھوڑ گئے جو ہمیشہ کیلئے کار آمد ہو ان علوم میں سے بعض ایسے اصول تھے کہ انکی تفصیل میں بھی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ مثلاً ریاضی و ہندسہ اور بعض کی تفصیل میں اختلاف پیدا ہوا ہر ایک محقق اور فلسفی نے اپنے لئے جدا ماہ بنائی جیسا کہ ہیئت و طب اور دوسرے تجربات لیکن متاخرین کا جو کمال تھے وہ صرف تفصیل اور تحقیق میں ہے۔ انہوں نے اپنی کوشش سے ایک مادہ کو مختلف کیلوں کے سانچے میں ڈھال کر ہزار ہا صورتیں بنادیں۔ مگر یہ دعویٰ کرنا کہ تمام اکتشافات بالکل انہیں کے کسی کو وہاں تک سائی نہیں ہوئی۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

تواریخ اور آثار قدیمہ کتب سہادی اسکے خلاف شہادتیں دیتیں و تصنیفات متقدمین اسکی تردید کرتی ہیں۔ اسلئے ہر کوئی سمجھنا نہ چاہئے کہ زمین کے تمام خزانے ظاہر ہو چکے۔ اور اس کے اندر جو نامے پوشیدہ ہیں بالکل نکال لئے گئے نہیں بہت کچھ مکمل چکے اور ابھی بہت کچھ باقی ہیں۔ احادیث اسکی شاہد ہیں۔ اسلئے یہ ممکن ہے کہ بعض اکتشافات بالکل جدید بھی ہوں۔ مگر یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ بعض ایسے عجائب ایجادات زمانہ دیکھ چکا ہے جو حال کے موجودوں کو نصیب بھی نہیں ہوئے۔ اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ جن بعض اکتشافات کو ہم جدید سمجھتے ہیں وہ ایک زمانہ میں ولج پاکر پردہ عدم میں پوش

ہو گئے ہوں۔ اور اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ اُصول اُن کے اوّل سے موجود ہیں۔ مثال کے طور سے دیکھ لیجئے کہ آواز ہوا کے ذریعے پہنچتی ہے۔ دھیمی آواز ہے تو تھوڑی دیر تک صاف جانی پہچانی منتشر ہو کر گم ہو جاتی ہے۔ بلند آواز ہے تو میلوں اُسی طرح چلی جاتی ہے۔ اس سے اس قدر معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی چیز آواز کو ہوا میں منتشر اور متلاشی ہونے سے محفوظ کرے تو دھیمی آواز بھی اس مقدار تک بہت دور تک جاسکتی ہو۔ اب اس کے ساتھ یہ بھی دیکھ لیجئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا سفر کر دی گئی تھی۔ جو کوئی کہیں گفتگو کرتا ہوا اُسکو پہنچا دیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہوا میں آواز محفوظ رکھنے کی طبیعت موجود ہے یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے خصوصیات میں سے تھی کہ بلا کسی آلہ اور ذریعہ کے آواز دور و نزدیک کی محفوظ پہنچ جاتی تھی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اہل علم و دانش کو اُس علم نبوت سے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا تھا اُسکے اُصول ضرور معلوم ہو گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُن اُصول سے کام بھی لیا گیا ہو۔ مگر اب یہ بھی زمانہ کے ہزار ہا عجائب کیساتھ نسبتاً منسیا ہو گئے ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا کے صفحات پر قدرت کی عجائب گلکاریاں جو نظر آ رہی ہیں اور اُن سے قدرت خداوندی کے عجائب انا شکراہو رہے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اگرچہ انکی نوعیتیں اور صورتیں کچھ متغیر و متبدل ہوں اور اگرچہ اُن میں بعض صوتیں بالکل نئی بھی ہوں مگر دنیا کی آبادی سے اس وقت تک جس قدر آثار قدرت منصفہ طور پر چھوہ کر ہو چکے ہیں اُن میں یقیناً بہت سی باتیں ایسی تھیں جو باوجود ہزار کوشش و جانکاهی ابتک کسی کو نصیب نہیں ہوئیں اور بعض ایسی ہیں جن کو ہم جدید سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں وہ جدید نہیں ہیں۔ اور بعض جدید ایسی بھی ہیں جنکی طرف ابتک کسی کی فہم کی رسائی نہیں ہوئی ہو۔ گو اُصول اُن کے اکتشاف استخراج کے موجود تھے اور خدا تعالیٰ کی وسیع قدرت اور بلا متناہز اُن معلومات کا اقتضا بھی یہی ہے کہ کسی قوم اور کسی زمانہ پر اُس کو تمام نہیں کر دیا گیا۔

کہ ترک الاولیٰ الآخر (پہلے پچھلوں کیلئے کس قدر چھوڑ گئے)

زمانہ موجودہ میں علم و فن۔ صنعت و ایجادات منتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہے ایک سے ایک اعلیٰ ایجاد ملنے لگے کہ جو حیرت نہاتا رہتا ہے جس فن کو دیکھئے اُسکو معراج کمال تک پہنچا دیا ہے۔ فن انجیری۔ تعمیر۔

تعمیرِ پاشی ہر ایک کی یہی حالت ہے۔ مگر انصافاً دیکھئے کہ سدھار ب کے بنائے میں انجینر اور محاری کا جو کمال دکھلایا گیا اُس کا ادنیٰ نمونہ بھی اس ترقی یافتہ زمانہ میں کوئی نہیں دکھلا سکا معلق پل بنائے عالیشان مکانات اور قلعے تعمیر کئے۔ مگر بلیقیس کی طرح سدھار ب سے آدھا بند ہی بنایا گیا ہے اور کیا قصرِ عمان جیسا کوئی قصر ہی اس وقت موجود ہے۔

بلیقیس نے پانی کے نکالنے کیلئے جن ہندسہ ریاضی کے قواعد سے کام لیا اُس کو بالکل نئے قابو میں کیا نہ حال کے ماہر ان فن اس سے زیادہ کر کے نہیں دکھلا سکے۔ اور پاشی کیلئے جو طریقے اور قواعد اُس نے استعمال کئے اور نہروں کے کاٹنے میں جو کمال اُس نے دکھلایا اُس کی مثال بھی دنیا میں اس وقت موجود نہیں ہے۔

دنیا میں کسی ماہر فن نے کوئی نہر ایسی نہیں نکالی جس سے وقت و احد میں ہر شخص کو پانی مل سکے۔ چہ جائیکہ ایک بڑے حوض سے مساوی درجہ کی بارہ نہریں نکالی جائیں۔ ہر ایک نہر میں پانی کی رفتار و مقدار بھی ایک ہو سب نہروں کا علاقہ بھی بالکل مساوی ہو اور وہ سب وقت و احد میں ہر ایک شخص کو پانی دیکیں یہ نہیں کہنا کہ کرنا امکان میں نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ ایسی سعی بلیغ کے آثار کسی جگہ موجود نہیں۔

یہ حالت ہے تو مادہ پرستوں اور مادی ترقیات کے دلدادوں کو ترقیات کی چمکا چوند اور کشفیات و ایجادات کے عجیب و دلیپ مناظر پر مغرور نہ ہونا چاہئے۔ اور اُن کو ایسی بھول بھلیاں میں پڑ کر ہدایت کے طریقِ مستقیم کو چھوڑ کر خالق و مالک کی یاد کو بھلانا نہ چاہئے۔ ہر ایجاد میں اُسی قدرت کا ظہور ہے ہر ایک اکتشاف میں اُسی کی قدرت کے مکنونہ راز ظاہر ہوتے ہیں۔

بجلی کی طاقت کسی کی مخلوق نہیں ہے۔ تہا بڑا کمال یہ ہے کہ اُس کے استعمال کے طریقے ایجاد کرو بھاپ کی قوت تم نے نہیں پیدا کی یاں اُس سے کمالینا تم کو بتلایا گیا ہے۔ یہی مظاہر قدرت اگر تھوڑے سے غور سے کام لیتے تو تم کو اُس قدیم لم نزل ولا یزال کی ہستی کا پتہ دیتے جس کے وجود سے زمین۔ آسمان۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ جہادات۔ نباتات قائم ہیں اور جس کے ادنیٰ انشاء سے پر سب

گردن جھکانیو لے لیں۔ بلکہ یہی اگستناغات تھارے لئے بجائے مضل ہونیکے ہادی بن جاتے۔
 دیکھو تم سے پہلے کیسے کیسے باگمال ہو جب گذر چکے۔ انہوں نے دنیا میں کیسی کچھ ترقیات
 کیں۔ کیا کیا ایجادیں۔ اور کیسے رفیق علوم یادگار چھوڑے۔ لیکن آج ان کا نام ہی نام باقی ہمارا ورنہ
 قوموں نے اپنی ترقیات پر گھمنڈ کے سرکشی و سرتابی کی اپنے خالق و مالک کو بھول گئے ان کا تو
 نشان بھی باقی نہیں۔ اگر کچھ ہے تو کہیں کہیں تھوڑے بہت کھنڈر پڑے نظر آتے ہیں۔
 یہ حال ہر دنیا کی آبادی۔ سرسبزی و شادابی کا یہ انجام ہو دنیا پر غرور و بدستیاں کرنیوالوں کا۔

نتیجہ دوم

خیر و شر کا نسب و تعلق | خیر و شر دو متضاد صفیتیں ہیں۔ خیر شر کی طرف مفسضی ہونا یا شر سے خیر کا نتیجہ
 برآمد ہونا بظاہر بعید اور غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کسی قدر تفصیل ہے۔ جس کی تحقیق ہم بیان
 کرنا چاہتے ہیں۔ خیر محض جو یقیناً خیر ہے جس میں شر کا کچھ بھی شائبہ نہیں ہے شر کی طرف مفسضی نہیں
 ہوتی۔ اور نہ اُس سے بُرا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ ایمان خالص اور معرفہ حقیقی جس میں ادنیٰ شائبہ کدورت
 و معصیت۔ نا فرمانی و ناپاسی کا نہ ہو۔ کبھی منہج انجام بد کی طرف نہیں ہوتی۔ علیٰ ہذا شر محض جو حقیقتاً
 شر ہے۔ مضر خیر و برکت نہیں ہوتا۔ حقیقی کفر پر نجات مرتب نہیں ہوتی۔ البتہ حقیقی ایمان کے ساتھ کچھ عارضی
 کدورت معاصی و بد اعمالی جمع ہو جائیں تو اسی قدر بُرا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ لیکن حقیقی ایمان اُس کو
 نجات کے ٹھکانے پر پہنچا کر رہتا ہے۔

کفر حقیقی کیساتھ اخلاق حسنہ۔ نیکو کاری جس معاملات جمع ہو جائیں تو اسی قدر حصہ اُسکو
 بھلائی کامل مل سکتا ہے حتیٰ کہ عارضی اور بالائی خوبیاں تھیں۔ مگر حقیقی نجات اس کو میسر نہ آ سکی۔
 اور کبھی ایک شے خیر ہوتی ہے لیکن حدود و فعلیت سے متجاوز ہو کر وہ شے خیر نہیں رہتی۔
 یا جس قدر متجاوز ہوئی ہے اُسکی خیریت میں کمی آجاتی ہے مثلاً رحمتہ و غضبہ دونوں بجائے خود
 اپنے اپنے موقع پر محمود ہیں اور اسی لئے صحابہ کی شان میں استثناء علی الکفار و جماعہ علیہم السلام فرمایا گیا

اور مومن جب تک اُس میں یہ دونوں صفتیں ہیں جو انہوں مومن کامل نہیں ہیں۔ لیکن اگر شدہ حد سے تجاوز نہ ہو جائے یا رحمت ہی رحمت کا غلبہ ہو جائے اور شدہ معدوم یا ضرورت کے موقعہ پر بھی کارآمد نہ ہو تو جس درجہ یہ صفات مغلوب یا معدوم ہو جائیں گی ان محدودہ صفات پر نتائج مترتب ہوتے جائیں گے۔ بعض سلاطین و لاء امر۔ علماء کی غایت نرمی اور درگزر سے بد نتائج کا پیدا ہونا اور انجام کار فتنہ عظیمہ کا آشکارا ہونا اسی وجہ سے تھا۔ اور بعض مسلمان بادشاہوں کی جباری اور شدہ سے انواع و اقسام کی خرابیاں دین و مذہب میں پڑ جانا اسی کا ثمرہ ہے۔

اگر کبھی ایک شے بظاہر شر ہو تی ہے لیکن اُس کے ترکیب کی نیت بخیر اور طبع نظر کوئی اہم اور ارفع مقصود ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اُس پر اگرچہ ظاہر ایسا ثمرہ مترتب ہوتا ہے جس کا عنوان پسندیدہ نہ ہو لیکن حقیقتہً وہ خیر ہوتا ہے اور اُس کا ترکیب جیسا مقرب بارگاہِ الہی تھا ویسا ہی رہتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں شجرہ کو تناول فرمایا۔ جو ارشاد خداوندی کی خلاف تھا۔ لیکن اُنکی غرض اس تناول سے کسی خواہش نفسانی کو پورا کرنا نہ تھا۔ بلکہ رضا باری تعالیٰ اور رویت حق کی دائمی نعمت مطلوب تھی کیونکہ جنت میں بڑی نعمتیں رضا الہی اور رویت حق ہیں۔ ایسی حالت میں اگرچہ تھوڑی مدت کیلئے قیام جنت سے محروم کر دیے گئے۔ اور یہ امر اُس وقت خلاف طبع بھی تھا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ زمین پر اُن کو خلافت خداوندی کا وہ مرتبہ مل گیا جس کو سُن کر ملائکہ میں غبطہ پیدا ہوا تھا اور بصورت اعتراض اپنے رب سے یہ کہنے پر مجبور ہوئے تھے۔

اجعل فیہا من یفصل فیہا۔ دے رب کیا زمین پر ایسی مخلوق کو خلیفہ بندہ ہو جس فساد پر پاک گاہ ایسی ہی کبھی ایک چیز صورتہ خیر ہوتی ہے لیکن اُس کے ترکیب کی نیت بخیر نہیں ہوتی بلکہ خدا اور رسول کا مقابلہ حقیقی خیر کا مٹانا اور محو کرنا مقصود ہوتا ہے۔ منافقین نے مدینہ میں مسجد بنائی تھی جو بظاہر بڑا عمل صالح تھا۔ مگر حقیقتہً اُس سے مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کا نیست و نابود کرنا مقصود تھا۔ اس وجہ سے اُس پر وہی ثمرات مرتب ہوئے جو شرخص پر ہوتے وہ مسجد گرا دی گئی اور قیامت تک اُس کا نام مسجد ضرار پڑ گیا۔

اور کبھی خیر و شر محض اضافی ہوتے ہیں۔ ایک سے ایک اعتبار سے خیر ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے شر ہوتی ہے۔ وطن مافوق اہل و عیال کے اندر رہنا جیسا کچھ راحت سناں و اطمینان بخش ہے ظاہر ہے۔ لیکن اگر وہ افلاس اور ذل کا موجب بن جائے تو سراسر نقصان دہ اور مضرب ہے۔ علی ہذا سفر کلفتوں اور شقتوں کا مجموعہ ہوتا ہے مگر ثروت و غنا، عزت و عظمت کا سبب بن جائے تو سراسر مفید اور کامدہ ہے۔

کبھی خیر و شر کے سمجھنے میں مغالطہ ہوتا ہے۔ ایک چیز کو آدمی خیر سمجھتا ہے اور وہ حقیقتہ میں شر ہوتی ہے۔ اور کبھی کسی شے کو شر سمجھتا ہے مگر وہ خیر ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی عسی ان تکرہوشینا و ہوشینا و لکھو عسی ان تحتوشینا و ہوشینا کہ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کو خیر و شر کے باہمی ربط و انتاج میں اس قسم کا اشکال پیش کیا تھا اور اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پیش کیا جس کا وہ جواب اپنے ارشاد فرمایا جسے اس ارتباط کی اصل معلوم ہو گئی۔ اور ایک قانون کلی ہاتھ آگیا۔ ہم اُس حدیث کو بحسنہ بیان نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس بات سے اپنے بعد تم تک بارہ میں مجھے اندیشہ یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع زینت ہو گیا تمہارے اوپر کھول دی جاوے گی ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا خیر اور بھلائی سے بھی شر یا بُرائی پیدا ہو جاتی ہے آپ نے فرمایا کسی قدر سکوت فرمایا جس سے ہم سمجھ گئے کہ وحی نازل ہو رہی ہے تھوڑی دیر میں چہرہ مبارک سے پسینہ صاف کر کے فرمایا۔ سائل کہاں ہے انا نے سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس سوال سے سرور ہوئے اور جو اس میں ارشاد فرمایا کہ خیر سے شر پیدا نہیں ہوتا موسم

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان مما آخاف علیکم من بعدی ما یفقر علیکم من زہق الدنیا و زینتها فقال رجل یا رسول اللہ اویاتی الخیر بالشرف فسکت حتی ظنننا انہ یزل علیہ قال فمسح عنہ الخصاص و قال ابن السائل و کانہ حملاہ فقال انہ اویاتی الخیر بالشرف ان یمینیت

الرَّيْبُ مَا يَقْتُلُ حَبْطًا أَوْ يُلْدُ
 أَوْ أَكَلَتْهُ الْخَضَاعُ كَلَّتْ حَتَّى
 أَمَدَتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتْ
 عَيْنُ الشَّمْسِ فَتَلَطَّتْ وَبَالَتْ
 فَخَدَعَاتُهَا وَكَلَّتْ وَأَنْ هَذَا الْمَالُ
 خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ لِحَقِّهِ
 وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَتَعَمَّ الْمَعُونَةُ
 هُوَ مِنْ أَخَذَهُ لَغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي
 يَأْكُلُ لَوْلَا شَيْعٍ وَيَكُونُ شَهِيدًا عَلَيْهِ
 يَوْمَ الْحَقِيقَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ باریق)

ربیع میں اعلیٰ اور عمدہ گھاس پیدا ہوتی ہے جسکے بکھرتے چرے
 سے جانور جاتا تو یہ بگ ہیں۔ مگر وہ جانور حد اعتدال کے
 اندر سبزہ کھائے اور دھوپ میں بیٹھ کر جگال کرنا شروع
 کرے ہضم ہو جائے پر گوبر اور پیشاب کرے۔ اور جب
 حاجت ہو پھر کھائے۔ یہ مال منع بھی ایسی ہی خوشگوار
 اور دل کو بھانپوالی چیز ہے جو شخص اسکو جائز طور پر حاصل
 کرے اور موقع پر خرچ کرے تو وہ نہایت مفید اور معین بنی
 ہے۔ اور جو ناجائز طور پر حاصل کرے اسکی مثال ایسے شخص
 کی ہوگی جو برابر کھاتا رہے اور اس کا پیٹ نہ بھرے اور یہ مال
 قیامت کے دن اُس کے مقابلہ میں گواہ بن کر آئے گا،

سائل کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ جب مال بذریعہ حلال حاصل ہوا تو اُس میں اندیشہ کرنے کی بظاہر کوئی
 وجہ نہیں ہے اور اس سے بد نتائج پیدا ہونیکا خوف سمجھ میں نہیں آتا۔ اس بنا پر انہوں نے یہ استعجاب
 ظاہر کیا۔ اویاتی الخیر بالشر (کیا خیر سے شر پیدا ہو سکتا ہے۔)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نے صرف اس سوال ہی کا جواب غمانیت نہیں
 فرمایا بلکہ حقیقت میں اُس کے قواعد کلیہ بتلائیے۔ یہ تو صراحتہ ہی ارشاد فرمایا کہ خیر سے شر حاصل نہیں
 ہوتا۔ اور یہی ہم نے اول عرض کیا تھا کہ خیر محض منجری الشر نہیں ہوتی۔ اسکے بعد جو مثال ارشاد فرمائی اس
 سے اول تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر خیر اگر حد اعتدال سے متجاوز ہو جائے تو اُس سے نتیجہ بد پیدا ہو سکتا ہے
 مرقاۃ میں بذیل شرح حدیث لکھا ہے۔

المعنی ان الربیع نیلت خیار العشب
 فیکثر منها الماشیۃ لحد طاہر تھا
 ایامہ حتی ینقصر بطونها من مجاورتها
 (رحال حدیث یہ ہے کہ موسم ربیع میں عمدہ قسم کی گھاس
 پیدا ہوتی ہے چوپائے اسکو زیادہ سمجھ کر اس قدر کھاتے
 ہیں کہ اُن کے پیٹ بھر جاتے ہیں اور یہ بھی ناہر ہے)

حد الاعتدال فینفتح اعانها من
ذالك فقوت اولیقریل موت ومن
المعلوم ان الربیع نبیل ضرر العشب
ضهی کلها خیر فی نفسها و افا فی
بالشر من قبل فراط او کل فکذا لک المنظر
فی جمع المال من غیر حد او من المحول المشغل
غیر حال بکثیر فی التعم بماله من غیر تامل
فی ماله فیفسوق قلبه فیتکبر و ینجبر و یمیخ
ذال الحی حقہ فحیث المال لہ لاکہ فی الدنیا
او عقاب فالعقب اقصی سبیل و شدۃ النکال۔

کہ ربیع میں انواع انواع کی عمدہ گھاس پیدا ہوتی ہے
اور وہ سب فی نفسہ خیر میں برائی جو کچھ پیدا ہوتی ہے وہ
حد سے تجاوز نہ کر کھانیسے ہوتی ہے یہی حال ہوان
لوگوں کا جو مال کو افراط کیساتھ غیر حلال ذریعہ سے یا
حلال ذریعہ سے اسی طرح جمع کرے کہ اپنے حال سے
بدل جائے تنعم میں بڑھ کر بے تامل بلا فکر انجام اٹھانا
شروع کر دے۔ اُس کا دل سخت ہو جائے۔ تکبر و تعجب اسکی
عادت بن جائے۔ اہل حق کا حق ادا نہ کرے جب
مال کا انجام دینا پس ہلاکی یا عقیبی کی گرفتاری ہو تو مال
خود وبال اور عذاب کا سبب بن گیا۔

اور اسی حدیث کے اشارہ سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اگر ایسے امر میں جو فی حد ذاتہ خیر تھا۔
اور اُس میں قدر قلیل اعتدال سے تجاوز ہو گیا۔ لیکن فوراً اُس کا تدارک کر دیا گیا تو اب بھی نتیجہ ترب
نہ ہوگا۔ چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

وفی قولہ امتدت خاصر تاہ اشارۃ
الی ان المقتصد ربہا یتجاوز حد
الاقتصاد لکنہ یتدارکہ بالبرہین
الباعثۃ علی القناعۃ
والیہ الاشارة فی استقبال
عین الشمس

وامتدلت خاصر تاہا یعنی کوئین ٹکسٹیں ہیں اشارۃ
ہے اس بات کی طرف کہ میانہ روی بھی حد اعتدال سے
متجاوز ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ فوراً ایسے امور کا استعمال
کر کے جو قناعت پرال ہیں اسکا تدارک کر لیتا ہے اور اُس
تدارک ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس لفظ میں کہ وہ جانور
آفتاب کی طرف منہ کر لیتا ہے۔

الغرض مضمون حدیث سے صراحتہ اور اشارۃ یہ چند امور تو معلوم ہو گئے کہ خیر محض نتیجہ شریعت
ہوتی۔ خیر میں اگر اعتدال سے تجاوز ہو جائے تو نتیجہ بدتر ہے۔ اور اگر تجاوز عن الاعتدال

کا تدارک کر دیا گیا تو وہ اندیشہ رفع ہو جاتا ہے۔ لیکن تھوڑے نال سے باقی وہ صورتیں بھی جو ہم نے عرض کی ہیں اس سے مستنبط ہو جائیں گی۔

اور جیب خیر کی یہ حالتیں ثابت ہو گئیں تو شرکی حالتوں کا قیاس اس پر صحیح ہو گا اور کسی عاقل کو انہیں نال و تردد کا موقع ہو گا خصوصاً جب نظائر و شواہد سے ہم اُسکو تحقیق کر چکے ہیں۔ خیر و شر کی اس مختصر تحقیق کے بعد اعلیٰ مدعا کی طرف توجہ عود کرتا ہوں۔

قوم سب کا کفرانِ نعمت۔ ناپسایہ طغیان و سرکش کی سزائیں ویران و برباد ہوئے۔ جلا وطن ہوئے۔ وطن مافوق سے اُجڑے۔ اور بہت سے خاندانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

عمران بن عمر و بھی اُسی قوم میں کا ایک فرد اور اُن ناشائستہ افعال میں سب کا شریکِ حال تھا۔ مگر اتنا فرق تھا کہ کاہن کے اقوال یا کسی اور ذریعہ سے اُس کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ قوم سب ساری کی ساری تباہ اور اُن کی نعمت و دولت زائل ہونے والی ہے۔ وہ عذابِ الہی سے بچنے کے لئے وقوعِ حادثہ سے برسوں پہلے ریاست و حکومت۔ دولت و ثروت۔ ناز و نعمت سب کو بخوشی خاطر چھوڑ کر چلا گیا۔ اور اُس نے اور اُس کے اقربائے اپنی اپنی پسند کی موافق ٹھکانے بنائے اور جہاں کسی کو موقع ملا آباد ہو گئے۔ جلا وطنی میں اُس کی یہ پیش قدمی جس کا منشاء عذابِ الہی سے بچنا اور محفوظ رہنا تھا مگر خیر و برکت ہو گئی۔ عمران کا ہمتیہ ثعلبہ مدینہ منورہ میں آباد ہوا اور اُن کے بیٹے حارثہ کے دو بیٹے اوس اور خزرج پیدا ہوئے۔

یہی اوس و خزرج ہیں جن کی اولاد میں انصارِ مدینہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کر کے اپنا نام انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرست میں لکھوایا ہے۔ اور اس طرح سب کا بربادی کا یہ عمدہ اور بہتر نتیجہ نکل آیا جس کو خدا تعالیٰ کی مکونانہ قدرت کی شرح کہا جائے تو سراسر بجا ہے۔

مدینہ منورہ میں انصار سے پہلے یہود آباد تھے اور جہاں تک تواریخ ہماری رہبری کرتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قوم یہود اہل کتاب تھے اُن کو یہ معلوم تھا کہ نبی آخر الزمان کی جائے ہجرت

ایسی جگہ ہوگی جس کی ساری علامات مدینہ منورہ کے سوا کسی اور جگہ پر صادق نہیں آتی تھیں۔
اس بنا پر یہ یہاں اگر آباد ہوئے تھے۔

ہی یہ بات کہ کس وقت اور کیونکر یہاں اگر آباد ہوئے اس بارہ میں روایات کے اندر
بے انتہا اختلاف ہے۔ اور ہمیں کسی ایک روایت کی نسبت اعتماد کرنا سہیل نہیں ہے۔ تاہم
ایک روایت کا نقل کر دینا مناسب ہے۔

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ کو یہ بات پہنچی ہے
کہ بنی اسرائیل پر جب نخت نصر کے عبد کی وجہ نخت
مصیبتیں پہنچیں تو وہ متفرق ہو گئے انکی کتابوں میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و صفت موجود تھی
اور یہ بھی موجود تھا کہ وہ ایک ایسے قریہ میں جسکے اندر کھجور کے
درخت ہیں ظاہر ہو گئے یہود جب نخت نصر کی مصیبت
کی وجہ سے ملک کو چھوڑ کر مکہ کو شام میں کے درمیان
ہر ایسے قریہ پر جس کے اندر مدینہ کی کسی صفت پائی جائے
گزرتے تھے اور ایک جماعت اس جگہ پر مقیم ہو جاتی تھی
یہاں تک کہ اولاد ہامدون علیہ السلام میں سے ایک جماعت
قوات کی عالم و حامل تھی خاص شرب یعنی مدینہ منورہ
میں مقیم ہو گئی کچھ عرصے کے بعد یہ جماعت تولد ہی
یقین پر کھاپ میں تشریف لائی تو ان کے پاس عالم سے
گزر گئے مگر انہی اولاد کو انکی اتباع کیلئے آمادہ کر گئے۔
اسی طرح ایک نسل دوسری کو لادہ کرتی گئی۔ یہاں تک کہ
ایک نسل نے آب کا زمانہ پایا۔ اور باوجود علم ہود

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ بلغنی
ان بنی اسرائیل لما اصابہم ما اصابہم
من ظہور نخت نصر علیہم تفرقوا وکانوا
یحملون محمد صلی اللہ علیہ وسلم منقو
وکانہم انہ یظہرون بعض هذه القرى
العربیة فی قریة ذات الغفل ولما
خرجوا من ارض الشام جعلوا یعبرون
کل قریة من ملک القری العربیة بنی الشام
والیمن یحملون نعتھا لغت یترقبونزل
بھا طائفة منہم ویرجون ان ینلقوا
محمد صلی اللہ علیہ وسلم حتی نزل
منہم طائفة بنی ہاشم من حمل
النوراة میزب فہا طوائف الابرار
وہم یومنون ب محمد صلی اللہ علیہ
وسلم انہ جاء و یحتمون بلاء محمد صلی
ابناء محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہ جاء و یحتمون بلاء محمد صلی

وہم یعرفونہ ای لحمدہم الانصار
حیث سبقوہم لیلہ
حقیقی معرفت کے کہ آپ ہی میں صرف انصاف کی پختی ہو چکی ہے
کی وجہ سے منکر اور قابل ہو گئے۔

کلام اللہ سے بھی اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ ارشاد ہے۔
و کالوا من قبلہ سیتفتخون
علی الذین کفروا فلما جاءہم
ما حر فوا کفروا بہ فلعنہ اللہ
علی الکافرین۔
دیکھنا تعالیٰ سے شرکوں پر جنت چلتے تھے کہ نبی آخر الزمان کو
پہلے فرما کر شرکوں کو غارت کر دے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا
ہوئے جن کو وہ تو رات کی علامات پہچانتے تھے تو انہوں نے
اُن کا انکار کرنے لگے۔ خدا کی بھینچا کر فروع پر۔

تفسیر دشمنوں پر روایت ابن اسحاق و ابن جریر و ابن المنذر و ابو نعیم و بیہقی عام بن عمر بن قتادہ
انصاری سے نقل کیا ہے وہ اپنے بعض بڑے بڑھوں سے نقل کرتے ہیں کہ سائے ملک عرب میں
ہم سے زیادہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال و شان کا واقف نہ تھا۔ ہمارے ساتھ یہودی
تھے۔ وہ اہل کتاب تھے اور ہم بت پرست تھے جب ہماری طرف سے کوئی رنج وہ بات یہود کو
پہنچتی تو وہ کہا کرتے تھے کہ ایک بنی کا زمانہ بہت قریب آگیا ہے ہم اُن کے ساتھ ہو کر تم بت
پرستوں کو عادی کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا۔ ہم متبع
ہو گئے اور یہود اتباع سے انکار کر کے کفر و عناد پر مصر رہے۔ ہمارے اور یہود کے بارے میں
یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اوس و خزرج جو مدینہ میں آباد ہوئے وہ بھی اوّل سے یہ خیال دل میں لئے ہوئے تھے۔
کہ نبی آخر الزمان خاص عرب میں مبعوث ہوں گے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ یہ علم اپنے ساتھ
لائے تھے کیونکہ ہم اُن کے جدا جدا بھائی بنی نضیب بن یعرب بن قحطان کے تذکرہ میں کچھ آئے
ہیں کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہوئے تھا۔ اُس کے اُن اشعار میں جو
اوپر نقل ہو چکے ہیں یہ تمنا موجود ہے کہ کاش وہ اُس وقت تک زندہ رہتا۔ اور آپ کی امداد و نصرت
میں حصہ لیتا۔ اور پھر اپنی اولاد کو وصیت کر دی کہ جو اُن کا زمانہ پائے میرا سلام پہنچا دے۔

عرب میں اپنے بزرگوں اور اکابر کی وصیت جیسی کچھ واجب العمل سمجھی جاتی تھی انہیں شمس ہے۔
 اسی حالت میں یہ علم اور یہ وصیت اُسکی اولاد میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آئی ہو۔ اور مدینہ
 میں پہنچ کر یہود سے مل جوں کے بعد اس خیال کی اور بھی تقویت ہو گئی ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہود ہی سے منکر اُن میں یہ خیال پھیلا ہو۔ مگر قویں قیاس اور مطابقت و استیلا
 اقول ہی بات ہے۔ اہل عرب اپنی خاندانی بات کو جتنا مانتے تھے دوسرے کی بات اُن کے نزدیک
 اتنی با وقعت نہ ہوتی تھی۔ بہر حال کوئی وجہ سی اوس و خزیج میں یہ خیال راسخ تھا۔ اور روایتی
 طریقہ پر اپنا عین جہت منتقل ہوتا چلا آتا تھا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اوس و خزیج دونوں حقیقی بھائی تھے۔ خزیج کے پانچ بیٹے تھے
 اور اوس کے صرف ایک بیٹا مالک بن اوس تھا۔ اہل عرب میں قوت و شوکت کا مدار اولاد کی
 کثرت پر تھا۔ اوس جب قریب المرگ ہوا تو اُس کے اقربا نے گرد اگر جمع ہو کر بطور تحسّر کہا کہ
 ہم آپ سے کہا کرتے تھے کہ دوسری شادی کر لو۔ دیکھو تمہارے بھائی کے پانچ بیٹے ہیں۔
 اور تمہارے صرف ایک ہے مالک نے جواب دیا۔

لن یهلك مالك - ترک
 جس نے اپنا نام روشن رکھنے کے لئے مالک جیسا
 مثل مالک
 بیٹا چھوڑا وہ ہرگز نہیں مرا

مطلب یہ تھا کہ اگر ایک بیٹا بھی مالک جیسا شریف النفس قوی الہمۃ ہو تو باپ کا نام زندہ
 رکھنے کیلئے کافی ہے۔ اور کم ہمتہ دنی النفس بہت سے بھی ہوں تو کچھ نہیں پھر کہا۔

إِنَّ الَّذِي يَخْرُجُ مِنَ الزُّنْدِ
 قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَجْعَلَ مَالًا لِّنَسْلٍ
 (جو ذات پاک اس بات پر قادر ہو کہ حقائق میں سے
 آگ پیدا کرے یا پھر قادیان کی مالک کی اولاد پھیلا دے اور
 اُن میں شجرہ و بہادر وں کی جہت پیدا کرے)

اور پھر اپنے بیٹے مالک کی طرف تیکر کہا۔

إِي تَبْلِيَةُ الْمَتِيَّةِ وَلَا الدِّينَا
 (پراے بیٹہ موت کو اختیار کر لینا مگر ذلت گوارا نہ کرنا)

یہ سنی عرب کے شریفانہ اخلاق جس نے اُن کو دنیا کا مالک بنا دیا تھا۔ خیسر کھ
فی الجاہلیۃ خیباد کہ فی الاسلام میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔
اس کے بعد اُس نے اشعار ذیل پڑھے۔

لعل الذی ودی ثمود وجرحہما | سید عقیب السیاح علیٰ اموالہما

اسیہ کو کہ وہ ذات جس نے ثمود و جرہم جی زبردست قوم کو کوفی کر دیا تیسرے قیام و ترک قائم رہنے والی نسل پیدا کر دی

تقرہم من آل عمر۔ ابن عامر | عیون الذی الداعی الی طلب انوتر

وہ ذات میری نسل کو اُن لوگوں کی نگاہ میں جو طلب شہر کیلئے جلتے ہیں عمرو بن عامر کی اولاد کی برابر بنا دے۔

المیات قوی ان اللہ دعوتہ | یفوز بہا اہل السعادة والبر

کیا میری قوم کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلح کیلئے دعوت ہوئی ہے جس کی پیروی اور سعادت و نیکو کار لوگوں کیلئے ہوگی۔

افا بعث المبعوث من آل عا | بکلتہ فیما بین من منہم والیہ

جبکہ مکہ کے اندر منزم اور حطیم کے درمیان غالب بن لوی کی اولاد سے ایک نبی مبعوث ہوں گے۔

ہنالک نابغوا نضرۃ ببلادکم | بنی عامر ان السعادة فی النضر

اُس وقت ہی بنی عامر اپنے شہروں میں اکبر اُن کی مدد کرنا۔ کیونکہ سعادت اور فلاح صرف ان عانت میں منحصر ہے۔

ان اشعار میں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں مبعوث ہونے کی بابت اپنے علم کو

ظاہر کیا ہے ایسے یہ بھی بتلا دیا کہ تم کو اپنے وطن میں رہ کر نصرت کرنا چاہئے جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ مدینے کی جائے ہجرت ہونے اور اپنی قوم کی جان نثاری و خادم بننے کا بھی اُسکو علم تھا۔

اور اسی وجہ سے یہ خطاب صرف اپنی اولاد کو نہیں کیا۔ بلکہ اپنے بھائی کی اولاد کو بھی اُس میں

شریک کیا۔

غرض دونوں قومیں یہود اور اولاد حارث بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر بار السہاء اور خزرج

ف ان لوگوں کے ذہن کس قدر صاف تھے اور وہ قدرت کے مختلفہ مظاہر شیعوں کو کیسے غیبی سے سمجھ رہے تھے۔

اوس اگر قدرت کی ایک ٹیکر سے دوسرے کیلئے استدلال کرتے تو انالطاف نہوتا جتنا ایک صند سے دوسری صند پر۔

اس متیقن و علم کے ساتھ مدینہ میں آباد ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے منتظر نصرت و امداد پرستہ آمادہ تھے مگر قیام ازل نے یہ سعادت صرف انصار کے حصہ میں رکھی تھی۔ یہود باوجود اہل کتاب ہونیکے منکر و معاند بن گئے اور بنی اوس و خزرج باوجود بت پرست اور مشرک ہونیکے یار و مددگار بنے اور انہیں کی استدعا اور الحاح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وطن مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ کو جائے قیام اور وطن اصلی سے زیادہ لوف و ملن بنالیا۔
 ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخش خدائے بخشندہ

اور قوم سبا کی ہلاکت و بربادی۔ جلا وطنی اور پریشانی کا ایک یہ ثمرہ ظاہر ہوا۔
 واللہ علی کل شیء قدير۔ مخرج

اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ مردوں میں مردوں کو اور زندوں میں زندوں کو اور ہر فرد فریادیتا ہے۔

انصار مدینہ کے متعلق ایک اور بھی روایت ہے جس کو ابن اسحاق نے کتاب المبتدایہ میں ذکر کیا ہے وہ یہ کہ تبع اول جن کا نام اسعد بن کلکلب تھا جب اُس کا گذر مدینہ پر ہوا تو اُس کے ہمراہ چار سو عالم تھے۔ ان عالموں نے یہاں پہنچ کر باہم عہد و پیمان کر لیا کہ اس سستی سے نہ نکلیں گے اور اُس کو چھوڑا کر کہیں نہ جائیں گے تبع کو اس کی خبر ہوئی تو اُن سے اُس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرت ہے ہم یہاں اس غرض سے مقیم ہوتے ہیں کہ شاید ہم کو اُن کی خدمت میں آجائے۔ یہ سُن کر تبع نے اُن کو وہاں آباد ہونے کی اجازت دی۔ ہر ایک کیلئے ایک مکان بنوایا اور ہر ایک کی خادمی کر کے بہت سامان اُن کو دیدیا۔ اور ایک تھر حجابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اپنے مسلمان ہونے کی کھکر اُن کو دیدی اُس تحریر میں یہ شعر بھی تھے۔

شهدت علی احمد اندہ رسول من اللہ بلوری النعم

میں احمد کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ خالق کائنات کے رسول ہیں۔

فلو مل عمری الی عمرہ لکن ذی اللہ و ابن عہد

اگر میری عمر اُن کے نانہ نمکے مار کر دی جاتی تو میں اُن کا ذریعہ دینا چاہتا لیکن مگر گناہ ہوتا
 اس تحریر پر پھر لگا کر سب سے بڑے عالم کو دیدی۔ کہ وہ یا اُن کی اولاد میں سے جو شخص آپ کا
 زمانہ پائے یہ تحریر پہنچا دے اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کیلئے ایک گھر بنایا۔
 یہ گھر مختلف لوگوں کے قبضہ میں رہا۔ یہاں تک کہ آخر زمانہ میں حضرت ابو ایوب انصاری کے قبضہ
 میں آگیا۔ حضرت ابو ایوب انصاری اُسی بڑے عالم کی اولاد میں تھے جسکو تبع نے وہ تحریر دی تھی۔
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو آپ کا قیام اُسی گھر میں ہوا بعض کا
 قول ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری کے پاس تبع کی وہ تحریر بحسنہ موجود تھی۔ یہ روایت قابل اعتماد اور
 معتبر نہیں ہے۔ انصار کے نسب اور آبادی مدینہ کے متعلق صحیح وہی روایت ہے جو ہم اول عرض
 کر چکے ہیں۔

نتیجہ مسموم

قوم سب پر خدا تعالیٰ کی بے انتہا انعام ظاہر و باطن مبذول تھے۔ رزق۔ مال۔ دولت
 حشمت و ریاست کی یہ حالت تھی کہ ہر شخص کو ہر قسم کی نعمت حاجت سے زیادہ ملتی تھی ضعیف العمر
 بڑھیا بھی بلا کسی قسم کے تعب و مشقت کے عمدہ سے عمدہ غذا میں کھا سکتی تھی۔ ہر شخص بچائے
 خود ترفہ و تنعم میں مشغول اور مستقل رئیس بنا ہوا تھا نہ رزق و اسباب تنعم کے کچھ پہنچانے میں اُن کو
 کسی وقت و مشقت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور ایسی نفیس اور لذیذ غذاؤں کی کثرت استعمال سے
 جن تکالیف و امراض کا اندیشہ ہو سکتا ہے نہ وہ اُن کو پیش آتی تھیں۔ بستی اُن کی ایسی عجیب الاثر
 کہ کوئی چھوٹا بڑا موزی جانور وہاں موجود نہ تھا۔ اُن کو مرض کا ذائقہ تک معلوم نہ تھا۔

اور ان سب پر بڑھکر یہ بات تھی کہ اس طرح مال و دولت کو بے حساب اُٹانے کا اُن سے
 آخری مواخذہ بھی نہ تھا۔ اُن کو یہ حالت نصیب تھی جو صرف اہل جنت کیلئے مخصوص ہے
 دنیا میں کسی قوم کو نصیب نہیں ہوئی۔ ان تمام انعام و اکرام بے انتہا دولت و حشمت ثروت اور
 دنیا ہیئت کے مقابلہ میں اُن سے صرف یہ طلب کیا گیا تھا کہ اپنے رب مالک و خالق کو سچا پکڑ

اُسکی شکر گزاری کریں۔ مگر اُن سے یہ نہ ہو سکا اور یہی انعامات بوجہ کفران نعمت اُنکی تباہی بباد ہلاکی اور پریشانی کا سبب بن گئی۔

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کسی قوم پر اگر دنیا کی ساری نعمتیں برسے نگیں مال و دولت اُن کے تاخیریدہ غلام بن جائیں، ریاست و حکومت اُن کے ساتھ سایہ کی طرح نہیں تو ہرگز یہ تمام باتیں اس بات کی علامت نہیں ہو سکتیں کہ یہ قوم خدا کے یہاں مقبول ہے اور آخرت کی فوز و فلاح میں سے اُس کو کچھ حصہ ملا۔

آدمی کو دنیا میں ہر تین حالتیں پیش آتی ہیں۔

(۱) محض تنعم و ترفہ بہاء و مال حکومت و ریاست جس میں کسی کدورت اور خلاف مزاج

کا شائبہ نہ ہو۔

(۲) فقر و فاقہ تنگدستی و افلاس محکومی ذلت۔ دائمی امراض و تکالیف۔

(۳) تنعم کے ساتھ کچھ کدورتیں بھی ہوں۔ مال دولت ہے تو اُسکے ساتھ امراض جسمانی

بھی لگے ہوئے ہیں۔ کبھی سنہراخی و خوشحالی ہے تو کبھی تنگدستی ہے۔ کبھی امن و راحت نصیب ہے

تو کبھی اندیشہ جان و مال سے دل متفکر اور دماغ پریشان ہے۔ خود تندہ سنہراخی تو عزیز و اقارب

کی تکالیف یا موت سے غمزدہ ہو جاتا ہے۔ غرض راحت کیساتھ رنج اور سکون کیساتھ اضطراب

دو فتنے بدوش ہیں۔ ان تینوں حالتوں کے آثار و ثمرات جدا جدا ہیں حالت اولیٰ میں بہت

صلیباً فی بدل جانا مغرور و سرکش ہو جاتا ہے اور وہ نہ صرف اپنے بھینسوں اور باقی مخلوق کے

بھی اپنے آپ کو بلند و بالا تر سمجھنے لگتا ہے بلکہ اُس تعلق کو بھی جو اُس کے اور خالق کے

درمیان میں ہے فراموش کرتا اور بسا اوقات اُس کو منقطع کو دیتا ہے اگر اقوام عالم کے حالات

پر ایک صحیح اندازہ فائدہ نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ صفوہ ہستی پر کتنی اقوام پوسے و دج کے

بعد تباہ و برباد ہوئیں تو ہم کو صاف صاف پتہ چل جائیگا کہ یہ سب فی حق تہن پر خدا تعالیٰ کے

بے انتہا انعام و نیکوئی اور یہ انعامات ہی اُنکی سرکشی و نافرمانی کفر و کفران کے ذریعہ بن گئے۔

دیکھو فرعون نے اسی سخت سلطنت صحت و عافیت کی بدولت کہ کبھی کوئی تکلیف اور رنجہ امر پیش نہ آیا دعویٰ خدا کی کر دیا۔

قوم عاد اپنی تیزمندی عظمت قدو قامت قوت و شوکت کی بدلت مغرورانہ بول اُٹھے۔
مَنْ أَسَدٌ مِثْلَنَا قُوَّةً (ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے)

جس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً
رکھ وہ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک معمولی شخص تھا اُس کو اتنا بڑا خزانہ ملیا جس کی کنجیاں اٹھانے کیلئے بھی ایک بڑی قوت والی جماعت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر بجائے شکر گزار ہونے کے مغرور ہو گیا اُس نے سمجھ لیا کہ جھکو جو کچھ ملا ہے میرے ذاتی استحقاق اور علم و دانش کا نتیجہ ہے لوگ اُس کو سمجھا کر کہتے تھے۔

لَوْ تَقَرَّرْ إِنْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَجِبُ الْغَرَضُ
وَأَتَّبِعْ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ
وَأَرَقَسْ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ
أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ
وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ
اگر تو اس قدرت اگر دانا پاس مغرور بن نہ تھا تو
اگر تیرے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ
تجھ کو دیا اُس سے ممانعت کیلئے سامان کو فرو دینا پس
بقدر ضرورت حق تعالیٰ اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تجھے
احسان کیا تو بھی احسان کر۔ اور زمین پر فساد نہ کر۔
اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس کا جواب اُس نے نہایت سخت و استغنا کے ساتھ دیا۔

إِنَّمَا أَوْفَّقَنِي عَلَىٰ أَعْلَىٰ عِلْمٍ عِنْدَ اللَّهِ
مفسرین نے اس آیت کی تفسیر اور علیٰ علیہ کے معنی میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں
کہ قارون تو رات کا بڑا عالم تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس علم کی وجہ سے مجھے یہ استحقاق ہوا ہے۔

کہ اس قدر بے انتہا مال دولت بھجوا کر گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اُس کو علم کیا آتا تھا اُس کے ذریعے سے اُس نے یہ مال حاصل کیا تھا۔ اور یہ علم کیا بھی دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل تھا کیونکہ آپ کو من اللہ یہ علم عطا ہوا تھا۔ اور آپ ہی کی تعلیم سے قارون تک پہنچا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو تجارت و زراعت وغیرہ طریقہ کسب مال کے اصول و قواعد خوب معلوم تھے اور اسی علم پر غرہ کر کے یہ سمجھا کہ اُس کے حصول میں کسی کا کیا احسان ہے۔ بہر حال کوئی سا قول صحیح ہوا سکو غرہ یہ تھا کہ مال دولت مجھے میری ذاتی استحقاق اور کمال کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمانا ہے۔

أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مَنْ
قَبْلَهُ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ هُوَ أَشَدُّ
قُوَّةً وَ أَكْثَرُ جُمْعًا
و نادان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ
قرنوں میں سے ایسی جماعتوں کو جو اس سے بھی
زیادہ قوت اور مال والے تھے ہلاک کر دیا ہے

آخر اس بے حجت کا بھی یہی انجام ہوا جوں جوں مال بڑھتا گیا اُس کا غرور اور کفران ترقی کرتا گیا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اذیت رسانی میں ساعی رہتا تھا اور آپ قواہم کے تعلقات کی وجہ سے مدارات و دلجوئی کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بارہ میں بھی اُس سے یہ سہولت برقی کہ ہر ہزار دینار میں سے ایک دینار اور اسی طرح ہر سو درہم میں سے ایک درہم ادا کرے۔ مگر اُس نے اس جزو قلیل کا بھی حساب کیا تو کثرت مال کی وجہ سے اس کا مجموعہ بھی بہت زیادہ ہوتا تھا جسکے ادا کرنے سے جان چرلنے لگا اور آخر اُس نے بنی اسرائیل کے چند آدمیوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اس پر آمادہ کیا کہ حضرت موسیٰ پر کوئی تہمت لگائی جاوے ایک عورت کو بہت کچھ طمع و کرا آمادہ کر دیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تبلیغ و ہدایت کیلئے کھڑے ہوں تب یہ عورت اُن پر بہتان لگائے۔ اگلے روز آپ نے مجمع عام میں زنا کے احکام بیان فرمائے۔ قارون بولا کہ اس حکم سے آپ یا کوئی مستثنیٰ ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں مجھ پر بھی یہی حکم جاری ہو سکتا ہے۔ اُس نے کہا تو فلاں عورت ایسا کہتی ہے

آپ نے اُس کو ہلا کر اور حلف شدید دیکر دریافت فرمایا۔ اُس نے اصلی واقعہ انوار کا سچا سچا بیان کر دیا۔ اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی قارون اور اُس کا تمام خزانہ اور سکانات زمین میں اتار دیے گئے۔

بنی اسرائیل کے بعض اچھے خاصے مسلمانوں کو بھی قارون کے پاس مال و دولت کی یکسر تھ دیکھ کر غیظ پیدا ہوتا تھا چنانچہ جب وہ عید کے روز نہایت احتشام کے ساتھ نکلا اُس کے ارد گرد ہزاروں سوار رنگ رنگ کی سواری رنگ رنگ کے قیمتی رنگین لباسوں میں نکلے تو اُن سے نہ رہا گیا۔ اور کہنے لگے۔

يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ
إِنَّهُ لَكَنُ وَحِطٌ عَظِيمٌ
دکاش ہلے لئے بھی ایسی ہی مال ہوتا جیسا قارون
کے لئے وہ تو بڑا نصیب والا ہے۔

لیکن جو زیادہ فہمیدہ اور عاقبت ہیں اور مال و دولت کے انجام لغوار آخرت کی عظمت و جلال سے واقف تھے انہوں نے شکوان لوگوں کو جواب دیا۔

وَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ حَتَّىٰ
لَمِنَ أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
وَلَا يُكْفَا مَا إِلَّا
الصَّابِرُونَ
رہتا رہے حال پر افسوس ہو ہم نہیں جانتے کہ اللہ
کے یہاں کا ثواب بے پیمانہ لوگوں کیلئے جو ایمان
لائے اور جنہوں نے عمل صالح کئے۔ اور یہ ثواب
نہیں بجا جائیگا۔ مگر صبر کرنے والوں کو۔

لیکن جب قارون کا یہ حشر ہوا تو وہ لوگ بھی جو اُس کے مال و دولت کو دیکھ کر حرص کرتے تھے ہل اُٹھے کہ اللہ جس کو چاہے رزق میں وسعت دیتا ہے۔ اور جس کیلئے چاہے تنگی کرتا ہے اس میں کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ اگر ہم پر خدا تعالیٰ اپنا فضل نہ فرماتا تو ہمارا بھی یہی حشر ہوتا۔

قارون ہی کے مشابہ ایک واقعہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی پیش آیا ہے۔
ثعلبہ بن حاطب انصار میں کا ایک شخص تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا

یا رسول اللہ میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ مجھے بہت مال ملجائے ارشاد فرمایا۔

دُعا یہ تھامے حال پر افسوس ہے۔ کیا تو اس کو پسند نہیں کرتا کہ میری طرح پر رہے۔ اگر میں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو میرے ساتھ ساتھ چلائے تو ہو سکتا تھا۔

وَيَحْتَ يَا ثَعْلَبَةَ أَمَا تَرَى
أَنْ تَكُونَ مِثْلِي فَلَوْ شِئْتُ أَنْ
يُسَيِّرَ رَبِّي هَذِهِ الْجِبَالَ لَسَمَحْتُ

مطلب یہ کہ میں چاہتا تو قسم کی تو نگری حشمتِ اقدار اور افتخار ظاہری حاصل ہو جاتا مگر میں نے اپنے لئے اس کو پسند نہیں کیا۔

ثعلبہ نے پہر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ دعا فرما دیجئے میں اُس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس نے آپ کو بھیجا ہے۔ اگر میرے پاس مال ہو گیا تو تمام ذوی الحقوق کے حق ادا کرتا رہوں گا۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا۔

دھوڑا مال جس کا تو شکرا ادا کرتا ہے بہت مال سے بہتر ہے جس کا شکرا ادا نہ ہو سکے۔

قَلِيلٌ شُكْرُهُ خَيْرٌ مِّنْ كَثِيرٍ
لَّا تَحْطِيْقُ شُكْرُهُ

اُس نے پھر یہی عرض کیا۔ تو اپنے اُس کی وسعتِ رزق و مال کی دعا فرمائی۔ آپ کی دعا مقبول ہوئی۔ اُس نے تجارت کیلئے بکریاں خریدیں۔ اُن کا پھیلا و چھوٹیوں کی طرح شروع ہوا اور اس قدر بڑھیں کہ مدینہ میں گنجائش رکھنے کی نہ رہی۔ تب وہ بھجوری مدینہ سے علیحدہ جا کر مقیم ہوا۔ وہاں سے دن کی نمازوں کیلئے تو مسجد نبوی میں حاضر ہوتا رہا مگر شب کو نہیں آتا تھا۔ بکریوں کا پھیلاؤ اور بڑھنا تو وہاں بھی گنجائش نہ رہی تب وہ اور دور جا کر مقیم ہوا۔ وہاں سے نہ دن کو مسجد نبوی میں نمازوں کیلئے حاضر ہو سکتا تھا اور نہ رات کو البتہ جمعہ کی نماز کیلئے حاضر ہوتا تھا۔ لیکن یہ جگہ بھی تنگ ہو گئی تو وہ اور دور جا کر آباد ہوا اور جمعہ اور جنازہ وغیرہ میں بھی آنا متروک ہو گیا۔ صرف اتنا تعلق باقی رہ گیا کہ کتنے جانوروں سے آپ کے اور مسلمانوں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ ثعلبہ کسی وقت بھی حاضر نہیں ہوتا تو لوگوں سے اُس کا حال دریافت فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ مال کی کثرت کی وجہ سے مدینہ میں نہیں

رہ سکا بلکہ دور جا کر مقیم ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

وَيْحُ ثَعْلَبَةَ بْنِ حَاطِبٍ راضوس ہے ثعلبہ ابن حاطب کے حال پر

اس کے بعد مسلمانوں پر صدقات مالیہ فرض ہوئے۔ آپ نے دو شخصوں کو صدقات وصول کرنے کیلئے مامور فرمایا۔ اور زکوٰۃ کے قواعد و حساب مفصل تحریر فرما کر دیدیے اور ان لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ ثعلبہ بن حاطب اور قبیلہ سلیم کے ایک شخص کے پاس بھی اخذ صدقات کیلئے جاویں یہ دونوں شخص حسب حکم ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ اُس نے کہا مجھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان دکھلاؤ۔ دیکھ کر کہا یہ تو بالکل جزیہ ہے۔ اب تو تم جاؤ اور جب اپنے کام سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آنا۔ یہ دونوں صاحب آگے بڑھے اور اُس دوسرے شخص سلمیٰ کو اطلاع ملی تو اُس نے اُن کا استقبال کیا اور بہترین اموال منتخب کر کے صدقہ دینے کو ساتھ لایا۔ ان دونوں نے کما صدقہ میں اعلیٰ حکم نہیں ہے متوسط کا حکم ہے اُس نے کہا خدا تعالیٰ کے یہاں تقرب حاصل کرنے کیلئے بہترین مال پیش کرنا چاہئے۔

یہ دونوں صاحب لوٹ کر پھر ثعلبہ سے ملے اُس نے پھر تحریر مبارک دیکھی اور دیکھ کر یہی کہا کہ یہ تو جزیہ ہی۔ اور کہا اب تو آپ جائیں میں سوچ کر جواب دے گا۔

جب یہ دونوں صاحب آپ کی خدمت میں واپس آئے تو آپ نے اُن کو دیکھتے ہی فرمایا۔ وَيْحُ ثَعْلَبَةَ بْنِ حَاطِبٍ اور اُس سلمیٰ شخص کیلئے برکت کی دعا فرمائی۔ اُسی وقت ثعلبہ کے بارہ میں آیات ذیل نازل ہوئیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللَّهُ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونُ مِنَ الصَّاحِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ جَحَلُوهُ وَكَوَلُوا لَهُمْ مَعْرَضُونَ هـ

اور ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنے فضل سے کچھ رحمت فرمائے گا تو ہم ضرور صدقات فیروزہ دیا کریں گے اور نیکو کاروں میں سے ہوں گے پھر جب خدا نے اپنے فضل سے ان کو یا تو وہ اُس میں نخیل بن گئے اور پشت پھر کراوا عرض کرنے لگے۔

ایک شخص ثعلبہ کے مشتبہ دامن میں سے وہاں موجود تھے انہوں نے ثعلبہ سے آپ کے ارشاد اور

نزول آیات کا حال بیان کیا تب ثعلبہ پشیمان ہوا اور صدقہ اموال لیکر حاضر خدمت ہوا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو تیرے صدقات قبول کرنے سے ممانعت کر دی گئی ہے۔ ثعلبہ نے رونا اور سرخو خاک ڈالنا شروع کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ تیری خود ضد اور ہٹ کا نتیجہ ہے۔ میں تجھ کو منع کرتا تھا۔ مگر تو نے نہیں مانا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ثعلبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں صدقات لیکر حاضر ہوا اور عرض کیا آپؐ کو انصار میں میری قدر و منزلت معلوم ہے آپ قبول فرمائیں مگر آپؐ نے بھی قبول سے انکار کر دیا۔

پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حاضر ہوا۔ مہاجرین انصار اور ان لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بنایا۔ مگر آپؐ نے بھی قبول نہیں کیا اور پھر اسی حالت ذلت و خسران میں رہی عدم ہو گیا۔

حالتِ ثانیہ میں کہ محض فقر و فاقہ تنگی و تنگدستی تکالیف و محن ہی سے سابقہ رہے۔ اور کبھی آس و مسرتِ اطمینان و سکون کی صورت نہ دیکھے۔ یہ حالت بھی بسا اوقات آدمی کو اپنے مرکز سے ہٹا دیتی ہے اور وہ مضطرب ہو کر مادہ اعتدال سے ہٹ کر باطل پرستوں کی غلامی کرنے لگتا ہے اور طلبِ رزق و مال میں حق و ناحق کی تمیز نہیں کرتا۔ بلکہ بسا اوقات جب اور اہل دنیا سے اپنی حالتِ زار کا مقابلہ کرتا ہے تو خداوندِ عالم کی شان میں گستاخانہ الفاظ اُس کی زبان سے نکلنے لگتے ہیں۔ اور ہر دو صورت میں دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا یا قریب بہ کفر پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے۔

كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونُ كُفْرًا

مگر قولِ دوم حالت میں فرق یہ رہتا ہے کہ وہ غرور و نخوت میں جو خدائی کے درجے تک پہنچا دے اور جس کا نتیجہ اپنے سے بہت درجہ والوں کا ستانا اور اذیت پہنچانا ہوتا ہے حالتِ اولیٰ میں حاصل ہوتا ہے۔ حالتِ ثانیہ میں بجائے کبر و نخوت کے عجز و انکسار ہوتا ہے آدمی دوسروں کا دستِ نگرین کر لینے ذاتی اوصاف اور انسانی شرافت کو بھی چھوڑ کر بسا اوقات غلامی کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے اس پڑے ثمرات مرتب نہیں ہوتے جو حالتِ اولیٰ میں ہوتے ہیں۔ عالم میں جتنی قومیں خدا کے اندر مبتلا ہوئیں سب کی سب ہی ہیں جو مال و دولت

قوت و شوکت۔ غرت و جاہت کی بدولت مغرور بن کر ایک جانب خدا سے مقابل بن گئیں دوسری جانب کمزوروں پر ظلم و تعدی کرنے لگیں۔ عاجز و ذلیل ہو کر نہ کسی نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ نہ اُسکو ظلم و تعدی کا موقع ملا۔ اس وجہ سے کوئی ایسی قوم عذابِ عام میں مبتلا بھی نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر حالتِ ثانیہ میں آدمی استقلال و استقامت کے ساتھ اپنے حال پر قائم رہے۔ سختی اور مشقت اُس کو اپنے مرکز سے نہ ہٹا سکے۔ اور وہ صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہے تو اُس کا درجہ یقیناً سب سے بڑھ جاتا ہے۔ مگر چونکہ اتنی ثابت قدمی سوائے اخلاصِ الحق اوص کے نہایت دشوار بلکہ بظاہر ناممکن ہے اس لئے اس سے محفوظ رہنے کی دعا مانگی گئی ہو۔

ہاں اعتدال کا درجہ تیسری حالت میں ہے۔ صبر اور شکر دو ایسے وصف ہیں کہ جب تک کسی میں دونوں نہ ہوں اُس کو ایمان و اسلام حقیقی حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے کلام اللہ میں جگہ جگہ صبر و شکر کو ملا کر بیان فرمایا ہے۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ دونوں حالت میں اپنے مرکز پر قائم رہنا۔ اگر فقط شغرم و ترفہ ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ ایک حد تک۔ ایک زمانہ تک شکر گزار رہے۔ مگر انجام اُس کا ناپاسی اور کفرانِ نجات ہے۔ جیسا کہ ابھی قومِ سبا کے حالات سے معلوم ہو چکا ہے اور حالتِ ثانیہ میں گو بعض خواص صبر و سکون سے کام لے سکیں۔ مگر وہ بھی اکثر افراد کیلئے منجر الی الشک و الکفر ہو جاتا ہے۔

یہ خوبی صرف حالتِ ثالثہ میں ہے کہ اُس میں آدمی اکثر حالات کے اندر اعتدال پر رہتا ہے اُس میں خدائی کی ہوا بھی نہیں بھرتی۔ اور نہ محض عاجز و ذلیل بن کر طریقہ کفر اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہیں سے اسلامی تعلیم کی خوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ اسلام میں فقر و غنا دونوں کو اُس حد تک پسند کیا گیا ہے جس میں لٹی جانب اندیشہ نقصان و طغیان کفران و ناپاسی نہ ہو صبر و شکر دونوں کو جمع کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح کثرتِ مال اور انہماک دنیا کی جس اثر بد خدا سے بُدا و راعاض عن الحق ہے۔ مذمت بیان فرمائی ہے ایسی ہی اُس تخلصی و محتاجی کو جو آدمی کو طریقی حق سے ہٹا دے ناپسند فرمایا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت موجود ہے جس میں اُن امور کا ذکر ہے جس سے آپ پناہ مانگتے تھے منجملہ اُن کے یہ بھی ارشاد ہے۔

وَشَرِّ فِتْنَةٍ الْغَنَى وَشَرِّ فِتْنَةٍ الْفَقْرُ
 (اُسی میں پناہ مانگتا ہوں فقہ غنی اور فقہ فقر کے شر سے)
 ایک دوسری حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ مَا يَنْتَظِرُ أَحَدُكُمْ إِلَّا الْغَنَى مُطْغِيًا
 أَوْ قُفْرًا مَوْلِسًا
 (اُسی کو الخیر الحدیث)
 (فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں انتظار کرتے
 ہو تم مگر غنی کا جو طغیائی ہو پناہ دینے والا ہو یا فقر
 جو اپنی شدت کی وجہ سے مایوس کر دینے والا ہے)

آپ نے اپنے نفس کیلئے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي أَنْ يَجْعَلَ لِي بَطْءًا مَكَّةَ
 ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ وَلَكِنْ
 اسْتَبْعُ يَوْمًا وَأَجُوعَ يَوْمًا فَإِذَا جُعْتُ
 تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَإِذَا شَبِعْتُ
 حَمَدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ
 (فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے چھپرہ کی تجویز
 میں لکھو میں کیا کہ اسکو سونے کا بنا دیا جائے میں نے عرض کیا
 کہ نہیں بلکہ میری حالت یہی چاہیے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں
 اور ایک دن بھوکا رہوں جس دن بھوکا رہوں تو تجھ کو یاد کروں اور میرے سامنے
 تضرع کر دوں اور جب پیٹ بھر جائے تو تیری حمد و شکر کروں)

آپ نے ایک جانب اگر غنی کی فضیلت بیان فرمائی ہو اور ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ طَلَبَ لَدُنِّيَ حَلَالًا اسْتَعْفَا عَنِ
 الْمُسْكَلَةِ وَسَعِيَ عَلَى أَهْلِهِ وَتَعَطَّفًا
 عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 وَوَجْهًا مِثْلُ لُفْمَةِ الْبَدَنِ
 (جو شخص دنیا یعنی مال کو غیر حلال سوال سوچے کیلئے اپنے
 اہل عیال کی خبر گیری اور پردہ پیو پر خرچ کو نیکی لئے طلب کرے
 تو وہ قیامت دن خدا تعالیٰ کے سامنے اسی حالت میں جائیگا
 کہ اُس کا چہرہ چودھویں ات کے چاند کی طرح چمکتا ہوا ہوگا۔)

ایک حدیث میرا ام سلیم سے روایت ہے
 اَتَّهَأَا لَتِ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْرْحَانِي
 اُدْعُ اللَّهَ لَهُ قَالَ اللَّهُمَّ اكْثِرْ

حضرت ام سلیم الدہانہ انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اس آپ کا

مَالَهُ وَلِلَّاهِ وَبَارِكْ لَهُ
فِيمَا أَعْطَيْتَهُ

خام ہر اسکے لئے عافرا دیجئے اپنے دعا فرمائی اَللّٰہِ سکو مال اور
اولاد بہت عطا فرما اور جو کچھ اُسکو ملے اُنہیں برکت عطا فرما

تو دوسری جانب فقر و ہد کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔

مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے۔

اِنَّ فَقْرًا عَزَا لَهَا حِرْنٌ يَسْبِقُوْنَ الْاُخْيَلَةَ | (فقرہ مہاجرین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں
يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَى الْحَنَّةِ بَارِئَيْنِ خَيْرُ نَفَا | داخل ہو جائیں گے)

فقر و غنا کی باہم فضیلت اور فرق مراتب میں بے شمار حدیثیں وارد ہیں۔ ہماری غرض اس وقت
اُن کو نقل کرنے یا اس مسئلہ پر متقل بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہے
اور کوئی موقع ملا تو اس پر یہی بحث کی جائیگی یہاں تو صرف اس قدر مقصود ہے کہ یہ دو جہات
کا ہے اور اسلام کی اصلی تعلیم یہی ہے۔ کسی قوم پر دنیا کا ٹوٹ پڑنا ہرگز محمود نہیں ہوتا جب تک کہ
اُس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد نہ ادا کئے جائیں۔ اگر غنی موجب نامپاسی و طغیان ہو جائے۔
تو انجام قوم سب کی طرح بربادی و تباہی ہے۔ دنیا میں جب کوئی قوم تباہ ہوئی۔ اسی وجہ سے
ہوئی ہے۔ طریقہ اعتدال یہی ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی۔

نتیجہ چہارم

واقعہ سبیل عزم اور اُس کے نتائج مذکورہ سے یہ نتیجہ باسانی بلا وقت برآمد ہو سکتا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبی آخر الزمان ہونے کا علم تمام اقوام میں پھیلا ہوا
اور علی قدر تفاوت لل مراتب راسخ تھا۔ قیصر و کسرتلی اور اُن کے اراکین دولت کا ہنوں اور
مبغموں اور بالخصوص رستم کے متعلق تو ہم اول کچھ چکے ہیں کہ اُن کے یہاں برابر یہ خیال موجود
تھا قیصر کے ملک میں تو اس وجہ سے کہ وہ خود اور اُس کی اکثر رعایا نصرانی تھی اس علم کا راسخ
ہونا مستبعد نہیں تھا کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور اہل کتاب میں انبیاء کی پیشین گوئیاں اور کتب

اسی کی تصریحات برابر موجود تھیں۔ البتہ ملک فارس کسریٰ اور اُس کے آرائین ہیں اس کا علم اس وجہ سے مستبعد معلوم ہوتا تھا کہ وہ آتش پرست تھے۔ اُن کے یہاں نہ سلسلہ انبیاء تھا اور نہ کتب آسمانی کا وجود مگر جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اُن کے یہاں بھی اس کا یقین تھا۔

اب ان واقعات مذکورہ بالا سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ملک سبامیں آپکی بعثت سی ہزاروں سال قبل اس کا علم یقین تھا۔

اول تو خود سبار ابن یثجب بن یعرب بن قحطان کا آپ پر ایمان لانا موضوعین کے بیان سے ثابت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سببا کو یہ علم تھا تو اُس کی اولاد میں سلسلہ سلسلہ برابر منقول ہوتا چلا آیا ہو گا کہ وہ لوگ بعد میں کافرو طاعنی ہو گئے۔ مگر خاندانی روایات کبھی کسی ملک میں مفقود اور معدوم نہیں ہوتیں۔

دوسرے شعبہ کے اشعار سے معلوم ہوا کہ اُن کو خود اس کا علم یقین تھا۔ گویہ کمذنیان ہے کہ یہود کی مجاورت سے اُن کو اس کا علم ہوا ہو۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ اصل علم تو اُن کو اپنی خاندانی روایات سے حاصل تھا۔ البتہ یہود کے اقوال سنکر وہ اور تازہ اور قابل اعتماد ہو گیا۔

شعبہ کے اشعار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہود کے یہاں یہ علم راسخ اور مستحکم تھا اور مدینہ منورہ میں اسی وجہ سے آباؤ ہوئے تھے کہ یہ آپکی جائے ہجرت تھی جو کوئی آپ کا زمانہ پائے آپ پر ایمان لائے اور نصرتِ میامسی میں حصہ لے۔

رہے قریش مکہ وہ خود حضرت اسماعیل کی اولاد تھے اُن میں اس خیال کا راسخ و مستحکم ہونا قرین عقل و قیاس تھا ان باتوں سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک عرب کی جاہل و وحشی قوموں میں بھی یہ خیال اور عقیدہ ایک حد تک پھیلا ہوا اور راسخ تھا۔ گو اُن کے اپنے افعال و حرکات نے اُن کو اتنی دوہرا پہنچا دیا تھا کہ یہ علم اُن کا مغلوب اور تقویٰ معدوم ہو چلا تھا۔ مگر اصل علم موجود تھا۔ اور اس علم کے اعتبار سے ملک عرب میں تین قسم کے گروہ موجود تھے۔ ایک یہود مدینہ جو خود اہل کتاب اور اس علم پر اس قدر راسخ و مستحکم تھے کہ اوس و خزرج کو اس نام سے دھمکاتے اور کہتے

کہ ہم نبی آخر الزمان کے ساتھ ہو کہ تم بت پرستوں کو عداوت کی طرح قتل کر نیگے۔

دوسرے قریش مکہ کہ ان کا یہ علم خاندانی تھا۔ اور ان میں اُس کے جاننے والے موجود تھے مگر جہل اور بت پرستی اس درجہ غالب آگئی تھی کہ گویا یہ علم اب ان میں باقی نہ رہا تھا۔

تیسرے ادس و خزرج تھے۔ وہ بھی بت پرست و جہل تھے مگر اصل سے ان میں یہ علم خاندانی طریقے سے آیا تھا پھر یہودی وجہ سے اور تازہ ہو گیا اور یہود کا بار بار دھمکانا انکو چونکاتا رہتا تھا۔

جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ آیا تو ایک دفعہ کل ملک میں مخالفت کی آگ بجھ گئی مگر مخالفت کی دو بڑی وجہیں تھیں۔ ایک جہل و نادانی دوسرے حب جاہ و ریاست۔

جن لوگوں کی مخالفت جہل و نادانی پر مبنی تھی۔ انہوں نے گویا ایک دفعہ نہایت زور شور کے

ساتھ مخالفت کر کے آپ کو ہر قسم کی ایذائیں پہنچائیں۔ جان و مال عزت و آبرو پر دست اندازی کرنے

میں اپنا غر ف سے کوئی کمی نہ کی۔ مگر جوں جوں اسلام کا غور ہو تا گیا ان پر اصل علم کا اثر غالب آتا گیا۔ اور وہ بطور ع رغب ت داخل حلقہ اسلام ہوتے گئے۔

انصار مدینہ کیلئے تو یہود کی مخالفت کا رگر ہو گئی انہوں نے موسم حج پر مکہ میں آکر آپ سے

علاقات کی اور احکام اسلام سے۔ کلام الہی سے آشنا ہوئے تو فوراً سمجھ گئے کہ وہ موعود نبی جن

کے نام پر یہود ہم کو دھمکایا کرتے ہیں آپ ہی ہیں۔ اور اس اندیشہ سے کہ کہیں یہود سبقت نہ لیجائیں

جلدی کر کے خود ایمان لے آئے اور مدینہ کے گھر گھر میں ایک سال کے اندر اسلام اس تیزی سے

پھیل گیا کہ خود آپ کو وہاں تشریف لیجانیکا حکم ہو گیا۔

قریش مکہ اگرچہ آخر تک مخالفت پر تلے رہے مگر رفتہ رفتہ ان کے سربراہ و ردہ آپ کی تعلیم سے

متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوتے رہے اور بالآخر سوار ان چند نفوس کے جن کو حب جاہ و ریاست

اور حسد و بغض نے اس درجہ پر پہنچا دیا تھا کہ کسی وقت بھی ان سے انقیاد و اتباع کی توقع نہ

تھی باقی سب کے سب مقدم و مؤخر مسلمان ہو گئے۔

مگر یہود مدینہ جو قوراۃ کے عالم تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ختم نبوت

جائے ہجرت کا ایسا علم یقین تھا کہ کوئی تردد کوئی خفا اُس میں باقی نہ تھا اور اتباع کا غم بالجرم کر کے مدینے میں آباد ہوئے تھے۔ اُن پر حب جاہ و ریاست جسد نفیض کا اس درجہ غلبہ ہوا کہ نہ اُن کے علم نے کام دیا۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک و صاف تعلیم اُن پر موثر ہوئی۔ اُنہوں نے ہر ممکن تدبیر سے اسلام کی بربادی و بے یغ کنی کی۔ آپ کی ایذا رسانی کے لئے جو کچھ بن پڑا کیا۔ خود جلاوطن ہونا قتل و غارت ہونا گوارا کیا مگر اسلام لانا قبول نہ کیا۔ حالانکہ اپنی باطل پرستی کا اُن کو علم تھا۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ جہل کا علاج ممکن نہ ہو۔ مگر بہت دھرمی۔ ضد۔ حب جاہ و ریاست جہل مرکب کا کچھ علاج نہیں۔

یہود مدینہ میں سے تھوڑے نفوس مثل عبداللہ بن سلام وغیرہ ایمان لائے۔ باقی اکثر وہ خاتمہ اسی تشقاوت و بد بختی کے ساتھ ہوا۔

اوس و خزرج میں بھی علیحدہ علیحدہ ریاست و نخوت کا مادہ موجود تھا اور یہاں بھی یہ صورت قریب الوقوع تھی کہ آپ کی بعثت رسالت کا جو علم اپنی خامدانی روایات سے اُن کو ورثہ میں ملا تھا۔ یا جو علم یقین اُس کے متعلق یہود کی مجاورت سے اُن میں پیدا ہوا تھا وہ کچھ بھی کام نہ دیتا۔ اور یہود مدینہ کی طرح آخری دم تک یا قریش مکہ کی طرح ایک زمانہ تک مخالفت پر تلے رہے مگر اللہ نے اُنکی بہتری کے اسباب مہیا فرمائے۔ اوس و خزرج دونوں حقیقی بھائیوں کی اولاد جب پھیلی اور اُنہوں نے علیحدہ علیحدہ اپنی بستیاں قائم کر کے قلعے اور گڑھیاں بنالیں تو اُن میں بھی وہ سمی اغراضانہ جنگیوں کا شروع ہو گیا۔ جو ملک عرب کا خاصہ لازمہ بنا ہوا تھا۔ ان دونوں قبیلوں میں خوب معرکہ آرائیاں رہیں۔ اور کم و بیش سو برس اسی حالت میں گزر گئے۔ اکثر معرکوں میں اوس کو شکست ہوتی تھی۔ مگر سب سے آخری معرکہ یوم بعاث ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال اور عقب اولیٰ سے کچھ زیادہ تین برس پہلے ہوا۔ یہ معرکہ نہایت سخت تھا۔ اور اُس میں اگر چنانچہ اوس کو ہونی مگر فریقین کے پیچیدہ اشراف سردار مقتول ہو گئے۔ اور جن لوگوں سے اندیشہ ہو سکتا تھا کہ قوت و شوکت تشہ ریاست و نخوت و استقلال اُن کو قبول حق سے باز

لکھے گا وہ پہلے ہی فنا کر دے گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

کان یوم بعثت قد مہ اللہ لرسولہ
 د انصار کیلئے یوم بعثت کو قبول اسلام کا سامان اور
 فی دینولہم السلام سبب بنا دیا تھا۔

صرف دو بدبخت باقی رہ گئے تھے۔ ابو عامر فاسق و عمر عبد اللہ بن ابی۔ ابو عامر نے
 زمانہ جاہلیت میں ٹاٹ کے کپڑے پہن کر یہاں بیت اختیار کر لی تھی اور کہا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے طور کا منتظر ہوں۔ اور عبد اللہ بن ابی جس نے جنگ بعثت کے خاتمہ پر اپنی حسن
 تدبیر سے اوس و خزرج میں سبک کر دی تھی اور باوجود یکہ یہ دونوں قبیلے اس وقت تک کسی ایک کے
 تابع نہیں ہوئے تھے۔ مگر عبد اللہ بن ابی پر دونوں کو اتفاق ہو گیا تھا۔ یہ قرار پا گیا تھا کہ اُس کو
 دونوں قبیلوں کا بادشاہ یا سردار بنا کر تاج شاہی اُس کے سر پر رکھا جائیگا۔ یہ دونوں اپنی شرافت
 و سرداری کی بدولت اس نعمت سے محروم رہے۔ اوس و خزرج میں اول تو آپ کی رسالت متعلق
 اپنا خاندانی علم۔ دوسرے یہود و مدینہ کے حوالہ سے اس علم کا درجہ یقین نہک پہنچا۔ تیسرے یہود کا
 اُن کو یار بار و مددگار نہ ہونے کی آخر الزمان کیساتھ ہو کر تم کو قتل کر نیگے۔ چوتھے اُن کا ایسے افراد
 خالی ہو جانا جو اپنی ریاست و حکومت کے زعم باطل میں قوم کو قبول حق سے روکنے یا سبب
 ایسے تھے کہ انصار نے بلاترد و توقف اسلام قبول کر لیا۔ اور اُن میں ایک سال کا انداز طبع
 اسلام پھیل گیا کہ تیرہ سال کی کوشش سے مکہ میں نہ پہنچا تھا۔

انصار کے اسلام میں باسٹھ اقدم ہو جائیکے بعد گو دیگر قبائل عرب مخالفت کرتے رہے۔
 مگر انکی مخالفت اتنی قوی نہ تھی جہل کی بدولت کر بیٹھتے تھے۔ اور جب کوئی خوبی اُن کے
 ذہن نشین ہوتی۔ فوراً مان لیتے تھے۔ ایک طرف اگر قبائل عرب کے خفیف لطائیاں اور مقابلے
 بھی ہوئے تو دوسری جانب عرب کے وفود اصل حقیقت سے واقف ہونیکے لئے در دولت پر
 حاضر ہوتے اور تعلیم اسلام قبول کرتے رہے۔ اور چند ہی سال میں ملک عرب گویا بل کا کل

مسلمان ہو گیا۔ اور جن چند افراد یا بعض قبائل کے اندر کچھ خامی باقی رہی تھی۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق کی ابتداء خلافت میں بالکل زائل ہو کر سارا ملک عرب دنیا کے مقابلہ کیلئے تیار ہو گیا۔

حاصل ہمارے اس تمام بیان کا یہ ہے کہ ملک عرب میں بھی آپ کی بعثت و نبوت کا علم صحیح روایات سے شائع ذائع راسخ و مستحکم تھا۔ ہر فرقہ و جماعت میں ایسے لوگ موجود تھے جو آپ کے وجود مبارک کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے مخالفت بھی کی مگر وہ زیادہ غلبہ چیل کی وجہ سے تھی۔ نہ کہ حب یا ست و حسد و بغض کی وجہ سے اس لئے جلد یہ مخالفت زائل ہوتی گئی۔ اور قبائل کے قبائل اسلام لائے گئے اسلام اپنی اصل عظمت و صداقت کی وجہ سے ان میں عبرت پھیل گیا۔ اور کسی طرح کے جبر واکراہ کو اس میں دخل نہیں ہوا۔

البتہ جن جماعتوں میں علم یقینی کے ساتھ حسد و بغض و حب جاہ و ریاست کا مادہ بڑھ کر چکا تھا وہ محروم ہے۔ یہود و نصاریٰ زیادہ اس مرض کے شکار ہوئے۔ اور یہیں سب سے بھی معلوم ہو گیا کہ جب تک توفیق الہی شامل نہ ہو محض علم کام نہیں دیتا۔ بلکہ زیادہ مضر پڑ جاتا ہے۔ انصار کیلئے یہی مقدّر تھی ان کو کیونکر مادہ فاسد سے پاک کیا گیا۔ اور یہود کی قسمت میں خرابی کھی ہوئی تھی۔ ان کیلئے علم ہی بربادی و شقاوت کا سبب بن گیا۔

واقعات سیل عوم اور اس کے نتائج اور بعض علمی و تاریخی فوائد ذکر کرنے کے بعد ہم سب وعدہ مناسب سمجھتے ہیں کہ آیات متعلقہ واقعہ مذکور کے متعلق دو تفسیری بحثیں بھی درج کر دیں۔ لیکن قبل اسکے کہ ہم اس بحث کو شروع کریں آیات متعلقہ سیل عوم کو دوبارہ پورا نقل کر دینا چاہیے سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کو فہم میں سہولت ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِهُمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتِ ثَمَرَاتُ النَّخِيلِ وَتِلْكَ لَآئِهِ ۖ كُلُوا مِنْ
ثَمَرِهَا فِي رِزْقِكُمْ ۚ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلَدٌ طَيِّبٌ ۚ وَرَبُّهُ غَفُورٌ ۚ فَأَعْرَضُوا
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ ۚ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْنَ ذَوَاتِ الْأَنْجُلِ
خُمْطٍ ۚ وَأَلْزَمْنَاهُمْ شُجْرَةَ غَوْلٍ ۚ سِوَا سِدْرٍ قَلِيلٍ ۚ ذَلِكَ جَزَاءُ يَكْفُرُوا ۚ

هَلْ يُخْرِجِي الْاِلٰهَ الْكُفُوۃَ ۚ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْوَادِيَّ الَّذِي بَرَكْنَا
فِيهَا قَرْيَ ظَاهِرَةً ۚ وَقَدْ اَسْرَفْنَا فِيهَا السَّيْرَ وَسَيَّرُ وَاِذَا لَبَّىٰ وَاِيَّامًا
اٰمِنِيۡنَ ۚ فَقَالُوۡرَبَّنَا بَعِدْ بَيْنَ اَسْمَعٰلَ وَاَوْظَلَمُوۡا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ لَعٰنًا
وَمَرَّ قَوْمُهُمْ كُلٌّ مِّمَّزَقٍ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شٰكُوۡرٍ

بحث اول متعلق ہے آیات ذیل سے لفظ کان لیسٹا فی مسکن ہوا یہ جنس عن
ہیں و شمال کلاو میں رفق سہکم و اشکر والہ بلدا طیبہ و رب غفور

بحث اول

مفسرین کہتے ہیں کہ جنتن ایترا سے بدل ہے یا خبر ہے مبتدا حذف کی۔ اور معنی دونوں
سورتوں میں ایک ہی ہیں یعنی قوم سبا کیلئے اُن کے مساکن میں بڑی نشانی تھی اور وہ کیا تھی۔ دو بلخ
تھے دائیں بائیں اور چونکہ ایک قرات میں جنتین منصوب بھی ہوا اسلئے یہ بھی کہتے ہیں کہ معنی
مدح کے جو حالت نصیب میں لئے جاتے حالت رفی میں بھی ملحوظ رہیں گے اس کے علاوہ جنتن
بالرفع اور جنتین بالنصب کی ترکیب میں اور بھی احتمالات ہیں جنکو یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔
جمل معنی جملہ اولیٰ یہ ہیں کہ قوم سبا کیلئے اُن کی بستی میں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اُس کے فضل
و رحمت کی بڑی نشانی تھی۔ دو بلخ تھے اُن کے دائیں بائیں۔

علامہ زنجشیری نے اس موقع پر یہ شبہ پیش کیا ہے کہ بستی کے دائیں اور بائیں دو باغ موجود
ہونے میں ایسی بڑی آیت قدرت الہی کی کوئی تھی جو قوم سبا کیلئے مخصوص سمجھی جائے اور جس کی وجہ
سے ایسے اہتمام کے ساتھ ارشاد فرمایا جائے۔ حالانکہ ملک عراق میں بہت سے گاؤں ایسے ہیں۔
جن کے گرد اگر دبکشت باغات موجود ہیں۔

اس شبہ کے جواب میں خود زنجشیری نے دو تقریریں کی ہیں۔

اول یہ کہ جنتن سے تشبیہ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔ یہ غرض نہیں ہے کہ اُن کی بستی کے گرد

میں شمال میں دو باغ تھے۔ حالانکہ عراق کے تو ایک ایک گاؤں کے گرد بہت سے باغ ہوتے ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس بستی کے مابین و شمال باغوں کے متصل قطاریں سیلوں اس طرح چلی گئی تھیں کہ ایک باغ دوسرے باغ سے بالکل متصل اور منضم تھا۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کئی باغ ہیں اور اس طرح ایک جانب کے ہزاروں باغ ایک باغ کے حکم میں تھے۔ دوسری جانب کے بھی کل باغ ایک قطاریں اور متصل ہونے کی وجہ سے ایک ہی باغ کے مثل تھے۔

اس اعتبار سے دو سمتوں کی دو قطاروں کو ایک باغ کا حکم لگا کر تنذیہ کا اطلاق کر دیا۔ سواب اس شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی کہ قوم سبا کیلئے تو دوسری باغ تھے۔ اور ملک عراق کے ایک گاؤں کے گرد بہت سے باغ ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ تنذیہ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں لیکن یہ دو باغ کل بستی سبا یا قوم کے لئے نہ تھے۔ بلکہ ہر شخص کے مسکن کے مابین و شمال کی جانب دو دو باغ تھے۔ اور یہ امر بالکل مخصوص تھا قوم سبا اور ان کی بستیوں کیلئے۔

یہ جمل ہے کلام زرخشری کا۔ اس شبہ اور اس کے جواب کو اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے مگر میں اس شبہ اور اس کے جواب کے متعلق کچھ تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

زرخشری کا یہ شبہ بالکل صحیح ہے کہ اگر تنذیہ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو عراق کے دیہات میں دو چھوڑ بہت سے باغات موجود رہتے ہیں اس صورت میں خصوصیت قوم سبا اور ان پر خاص انعامات بیان کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اور اس کی تائید میں صرف دریائے فرات کے متصل دیہات رجن کو سستی فرات کہتے ہیں، کی سرسبزی آبادی کا حال ابن جبیر کے سفر نامہ سے دیکھ لینا کافی ہے۔ اور اس شبہ کا جواب بھی جس قدر دیا گیا ہے وہ واضح ہے کیونکہ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ باغات کا اس شان سے واقع ہونا خاص قوم سبا کیلئے تھا۔ اور اسی وجہ سے اس کو عظیم شان آتی فرمایا گیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں جواب اس سے زیادہ تفصیل چاہتا ہو۔

دیکھنا یہ ہے کہ قوم سبا پر یہ انعامات اُسی قسم کے تھے جو ہر ایک ایسے سرسبز و شاداب ملک

ہوتے ہیں۔ جہاں کی زمین عمدہ اور بارش دے فن زراعت میں ہوشیار اور محنتی ہوتے ہوں یا اُن مقامات میں قوم سب کے کچھ اختصاصات بھی تھے۔ اور پھر وہ اختصاصات ایسے تھے جو دنیا میں اکثر قوموں کیلئے بذریعہ استعمال اسباب پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً ایک ملک آب و ہوا شرب و غذا اور صحت و تندرستی میں دوسرے ملک سے فائق ہوتا ہے۔

یا اُن کے اختصاصات بھی تھے جنہیں اگرچہ بعض باتیں نتیجہ صنعت بشری بھی ہوں مگر مجموعی حیثیت سے اُنکو دیکھ کر ذہن نشین ہو جائے کہ یہ محض خدا تعالیٰ کی قدرت کا ظہور اور اُس کا انعام خاص ہے۔

اگر صورت اول ہو اور قوم سب کیلئے جو کچھ تھا وہ اُنکے کسب و صنعت کا نتیجہ تھا تو اُس وقت اس خاص صورت کو آیت عظیمہ فرماتا۔ اور اُس کے کفران پر اس عذاب کا نازل ہونا اس وجہ سے تھا کہ گویا بنی اعلیٰ درجہ کی قابل اور بانی چپہ چپہ پر بھرتا تھا بارش دے بھی ماہر تھے مگر ان تمام اسباب کے اوپر ایسے ثمرات کا مرتب ہونا کہ باغ بھی ہوں تو ایسے قیمنے سے کہ صرف دو جانب ہوں۔ اور پھر ہر ایک مکان کیلئے دو باغ ہوں جس سے معلوم ہونا ہے کہ مکانات خود اس قرینہ سے بنائے گئے تھے کہ ایک جانب میں اول ایک مکان اور اُسکے گرد و باغ پھر دوسرا مکان اور اُسکے گرد و باغ۔ اس طرح مکانات کی متعذ قطاریں ہوں اور ہر ایک سمت کے باغات باہم متلاصق اور منضم ہوتے ہوئے سیلوں چلے گئے ہوں۔

اور پھر اُن باغوں میں نہ کبھی خزاں آئی نہ کبھی خشک سالی یا دوسرے اسباب کی وجہ سے پھل خراب ہوں۔ اور پھل بھی اس کثرت سے ہوں کہ کوئی اُن سے محروم نہ ہے جنت کے باغوں کی طرح اُن کا حاصل کرنا بھی سہل ہو اور اس طرح پر مجموعی حیثیت سے قوم سب کیلئے یہ انعامات مخصوص سمجھے جاتے ہوں۔ گو افراد افراد ہر ایک چیز ایسی ہو کہ دوسری جگہ اُس کی مثالیں و نظیریں موجود ہوں زرخیزی کے کلام سے اسی کی تائید ہوتی ہے چنانچہ شبہ مذکور کے جواب اول کی تقریر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

انما اسرار جماعتین من البساتین درو باغوں کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت انکی شہر

جہاں سے، عن یمن بلد ہما خرو عن
 کے دہنے جانب اور دوسری جانب شمال اور باغوں
 شملہا وکل واحد من الجماعتین
 یہ دونوں جماعتیں قرب و اتصال کی وجہ سے مثل
 فی تعلقہما و تضامہما کا ہا جنتہ و
 ایک باغ کے معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر سیراب
 مکاتون فی بلاد الویف العا مرقہ -
 شروں میں ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آباد اور سرسبز شروں کے ساتھ تشبیہ دینا خود اس کا مقصد ہی ہے کہ یہ بات دیکھ کر
 حکہ بھی ممکن ہے اور اسی وجہ سے جملہ بکلاء طیبہ و سرخ و غفور کو اوپر کے کلام سے علیحدہ
 کر کے بالکل جملہ مستانفہ بنایا ہے۔ اور اسکو شکر گذاری کا سبب قرار دیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قوم مسبا کیلئے دونوں قسم کی باتیں حاصل تھیں۔ وہ بھی جو اسباب کے ذریعہ
 سے دوسری قوموں کو حاصل ہو سکتی ہیں اور وہ بھی جن میں اسباب اور ان کے کسب کو کچھ دخل نہ
 تھا تو یوں کہنا درست ہو گا۔ کہ باغات کی یہ کثرت اور پھلوں کی یہ حالت۔ اتصال اور ترتیب کی
 یہ کیفیت۔ عمارات کا یہ قرینہ وغیرہ جملہ امور ایسے تھے کہ فرادائے فوادائے کو حاصل ہو سکتے ہیں
 اور بحیثیت مجموعی بھی ان کا حصول بذریعہ اسباب ممکن ہے۔ مگر مجموعی طور پر جو بات ایک زمانہ دراز
 تک ان کو حاصل ہے کہ اس کیفیت میں کچھ بھی فرق نہیں آیا۔ اور برابر ایک حالت تنعم و خوش حالی
 صحت و تندرستی کی چلی گئی۔ یہ ان کی خصوصیت تھی۔ اور اس کے ساتھ کچھ انعام و اکرام ایسے بھی
 ان کے اوپر مبذول تھے جن میں ان کے کسب و صنع کو دخل نہ تھا۔ مثلاً امراض و الکد و براء و حشرات
 سے ان کی سرزمین کا اس طرح پاک ہونا کہ ان کو کبھی ایذا و تکلیف پہنچی ہی نہ ہو بلکہ کوئی اجنبی بھی اس
 سرزمین میں داخل ہو تو وہ اہل سبا کی راحتوں اور کیفیتوں میں حصہ دار بن جائے۔ اس کے
 کپڑوں کے پتو وغیرہ سب فاضل ہو جائیں صحت کی یہ حالت کہ کبھی کوئی مرض اس سرزمین میں ہو ہی
 نہیں۔ جتنا چاہیں کھالیں۔ بعضی۔ یا اگرانی و قتل معلوم ہی نہ ہو۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ اس
 اندھا دھند کھانے پینے حسیچ کرنے پر کچھ مواخذہ بھی نہیں۔ یہ وہ باتیں تھیں جو ان کے حد فضا
 سے خارج تھیں۔

اس سورت میں جملہ کَلِمَاتٌ طَيِّبَةٌ وَرَبُّ غَفُورٌ کو تمتہ اور تکمیل آیت کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ثُمَّ لَمَّا بَيَّنَّ حَالَهُمْ فِي مَسْأَلِهِمْ وَلِسَانَهُمْ وَأَكْلَهُمُ الْتِمَانِ النِّعَةِ بَانَ لَا غَائِلَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا تَبْعَةَ فِي أَمْوَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا فَقَالَ بَلَدَةٌ طَيِّبَةٌ أَيْ طَاهِرَةٌ عَنِ الْمَوْذِيَّاتِ لِحَيَّةٍ فِيهَا وَلَا عَقْرٌ وَلَا وَبَاءٌ وَلَا وَخْمٌ قَالَ رَبُّ غَفُورٌ أَيْ رَاقِبٌ عَقَابٍ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ فِي الْآخِرَةِ فَغَدَا بَانَ كَمَالُ النِّعَةِ حَيْثُ كَانَتْ لَذَّةُ حَالَتِهَا خَالِيَةً عَنِ الْمَفَاسِدِ الْمَالِيَةِ۔

حاصل مطلب یہ کہ رازی کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے مساکن اور باغات کھانے پینے کی اجازت کا حال بیان فرمادیا تو پھر اُس نعمت کے تمام تکمیل کو بیان فرماتے ہیں کہ ان نعمتوں کے استعمال میں نیوی نقصان و تکلیف نہیں ہو اور نہ پاداش مواخذہ اس لئے کہ بستی اُن کی پاک و صاف ہو۔ موزی جانوروں سانپ بچھو وغیرہ سے اور پاک و صاف ہو۔ وبا و بڑھئی وغیرہ سے اور نہ آخرت میں کوئی تکلیف ہو کیونکہ رب مغفرت کرنے والا ہے۔ اس بیان کے بعد کمال انعام ظاہر ہوا کہ بالفعل تمام نعمتیں موجود تھیں اور وہ تمام مفاسد حالی و مالی سے خالی تھیں۔

روح البیان میں اگرچہ اس وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا مگر اُن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی انعام و اکرام اور خدا تعالیٰ کی لسانی جنس ہی پر مقصور نہیں فرماتے۔ وہ کہتے ہیں۔ اِیَّةُ اٰیِ عَلَامَةٍ دَالَةٍ مَبْلُحْظَةٍ اخَوَاتِهَا السَّابِقَةُ وَالْاٰحِقَّةُ عَلَمٌ وَجُودِ الصَّالِحِ الْمُخْتَارِ وَانْهَ سُبْحَانَهُ قَادِرٌ عَلَى مَا يَشَاءُ مِنَ الْاَمْوَالِ الْعَجِيبَةِ۔

یعنی کلام اللہ میں آیت سے مراد وہ علامت ہے جو سابق اور لاحق حالات کو ملائے سی صانع نے۔ کہہ وجود پر دلالت کرے۔ اور اس بابت کہ وہ صانع مختار امور عجیب کے پیدا کرنے اور دکھلانے پر قادر ہے لفظ سابق و لاحق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگلے جملوں کو بھی اس کے ساتھ ملا یا ہے۔

اور صلح فخر کے وجود اور عجیب قدرت بردالت کا ظہور جب ہی ہوتا ہے جب معمولی حالات اور اپنے حد اختیارات و ذرائع سے کوئی شے خارج اور بالاتر ہو۔

بحث ثانی

بحث ثانی متعلق ہے آیات ذیل سے وجعلنا بینہم و بین القرى التي بارکنا فیہا قرى ظاہرہ و قدسنا فیہا السیر۔ (الی اخلاہ آیات۔) ہم ان آیات کا مطلب بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ قری مبارک سے قری شام مراد ہیں۔

اس وقت ہم اس قدر اور وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ قری مبارک کی مراد میں مختلف اقوال ہیں۔ معتمد علیہ مفسرین کا یہی قول ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ مراد اُن سے ملک شام کی بستیاں ہیں۔ اُنکے اندر ہر قسم کی خیر و برکات کا وجود ظاہر و باہر بات تھی۔ لیکن عبداللہ بن عباس سے روایات یہ کہ قری بیت المقدس مراد ہیں اور مجاہد سے روایت ہے کہ مراد وہ مراد ہیں۔ اور وہی روایت یہ کہ قری صنعاء مراد ہیں۔

ابن خیر فرماتے ہیں کہ خود مارب کی بستیاں مراد ہیں۔

اگرچہ معتمد علیہ اور قابل و ثوق روایت اول ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء اُس پر مفسرین کا اتفاق بیان کرتے ہیں۔ مگر ہم نے اُن روایات کو بھی نقل کر دیا ہے تاکہ اختلاف اقوال پر نظر رہنے کے ساتھ بعض فائدے بھی حاصل ہو جائیں۔

اس موقع پر امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک شبہ پیش کیا ہے کہ قری کے درمیان مساقہ معینہ پرستیوں کا آباد ہونا۔ اور سفر میں اُن کیلئے سہولتوں کا اختیار ہونا بھی اُن ہی انعامات میں سے ہے جو قوم سب پر مبذول تھے اور جبکہ انعام کے بعد تبدیل انجام اور جزا و ناسپاس کا ذکر کیا جا چکا ہے تو اب دوبارہ نعمتوں کا اعادہ بظاہر بے موقع معلوم ہوتا ہے۔

اس شبہ کا جواب خود امام صاحب نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نعمتیں بھی کئی قسم کی ہیں

اور انکو سزا کی صورت میں بدل کرنا بھی کئی طرح کا۔ اول اُن نعمتوں کا ذکر تھا جو خاص شہر کے اندر حالت اقامت میں اپنے مسبذول تھیں اور جب اُنکی ناپاسی ہوئی تو اُن کی سزا بھی ساتھ میں ذکر فرما دی گئی۔ یعنی اُن کے ہرے بھرے گنجان باغوں کو اُجرے ہوئے بلغ اور جھاڑو جھنکار کی صورت میں بدل دیا گیا۔

اور پھر اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو انکی بستیوں سے باہر حالت سفر میں پیش آتی تھیں۔ اور جب اس نعمت عظمیٰ کی بھی انہوں نے ناقدر دانی کی۔ بجائے اُسکو غنیمت سمجھنے کے الٹا یہ کہنے لگے کہ ہمارے سفر کی منزلوں میں فاصلہ کر دیا جائے تو اُسپر جو سزا مرتب ہوئی اُسکو ذکر فرمایا۔ حال یہ کہ ہر ایک نعمت اور اُسکی سزا کو ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے جو عین مناسب مقام و حال ہے۔ یہ جواب بالکل سچ ہے لیکن ذرا تفصیل اور توضیح کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ کی نعمتیں قوم سب کے اوپر دو قسم کی تھیں ایک وہ جو مخصوص تھیں اُنکے ساتھ دوسری قومیں اُنکے شریک تھیں اور ایک وہ جن میں دوسرے بھی اُن کے شریک حال تھے۔

اول قسم کے انعام کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ دو طرح کے تھے ایک وہ جو ظاہری اسباب پر متفرع ہوتے ہیں اور بہت سی قومیں اُن اسباب اور اُن کے ثمرات میں فرادی فرادی طور سے شریک ہو سکتے ہیں۔ مگر مجموعی حیثیت سے کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں تھی جیسا کہ قوم سب کے مساکن اور باغات کا طرز وقوع۔ پھلوں میوؤں کی کثرت ہر ایک فرد کے عام و شامل ہونیکی کیفیت حصول کی سہولت وغیرہ۔

دوسرے وہ جن کا ترتیب اُنکے کسب و صنع پر نہ تھا۔ بلکہ محض قدرت کاملہ کا ظہور تھا جیسے کہ اُس بستی کی حالت جس کو مشرعاہم اوپر کچھ چکے ہیں۔

انعام ثانی میں یعنی سفر کی راحت و آسانی میں اہل شام بھی اُن کے شریک حال تھے کیونکہ ملک سب سے ملک شام تک کئی مہینے کی راہ تھی اُس میں سب ہی پر یہ آسانی تھی۔ صورت اولیٰ کی دونوں قسموں کی سزا ایک تھی۔ اس لئے اُن کو اول بیان فرما دیا۔ اور

اُن دو قسموں میں جس قدر باہمی فرق تھا اُسکے لحاظ سے اُس میں بھی ایک جملہ کا فاصلہ کر دیا۔
اور صورت ثانیہ کی سزا علیحدہ تھی اس لئے اول انعام اور اُسکی سزا کو بیان کر دینے کے بعد
اُس کو بیان فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہر ایک نعمت کے کفران کی سزا اسی طرح ہوتی ہے کہ وہ
نعمت سلب ہو کر اُس کے مقابل حالت حاصل ہو جائے۔ باغات و مکانات کی راحت خوشحالی
سے ناسپاسی کر کے یا مقصدیہ تھا کہ نہ مکانات میں اور نہ باغات پہنچنے میں عزم لے کر مکانوں کی
مگر توبہ دینے کے فورے اگادے اور باغوں کی جگہ جھاڑ جھنڈ کا ٹکڑے کر دیے۔

سفر کی امت منزلوں کے قرب۔ اس دھینان کی قدر دانی نہ کی تو یہ سزا ملی کہ درواز
پھینک دیے گئے۔ ایک کہیں آباد ہوا دوسرا کہیں۔

اس تفصیل سے انشاء اللہ تعالیٰ علیحدہ علیحدہ بیان کر نیکی وجہ خوب خدمت سے معلوم ہو جائیگی۔
لیکن اس جواب کا مہیٰ تو اس بات پر ہے کہ ہر قسم کے انعامات اور ہر سزائیں ایک ہی زمانہ
میں ہوتی ہوں۔ اور تمام مفسرین کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت کا حال ہو سبیل عزم
آنے سے پہلے اُن کو اپنے ماسکن میں ہی نعمتیں تھیں جن کا ذکر ہوا۔ اور سفر میں ہی راحت
نصیب تھی جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور بعد میں عزم اُن سے سلب ہو گئیں۔

لیکن ایک روایت اور بھی ہے جسکو صحیح مان لینے کے بعد اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔
امام ابوالمیث نے بکلی سے روایت کیا ہے کہ سبیل عزم سے تباہی آجائیکے بعد قوم سبارنے
خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں سے عرض کیا کہ اب ہکو معلوم ہو گیا کہ یہ جو کچھ تھا خدا تعالیٰ کا انعام تھا۔
اب ہم عہد کرتے ہیں کہ اگر ہماری سابق حالت پھر عود کرے تو ہم خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کر گئے
جوا جتنک کسی قوم نے نہ کی ہوگی۔

انبیاء علیہم السلام نے دعا کی اُنکی تمام سابق نعمتیں عود کر نیکی ساتھ اتنا اور اضافہ ہو گیا کہ وہاں
ملک شام تک اُنکے سفر میں وہ سہولتیں پیدا کر دی گئیں جن کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن جب پھر کفر اختیار
کر کے نماز الہی کی ناسپاسی کرنے لگے تو انبیاء علیہم السلام نے اُن کو سابق عہد و معاہدہ کو یاد دلایا۔

لیکن ایک زہنی اور پھر انجام کار ٹکڑے ٹکڑے اور تتر بتر کر دیے گئے اس روایت کی موافق اب شبہ مذکور وارد ہی نہیں ہو سکتا۔

لیکن صحیح اور معتبر روایت سابق و سیاق آیت کی مطابق یہی ہے جس کو ہم اقل کچھ چکے ہیں اور حسب اکثر مفسرین کا اتفاق ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مضمون واقعہ میل عرم اگرچہ کسی قدر طویل ہو گیا ہے۔ مگر اُس میں بحدہ بہت سے علمی و تاریخی فوائد لکھے گئے ہیں جن کے حاصل کرنے میں بسا اوقات بہت ہی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اور نیز چونکہ اُس میں اصل مضمون اشاعت اسلام کی بھی پوری تائید ہو۔ اس لئے ہم نے اس قدر طویل کو گوارا کر لیا۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں۔

خالد بن الولید | اسلام کے اُن برگزیدہ و نام آور فرزندان میں (جنکی ذات پر مسلمان جتنا فخر کریں کم ہو اور رضی اللہ عنہ جن کی بے لوث و بے دریغ زندگی اور جوہر ذاتی کو دنیا کی تمام اقوام اسی طرح تسلیم کئے ہوئے ہیں جس طرح مسلمان۔ بلکہ یہ کہہ دینا بھی ممکن ہے کہ خود مسلمانوں میں اس قدر شہرت اُن کے اوصاف و کمالات کی نہیں جس قدر غیر اقوام میں) خالد بن الولید بھی ہیں۔ خالد بن الولید نہ سابقین اولین میں ہیں۔ اور نہ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ نہ خلفائے راشدین کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں اور نہ اُن برگزیدہ اصحاب میں کہ جنہوں نے ابتداء میں شعور سے آخری دم تک اسلام پر جان فدا کر دی، جنکی زندگی کا سب سے بڑا سب سے زیادہ اہم اور ارفع مقصد رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری۔ جان و مال کو آپ پر فدا کرنا دین الہی کی تبلیغ و توسیع میں اپنے ساتھ مل کر ہر قسم کی مصیبتوں اور دشواریوں سے مقابلہ کرنا تھا۔ برخلاف خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے ایک عرصہ تک اسلام و مسلمانوں کی مخالفت میں تھے سب سے اپنی اخلاقی و دماغی قوت شجاعت و مردانگی۔ فنون سپہ گری سب کے سب مسلمانوں کو مشاویہ میں صرف کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر و مغرورین کو برباد کرنے میں معین ہوئے۔ کتب سیر و تواریخ کے مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے کہ کتنے ہی کئی مشہور معرکوں میں مسلمانوں کو اُن کے ہاتھ سے سخت نقصان اٹھانا پڑا ہے لیکن یہی خالد ہیں کہ جب حلقہ گوش ارادت اسلام ہو گئے۔ انوار اسلام کی شاعیوں نے جیل و کفر کی ظلمت کو

آپکے دل سے دور کر کے اسلام کی حقانیت کو جلوہ گر کر دیا اور خود بخود در دولت پر حاضر ہو گئے اپنے سابقہ افعال و حرکات سے نام ہو کر بصدق دل توبہ کر لی۔ تو کچھ زیادہ زمانہ گزرنے نہ پایا تھا کہ بارگاہ رسالت پناہ سے سیف من سیوف اللہ کا قابلِ فخر و مباهات خطاب مل گیا۔ انہوں نے اپنی ذات کو مسلمانوں کیلئے سپر نیا کراہ اسلام کو عرب عراق و شام تک پھیلا دیا۔ نامور ناموروں اور مشہور و معروف سپہ سالاروں کو خاک و خون میں لٹا دیا۔ اور اس درجہ پر پہنچ گئے کہ اگر کسی غیر مسلم شخص سے مسلمانوں کے ناموروں کو دریافت کیا جائے تو غالباً وہ سب سے پہلے خالد بن الولید کا نام لے۔

حضرت خالد بن الولید کے حالات میں جس قدر انقلابات اور جتنے تغیرات ہوئے ہیں۔ کم کسی فرد کی ذات و احد میں ہوئے ہونگے۔ کبھی وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی اسلام کی حمایت میں سرکف میدان کارزار میں دکھائی دیتے اور اسلام و مسلمانوں کو سخت خطرناک مواقع سے صحیح سالم نکال لاتے ہیں۔ اور اپنی جلی فراست و انانی کی بدولت سرداری کا علم اٹھا کر نفیس عصام مودت عصامار عصام کے نفس نے خود عصام کو سردار بنا دیا۔ مگر ثبوت دیتے اور سیف اللہ کا خطاب پاتے ہیں اور کبھی سپہ سالارِ عظم کے لباس میں نمودار ہو کر ممالک فارس و روم کو الٹ پلٹ کرتے اور اسلامی اثرہ کو وسیع کرتے نظر آتے ہیں۔ اور کبھی وہی شخص جو محل و عقد کا مالک ہو جس کے ایک اشارہ پر عساکر اسلامیہ حرکت اور ایک آواز پر جھڑپ وہ لیجائے بلاتامل جانے کو تیار ہیں۔

ضعیفہ وقت کے حکم پر مغرور ہو کر حزنِ عظم کے درجہ سے نیچے اتار کر معمولی سپاہی کے درجہ پر پہنچا دیا جاتا ہے اور پھر اس کی اطاعت و انقیاد۔ جدوجہد مروانہ و ارار و جان نثاری میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ یہ وہ حالات ہیں جن سے ہمارے عنوان پر ایک نہیں بہت سے دلائل قائم ہوتے ہیں۔ اسلئے ہم حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے تمام حالات دکھلا کر آخر میں دیکھا لائیں گے کہ اسلامی تعلیمات کو قلب خیالات و انقلاب حالات میں کتنی کچھ تاثیر تھی۔ اور اسلام افرادِ عالم کو کیا بجز واکراہ اپنی طرف کھینچتا تھا یا اس کے جذبات و اثرات صافہ تھے جس کا ذوق حاصل ہوتے ہی

آدمی سب خیالات سے بالاتر و اسے ہو کر اسلام کا شیعہ بن جانا تھا۔ نہ اُسکے اندر خود بینی باقی رہتی تھی نہ خود آرائی۔ نہ وہ ستائش کا خواہاں رہتا تھا۔ نہ جاہ و عزت کا جویاں۔ نہ ملک داری اُس کو مطلوب رہتی تھی نہ جہان بینی کا ذوق اُسکے لبیں باقی رہتا تھا۔ اُسکے قلب میں سولے اسلام اور اُسکے کمالات کسی چیز کی گنجائش ہی نہ رہتی تھی۔ ہمیں توقع ہے کہ ناظرین حضرت خالد کے حالات کو تاریخی حیثیت سے نہ دیکھیں گے بلکہ اس نظر سے دیکھیں گے کہ اسلام کی تعلیم میں کیا مقصدی اثر تھا و کس طرح انسان کے تمام قوی ذہنی و دماغی اور تمام عناصر و جوارح کو اپنا تابع بنالینے والے تھے حضرت خالد کے حالات اسلامی تعلیمات اور اُسکے پاک اثر کے مکمل نمونہ ہیں۔ اور اسی بنا پر ہم آپ کے حالات کو چار حصوں پر تقسیم کرتے ہیں حصہ اول زمانہ جاہلیت۔ حصہ دوم زمانہ اسلام تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حصہ سوم زمانہ امارت و ولایت عساکر اسلامیہ حصہ چارم مغزولی و برطرفی ولایت کا زمانہ۔

ہر چار حصوں کے حالات چونکہ تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس لئے بعض ایسے واقعات جو ضمایان سابق میں آچکے ہیں کر بھی بیان کر دیے جائیں تو کچھ مہرج نہیں ہے۔

حصہ اول زمانہ جاہلیت

نسب شرافت | خالد بن الولید قریش مکہ کے اُن خاندانوں میں سے تھے جو اپنی شرافت نبی مکالم
حسانہ جی میں متنازعہ سمجھے جاتے تھے۔ آپ نبی محترم کے رکن دین۔ ابوہل بن ہشام بن المغیرہ
اور آپ ایک ہی خاندان سے تھے۔ آپ تیسری پشت میں ابوہل کے ساتھ مل جاتے ہیں کیونکہ آپ
خالد بن الولید بن المغیرہ ہیں مغیرہ بن آپ اور ابوہل دونوں جاتے ہیں۔

اس اشترک خاندانی اور قرب نسبت کے اُس عداوت کا انداز بھی ہو سکتا تھا جو خالد بن الولید
کو ذات اقدس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان نبوت ہونی چاہئے تھی۔ قریش مکہ تمام قبائل عرب
خواہ اولاد ربیعہ سے ہوں یا حضر سے اور جزیرہ نما عرب کے کل خطوں کے جس میں حجاز و یمن و نجد وغیرہ سب ہی
داخل تھے مطلع اور واجب تسلیم بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ تمام اقوام عرب کا رجوع اپنے معاملات میں
اُن کی طرف تھا موسم حج میں عرب کے تمام قبائل اپنی سب خانہ جنگیوں کو بالائے طاق رکھ کر مکہ کی سرزمین پر

جمع ہو جا۔ تے اور برادرانہ میل جول رکھتے تھے قریش مکہ بیت اللہ کے متولی اور محافظ تھے اور بیت اللہ کی ہر بدولت تمام عرب کو اس قدر اسن اطمینان نصیب تھا کہ چار مہینوں میں جس کو اشہر حرم کہتے تھے بلا خوف و خطر سفر کرتے تھے انہیں مہینوں میں ان کے بڑے بڑے شہو بازار لگتے تھے جہاں جمع ہو کر وہ تجارتی کاروبار اور تبادلہ خیالات کرتے ایک قبیلہ دوسرے کے حالات سے واقف ہوتا اور اس حاکم مشاعروں کی مجلسیں منعقد ہوتیں اور ہر خطیب شاعر اپنے فن کا کمال دکھاتا تھا۔ غرض اگر غورو انصاف سے دیکھا جائے۔ تو ملک عرب کی زندگی اور بقا صرف بیت اللہ اور قریش مکہ کی وجہ سے تھی۔ اگر ان کو اس قدر اسن اطمینان کے نہ بھی سال بھر میں نہ ملا کرتے تو کوئی صورت عرب کی آبادی کی نہ تھی۔ ادھر تو ان کی وحشیانہ خونخواری اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ہر ایک قبیلہ دوسرے کی صورت سے بیزار دوسرے آمدورفت کے سلسلے منقطع۔ تجارت درآمد ہمو تو کیونکر۔ پھر انکو اسباب معیشت ہتیا ہو سکی صورت ہوئی تو کیا ہوئی۔ ان تمام وجوہ سے قریش مکہ کی قدر و منزلت تمام عرب کے قلوب میں جا گر رہی تھی بیت اللہ تمام عرب کا قبلہ تھا۔ گو غرب کے ہر قبیلہ میں عبادات موجود تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ مگر خانہ کعبہ سے کوئی مستغنی نہ تھا۔ حج صرف بیت اللہ ہی کا کیا جاتا تھا اور قریش بیت اللہ کے متولی و محافظ ہونے کی حیثیت سے مشائخ اور ائمہ کا رتبہ رکھتے تھے ادھر عقول و تجربہ کے اعتبار سے قابل تقلید تھے اکثر لایخل معاملات قریش مکہ کے سامنے پیش ہو کر طے ہوتے تھے اور شکل امور میں عرب کا رجوع قریش کی طرف ہوتا تھا قریش مکہ کو سال بھر میں ایک مرتبہ کل عرب کی مزیبانی بھی کرنی پڑتی تھی جسکو وہ نہایت خوشی مسرت اور فخر کیساتر برداشت کرتے تھے گویا ان تمام اعتبارات سے قریش مکہ کل عرب کے مجمع تھے اور انکی روحانی و مادی حکومت تمام قبائل کو شامل و حاوی تھی اسی مضمون کی طرف اشارہ یہ حدیث شریف میں الناس تبع لقریش فی ہذا الشان مسامعہ تبع لمسلمہم و کافرہم تبع لکافرہم متفق علیہ تمام لوگ تابع ہیں قریش کے شان میں یعنی امامہ و غیرہ کے بارہ میں سلم تابع ہیں سلم قریش کے اور کافر تابع ہیں کافر قریش کے قریش مکہ بیت شریف اور عالی خاندانوں میں منقسم تھے اور اس نے اپنی مذہبی اور ملکی حکومت و اقتدار کو جمہوریت کی ترکیب پر قائم کر رکھا تھا اور اس جمہوریت کی صدارت

ہنی ہاشم کے ہاتھ میں تھی۔ جتنی عظیم الشان خدات اُن کے سپرد تھیں جیسے اُن کا امتیاز و شرف قائم تھا۔ اُن کو باہم تقسیم کر رکھا تھا ایک خاندان دوسرے خاندان سے اس بارہ میں ممانعت نہیں کرتا تھا اور اس طرح اُن کا نظام نہایت سکون اطمینان کے ساتھ قائم تھا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ قصی میں کلاب ہاشم کے جد امجد کو جب تمام قریش مکہ کی ریاست و حکومت ملگنی اُنکی سرداری بلا اختلاف تسلیم کر لی گئی تو قصی کی اولاد میں عبدالدار بابتبار عمر کے سب سے بڑے تھے۔ مگر شرافت ذاتی اور اخلاق کی خوبیوں میں چھوٹے بیٹے عبدالمناف و مطلب بہت کچھ فائق تھے باپ نے دیکھا کہ یہ دونوں تو اپنی ذاتی خوبیوں سے برتری حاصل کر لیں گے اور خیال کیا کہ عبدالدار کو ظاہری مناصب دیکھ کر اُن کا ہم سر ملکہ فائق بنا دیا جائے۔ اس بنا پر اپنی تمام مناصب عبدالدار کے سپرد کر دیے قصی کے ہاتھ مناصب ذیل تھے۔ ستائیس حجاج یعنی حجاج بیت اللہ کو اپنے ہاتھ سے چاہ زمزم کا پانی پلانا تھا کوئی شخص باجتہار خود اپنے ہاتھ سے لیکر زمزم کا پانی نہیں پی سکتا تھا۔ رفاۃ یعنی حجاج کی میربانی موسم حج میں قریش مکہ خاص ملک اس غرض کیلئے قصی کو ادا کرتے تھے اور اُس میں ہی مال دیتے تھے جو بالکل حلال و طیب و مجملہ و مخصص وغیرہ سے حاصل کیا ہوا نہ ہو۔ حجاج یعنی بیت اللہ کی کلید برداری کہ کوئی شخص بغیر اُن کے اذن کے بیت اللہ میں داخل نہ ہو سکے۔ تینوں مناصب مذہبی تھے۔ قیادۃ معرکوں وقت فوج کی کمان کرنا یعنی عساکر قریش کے کمانڈر انچیف یا سپہ سالاری کا عہدہ۔ تواری یعنی علم برداری۔ معرکوں کی وقت فوجی جھنڈا بھی اُنہیں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ دار الندوہ یعنی مجلس شوریٰ کی قومی عمارت جس کو دارالعوام یا پارلیمنٹ کے الفاظ سے تعبیر کر دیا جائے تو نامناسب ہوگا۔

قریش کے تمام امور و نظام اور ہم کام اس مجلس میں طے ہو جاتے تھے۔ خواہ کسی سے معرکہ آرائی کا مسئلہ ہو یا باہمی معاملات کا تصفیہ یا تمدن وغیرہ کے مسائل۔ کوئی معاملہ جس کا تعلق قریش کے عام افراد سے ہو تو اسواہ دار الندوہ کے کہیں طے نہ ہو سکتا تھا۔ کوئی شخص اگر بالا بالا کسی معاملہ کو طے کرتا تو وہ ناقابل اعتبار سمجھا جاتا تھا۔ قریش میں کسی کا علاج ہو تو وہ بھی دار الندوہ ہی میں ہوتا تھا۔ لڑکی بالغ ہو جاتی تھی۔ تو دار الندوہ میں حاضر کی جاتی تھی اور اُس کو وہ کرنا پہنایا جاتا جو علامت بلوغ سمجھا جاتا تھا۔

اور اُس کے بعد وہ پردہ میں بیٹھ جاتی تھی۔ محاربات کی وقت علم جنگ بھی اس مجلس کی رائے سے اہل و قابل شخص کے سپرد کیا جاتا تھا۔ غرض تمام ملکی و مذہبی اختیارات کی باگ تھی کے ہاتھ میں تھی جس کو اُس نے اپنے فرزند کلال عبدالدار کے سپرد کر دیا۔ لیکن یہ نامنصفانہ فیصلہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ عبدالدار کی زندگی میں تو کسی نے منازعت نہ کی لیکن جب عبدالمناف مُطَلَب اور عبدالدار کی وفات ہو چکی تو انکی اولاد میں نزاع قائم ہوا۔ عبدالمناف کی اولاد ہاشم و عبد شمس اور عبد المطلب کی اولاد امیہ بنو کنینہ اور عبدالدار کی اولاد ایک جانب۔ فریقین نے باہم اپنے اپنے طرفداروں کے ساتھ مل کر معاہدے کئے کہ جب تک فیصلہ نہ ہو جائے ساتھ نہ چھوڑینگے۔ بنی عبدالمناف اور ان کے رفقاء بنو زہرہ بنو اسد بنو تمیم بنو الحارث بنو مطلبون کہلاتے ہیں کیونکہ انہوں نے خوشبو کا پیالہ درمیان میں رکھ کر اور ہر ایک نے اپنا ہاتھ اُس میں ڈال کر عہد و پیمان کیا تھا۔ اور بنی عبدالدار نے اپنے حلیفوں بنی مخزوم و بنی ہبہم بنی جمح اور بنی عدی کے لعقۃ الدم کہلاتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ایک گھٹن کو خون سے بھر کر اور اُس کو چاکر معاہدہ کیا تھا۔ لڑائی کے ٹھٹھن جانے میں کچھ کسر باقی نہ رہی تھی۔ مگر پھر باہم اس پر صلح ہو گئی۔ کہ ستھایہ۔ رفادہ۔ قیادہ تو بنی عبدالمناف کے ہاتھ میں ہے۔ اور حجابیہ و لواء بنی عبدالدار کے قبضہ میں دارالندوہ مشترک ہے۔ کیونکہ یہ قومی مجلس تھی۔ اس کو کسی کیلئے خاص کرنا مصالح عام کے منافی سمجھا۔ اس طرح صلح و صفائی ہو نی کے بعد ہر ایک جماعت اپنے اپنے مناصب پر قائم ہو گئی۔ بنی عبدالمناف کے جو مناصب متعلق تھے اُن میں قیادہ و عبد شمس اور اُس کی نسل کے یہاں منتقل ہوتی رہی اور ستھایہ و رفادہ ہاشم اور انکی اولاد میں اور اُس کے ساتھ بوجہ اُس خاص اقتدار اور مذہبی شرافت اور اخلاق حسنہ کے جو عبد المطلب کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے تھے منصب قیادہ بھی اُن کو حاصل ہوا۔ یعنی سلاطین اور اکابر ملک و ملت کے دیاروں میں یا بتاتمام قریش کی طرف سے جا کر گفتگو کرنا بھی اُن کے سپرد تھا چنانچہ جب اہل مکہ کو تباہ کرنے اور بیت اللہ کی بنیاد دکھاانے کیلئے ہاتھیوں کا لشکر لیکر چڑھا اور اسی وجہ سے وہ اور اُس کا لشکر اصحاب فیل کہلاتے ہیں تو عبد المطلب ہی اس کام کیلئے منتخب ہوئے تھے کہ قریش کے قائم مقام بیکر ابراہیم سے گفتگو کوس۔

قیادہ کا تعلق بنی عبدالدار سے تھا اُسی کی فروع میں سے قبہ اور اعنہ الخلیل بھی تھاجو
 خالد بن الولید کے متعلق ہو گیا۔ گو خالد بن الولید بنی عبدالدار میں سے نہ تھے مگر اُن کے خلفاء یعنی
 بنی مخزوم میں سے تھے منصب قبہ کا حاصل یہ تھا کہ قریش کو جب کبھی معرکہ کارزار کا موقع ہوتا تو
 اُن کو ایک فوجی ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ اور ایک بڑا خیمہ اس غرض کیلئے نصب کیا جاتا تھا کہ اس
 فخذ کا روپیہ اسیں جمع کیا جائے اس خدمت کی سربراہی خالد بن الولید کے سپرد تھی خیمہ کھڑا کرنا۔
 روپیہ کا وصول کرنا اُسکو جمع کر کے جنگ کے مصارف میں صرف کرنا انہیں کنتعلیق کیا۔ اور یہ خدمت
 جس قدر عظیم الشان تھی ظاہر ہے۔ قریش کا اپنی غوث و قار کو قائم رکھنا دوسرے اقوام دست برداری
 سے محفوظ رہنا اس پر موقوف تھا۔ اعنہ الخلیل کی خدمت کا حاصل یہ تھا کہ جب لڑائی کھن جائے
 تو کسی منتخب دلیر جوان روکے ہاتھ میں فوج سوارہ کی کمان دیدی جائے حقیقت میں یہ دونوں منصبیں
 باوجود بلبل القدر ہونیکے منصب قیادہ کی ماتحت تھیں گویا بنی عبدالدار نے اپنی مفوضہ خدمت
 کے ایک حصہ کو خالد کے سپرد کر دیا تھا۔

اس نشر کی بیان سے واضح ہو گیا کہ خالد بن الولید زمانہ جاہلیت میں کیسا کچھ اقتدار رکھتے تھے
 انکی شجاعت۔ حسن تدبیر۔ فنون جنگ کی تدابیر پر قریش کو کس قدر اعتماد تھا۔

حضرت خالد کے معرکے | خالد بن الولید۔ شجاع و جری۔ مدبر و ہوشمندہ صائب الرائے عالی خاندان
 مسلمانوں کے ساتھ | سب کچھ تھے۔ اسلام کی مخالفت میں انہوں نے دوسروں سے بڑھ کر حصہ

لیا۔ مگر اُن میں کینہہ حرکات اور ذلیل اخلاق نہ تھے اپنی قوم کا ساتھ دیا۔ اسلام کا مقابلہ کیا مسلمانوں
 چند موقعوں پر نقصان بھی پہنچائے مگر ایسی کینہہ حرکات اُن سے صادر نہیں ہوئیں۔ جیسے کہ قریش کے
 اور نا اہل کو گزندے تھے۔ انکی مخالفت میں بھی ذاتی جوہر نہ ہوتا تھا۔ جو کچھ کیا اُس انداز میں جو ایک ہلہ
 وزیرانہ دشمن کر سکتا تھا سب دشمن سے زبان کو کبھی آلودہ نہیں کیا اور کوئی دنی و نازیبا حرکت نہیں کی۔

جنگ احد میں | حضرت سول کریم فضل الصلوٰۃ و التسلیم کے ہم رکاب کل ایک یا دو گھوڑوں
 خالد کا حصہ | تھے اور مشرکین مکہ کیساتھ فوج سوارہ کا معقول دستہ تھا جس کی کمان حسب قواعد

مقررہ حضرت خالد کے ہاتھ میں تھی جس وقت میدان جنگ میں خالد بن الولید کے مقابلہ کے لئے بڑی آن کے ساتھ نمودار ہوئے تو آپ نے سواروں کے حلقہ کو روکنے اور خالد بن الولید کے مقابلہ کے لئے زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ سواروں کے دوسرے دستہ کے مقابلہ کیلئے جو کسی کے زیرِ کمان تھا دوسری جماعت کو متعین فرمایا۔ غرض دستہ سواروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے پیادہ دستہ قائم کئے گئے۔ اور تیر اندازوں کی ایک جماعت کو جس میں پچاس سے زیادہ تیر انداز نہ تھے شکر اسلام کی عقب میں ایک گھائی پڑ متعین فرما کر امیرِ دستہ عبداللہ بن جبیر کو ارشاد فرمایا کہ ہم کو فتح ہو یا شکست مسلمان مالِ غنیمت بھی جمع کرتے ہوں تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ میرے اذن اور حکم کے منتظر رہنا جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے ہم کو غلبہ حاصل رہیگا۔

روانی سخت گھسان کی شروع ہو گئی۔ مشرکین مکہ نے بھی دادِ شجاعت دینے میں کسر اٹھانہ رکھی۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ علم جنگ بنی عبد الدار کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ابوسفیان بن حرب کو بدر کی ہزیمت کا دھبہ مٹانا تھا۔ ہر ممکن طریقہ سے قریش کو آمادہ کیا۔ ابوسفیان نے بنی عبد الدار سے کہا کہ بدر کی لڑائی میں تم نے علم کو ڈال دیا تھا۔ اسکی وجہ سے جو ہوا نہیں معلوم ہو۔ لشکرِ حرب مصیبت آتی اور ہزیمت ہوتی ہو تو اصحابِ لوار کی بزدلی اور نادانگی سے پہنچتی ہے۔ اگر تم علم کی حفاظت نہ کر سکو تو ہم کسی اور کے سپرد کر دیں گے۔ بنی عبد الدار نے جھلا کر ابوسفیان کو جواب دیا کہ ہم جو کچھ کرینگے تجھ کو معلوم ہو جائیگا۔ ابوسفیان کی غرض بھی اتنی ہی تھی کہ وہ علم کی حفاظت میں جان لٹا دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علم کو اقل طلحہ بن ابی طلحہ نے سنبھالا۔ وہ قتل کر دیے گئے تو ان کے بھائی عثمان نے لیا۔ اور ان کے بعد تیسرے بھائی ابوسعید بن ابی طلحہ نے وہ بھی قتل کر دیے گئے۔ تو طلحہ کے چار بیٹوں سافح، حارث، کلاب اور جلاس نے یکے بعد دیگرے علم کو اٹھایا اور سب مقتول ہوئے۔ ان کے بعد ارطاة بن شرجیل، شریح بن قانظ نے ہاتھ میں لیا اور وہ بھی مارے گئے۔ پھر ابو زبیر نے اور ان کے بعد شرجیل کے بیٹے اور پھر اسکے غلام صہاب نے ہاتھ میں لیا اور سب کا یہی حشر ہوا۔ غرض قریش نے اپنے لوار کی حفاظت میں کوئی کمی نہ کی اور گیارہ شخص اسکو اٹھاتے اور جان دیتے رہے۔ جب فوجت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوار کا اٹھانا والا

کوئی نہ رہا۔ اور مسلمان قریش پر ٹوڑ پڑے۔ تو بھگڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں کو غلبہ نام ہو گیا۔ قریش کو ہزیمت
 ملی ہو چکی اور مسلمان اموال شہادت کے جمع کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے تو تیر اندازوں کی ہمت نے جسکو اپنے
 گھائی کی حفاظت پر تعین فرما کر حکم دیا تھا کہ تم کسی سال میں اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ آپس میں کہا کہ فرج کامل
 ہو چکی اب ہمارے یہاں بسنے کی کیا ضرورت ہو ہم بھی مظفر و منصور مسلمانوں کے ساتھ غنیمت میں سوجھتے
 لیں۔ عبداللہ بن جہیر امیر دستہ نے ہر چند منع کیا مگر دستہ کے اکثر حصہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ امیر دستہ
 کچھ کم س آدمیوں سمیت وہاں سے نہٹے۔ خالد بن الولید کا زار دستہ سواران جیسا مدبر و بہادر ایسے
 موقع کو ماتھے سے کب دیکھتا تھا۔ باوجود قریش کی شکست کامل کے اپنی تدبیر سے نہ بچ سکے اور فوراً
 پہاڑ کے عقبے آکر اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ امیر دستہ عبداللہ بن جہیر اور ان کے رفقاء نے موقعاً
 کر کے جان دی۔ باقی مسلمان ہفقلاً غنیمت کے جمع میں مشغول تھے اس دفعہ حملہ سے انکے پیر اُکھڑ گئے
 انکی ترتیب میں ابتری پھیل گئی اپنے شعار و خاص علامات کی شناخت بھی نہ ہی مسلمانوں کے کان
 میں آوازا آئی یا عباد اللہ! آخر کھرا کہ اللہ کے بند اپنے دوسری جانب بچو مسلمان سمجھے کہ دوسری جماعت پر
 حملہ کرو۔ اور اس بنا پر آپس ہی میں ایک جماعت دوے کر چل کر دیا۔ اور بعض میدان چھوڑ کر مدینہ تک
 جا پہنچے۔ غرض ایک دفعہ تو مسلمانوں کو پوری شکست ہو گئی۔ بعض مشرکین نے یہ خبر اڑا دی کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو گئے۔ اس سے مسلمانوں کے ہرے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ بعض
 ثابت قدم مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر آپ شہید
 ہو گئے ہیں تو اب تم کیا کر رہے ہو کیوں نہیں اُس دین کی حفاظت میں قتال کرتے جبیر آپ قتال کرتے
 تھے۔ خدا تمہارا ناصر و مددگار ہے۔ انکی ہمت بندھانے سے اور بھی چند نفر انصار کے جمع ہو گئے اور اُس
 حصہ پر جس میں خالد بن الولید، عمرو بن العاص، عکرمہ بن ابی جہل، عرار بن الخطاب تھے حملہ کر دیا۔ خالد
 بن الولید نے نیزہ سے حملہ کر کے انکو قتل کر دیا اور وہ مولیٰ اپنے رفقاء کے سب شہید ہو گئے۔

مسلمانوں کیلئے یہ نہایت سخت وقت تھا کچھ میدان سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور جو تھے وہ بھی
 متفرق تھے۔ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ثابت قدم تھے آپ کے قریب مختصر سی

جماعت تھی۔ اس فتنہ جماعت میں سعد بن ابی وقاص۔ ابو طلحہ انصاری۔ یسہل بن حنیفہ ابو جابر بھی تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے جان نثاری کے فرائض اس حد تک ادا کئے کہ کسی فرد نے کسی کے ساتھ نہ کئے ہوئے۔ ابو جابر نے اپنے آپ کو آپ کے لئے آڑ بنا دی شریکین کی طرف اپنی پیٹھ کر کے آپ کے لئے ڈھال بن گئے جتنے پتھر آتے۔ تھے ان کو لگتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی طرح آپ کے قدم مبارک پر اپنے چہرہ کو رکھ کر واصل بحق ہو گئے۔ ان مردوں کیساتھ بعض عورتیں بھی تھیں ام عمارہ مازنیہ نے نہایت جواغروی و استقلال سے دشمنوں کے حملوں کو آپ پر سے دفعہ کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اُسے و زجب داپنے یابائیں دیکھا تو ام عمارہ کو اپنی حفاظت کیلئے لڑتے دیکھا۔ اُن کو بھی اُسے و زبارہ زخم لگے تھے بشرکین میں سے ایک شخص ابن قوام نے آپ کے ہونڈھے پر پتھ قوت سے تلو کار کا وار کیا۔ آپ کو زخم تو نہیں پہنچا مگر ایک ماہ تک ہونڈھے میں تکلیف رہی۔

ابن بن خلف مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کو اسقدر دانہ دیتا ہوں اس پر تم کو قتل کرونگا۔ آپ اس کے جواب میں ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔

انشاء اللہ تعالیٰ میں ہی تجھ کو قتل کرونگا۔

آج مسلمانوں کی اس عارضی شکست سے ابی بن خلف بھی اپنے خیال فاسد کو پورا کرنے کا سوتہ سمجھ کر آپ کی طرف چلا مسلمانوں نے آپ تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اسکو آگے دو۔ آپ نے بعض صحابہ سے ایک سبزہ ہاتھ میں لیکر ایسی قوت سے مارا کہ گھوڑے سے گر کر لڑھکتا ہوا چلا گیا۔ گردن میں خفیف سا نشان زخم کا ہو گیا۔ جو بظاہر کچھ بھی اندیشہ ناک نہ تھا۔ مگر ابی بن خلف چلا اٹھا قتلخی لھلھ؟ مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مار ڈالا۔ لوگوں نے کہا تیری عقل جاتی رہی ہے تجھے تو کچھ گزند کا اندیشہ نہیں ہے۔ تو ایسا بہادر ہو کہ سینہ میں تیر کھاتا تھا اور نکال کر کھینک دیتا تھا کچھ پرواہ نہ کرتا تھا۔ اس ذرا سے زخم سے کیوں مرا جاتا ہے مگر اُس نے کہا تم نہیں جانتے جتنا زخم آپ کے ہاتھ سے مجھ کو لگا ہے اگر اُنہا ہی کل کر ہا ارض کے باشندوں کو ملکر لگ جائے تو سب مر جائیں وہ کجخت باوجود شدید عداوت کے بھی آپ کی حقانیت کو جانتا تھا اور اُس کو اُسی وقت سزا دینا تھا۔

جب آپ کو فراتہ ہوئے سنا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ آخر کئی روز کے بعد مکہ کو واپس ہوتے ہوئے اس زخم کی تکلیفٹ رگیا۔ ابی بن خلف ہی وہ شقی ہے جس کو آپ نے اپنے دست خاص سے قتل کیا ہے۔

ابو عامر فاسق نے جو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسل ملا نہ کہہ سکا تھا اور بوجہ عداوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ چھوڑ کر کفار مکہ سے جا ملتا تھا اور جنگ احد میں اُن کو یہ دم دلا سا دیکر لایا تھا کہ جب انصار کے سامنے آئیں گے اور میں اُن کو آواز دوں گا تو سب میرے ساتھ ہو جائیں گے لیکن یہاں اس مردود کی طرف کسی نے بھی التفات نہ کیا۔ اس ابو عامر کو زمانہ جاہلیت میں بوجہ اس کی عبادت و گونہ نشینی کے راہب کہتے تھے لیکن اب اُس کا نام فاسق ہو گیا تھا، اُحد کے میدان میں جبکہ گڈھے گڈھے کھدوا کر چپا دیے تھے کہ مسلمان بے خبری میں اُن کے اندر جا پڑیں۔ ایک گڈھے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گر گئے اور اس صدمہ سے آپ پر بیوشی طاری ہو گئی گھٹنے پھل گئے ابن قریظ نے جس نے آپ کے مونڈھے پر تلوار ماری تھی اوپر سے پتھر پھینکے۔ ایک دوسرے شخص نے ایک پتھر مارا جس سے نذابن مبارک کو صدمہ پہنچا۔ یہاں سے آپ پہاڑ کی گھاٹی میں تشریف لیگئے۔ اور وہاں آپ کے زخم کو دھویا گیا۔ گھاٹی میں آپ اصحاب کی مختصر سی جماعت کیساتھ تشریف فرما تھے۔ کہ خالد بن الولید مع چند مشرکین کے پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اُس وقت آپ نے دعا فرمائی :-

اللَّهُمَّ اَعْمَلْ لِي فِي لَهْمَانِ يَعْطَوْنِي
وَالْحَيَّانِ مَشْرِكِينَ كَلَامٍ مِنْ بَلَدٍ هَوَالًا لَيْسَ بِهِمْ
اللَّهُمَّ لَا قُوَّةَ لَنَا اِلَّا بِكَ
جو کچھ قوت ہوتی رہی ہی امداد و نصرت کی ہو

اس پر حضرت عمرؓ ایک جماعت کے مقابلہ کیلئے کھڑے ہوئے اور اُن کو پہاڑ سے نیچے اتار دیا مسلمانوں پر سخت پریشانی اور خوف کا وقت تھا کہ عین اسی حالت میں اُن پر اونگہ کا غلبہ ہوا۔ جس سے اُن کے ہاتھ میں سے تلوار گر پڑتی تھی۔ اس حالت کے زائل ہو جانے کے بعد خوف بالکل جاتا رہا از سر نو نشاط پیدا ہو گیا۔ بجائے ضعف کے قوت پیدا ہو گئی۔ اور مغلوبی کا جو صدمہ تھا وہ نصرت و فتح کے سرور سے بدل گیا۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے :-

فَضْلًا اَتَىٰ عَلَيَكُمْ مِنْ اَبَدٍ اَلْعَمَامَةِ
دھیر جن تو آئے اُن سے اُما راتم پر بھی کچھ بل من کو اونگہ کہ

مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے سے مدینہ منورہ کی اُس جانب جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا اُسی جانب منہ کر کے گہری خندق کھودی گئی جی بنی نہی بنی خطب نے اپنا وعدہ پورا کیا بنی قریظہ کا معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا تھا۔ مکمل تحریر اس مضمون کی موجود تھی کہ بنی قریظہ آپ کے کسی مخالف کا ساتھ نہیں گئے۔ انصار کے قبیلہ اوس کے ساتھ بنی قریظہ کے تعلقات تھے زمانہ جاہلیت سے اُن میں اور قبیلہ اوس میں یاری و دُکاری باہمی حلف و عہد موجود تھے جس طرح نصیر کا معاہدہ انصار کے دو دوسرے بڑے قبیلے خزرج کے ساتھ تھا۔ ہر ایک فریق دوسرے کا ساتھ دیتا تھا اور اُس کے مخالف سے دُخت ضرورت پر برسرِ پیکار ہوتا جاتا۔ اسی طرح انصار کے بھی دونوں قبیلے اپنے اپنے حلیفوں کا ساتھ دیتے تھے۔ زمانہ اسلام میں بھی اس عہد و پیمان کی رعایت ہر فریق میں موجود تھی۔ بنی نصیر کے بارہ میں اس معاہدہ کی وجہ سے عبداللہ بن ابی خزرجی نے سفارش کی تھی اور باوجود اُس کے منافق شدید انفاق ہو چکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی سفارش منظور کی تھی۔ قریش نے ابن خطب کو اُس کے وعدے یاد دلانے۔ وہ بنی قریظہ میں پہنچا اور کعب بن اسد ریہ شخص بنی قریظہ کا سردار تھا اور اس کے پاس عہد نامہ صلح موجود تھا، کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کعب نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور کہا تو ایک مخوس سبز قدم آدمی ہر میرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہو چکا ہے۔ اُنکی طرف سے سوا دُعا عہد۔ بچائی و سہن بازی کی کوئی بات غائر نہیں ہوئی۔ میں ہرگز عہد نامہ کو نہ توڑوں گا۔

جی بنی خطب نے کہا تو صرف اس خوف سے دروازہ نہیں کھولنا کہ کہیں میں تیری حشیش دھوٹا آتا، میں شریک نہ ہو جاؤں کہ کعب نے مجبور ہو کر دروازہ کھول دیا۔ جی بن خطب نے کہا ظالم میں تو ایسی غرت کا سامان لایا ہوں کہ زمانہ میں تیرا نام ہو جائیگا۔ قریش و غطفان کو جمعیت کثیر کے ساتھ لایا ہوں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتہیصال کر دیں گے۔ اور جب تک اس مدعا میں کامیاب نہیں ہوں۔ یہاں سے نہ ہٹیں گے کہ کعب نے جواب دیا کہ تو غرت کی نہیں بلکہ دنیا بھر کی ذلت کا اور ہر قسم کے خوف و خطر کا سامان لایا ہے اِنی لحاظ من محمد (الحصدا) و وفاء (من نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوار و فواف و استبازی کوئی انہیں

دیکھا۔ جی بن خطب کی طرف سے اصرار اور اسکی طرف سے انکار بڑھتا رہا۔ آخر جی نے اس پر علف کیا کہ اگر آپؐ
 وخطفان بغیر مسلمانوں کے تباہ کئے واپس ہو گئے تو میں تیرے ساتھ محصور ہو کر بیٹھ جاؤں گا اور تیری
 مصیبت میں شریک ہوں گا۔ آخر کعب بنی معاہدہ توڑ دیا عہد نامہ کو پھاڑ دیا اور اپنی قوم کے سرداروں کو
 جمع کر کے اسکی اطلاع کر دی۔ سب نے اسکی رائے سے اتفاق کر کے آپؐ کی مخالفت پر یکراں ہمدلی۔ اس واقعہ کی اطلاع
 آپؐ کی خدمت میں پہنچی تو آپؐ کو نہایت ناگوار گذرا۔ اس وجہ سے نہیں کہ وعدہ نصر خداوندی میں کچھ تردد
 ہوا۔ بلکہ محض اس خیال سے کہ مسلمانوں کے عہد طبقہ پر اس کا اثر پڑ جائے گا اندیشہ تھا۔ آپؐ نے تحقیق سال کے
 لئے سعد بن عبادہ کو جو بنی قریظہ کی حلیف تھے بھیجا اور ان کے ساتھ عبداللہ بن رواحہ خوات بن حیرہ کو بھی کر دیا
 اور فرما دیا کہ اگر یہ خبر میان شکنی کی صحیح ہو تو صراحتاً میرے سامنے بیان نہ کرنا۔ بلکہ کنایہ میں ظاہر کرنا۔ خبر حقیقت
 میں صحیح تھی ان لوگوں نے واپس کر لیا اور کہا۔ عضل والقامہ (یعنی قریظہ نے
 اس طرح عہد شکنی کی کہ جس طرح قبیلہ عضل قارہ نے مسلمانوں کی جماعت اصحاب جمع کے ساتھ کی تھی،
 مسلمانوں نے عام طور پر تو اس کو نہ سمجھا مگر آپؐ نے سمجھ لیا اور سرسرت کیساتھ اللہ اکبر کہہ کر فرمایا مسلمانو تمہیں
 خدا تعالیٰ کی نصرت و امداد کی بشارت ہو۔ اس کے بعد آپؐ چہرہ مبارک پر کچھ ڈال کر لیٹ گئے مسلمانو
 نے یہ تفکر کی حالت دیکھی تو اور بھی پریشان ہو گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں آپؐ نے سر اٹھا کر فرمایا اللہ
 و ابفقم اللہ و نصرة جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشارت دینا بالکل صحیح تھا کیونکہ مشرکین
 کہ کی ناکامی کے ساتھ خدا تعالیٰ نے یہود و مدینہ کی بقیہ جماعت کے خاتمہ کا بھی سامان فرما دیا۔ مگر ظاہری
 سامان اس بشارت کے مساعدت تھے مسلمانوں پر تو غم و الم و تردد و فکر کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ دس ہزار کا
 لشکر محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا۔ یہوذا آستین کی طرح اندکھٹے ہوئے تھے کہ مسلمان قریش کے مقابلہ
 میں مصروف ہوں تو ہم ان کے ذل و بچہ کو تباہ کر کے مسلمانوں کو گھیرے میں لیں۔ یہی وقت تھا جس
 کی نسبت کلام اللہ میں ارشاد ہے۔

اذ جاءواکم من فوقکم ومن اسفل
 منکم واذ من اعنت الا حصیہم وعلقت القلوب

جب آئے تیرے اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب
 ڈنگے لگے آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور گمان

الْمُحَاحِرُ وَتُظَنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا هَذَا لَمْ يَكُنْ يَحْكُمُ كَمَا نَحْنُ الْيَوْمَ
 ابْنِ الْمَوْتَمِنُونَ فَضْلُهُمْ لَوْ لَزِلُوا لَزَلُوا الْأَشْدَادُ اِيْمَانِ وَلَيْسَ جَهْرٌ مَعَهُمْ اَنْ يَكُنْ جَهْرٌ مَعَهُمْ اَنَا۔

پھر منافقین مدینہ جو یہود سے زیادہ عدوت میں بٹھے ہوئے اور مسلمانوں کے ہر کام میں خیل
 اور گھسے ہوئے تھے، کا تسخیر و تسخیر اور بھی نہ کر سکتے تھے۔ اور اس کے بعد کہ آپ نے دست مبارک میں کدال کو لیکر مارا جس سے نرم
 چٹان نکل آئی جس پر کدال کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا تو آپ نے دست مبارک میں کدال کو لیکر مارا جس سے نرم
 ہو کر اُس کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا۔ کدال کے ٹکڑے ہی چٹان میں سے چمک پیدا ہوئی جس کو دیکھ کر آپ
 نے فرمایا۔ مجھ پر خدا تعالیٰ نے مین کو فتح کر دیا۔ اُس روشنی میں میں نے مین کے مکانات اور آبادی کو دکھایا
 ہے۔ دوسری دفعہ کدال کو مارا تو ایک تہائی کٹنے کیساتھ روشنی نمودار ہوئی اور آپ نے فرمایا۔ انا کدال کا ملک
 بھی فتح ہو گیا۔ اس روشنی میں شام کے ملک اور اُسکی آبادی مجھ کو دکھلا دی گئی۔ تیسری دفعہ کدال مارا تو
 پھر روشنی ظاہر ہوئی آپ نے فرمایا فارس کا ملک بھی فتح ہو گیا۔ منافقین ان باتوں کو سُن کر اور بھی مسکرتے اور
 مسلمانوں پر ہنسنے لگتے تھے کہ یہ بھی عجیب نادان ہیں گھوٹیں تو اس میں نہیں ہو کوئی شخص اطمینان سے رُوئی
 نہیں کھا سکتا۔ تنگی کا یہ حال کہ کئی کئی وقت رُوئی نہیں ملتی اور اس حالت پر ان جھوٹے وعدہ و پیر خوش ہوتے ہیں
 وَادِ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا كَذِبٌ مَعَهُمْ اورو جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں شک ہے
 کہتے تھے ہمیں وعدہ کیا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے مکر دھوکے کا۔

غزوہ ۱۔ مسلمانوں کیلئے ایسی ابتلا و امتحان کا وقت اب پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ جنگ احد میں بیشک نقصان
 پہنچا تھا۔ مگر نہ اتنا ڈرا اور نہ ایسا خوف و ہراس تھا مسلمانوں کو خود اپنی سوتہ سیری و عدم امتثال حکم رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اسی ابتلا میں ابتلا اور آزمائش بخشتی و صدق و اخلاص
 جو انروی و جان نثاری کا ایک دوسرا منظر پیش آیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایہ شفقت و رحمت رافتہ و عطوفت کا اقتضایہ ہوا
 کہ مسلمان جو تقریباً ایک ماہ سے گھر سے بے گھر نہایت خوف و ہراس میں مبتلا بہر قسم کی تکالیف

برداشت کر رہے ہیں۔ اُن کو اس بلا سے نجات دیجائے۔ مشرکین کو لطائف الحیل سے اس وقت ٹال دیا جائے
وقت کا ٹال دینا اور کسی دوسرے وقت دشمن سے انتقام لینا بھی تدبیر حرب میں اعلیٰ درجہ کی تدبیر ہوتی ہے
آپ نے عینیت ابن حصن فراری اور حارث ابن عوف حزی کو طلب فرمایا یہ دونوں ابوسفیان سے پوشیدہ
حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان دونوں سے فرمایا اگر تم اپنی جماعت کو واپس بجاؤ تو مدینہ کے سال بھر کے
پھلوں میں سے ایک تہائی تم کو دیے جائیں گے۔ انہوں نے نصف کا مطالبہ کیا گویا آٹا خراپک تہائی پر
راضی ہو گئے جب یہ دونوں راضی ہو گئے تو انصار کے ہر دوسرا سعد بن معاذ اسی سعد بن عبادہ
خزرجی کو بلا کر اس بارہ میں مشورہ فرمایا۔ دونوں نے بالاتفاق عرض کیا۔ اگر اس طرح صلح کرنے کا آپ کو
مخانب اللہ حکم ہے تب تو سوار، امثال چارہ ہی نہیں ہے اور یہ امر خود آپ کو پسندیدہ و مرغوب ہے تب بھی
ہم اطاعت کریں گے۔ اور اگر محض ہماری راحت ساسی اور رفع کلفت پریشانی کیلئے کیا جاتا ہے تو ہمارے
نزدیک یہ صلح ٹھیک نہیں ہے ہمارے پاس تو ان مشرکین کیلئے سوار تلوار کے کچھ نہیں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا
اگر مجھے خدا تعالیٰ کے یہاں سے حکم ہوتا تو تم سے مشورہ ہی کیوں کرتا میں تو صرف اسی منصب سے صلح کرتا ہوں
کہ تمام عرب نے ایک کار کے تم کو ہدف سیف مسمان بنایا اور ہر طرف سے تم پر حملہ ہو رہا ہے اس وقت اس تدبیر سے
اُنکے جتنے کو توڑ دیا جائے پھر جو کچھ ہوگا دیکھ لیا جائیگا۔ دونوں سرداران انصار نے یہ سن کر عرض کیا۔ یا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ شرک میں ان قبائل غطفان کی یہ خیال نہ تھی کہ مدینہ کی ایک کھجور بھی ہم سے بڑی
لے سکیں یا خرید کر لیتے تھے یا ہمارے یہاں بنکر کھا لیتے تھے اور اب جبکہ ہمارا اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت
وغرت عطا فرمائی آپ کی بدولت ہدایت نصیب ہوئی تو ہم استدراست بہت بزدل بن جائیں کہ اُن کو شہادت
کا ایک ٹکٹ محض حفاظت جان کیلئے دیدیں۔ حالت شرک میں تو ہم اس قدر قوی غیور بہادر و دلیر ہوئے
اور اس کرامت و شرافت کے بعد جو ہم کو حاصل ہوئی ہے ایسے بے حیست کزور بن جائیں۔ ہمیں ہرگز ایسی صلح کی
ضرورت نہیں ہے۔ تلوار ہی سے فیصلہ ہوگا۔ آپ نے شکر فرمایا تمہاری یہ رائے ہے تو بہتر ہے ہر دوسرا لو
نے باوازا بلند غنیمت اور حارث سے کہہ دیا جس قدر ممکن ہو ہمارے مقابلہ میں کوشش کرو تلوار ہی سے
فیصلہ ہوگا۔ ظاہر ہو کہ اس طرح صلح کا نہ مخانب اللہ حکم تھا اور نہ خود پسندیدہ و محبوب تھی۔ بلکہ خجملہ تدابیر

ایک تدبیر تھی۔ اور اُس میں صحابہ کی دلجوئی اور راحت کا خیال تھا۔ مگر جس طرح آپ کی جانب سے محض شفقت و مرافت کا ظہور تھا۔ درحقیقت مسلمانوں کیلئے امتحان و آزمائش کی گھڑی تھی لکن انصافاً اس رائے کو مان لیتے تو کسی طرح قابلِ ملامت و طعن نہ ہوتے۔ مگر وہ اس تک پہنچ گئے لیسا المومنین جلاؤ حسناً کا مضمون پیش نظر ہو گیا اور نہایت ثابت قدمی سے صلح کو منظور کیا جب صلح کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ تو مشترکین کے تمام گروہوں نے پوری جدوجہد شروع کر دی۔

خندق کے درمیان ہونے سے پیادہ لشکر کو تو موقعِ حملہ کا تھا ہی نہیں۔ البتہ سواروں کے دستے متفرق مقامات پر رات دن گشت نگاتے تھے اور چاہتے تھے کہ کہیں موقع مل جائے تو خندق کو طے کر کے مسلمانوں پر جا پڑیں۔ یہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ فوج رسالہ کی کمان ہمیشہ خالد بن الولید کے ہاتھ میں ہوئی تھی اس موقع پر بھی انہیں کی کمان میں تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ خود بالطبع ایسے دلیر و جوشیلے نہ رہتے کہ کسی موقع کو ہاتھ سے دینا تو کیا خود متلاشی ہوتے تھے۔ مگر خندق کا محاصرہ لمبا ہو گیا تھا ایک شخص سے نامکمل تھا کہ رات دن ہر موقع پر دستہ سواروں کو لیجائے اور حصہ دینے تک کہ مسلمانوں کو ایک آن کیلئے چین و اطینان حاصل نہ ہو۔ انہوں نے رسالہ کو کئی دستوں میں تقسیم کر کے ہر ایک دستہ کی کمان حیدر ابوسفیان عمرو بن العاص۔ عکرمہ ابن ابی جہل۔ بہیرہ ابن ابی وہب۔ ضرار بن الخطاب کے سپرد کی اور ایک دستہ کی کمان خود اپنے ہاتھ میں رکھی اس طرح فہرہ وار حملے کرتے رہے کبھی کبھی نہرو گھوڑوں کو خندق میں لیجانیکا ارادہ کیا مگر کامیاب نہ ہوئے ایک مرتبہ نوفل عبداللہ ابن مغیرہ نے گھوڑے کو خندق پر کدانا چاہا۔ مگر وہ خندق میں گر گیا اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ حالات تو ابتداء ہی سے تھے مگر آخر میں جدوجہد کو اور بھی بڑھایا۔ ایک مرتبہ عکرمہ ابن ابی جہل۔ بہیرہ ابن ابی وہب۔ ضرار بن الخطاب عمرو بن ود نے گھوڑوں کو خندق کے تنگ راستہ میں جبراً گھساہی دیا۔ مگر یہ حملہ بھی عمرو بن ود کیساتھ حضرت علی کم اللہ وجہہ کے مقابل آنے اور عمرو بن ود کے جو نوے برس کا بڑھا تھا گزیر و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بہادر اُسکے نام سے ڈر جاتے تھے مقتول ہو جانے پر ختم ہو گیا۔ ایک مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ دستہ سواران لیکر نکلے کہ مسلمانوں کو غفلت میں جالیں۔ کناہ خندق پر اُمید بن ضیر و سو کی جمعیٹ موجود تھے۔ ٹھوڑی دیر تک مقابلہ

رہا اور پھر ہٹ گئے۔ ان ہی مصائب و سختیوں میں ایک اور ام پیش آگیا۔ ایک شہر رات میں مسلمانوں کی دو جماعتیں نکلیں ایک کو دو سر سے کی خیر نہ تھی۔ ڈب بھیر ہو گئی تو ہر ایک نے مشرکین کی جماعت سمجھ کر حملہ کر دیا اور فریقین میں سے کچھ مقتول و مجروح ہوئے مگر حسیہ جماعت نے اپنے اپنے شعار کو ظاہر کیا تو لڑائی بند ہو گئی۔

یہ تمام مصائب گذر رہے تھے اور دن رات دشمن کا مقابلہ علیحدہ بل بچوں گھروں کی طرف سے بے اطمینانی و پریشانی پیدا ہو کر پیاس کی تکلیف ان سب کے سوا۔ راتوں کی سردی کی سخت تکلیف انکو علاوہ اپنے یہ حالت دیکھ کر احزاب یعنی جماعت ہائے مشرکین کیلئے بد دعا شروع کی تین روز تک متواتر دعا قوت پڑھتے رہے اور مسلمانوں کو بھی دعا کی تلقین فرمائی۔ اور دعا و تضرع الی اللہ ہی مسلمانوں کا سب سے بہتر سب سے زیادہ کامیاب و موثر ہوتا رہا۔ مگر مسلمان نہایت ہتھکڑی و استغلاال سے جمع کسی قسم کا گھبراہٹ اضطراب ظاہر نہیں کیا۔ نہ رحمت و نصرت خداوندی سے مایوس ہوئے۔ آخر تین روز کے بعد دعا مقبول ہوئی اور وقت آگیا کہ مسلمانوں کا خوف امن سے تبدیل ہو جائے۔ دشمن جو محاصرہ کئے ہوئے تھے خائب و خاسر لوٹ جائیں اور یہ نصرت غیبی عجیب پیرایہ میں ظاہر ہوئی۔ ادھر تو جبریل علیہ السلام نے قبولیت دعا کی بشارت دی کہ مشرکین مکہ اور ان کے مددگار و ہنر سخت ہوا بھیجی جائیگی۔ ادھر نعیم ابن مسعودؓ بھی جو قبائل مشرکین کا بڑا سرگروہ اور ممتاز و سر بلند شخص تھا۔ رات کو جھپکڑا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے دل میں اسلام کی عظمت و محبت گھر کر چکی ہے میں مسلمان ہو چکا ہوں میری قوم ابھی تک بھیڑ ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بات ہی تو جس تدبیر سے ممکن ہو مشرکین میں باہم چھوٹ ڈلو اگر ان میں اختلاف و بد مزگی پیدا کرو نعیم نے عرض کیا اگر اس تدبیر میں محکوم کوئی امر خلاف واقعہ بھی زبان سے نکالنا پڑے تو جائز ہو گا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے الحرب خدا لڑائی حیلہ و تدبیر کا نام ہے۔

یہاں سے رخصت ہو کر نعیم سیدہ بانہی قرظہ کے پاس پہنچا ان سے گہرے تعلقات تھے انس و محبت، عنشیہ و غیرہ خصوصیات حاصل تھیں۔ وہاں گیا تو سب خوش ہو گئے رہا جہا

کہتے ہوئے ہاتھوں ماتھ لیا۔ کھانے لائے نعیم نے کہا بھائی ان باتوں کا وقت نہیں ہو۔ میں تو تمہاری درمندی کی وجہ سے اس وقت آیا ہوں۔ اگر تم راز میں رکھو تو کہوں اور جو میرے نزدیک مناسب ہو رائے دوں۔ انہوں نے رازداری کا پورا عہد و پیمان کر لیا تو کہا۔ قریش مکہ اور تمہارا حال یکساں نہیں ہے قریش تو دوسرے گھر پر چڑھ کر آئے ہیں۔ کامیاب ہو گئے تو سہتر در نہ صحیح و سالم اپنے ملک کو لوٹ جائیں گے جہاں اُن کو کسی کا اندیشہ نہیں ہو۔ برخلاف تمہارے کہ تمہارا وطن ہی ہے۔ تمہارے اہل و عیال مال متاع یہیں ہیں۔ تم نے قریش کا ساتھ کس بھروسہ پر دیا ہے۔ اگر قریش ناکام واپس ہوئے اور تم کو یہاں چھوڑ گئے تو تمہارا کیا حشر ہو گا۔ تم اپنے مذہب و قبیلوں نبی نصیر اور بنی فہیقہ کا حال دیکھ چکے ہو وہ بھی تو تمہاری طرح مدینہ ہی میں رہتے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اُن کو جلا وطن کیا تو عرب کا کونسا قبیلہ اُن کی مدد کو آیا تھا۔ قریش چلے گئے تو تمہارا مقابلہ مسلمانوں سے ہو گا وہ جو چاہیں گے تمہارے ساتھ کریں گے پھر تم نے کیا سوچ کر کیا ہو۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تم قریش سے پورا پورا عہد و پیمان لے لو اور اُن میں سے ستر اشرف کو بطور رہن کہہ لو قرظیہ نے کہا ہم آپ کے بہت مشکور ہیں۔ آپ نے بالکل صحیح کہا اور نہایت مناسب رائے دی ہم ایسا ہی کریں گے۔ یہاں سے رخصت ہو کر نعیم قریش کے پاس پہنچے اور کہا تم جانتے ہو میرے تعلقات تمہارے ساتھ کیسے ہیں اور مجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کتنا بغض ہو۔ مجھے ایک خبر پہنچی ہو اگر تم اُس کا افشاں کرو تو میان کروں۔ میری محبت نے گوارا نہ کیا کہ میں اُس کے پہنچانے میں ذرا بھی دیر کرتا۔ قریش نے کہا ہرگز کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ ضرور کہئے نعیم نے کہا سنو۔ بنی قرظیہ نے تمہارا ساتھ یا مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ تھا اسکو توڑ ڈالا اگر اب وہ نادم پشیمان ہیں۔ اور اس فکر میں ہیں کہ اُسکی تلافی کریں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیام بھیجا کہ اگر اپنے قصور کی مکافات کیلئے قریش و غطفان کے ستر مشرفا کو قید کر کے آپ کے پاس بھیج دیں اور عمر بھر آپ کے ساتھ مشرکین سے لڑتے رہیں تو آپ ہمارا قصور معاف کر دیں گے اور ہمارے سابق عہد نامہ کو برقرار رکھیں گے۔ وہاں سے جواب آیا ایسا کرو گے تو تمہارے سب جرائم معاف ہو جائیں گے نعیم نے کہا اگر یہود قرظیہ تم سے رہن رکھنے کیلئے تمہارے اشرف کو طلب کریں تو ہرگز ایک شخص کو بھی نہ دینا۔

یہاں سے اٹھ کر غطفان کے پاس پہنچے اور کہا تم تو میرا کنبہ اور برادری۔ دنیا بھر سے زیادہ مجھے محبوب ہو مجھے امید نہیں ہے کہ تم میری رائے کو متہم سمجھو گے۔ سب سے کہا بیشک ایسا ہی ہو کہا پس تو یہ بات راز کی ہے کسی کو خبر نہ ہو۔ اور پھر درمی گفتگو جو قریش سے کی تھی یہاں بھی کی اور نصیحت کی کہ کسی دھوکہ میں نہ آجائیں۔

اس کے بعد غنیمہ کی شب میں ابوسفیان اور سرداران غطفان نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کو معہ چند لوگوں کے بنی قریظہ کے پاس بھیج کر یہ پیام دیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم اپنے ملک و وطن میں نہیں ہیں سفر میں پڑے ہوئے ہر قسم کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ اونٹ گھوڑے وغیرہ سب تباہ ہو گئے اب ڈھیل کا موقع نہیں ہے ایک قطعی اور فیصلہ کن حملہ کا وقت ہو۔ تم بھی تیار ہو جاؤ اور کل تم اندرونی جانب سے اور ہم بیرون حصہ سے حملہ کر کے قصہ کو ختم کر دیں۔ یہود نے جو اب دیا کل تو سبت کا دن ہے اس میں تو ہم لڑ نہیں سکتے۔ البتہ کسی اور دن کا تعین ہونا چاہیے۔ لیکن جب تک تم ہمارے اطمینان کیلئے اپنے پچاس ستر مغزین و مشرفا کو بطور رہن نہ رکھ دو ہم ہرگز تمہارے ساتھ ہو کر نہ لڑ سکیں گے۔ قریش غطفان نے من کر کہا۔ بیشک نفیم درست کہتے تھے یہود کا یہ پیام قریش کو پہنچ گیا تو نفیم پھر بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہا جب تمہارا پیام طلب ہم کیلئے پہنچا تھا تو میں ابوسفیان کے پاس تھا ابوسفیان نے یہ پیام من کر کہا کہ اگر بکری کا بچہ بھی ہے ہم سے طلب کر سکیں گے۔ فریقین کو نفیم کی گفتگو کی تصدیق ہو گئی، آپس میں اختلاف ہو گیا ایک دوسرے سے بظن ہو گیا جیسا کہ اختلاف سارا قصہ کا بانی مہابی تھا جو قریش و غطفان کو چڑھا کر لایا تھا۔ جس نے بنی قریظہ سے عہد شکنی کرائی تھی اس کو پتہ لگا تو قریظہ پہنچا وہاں جا کر دیکھا تو وہ لوگ بالکل ڈھیلے تھے یہ کہتے تھے کہ قریش ہمارے پاس رہن نہ رکھیں گے تو ہم بھی ساتھ نہ دیں گے۔ یہ بد بخت بھی اب کچھ نہ بول سکا اپنا منہ لیکر چلا آیا۔ اوھر تو یہاں جاتی اور باہمی اختلاف بددلی شروع ہوئی۔ اُدھر نہایت تیز و تند سرد ہوا چل پڑی۔ جس نے ڈیرے خیمے اُگھا کر پھینک دیئے۔ چولہوں پر سے ہنڈیاں اوندھی ہو گئیں۔ ایسی سخت پریشانی اور بددلی میں مجبوراً قریش و غطفان کو بجز یک مینی و دو گوش بھاگنے کے چارہ ہی کچھ نہ تھا۔ ابوسفیان اس گھبراہٹ اور عجلت میں گھوڑے پر سوار ہوا کہ اُسکے پیروں کی رسی بھی سوار ہو کر کھولی۔ مگر عکرمہ کے غیرت لالے نے پرتا اور اونٹ کی

میکل پکڑ کر سب کے ساتھ مکہ نوروانہ ہو گیا اور اس طرح احزاب کے سخت ہولناک اور شدید ترین حملہ کا خاتمہ ہوا۔

قریش کے اس سب سے سخت حملہ میں بھی جس قدر کار نمایاں ہوئے سب ستم سواران سے ہوئے جس کی کمان کبھی خالد بنی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی کبھی اُن کے نائب کے۔

حدیب کا واقعہ | جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا تھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب مکہ معظمہ

میں امن و سکون کی حالت میں داخل ہوئے بعض محلی یعنی سر کے بالوں کو منڈانے والے ہیں اور بعض مقصر یعنی بال کٹوانے والے اور یہ کہ آپ بیت اللہ کی کبھی لے لی ہو اور آپ نے وقوف عرفات بھی کیا ہو آپ نے

اس خواب کا تذکرہ صحابہ سے کیا تو سب پر بے انتہا مسرت تھی اسکے بعد آپ نے اسی سال عمرو کا ارادہ کیا صحابہ

خوش ہو گئے کہ خواب کی تعبیر یہی ہوگی۔ اسی سفر میں سب امور کا جو آپ کو دکھلائے گئے ہیں ظہور ہو جائیگا۔

آپ نے مسلمان قبائل عرب مثل اہل غفار۔ مزینہ۔ جہینہ کو بھی اس غم کی اطلاع فرمائی اور یہ کہ وہ بھی شریک

ہوں بہت سے قبائل تو شریک ہوئے اور بعض نے خیال کیا۔ جن لوگوں نے خاص آپ کے گرد مدینہ پہنچا

کر کے اتصال کا ارادہ کیا ہو۔ اُسے اسکی کیا توقع ہو سکتی ہے کہ مکہ میں کیا گھسنے دینگے۔ اور بلا طے بھڑے راستہ

چھوڑ دیں گے اور اس بنا پر ادھر ادھر کے غدار کے بیٹھے ہیں۔ کلام اللہ میں اُن لوگوں کی تکذیب ان آیات میں مذکور ہے

يَقُولُونَ بِاللَّسَنَةِ مَا لِلَّيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو دلوں میں نہیں ہے۔

آپ نے اس سفر میں شروع ہی سے ایسا انداز اختیار کیا کہ مشرکین مکہ یا کسی اور کو جو ہمارے ہمراہ نہ ہو کہ

آپ کا قصد محراب کا ہو چنانچہ ذی الحلیفہ سے جو مدینہ سے چند میل ہے احرام باندھا ستر اونٹ بادی کیلئے ساتھ

لے اُنکے گلے میں قلاوے ڈال دیے۔ یہ ایسی علامت تھی کہ عرب کے تمام افراد اُسکو جانتے تھے کوئی شخص بھی

محرم کو اور ہدی کو دیکھ کر یہ دہم نہ کر سکتا تھا کہ ان لوگوں کا ارادہ قتل و قتال کا ہے۔ اگرچہ آپ کے ہمراہ دو سو

گھوڑے تھے جو اس سے قبل کسی مرکز قتال میں کبھی نہیں ہوئے۔ مگر آپ نے سامان حرب ساتھ رکھنے کی ممانعت

فرمادی تھی۔ صرف اپنی حفاظت کیلئے تلواروں کو ساتھ لیا تھا۔

آپ نے ایک شخص کو بغرض تحس احوال مکہ بھیجا۔ اُس نے خبر دی کہ قریش نے آپ کی خبر سن کر لڑائی کی

تیار کر لی ہے اُن کے ہینچال قبائل بھی تیار ہیں۔

کہا۔ جے جو ہکو خالد سے بچا کر دوسرے راستے سے لیچے۔ قبیلاہ اسلام کے ایک شخص نے کہا میں بچلوں گا وہ آپ کو نہایت سخت دشوار گزار راستے سے لیگیا۔ حضرت خالد کو اُس وقت خبر ہوئی جب آپ منزل پر پہنچ کر زخمہ زن ہو گئے۔ اور جب اُنہوں نے جا کر قریش سے یہ حال بیان کیا۔ آپ نے اس منزل پر صحابہ کو حکم دیا کہ اُس رستہ سے چلیں جس سے حدیبہ پر جاؤں گے جب اُس گھاٹی پر پہنچے جہاں سے حدیبہ کے میدان میں داخل ہونا تھا۔ آپ کی ناقہ چلتے چلتے بیٹھ گئی۔ ہر چند اٹھانا چاہا مگر نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا تھک گئی ہر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں اُس کو خدا تعالیٰ نے روکا ہے۔ یعنی منشا خداوندی یہی ہے کہ میں اس وقت زہر قوت مکہ میں داخل نہوں۔ پھر فرمایا کہ مجھ کو قریش جس کسی ایسے امر کی طرف بلائیں گے جس میں بیت اللہ کی حرمت و عظمت اور اُنکی صلہ رُحی ہوئی ہو۔ قبول کرونگا۔ یہ سُننے ہی ناقہ کھڑی ہو گئی۔

حدیبہ کے حالات و واقعات بہت طویل ہیں اُن کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین نے ہرگز کسی پہلو سے آپ کو اجازت طواف و دخول مکہ کی نہ دی۔ آپ نے اُن کی سخت سی سخت شرائط کو قبول فرما کر صلح کر لی اور حدیبہ میں ہی قربانیاں ذبح کر کے حلال ہو گئے۔ صحابہ پر یہ امر نہایت شاق گذرا۔ سمجھے ہوئے تھے کہ خواب کی تعبیر کے موافق اسی سال مکہ میں باطمینان داخل ہو کر طواف کریں گے جہاں معاملہ برعکس پیش آیا۔ صحابہ کے غم و غصہ کی انتہا نہ تھی۔ ادھر تو خواب کی تعبیر پورا نہ ہو نہ کیا صدمہ۔ ہر مسلمان ہو کر ایسے کڑے شرائط کو مان کر صلح کر لینا۔ مگر آپ نے اُن کو تسلی دی۔ یہ فرمایا کہ خواب بچا ہوا اُس کی تعبیر پوری ہو کر رہیگی۔ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے۔ اسکے بعد سورۃ فتح نازل ہوئی اور آیات ذیل میں خواب کی تصدیق فرمادی گئی۔

اللہ نے پیغمبر کو دیکھا یا اپنے رسول کو خواب تحقیق کرتے
وہ جہل ہو گئے ادب والی مسجد میں اگر اللہ نے چاہا
چین سے بال منڈانے اپنے سروں کے اوپر کرتے
بے خطہ پھر حلقہ جو تم نہیں جانتے۔ پھر ٹھہرا دی اس سے
ورے ایک نسخہ نزدیک۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا
یا حق لتدخلن المسجد الحرام
انشاء اللہ امنین محلقین رؤسکم
مقصرتین لا تحلقون فعلم ما لم تعلموا
فجعل من دون ذلک فتحا قریبا۔

حصہ دوم زمانہ اسلام تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خالد رضی اللہ عنہ | وہی سپہ سالار عظیم اور وہی قریش مکہ کا معتد علیہ خاص دیر و جاننا زاب اُس کے
عنہ کا مسلمان ہونا | مسلمان ہونے کا وقت آگیا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی۔

خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے علاقائی بھائی ولید بن الولید بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قیدی
تھے عبد اللہ بن جحش نے اُن کو قید کیا تھا جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ معاوضہ لیکر قیدیوں کو رہا کر دیا جائے
تو خالد اور اُن کے حقیقی بھائی ہشام بن الولید۔ ولید کو چھلانے کیلئے مدینہ آئے عبد اللہ بن جحش نے
چار ہزار درہم زر معاوضہ طلب کیا۔ خالد نے انکار کیا۔ ہشام نے کہا اگر ولید تمہارے حقیقی بھائی ہوتے
تو تم اس قدر معاوضہ دینے سے انکار نہ کرتے۔ میں تو جو کچھ بھی طلب کیا جائیگا دوں گا۔ غرض ولید کو چھلانے
کہہ لیگئے۔ ولید ہاں پہنچا مسلمان ہو گئے۔ لوگوں نے کہا تم وہیں کیوں نہ مسلمان ہوئے۔ زر معاوضہ
دلو اگر اور ہم کو ذلیل بنا کر کیوں مسلمان ہوئے۔ ولید نے کہا کہ اگر میں وہاں مسلمان ہو جاتا۔ تو میرا اسلام
اس پر محمول ہوتا کہ میں قید کی تکلیف سہہ گھر گیا۔ یہ امر گوارا نہ تھا کہ اسلام حبشی دولت بجائے غنیمت محبت
کے کسی نیوی غرض کی وجہ سے حاصل کرتا۔

ولید کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ مگر وہ کچھ عرصہ بعد قید خانہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے اور
عمرۃ القضا میں جو صلح حدیبیہ سے اگلے سال ہوا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر کتاب مکہ معظمہ میں
داخل ہوئے۔

قریش مکہ نے صلح حدیبیہ میں آپ کو سال آئندہ عمرہ کی اجازت دی تھی اور یہ شرط کر لی تھی کہ ہم بیت اللہ
اور طواف کو آپ کیلئے خالی کر دیں گے۔ آپ تین روز سے زیادہ وہاں نہ ٹھہریں گے۔ لیکن حملہ لوگ ہم میں
سے کہیں رہنا چاہیں مسلمان اُن سے تعرض نہ کریں اُن کو نہ ستائیں۔

اس معاہدہ کی بنا پر قریش مکہ آزاد تھے۔ کہ چاہیں ان ایام کے کاندھ خاص مکہ میں رہیں یا باہر چلے
جائیں۔ ہر سبک تو چلے گئے اور بہت سے وہاں سہے۔ خالد بن الولید بھی انہیں لوگوں میں سے تھے۔

جو فرار ہو گئے تھے۔ باوجودیکہ اسلام کی حقانیت اُن کے دلیس اشکر چکی تھی۔ مگر اپنے خیال پر قائم تھے ان کو ارا نہ تھا کہ آپؐ سامنا ہو۔ یا کسی مسلمان کو مکہ کی گلیوں میں پھرتا۔ یا بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھ سکیں۔ اگرچہ حضرت خالدؓ کے اسلام کے بارہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ بعد صلح حدیبیہ عمرہ القضاء کے قبل مسلمان ہو چکے تھے مگر میں اُسی پہلی روایت کی بنا پر واقعات کو لکھتا ہوں۔

حضرت خالد بن الولیدؓ اپنے اسلام کی ابتداوں بیان فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے خود بخود عقل آئی اور میرے دل میں جس پیدا ہوا میں نے سوچا کہ میں نے آپؐ کے مقابلہ میں بڑی بڑی شدید معرکہ آرائیاں کی ہیں لیکن جب کسی معرکہ میں آپؐ آیا ہوں تو میرے دل میں یہ آیا ہے کہ تو نے اپنی شجاعت و مردانگی تدبیر و فزائلی کو بے موقع صرف کیا ہے ان خیالات سے میرے دل میں اسلام کی غطت و محبت شرک سے یکسوئی تو ہوئی دل میں قابلیت اسلام پیدا ہوئی مگر اپنے عزم پر قائم و راسخ تھا۔

عمرہ القضاء کے وقت میں بھی مکہ چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔ میرا بھائی ولیدؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھا اُس نے مجھے تلاش کیا تو میں ملا۔ تب اُس نے مجھے خط لکھا کہ مجھے اس سے زیادہ کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی کہ تم حبیب ادا نشد آدمی اسلام حبیبی چیز سے متنفر ہو اسکی حقیقت نہ سمجھے اسلام ایسی چیز نہیں ہے کہ کوئی ذی عقل اُس سے بخیار ہے۔ یا اُس کی طرف مائل نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا حال دریافت کیا تھا میں نے عرض کر دیا خدا تعالیٰ اُس کو آپؐ کی خدمت میں لے آئیگا آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ خالدؓ ایسا شخص نہیں ہے جو اسلام سے جاہل اور بخیار ہے۔ اگر وہ اپنی شجاعت و دلیری کو مسلمانوں کی امداد میں استعمال کرنے۔ تو اُن کیلئے بہتر ہوتا۔ اور ہم ان کو اوروں سے ان معاملات میں مقدم کرتے۔ ولیدؓ نے یہ بھی لکھا کہ اب بھی تم تلافی مکافات کرو بہت عمدہ مواقع خدمت اسلام کے کھو چکے ہو۔

حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ دل میں اسلام کی محبت تو جم ہی چکی تھی۔ اس خط نے میرے اندر اور تحریک پیدا کر دی اور جو خیالات انقباض یا شرم و حیا مجھ کو روکتے تھے وہ زائل ہو کر بجائے اُن کے انشراح

و نشاء پیدا ہو گیا۔ اس درمیان میں میں نے یہ خواب دیکھا کہ میں نہایت تنگ و تاریک خشک و قویا ناک آبادیوں میں سے ٹھکل کر سرسبز و شاداب و سرسبز و فضا شہروں میں پہنچ گیا ہوں۔ جب یہ غم بچتہ ہو گیا اور میں نے مکہ سے مدینہ جانیکا تہیتہ کر لیا۔ تو صفوان سے میری ملاقات ہوئی میں نے کہا بھائی تم دیکھتے نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب عجم پر غائب آگئے کیا اچھا ہوتا کہ ہم بھی ان کی خدمت میں پہنچ کر اتباع کرتے صفوان نے کہا بھائی میرے سوا ساری دنیا مسلمان ہو جائے اور میں تمہارے جاؤں جب بھی اُن کا اتباع نہ کروں گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اس شخص کے باپ اور بھائی بد میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو چکے ہیں۔ اسکے دل میں غم و غصہ عداوت و بغض و حسد و کینہ اور جوش انتقام باقی ہیں پھر عکرمہ ابن ابی جہل سے ملے اُن سے بھی وہی تقریر کی جو صفوان سے کی تھی اُنہوں نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا میں نے کہا خیر مگر تم اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ پھر میری ملاقات عثمان بن طلحہ سے ہوئی۔ وہ میرے دوست تھے و لیں آئی کہ اُن سے بھی وہ مضمون کہوں۔ پھر خیال کیا کہ اس کا باپ چچا تین بھائی اُحد میں مسلمان قتل کر چکے ہیں۔ اُس سے کہنے میں کیا فائدہ۔ مگر میں نے کہا ذکر دینے میں کیا حرج ہے۔ میں نے اُن سے سب حلال بیان کیا۔ یہ بھی کہا کہ ہمارا حال لومڑی کا سا ہے اگر اس کے سوراخ میں چند ڈول بھی ڈال دیے جائیں تو وہ فوراً نذر سے باہر نکل آئے میں نے صفوان و عکرمہ کی گفتگو بھی نقل کر دی لیکن عثمان نے فوراً میری بات کو مان لیا اور یہ ٹھہر گئی کہ فلاں مقام پر مل جائیں گے۔ صبح ہونے سے پہلے وہ مجھ سے آکر مل گئے اور ہم جانب مدینہ روانہ ہو گئے جب ہم بدہ (جگہ کا نام ہے) پر پہنچے تو وہاں عمرو بن العاص سے ملاقات ہو گئی عمرو نے دیکھتے ہی کہا۔ ابوسلیمان (حضرت خالد کی کنیت ہے) کہاں کا ارادہ کیا میں نے کہا بات وضع ہو گئی۔ نہایت ہو گیا کہ آپ نبی ہیں۔ پھر کتب تک ہم ہٹ کرتے رہیں گے میں تو اس لئے جاتا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں۔ عمرو نے کہا میں بھی اس ارادہ سے جاتا ہوں۔ ہم تینوں ساتھ ہو کر مدینے پہنچے آپ کے ہماری اطلاع پہنچی تو بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے ہم نے اونٹ بٹھا کر اپنے کپڑے بدلے اور آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ راستہ میں میرے بھائی

ولید نے کہا آپ منتظر ہیں۔ ہم جلدی جلدی چل کر خدمت مبارک میں پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میرے اوپر پڑی تو بر تہسم فرماتے رہے۔ میں نے پہنچتے ہی سلام عرض کیا۔ نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے تم کو ہدایت فرمائی۔ میں تمہارے اندر وہ فرزانگی پاتا تھا جس سے مجھے توقع تھی کہ وہ تمکو خیر کی طرف پہنچا دیگی۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن معرکوں میں آپ کے مقابلہ پر آیا ہوں انکی مغفرت کی دعا فرمادیجئے ارشام فرمایا اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ میرے بعد عمرو و عثمان مسلمان ہو گئے۔

حضرت خالد بن الولید کی مسلمان ہو جانکی توقع آپ کو لگی ہوئی تھی۔ آپ کو معلوم ہو چکا تھا۔ کہ کیسی کیسی نمایاں خدمات اسلام کی اُن کے ہاتھ سے ہونگی مسلمان ہونیکے بعد اپنے اُن کی اُس اقتدار و عظمت کو جو کمز میں حاصل تھا قائم رکھا۔ معرکے جنگ میں لنگی تدابیر سے کام لیا جاتا تھا اور مسلمانوں کی فوج سواروں کی کمان اُنکے سپرد کردی گئی۔ حضرت عمرو بن العاص بھی جو اُسی وقت حضرت خالد کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ اُسی وقت سے معاملات حرب معرکہ آرائی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اور خالد بن الولید کو مشورہ میں مقدم فرماتے تھے اور اس قسم کی تدابیر میں ہماری رائے قابل توجہ سمجھی جاتی تھی۔

زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | مسلمان ہو جانیکے بعد حضرت خالد نے اسلام کی خدمات اُسی جانفشانی میں حضرت خالد کے کارنامے | جدوجہد و قریزی جان نثاری سے کیں جیسی کہ اُنکی جبلی شجاعت و لیری شرافت خانہ دانی اور سر بلندی و امتیاز کا مقتضی تھا۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ اُن کو شمشوں کا مبنی اگر قومی غیرت و فقط نام و نمود تھا تو اب اسلام کی محبت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند عالم جل مجدہ کی رضا محرک تھی اسکے علاوہ اُن کو اپنے بے سود و مضرمساعی کی تلافی بھی کرنی تھی۔

غزوہ موتہ | سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عظیم الشان و ہولناک معرکہ موتہ کا تھا جس میں کہ حضرت خالد نے شریک ہو کر اپنے تفوق و امتیاز کو ثابت کر کے سیف من سیوف اللہ کا درخشاں خطاب بارگاہ رسالت پناہ سے حاصل کیا۔

موتہ ملک شام میں ایک مقام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حادث بن عمیرہ زیدی
 کو ایک خط دیکر روم و شام کے بادشاہ ہرقل کے پاس بھیجا تھا۔ شرجیل بن عمرو الغسانی شام میں
 ہرقل کا گورنار نائب السلطنت تھا۔ حادث جب موتہ پہنچے تو شرجیل کو معلوم ہو گیا اُس نے
 حادث سے پوچھا شاید تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد و سفیر ہو کہا ہاں شرجیل نے اُن کو
 قتل کر دیا۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے سفیر و قاصد تھے جو قتل کئے گئے
 آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت شاق گذرا۔ آپ نے تین ہزار مسلمانوں کی ایک جمیعت کو ملک
 روم کے مقابلہ کیلئے تیاری کا حکم دیا۔ زید بن حارثہ امیر لشکر مقرر کئے گئے لیکن ساتھ ہی یہ
 بھی ارشاد فرما دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر بنائیے جائیں۔ جعفر شہید ہو
 جائیں تو عبد اللہ بن واحد یہ بھی شہید ہو جائیں تو سلمان جن کو پسند کریں امیر بنائیں۔ ایک یہودی
 بھی اس مجلس میں موجود تھا اُس نے کہا اگر آپ نبی ہیں تو سب شہید ہوں گے۔ کیونکہ نبی ہر ملک
 میں جب کبھی اُن کے نبی نے ایسا کہا ہے تو سب شہید ہوئے ہیں۔ اس کے بعد یہودی نے
 زید بن حارثہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم کو جو وصیت کرنی ہے کر دو اب تم کو مدینہ آنا نصیب نہوگا
 آپ نے شینۃ الودع پر اس لشکر کو خست کیا اور چند نصیحتیں فرمائیں۔ منجملہ اُن کے یہ بھی تھیں
 کہ تم کو کچھ لوگ کلیساؤں میں ملیں گے اُن کو قتل نہ کرنا۔ کسی لڑکے بچے عورت بوڑھے اور بیمار کو
 بھی قتل نہ کرنا۔ یہ لشکر روانہ ہو کر شام کی حدود میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ ملک روم نے اُن کے مقابلہ
 کیلئے ایک لاکھ فوج جمع کی ہے۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ کے علاوہ عرب منتصرہ
 (وہ قبائل عرب جنہوں نے دین عیسائی قبول کر لیا تھا) میں سے ایک لاکھ اور ہیں۔ غرض تین ہزار
 کی قلیل جماعت کا مقابلہ ایک لاکھ یا دو لاکھ سے تھا۔ دشمن کی کثرت اور اپنی قلت۔ اُن کے سامان
 حربہ اور اپنی بے سامانی کو دیکھ کر مسلمانوں کو تردد ہوا۔ باہمی مشورہ ہوا بعض کی رائے ہوئی رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے ہتھیار کیا جائے۔ اور جواب آنے تک کچھ نہ کیا جائے۔ عبد اللہ بن راحہ نے
 فرمایا تردد کی کیا بات ہے جس بات سے تم گھبراتے ہو اُسی کی طلب میں تو مکمل ہو ہم نے تو کبھی اپنی کثرت

اور سامان پر بھروسہ کر کے مقابلہ نہیں کیا۔ ہم تو اس دین حق کیلئے لڑتے ہیں۔ آخر مقابلہ کی ٹھیکہ موت کے مقام پر فریقین کی ٹڈبھڑک ہو گئی۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو موتہ میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا۔ مسلمان بھی اس غم پر راسخ تھے کہ موتہ میں داخل نہ ہوں گے۔ مگر انا سیر میں دھونڈ کی وجہ سے کچھ نظر نہ آیا اور مقام موتہ پہنچ گئے وکان امل اللہ قدام مقدوراً۔

زید بن حارثہ علم اسلام لیکر آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔ حضرت عذیر بن عکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھالیا اور دوشجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اب عبداللہ بن رواحہ کا نمبر آیا انہوں نے بھی اپنے دور فقیوں کی پوری تقلید کر کے انہی کا ساتھ دیا۔ یہ وقت تھا کہ دونوں لشکر باہم مل گئے تھے اور گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی اس وقت لشکر اسلام کے بلا سردار رجب نے اور دشمن کے بڑے انتہا ہجوم سے قریب تھا کہ بعض مسلمانوں کے پیچھے کھڑے اس وقت ثابت بن رقوم نے علم کو بلند کر کے مسلمانوں سے کہا کہ کسی ایک شخص کا انتخاب کر کے اس کے سپرد کر دیا جائے۔ لوگوں نے کہا آپ ہی اسکے لئے موزوں ہیں کہ انہیں۔ آخر خالد رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہو گیا حضرت خالد نے علم اٹھا کر دافغانہ طرز اختیار کیا اور اس روز شام تک اسی انداز سے مقابلہ کیا شام کو بلا کسی ہزیمت و شکست کے دونوں لشکر اپنے اپنے خیمہ گاہ کو واپس ہو گئے۔ اگلے دن حضرت خالد نے اپنی دشمنی سے لشکر کی ترتیب بدل دی مہمہ کو مہمہ اور مہمہ کو مہمہ کر کے برسر مقابلہ ہوئے لشکر روم نے یہ دیکھ کر سمجھا کہ مسلمانوں کیلئے تازہ امداد آگئی ہے۔ ان پر رعب طاری ہو گیا میدان سے بھاگ نکلے اور اس حالت میں ہزاروں کھیت پر یہ معرکہ سات روز تک با حضرت خالد فراتے ہوئے کہ موتہ کے معرکہ میں فو تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ کوئی تلوار نہیں ٹھیکرتی تھی۔ آخر ایک میانی تلوار میرے ہاتھ میں ٹھیکری۔ یہاں تو یہ معرکہ ہوا تھا اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میدان جنگ اور معرکہ قتل کا نقشہ سامنے ہو گیا تھا۔ آپ نے صحابہ کو بہ ترتیب مذکور تین سرداروں کے حملے اور شہادت کی خبر نہادی۔ اور فرمایا ان سب کے بعد خالد بن الولید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا گو امراء معینہ میں سے نہ تھے۔ مگر خود امیر بن گئے

وہ ایک تلوار ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تلواروں میں سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر فتح فرمادی۔
یہ پہلا دن ہے جبکہ آپ کو سیف من سیوف اللہ کا خطاب ملا۔ اُسکے بعد سے آج تک وہ اسی
لقب و خطاب سے پکارتے جاتے ہیں۔

فتح مکہ مکرمہ | اسی سال جبکہ موتہ میں حضرت خالد کو سیف من سیوف اللہ کا خطاب ملا۔ فتح مکہ مکرمہ کا
عظیم الشان واقعہ ہوا اس وقت اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مقابلہ و قتال کا نہ تھا مگر
قریش کے انداز و حرکات ایسے نہ تھے کہ آپ مامون و مطمئن ہو جاتے اور اسی بنا پر درگاہ خداوندی
سے آپ کو ایک دن کی چند ساعات کیلئے اجازت قتال مل گئی تھی۔ آپ کے ہمراہ دسہزار کی جمعیت تھی
جس میں مہاجرین انصار کے علاوہ عرب کے مسلمان قبائل بھی شریک تھے۔ ہر قبیلہ کا سردار اور
ان کا علم جدا گانہ تھا۔ اس وقت مینہ و میسرہ کے دو بڑے حصوں میں سے ایک کی کمان حضرت
خالد کی سپردگی میں تھی اور اُن کو حکم تھا کہ نیچے کی جانب مکہ میں داخل ہو جائیں اور تا وقتیکہ اہل
مکہ کی طرف سے خود ابتداء قتال نہ ہو اپنی طرف سے کسی پر حملہ نہ کریں حضرت خالد نے حسب ارشاد داخل
ہونا چاہا۔ تو قریش کے چند اشراف نے جن میں عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ بھی تھے مع ایک
جماعت کے اُن کی نزاعت کی۔ حضرت خالد نے حملہ کر کے اُن کو مہٹا دیا۔ اس موقع پر شرکین میں
چند آدمی مقتول ہوئے۔ باقی بھاگ نکلے۔ اس جماعت میں ایک شخص تھا جو اس سے قبل ایک روز
تیرنبار ہا تھا۔ اُسکی بیوی نے کہا کیا کرو گے۔ کہا میں نے سنا ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مکہ پر چڑھائی کا
ارادہ کر ہیں اُن کے مقابلہ کی تیاری کر رہا ہوں تمہیں بھی اُن کے ساتھیوں میں سے ایک قیدی لا کر
دوں گا۔ بیوی نے کہا مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر سر چھپانے کی
جگہ تلاش کرتے پھر و گے۔ یہ شخص جب حضرت خالد کے مقابلہ سے بھاگا۔ تو بیوی سے کہا کوئی چھپنے کی
جگہ ہے۔ اُس نے کہا۔ میل خدام کہاں ہی مرنے کا اس ثاق کو چھوڑ مجھے جگہ بتانے اور پھر شہر چلے۔

انکاش و شہادت یوم المحدثہ اذ فر صفوان و فر عکرمہ

فما رزخہ من نعم پر مقابلہ ہوا تھا کے دن موجود ہوتی جبکہ صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے

و استقبلتنا بالسيوف والمسلمة يقطن كل ساعد وحجبه
اور مسلمان ہمارے مقابل تلواریں لیکر آگئے کاٹتی تھی وہ تلواریں پہنچوں اور کھوپڑیوں کو
ضرباً فلا تسمع الا غمغمه لهم زهيب حولنا وهم همه
مسلمان اس شور مارتے تھے کہ سو آگنگناہ سے کچھ سنائی نہ آتا تھا
ہمارے گرد اُنکے سانس اور سینہ کی خوفناک آوازیں تھیں

راحتن طقی فی اللہ ادا فی کلمہ

اسی حالت میں ملامتِ ملعون کا ذرا سا کلمہ منہ سے بھی نکلا

فتح مکہ میں اس قدر معرکہ و خونریزی بھی بالکل آپ کے خلاف منشا رہی مگر چونکہ اسکی باوی خود
اہل مکہ تھے اور حضرت خالد مجبور تھے اس وجہ سے آپ نے اُن کو کچھ نہیں کہا اور سکوت فرمایا۔

خینین میں حضرت خالد خینین کا وہ عظیم الشان معرکہ ہے جو فتح مکہ مغضیہ کے بعد پیش آیا جس میں
کی جان نثار مسلمانوں کو جبکہ وہ اخیر رات میں منزل طے کر رہے تھے مشرکین کے کین گنا

سے نکل کر اپنا تک حملہ کر دینے سے عارضی ہزیمت ہو گئی تھی حضرت خالد نے نہایت بیجگری سے
واو شجاعت دی تھی۔ اس معرکہ میں آپ سخت زخمی ہو گئے تھے جب معرکہ ختم ہو گیا۔ اور اُن کے سخت
مخروج ہو کر کاحال معلوم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اُنکی قیام گاہ پر تشریف لیگے حضرت
خالد زخموں سے چورس ہمارا لگائے ہوئے پیٹھے تھے۔ اُٹھنے کی طاقت نہ تھی آپ نے اُن کے خون بہر
لب مبارک لگا دیا جس سے وہ بالکل چنگے ہو گئے اور زخم کی تکلیف باقی نہ رہی۔

عزلی کے گریے کیلئے عمرو بن لُحی نے جب مکہ میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی تب ایک لات اور ایک غزی
حضرت خالد کا ماسو ہونا بھی اُس نے قائم کر کے عرب کو اُن کی عبادت کی طرف جھکا دیا۔ خانہ کعبہ

کی عظمت و تمام عرب کے قلوب میں مرکز تھی ہی۔ مگر اُن دنوں بتوں کی عظمت بھی کچھ کم نہ تھی۔ ان پر بھی
ایسے ہی چڑھاوے چڑھتے تھے۔ جیسے خانہ کعبہ پر عمرو بن لُحی نے اُن کو یہ سمجھا دیا تھا کہ خدا تعالیٰ
جاڑے کا موسم تو لات میں بسر کرتا ہے۔ لات کا صد مقام طائف میں تھا اور گرمی کا زمانہ غزی میں
گزارتا ہے۔ اس باطل خیال نے جو اُن کے پیشرو و مقتدا تھے حجاز دیا تھا عرب کے دل و فہم بتوں کی

غفلت و محبت سے معمور و لبریز تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہو چکے تو تیس سواروں کے ساتھ حضرت خالد کو اسکا گرا دیوار پر باندھ کر بیٹھے کیلئے مامور فرمایا۔ حضرت خالد اُس کو گر کر اور سنا کر کے واپس آئے تو آپ نے دریافت فرمایا۔ تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی۔ عرض کیا کچھ نہیں۔ فرمایا تو پھر جاؤ۔ حضرت خالد غصہ میں بھرے ہوئے تلوار سونٹے ہوئے اس مقام پر پہنچے۔ تو اُس جگہ سے ایک عورت برہنہ سیاہ اور پرانگندہ بال سر پر خاک ڈالتی ہوئی نکلی۔ مجاوروں نے چلا کر کہنا شروع کیا۔ غریٰ تو ان کو کانکر دے۔ اُن کے حواس میں خلل ڈال دے حضرت خالد نے ایک تلوار مار کر نصف کر کے دو ٹکڑے کر دئے اور فرمایا۔

یا عجمی کفّر لک لا سبحانک | اِنّی سلیت اللہ قد اهانک

غریٰ میں تیرا کفر نہ کرتا ہوں سبحانک نہیں کہتا | میں دیکھتا ہوں خدا نے تجھ کو ذلیل و خوار کیا ہے

واپس ہو کر یہ ماجرا حضرت اقدس میں سنایا تو فرمایا غریٰ ہی تھی۔

خالدؓ اس واقعہ اور مشرکین عرب کے نام حالات اُن کے عقائد و تمام معاملات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی باوجود مشرک بت پرست ہونیکے معبود حقیقی۔ خالق سموات و ارضیں صرّ خدا ہی کو سمجھتے تھے۔

ولئن سألتم من خلق السموات | اگر تم اُن سے پوچھو گے آسمانوں اور زمین کو کس نے
والارض لیقولن اللہ | پیدا کیا تو جواب دیں گے اللہ نے۔

اپنے اصنام کو نہ خالق سمجھتے تھے نہ مالک و متقل یا اختیار۔ اُن کے عارضی اختیارات کے قائل تھے اور معبود حقیقی کا مظہر جان کر تعظیم مغرور میں مبتلا تھے اور اسی بنا پر شرک ہو گئے اور اسی شرک کی بیخ کنی کیلئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ یہی تعظیم مغرور ہے جس کا انجام شرک ہو جاتا ہے

حضرت خالد کا بی بی | نبی خدیہ عرب کا ایک قبیلہ تھا جو حجاز میں مسلمان ہو چکا تھا۔ مگر جناب
کے لیے یہاں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُن کے مسلمان ہو چکی اطلاع پہنچی تھی

یہ قبیلہ بہت ہی شرعی و فسادی تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ان کو لحقۃ الدم کہا جاتا تھا۔ حضرت خالدؓ کے ساتھ تین سو چاس مہاجرین انصار اور قبیلہ بنی سلیم کی جمعیت تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بنی حذیفہ نے حضرت خالدؓ کے چچا فاکہ بن مغیرہ اور فاکہ کے ایک بھائی کو قتل کیا تھا۔ قبیلہ سلیم میں سے مالک بن بشرؓ اور اسکے دو بھائیوں کو بھی ایک ہی جگہ قتل کیا تھا بنی حذیفہ نے یہ دیکھا کہ ہمارے لئے خالد بن الولیدؓ مع بنی سلیم کے بھیجے گئے ہیں۔ تو ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ یہ ہم سے پرانی عداوت نکالیں گے وہ بھی ہتھیار لگا کر تیار ہو گئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر امیر لشکر کو جب وہ کسی قوم پر بھیجے جاتے تھے عام حکم ہوتا تھا کہ اول یہ دریافت کر لیں کہ وہ مسلمان تو نہیں ہیں اگر وہ اقوام اسلام کریں یا اذان کی آواز دیاں گے آجادے تو خوزیری اور جہد سے باز رہیں حضرت خالدؓ کو بھی یہی حکم تھا۔ مگر دھرتو بنی حذیفہ کا مسلح ہونا خود شبہ میں ڈالتا تھا دھر حضرت خالدؓ نے ان سے مسلمان ہونیکو دریافت کیا تو بجائے اسلھنا صبیحانا کہنے لگے۔ صبیحانا ایسا لفظ ہے جس کے معنی دین سے پھر جائیکے آتے ہیں حضرت خالدؓ کو شبہ ہوا اور ان کو ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیا۔ اور جب انہوں نے ہتھیار ڈال دیے تو ان کو مشکیں باندھ کر لشکر میں تقسیم کر دیا اور آخرات میں حکم دیدیا کہ جس کے پاس جو اسیر ہے وہ اُس کو قتل کر دے۔ بنو سلیم نے تو قتل کر دیا مگر مہاجرین و انصار نے ایسا نہ کیا۔ آپ کی خدمت میں اس کی اطلاع پہنچی۔ تو آپ نے اس کو ناپسند فرمایا اور ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا۔

اللھم افرغ علیک عما صنع خالدؓ | اکی میں خالدؓ کے اس فعل سے بری ہوں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی نے خالدؓ کی اس بات پر اظہارِ کراہیت بھی کیا۔ اُس شخص نے جو خبر لیکر لایا تھا عرض کیا کہ دو شخصوں نے ایک تو زرد رنگ اور میانہ قد کے شخص نے دوسرے سُرخ رنگ طویل القامت نے حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان دونوں کو سمجھ گیا ایک تو میرا بیٹا عبد اللہ ہے دوسرا سالم مولیٰ ابی حذیفہ کا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو بہت سا مال اونٹ وغیرہ دیکر بھیجا کہ مقتولین کی دیت اور نقصان مال کا معاوضہ دیدیں۔ حضرت علیؓ نے نہایت فراخ دلی سے ہر چھوٹی بڑی چیز کا معاوضہ

دید یا مائیک کہ کتے کے پانی پینے کا برتن ٹوٹ گیا تھا اس کا بھی۔ اور بھڑھی کچھ مال بچ گیا تو اسکو انہیں پر تیریم کر کے راتنی کر دیا۔ واپس آکر ساری کیفیت خدمت مبارک یحیٰیؑ کی تو اپنے فرمایا خوب کیا۔ اسی واقعہ کے سبب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ میں (جو سابقین امین عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) اور حضرت خالدؓ میں تیز کشامی ہو گئی۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا تم نے یہ فعل نہ مانہ جاہلیت کا سا کیا اگر خالدؓ نے کہا میں نے تو تمہارے باپ کا بدلہ لیا ہو عبدالرحمنؓ بن عوفؓ کے والد عوف کو بھی بنی حنیہ میں نے قتل کیا تھا۔ عبدالرحمنؓ نے فرمایا میں تو اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر چکا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا ایک شخص کے بتے میں جو بحالت شرک اور زمانہ جاہلیت میں قتل ہوا تم مسلمانوں کو قتل کرتے ہو حضرت عبدالرحمنؓ کے دونوں جواب درست تھو وہ اپنے باپ کے قاتل کو قتل بھی کر چکے تھے اس وجہ سے بھی اب بدلہ کی ضرورت نہ رہی تھی اور قتل بھی نہ کرتے تو کافر کے بیٹے جو زمانہ جاہلیت میں قتل ہوا ہو مسلمانوں کو کسی طرح قتل کرنا جائز نہ تھا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے بھی فرمایا کہ اگر تم نے بدلہ لیا ہے تو اپنے چچا کا لیا ہو اس نزاع اور گفتگو کی اطلاع ... ہوئی تو اپنے ناخوش ہو کر فرمایا۔

ہملا یا خالد دح عنک اصحابیؓ
لو کان لك احد ذہبا فافقتہ فی
سبیل اللہ ما ادرکت عذاکہ رجل
منہم ولا رحمتہ

خالدؓ میرے اصحاب کو کچھ نہ کہو تم ہر خدا تعالیٰ کی الگ تمہارے پاس احد پیرا کی برابر ہونا ہو اور تم اس سب کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو تو میرے اصحاب کے ایک روز فی سبیل اللہ خرچ کے کوچہ کی برابر نہیں ہو سکتا۔ نہ شام کے کوچہ کی۔

حضرت خالدؓ نے جو کچھ کیا درحقیقت زیادہ سے زیادہ راہ کی غلطی تھی انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ قوم مسلمان نہیں ہوئی۔ اور ہر انکی تیاری نے ان کو شعبہ میں ڈال دیا ایک سپہ سالار مدبر کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ممکن صورت سے اپنے لشکر کی حفاظت کرے انکو ضروریہ کھٹکا ہوا کہ یہ ہم کو غافل کر کے حملہ کر سکیں یا اور کوئی قبیلہ ان کی معاونت پر آمادہ ہو جائے تو ممکن ہے اگر درحقیقت ان کو مسلمان سمجھ لیتے تو کبھی ایسا نہ کرتے ہرگز ہرگز ان کو بدلہ لینے کا خیال نہ تھا یہ حضرت عبدالرحمنؓ کے والد کا اور نہ اپنے چچا کا۔ ہاں فرمانا کہ میں نے تمہارے باپ کا بدلہ لیا اس کا یہ مطلب تھا کہ میں نے بدلہ لینے کو قتل کیا ہے۔ بلکہ میں

وجہ سے بھی وہ قتل کئے گئے کافر سمجھ کر کئے گئے اور جب قتل ہو گئے تو بدلہ ہو گیا گو اس نسبت سے نہ حضرت
عبدالرحمن بھی اسکو خوب سمجھتے تھے۔ مگر انہوں نے ظاہر لفظوں کا جواب دیا کہ تم کو مسلمانوں سے کافر
کا بدلہ لینا جائز ہی کب تھا۔ دراصل ایک وہ کافر بھی مانہ جاہلیت میں قتل کیا گیا ہو۔ ظاہر ہو اور بالکل
ظاہر ہو کہ اگر حضرت خالد کا یہ مطلب ہوتا کہ میں نے بدلہ میں قتل کیا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم حضرت خالد سے ایسے معاملہ میں کیونکر درگزر فرما سکتے تھے۔ غرض یہ اُنکی رائے کی غلطی
تھی۔ اور اسی غلط رائے کو آپ نے تسلیم کر کے اپنی بر امت خدا تعالیٰ کے یہاں ظاہر فرمائی۔ اور مقتولین
کا خون بہا دیا ان کے نقصانات کی تلافی فرمائی۔

ایک شبہ کا جواب | جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد جمع عندک اصحابی سے شبہ ہوتا ہو
کہ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو صحابہ میں شمار نہیں کیا حالانکہ وہ باتفاق ائمہ حلیل القدر صحابہ ہیں۔
جواب اس شبہ کا یہ ہو کہ بیشک حضرت خالد حلیل القدر صحابہ ہیں سے ایک ہیں اور وہ شخص ہیں کہ خیر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورا اعتماد فرماتے اور امور عظام اُن کے سپرد فرماتے تھے سیف من سیوف اللہ
کا خطاب اُن کو عطا فرمایا تھا۔ مہمئی شخص میں جنہوں نے شام اور روم کا تخت اُٹا ہوا اور دنیا اسلام میں
اُن کے کارنامے زیریں حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔ مگر اب اس ہمہ سابقین اولین سے نہیں ہیں۔ عفو
کے بعد اسلام لائے ہیں مصائب کا زمانہ گزر کر شوکت اسلام کا دور شروع ہو گیا تھا۔ وہ وقت باقی نہ
رہا تھا۔ جبکہ صحابہ کو اپنی جان کا بچانا دشوار تھا۔ غریزہ و قہار کے طعن اور اُنکی سنگدلی کے شرکار جبکہ فقر و
کی تکلیف علیحدہ۔ جلا وطنی کے مصائب جدا گانہ ان سب مشکلات کو برداشت کر کے آپ پر جان کا
فدا کرنا۔ اپنی جان کو آپ کی آڑ بنا دینا۔ آپ کے پسینہ کی جگہ خون بہا دینا۔ یہ باتیں صرف سابقین اولین کی
حصہ میں آتی تھیں۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اُن ہی افراد کاملہ میں سے تھے۔ انہی شاندار خدمات کا
صدہ تھا۔ کہ دنیا میں اُن کو جنت کی بشارت مل گئی تھی۔ پس گویا باوجود اس عظمت و مرتبہ کے جو حضرت
خالد کو حاصل تھی اور اس شفقت و رحمت کی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کے
حال پر مبذول تھی۔ بمقابلہ عبدالرحمنؓ غیر اصحاب میں شمار کئے گئے۔

اس میں ایک جانب اگر فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے کہ صحابہ باوجود صحابہ ہونیکے ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں ایسا فرق ہے کہ نیچے کا طبقہ مقابلہ اوپر کے طبقے کے گویا غیر صحابہ میں داخل ہے اور یہ فرق ظاہر بھی ہے۔ کیونکہ صحابہ کی شرافت و مقبولیت عند اللہ شرف صحیح سے ایسی وجہ ہے کہ اگرچہ تابعین میں بعض علم و عمل کے اعتبار سے صحابہ کے درجہ سے بھی اوپر کا درجہ رکھتے مگر صحابہ کی شرافت و فضیلت کو نہیں پاسکتے۔ اور شرف صحبت فقط جمال مبارک کی زیارت چند ساعت ہم نشینی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اُسکے لئے ایمان شرط ہے پھر ایمان کے بعد لوازم ایمان و مدلیج جان نثاری و مذمتگذاری جس میں زیادہ ہوں گے اُسی میں یہ شرف بھی زیادہ ہوگا۔ اور ان مدلیج کے اعتبار سے نیچے کا درجہ خالی ہوگا۔ اور اس اعتبار سے مقابلہ طبقہ اعلیٰ نفی صحابیت درست ہو جائیگی ورنہ اگر نفس شرف صحیح سے سب افراد برابر ہو جاتے تو جس طرح حضرت خالد نے حضرت عبدالرحمن کو جواب دئے تھے حضرت عبدالرحمنؓ نے بھی اُن کو ایسا ہی سخت کہا تھا۔ یہ فرق مراتب طبقہ اعلیٰ یعنی سابقین اورین بھی ملحوظ ہے۔ دیکھو ایک موقع پر آپؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے مقابلہ میں تمام صحابہ کو ارشاد فرمایا ہے۔

هل نلتعاسر کو الی صاحبی | تم میرے دوست اور صاحب کو میرے لئے چھوڑ دو گے نہیں۔
بمقابلہ صدیق اکبرؓ تمام صحابہ کو غیر صاحب سے تعبیر فرمایا کیونکہ ہر تنہ جو انکو حاصل تھا دو سر نہ کہ نہ تھا۔ تو دوسری جانب حضرت خالد کو تاداب اور مرتبہ شناسی کی پوری پوری ہدایت فرمائی گئی کہ تمکو اپنے تقرب اور اخلاص ایمانی پر غرہ نہ کرنا چاہئے۔ اپنے سے برتر لوگوں کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔

دوسرا شبہ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ (۱) تسبیحوا اصحابی۔ تم میرے اصحاب کو بُرا نہ کہا کرو۔
اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کلام کے مخاطب صحابہ ہیں۔ اور وہ گل کے گل کے شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ پھر ان کو خطاب کر کے فرمانے کا کیا مطلب ہے۔

جواب اس کا دو طرح پر ہے اول تو یہ کہ گو مخاطب صحابہ ہی ہیں۔ اور گو ان میں فرق مراتب بھی ہے۔ مگر کسی کو اجازت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کو سب کریں یعنی اُنکے عقائد و اعمال میں بُرا بھلا کھنڈی کیلئے نقص نکالیں۔ جو شخص ایسا کرے گا۔ وہ اس حالت کے اندر غیر صحابہ میں داخل ہوگا اور اس طرح

ارشاد سے صحابہ کی شان کو محفوظ و ممتاز رکھنا مقصود تھا۔ اور اس میں اتہام تھا اس امر کا کہ جب خود صحابہ کو باوجود ہمہری یہ ارشاد ہی تو مابعد صحابہ کو ان کے ساتھ کس قدر تادب رکھنا اور حفظ مراتب کا لحاظ رکھنا۔ اور شرف صحابیت کو تمام شرافتوں پر فائق و برتر سمجھنا ضروری و لازم ہو گا۔ اور اس کو نظر انداز کرنے سے وہ کس درجہ پر پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ جب صحابہ کو اس قدر مبالغت ہو اور اس حالت میں درجہ صحابیت کی نیچے اتر آتے ہیں۔ تو دوسروں کی کیا حالت ہوگی اور حقیقت میں اس کا اس حالت کا تھا۔ جرأت میں پیش آئی ہوئی تھی۔

صحابہ میں باہم بطور المعروف یا نصیح و ہمدردی کسی امر کا اظہار یا انکار۔ یا امور سیاسی انتظامی میں خلفاء کا تفیذ احکام کرنا اس میں دخل نہیں ہے۔ صحابہ معصوم نہ تھے کہ ان کے کوئی بغض یا کسی قسم کی دروغداشت نہ تھی۔

دوسرے یہ کہ خطاب اسکے صحابہ نہیں بلکہ امت ہی۔ اور غیر حاضرین کو حاضرین کے مرتبہ میں رکھ کر یہ عام فرمان جاری فرمایا گیا ہے اور یہ محض عام حکم ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اس کی طرف ایسا ہے کہ امت کے بہت سے افراد اس میں مبتلا ہو نیوالے ہو گئے۔ اور یہ ہلکے مرض ان کو برباد و تباہ کر گیا۔ اسی پیش نبی اور دلسوزی امت کی بنا پر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اسی دوسرے مطلب کو شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ نے نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی تجلیات پیش آتی تھیں بعض تجلیات میں آپ کے سامنے تمام امت پیش ہوئی ان میں وہ بھی تھی۔ جو سب اصحاب میں منہمک و مشغول تھے۔ آپ نے ان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ (و تسبوا اصحابی)۔

شیخ کی اس تقریر کے موافق یہ خطاب بطور مجاز یعنی غیر موجود وغیر حاضر کو موجود و حاضر فرض کر کے ہوا گا بلکہ حقیقی ہو گا کیونکہ اس میں انہیں لوگوں کو خطاب ہی جو حاضر و موجود ہیں۔

یہی بات کہ جب وہ لوگ آپ کے سامنے موجود و مشاہد ہیں۔ تو خطاب صرف ان کو ہی جو اس زمانہ حالت میں مبتلا اور اس شیعہ امر کے مرتکب ہیں۔ یا سب موجودین کو عام ہے اس میں دونوں احتمال

خطاب عرف نہیں کوہی جو مبتلا ہیں لیکن حکم عام ہے تنبیہ سب کو ہے یا سر کے خطاب ہی عام ہے۔
 حضرت خالد کا دوسرا دوتہ الجندل ایک مقام تھا جہاں پر اکید بن عبد المطلب حکومت کرتا تھا۔ یہ شخص
 الجندل کی طرف بھاگا تھا نصرانی تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو چار سو عیسویوں
 کے ہستہ کیساتھ اسکی فتح کیلئے مامور فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم اسکو نبی رئیس و حاکم کو نیل گائے کا
 شکار کھیلتے ہوئے پاؤ گے۔ حضرت خالد روانہ ہوئے اور دوتہ الجندل کے قلعہ کے سامنے پہنچے۔
 چاندنی رات تھی۔ وہاں پیش آیا کہ ایک نیل گائے اگر قلعہ کے دروازے سے اپنے سینک گرٹنے
 لگی۔ اکید رعد اپنی بیگم کے بالا خانے کی چھت پر تھا۔ بیگم نے کہا یہ عجیب اتفاق ہے۔ ایسا کبھی بھی کسی نے
 دیکھا ہے۔ کیا یہ چھوڑ دینے کے قابل ہے۔ نواب نے کہا ہرگز نہیں۔ وہ سواری ہو کر معہ چنداردیوں کے
 نیل گائے کے شکار کو نکلا۔ ادھر سے حضرت خالد نے آدبوجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
 ہو ہوسا دق آیا۔ اکید کا بھائی تو مقابل ہو کر مقتول ہوا۔ اور اکید نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ
 اپنے آپ کو حضرت خالد کے حوالے کر دیا۔ آپ اسکو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے
 اپنے مصالحت کر کے اس کو رہا کر دیا۔

یہ کارنامہ میں جو حضرت خالد نے زمانہ حیات حضرت رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام میں دکھائی
 اور جن کی بدولت اُن کا رسوخ و اقتدار بارگاہ نبوت اور عالمین میں نہایت بلند پایہ ہو گیا اور بھی اُن کی مساعی
 جمیلہ اس امر کی محرک ہوئیں کہ حضرت صدیق اکبر نے اُن پر کامل اعتماد کر کے امور انجیل کی حقہ کشائی سپرد کی۔

حصہ سویم زمانہ امارت و ولایت عساکر اسلامیہ

اب ہم اُن اوقات کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جو شانہ شہین رضی اللہ عنہما میں پیش آئے۔

فتنہ ارتداد عرب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب میں چاروں طرف مرتد
 حضرت خالد کی نمایاں خدمت اور اسلام سے برگشتہ ہونے کی ہوا چلی پڑی۔ ریاست کی ہوس نبوت رسالت
 کی ادعا کا ذہن عرب میں بہت بے نواب رئیس۔ بنی و رسول پیدا کر دے۔ مرد و مرد و عورتوں میں ادعا نبوت کا

خطبہ سنا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال و حکام مبلغ دین اسلام۔ قاضی و مفتی۔ ملک حجاز و یمن۔ بحرین و یمامہ وغیرہ میں جا بجا مامور تھے۔ ملک میں ارتداد کا سہمی مرض پھیلا تو ان لوگوں کو اپنی جان بچانی و شہر ہو گئی۔ مرتدین کے حوصلے یہاں تک بڑھے کہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے خیالات فلسد دماغ میں جکر لگانے لگے مسلمانوں کی حالت نہایت نازک تھی۔ دشمنوں کا مقابلہ کریں یا گھر کو سنبھالیں مگر حضرت صدیق اکبر کا ثبات استقلال سب پر غالب آ گیا۔ آپ نے ایک منٹ کیلئے اس غوغا اور دھوم دھام کی پروا نہ کی۔ نہایت استقلال اور الو العزمی سے احکام نافذ کئے اور ہر موقع و مقام کے مناسب فی فیرو کرنے کا انتظام کیا۔ مدبر اور فرزانہ امراء مقرر فرمائے۔ اس فتنہ کے تہیصال میں بہت زیادہ حصہ حضرت خالد بن الولید نے لیا۔ سب سے پہلے ان کو طلحہ مدعی نبوت کے مقابلہ کیلئے بھیجا گیا۔ اور یہ حکم دیا گیا کہ اُس سے فراغت ہو بلے تو بطلح پہنچ کر مالک بن نویرہ سے مقابلہ کریں۔ اس تجویز کے موافق حضرت خالد اول طلحہ کی جانب روانہ ہوئے اس کی جمعیت بہت زیادہ ہو گئی تھی قبیلہ طی کے چند قبائل بھی اُس کے ساتھ ہو گئے تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم طائی کو حضرت خالد کی روانگی سے قبل بھیجا تھا کہ انکو سمجھا دیں۔ چنانچہ ان کی ہمائش سے قبیلہ طی کے جو لوگ طلحہ کے پاس جانے کو تیار تھے وہ رگ گئے اور جو جا چکے تھے وہ واپس آئے اور اس طرح عدی بن حاتم ایک ہزار سوار اس جماعت کے لیکر حضرت خالد سے جا ملے کچھ زور تو طلحہ کا اس طرح ٹوٹا۔ اور پھر حرب عین قتال کا وقت تھا تو عینہ ابن حصن جو اُس کے جانباز بہادر لو میں سے تھا لڑتے لڑتے تھک گیا اور طلحہ نے جو جھوٹے وعدے اُس سے کر رکھے تھے اُس میں سے کسی کو پورا ہوتے نہ دیکھا تو یہ کہہ کر معہ سات سو سواروں کے واپس ہو گیا۔

یا نبی خیر المرء انصر فوافانہ کذاب | اے نبی خزارہ واپس چلو یہ جھوٹا ہے۔

طلحہ نے اپنے بھانجے کا سامان پہلے ہی کر رکھا تھا۔ وہ بھی اپنی بیوی سمیت بھاگ گیا۔ مگر تقدیر کا اچھا تھا۔ اُس کو بعد میں اسلام نصیب ہوا۔ اور فارس کے معرکوں میں اُد شجاعت و جان نثاری دے کر اس و صہ کو مٹا دیا و الحمد للہ علی ذالک۔

مالک بن نویرہ کا واقعہ | حضرت خالد خزارہ۔ غطفان۔ اسدہ طی اور طلحہ کے قصہ سے فارغ ہو کر حبشہ

عبدیق اکبر مالک بن نویرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مالک بن نویرہ نے مرتد ہو کر خلاف و مقابلہ کا عزم کر لیا تھا۔ مگر مسلمانوں کے غلبہ اور دوسرے قبائل کے انجام کو دیکھ کر ہوش آگئے تھے وہ بجا نود دل میں تونام نہ ہو چکا تھا۔ مگر ابھی تردد و توقف کی حالت میں تھا۔ حضرت خالد کی خبر ملی تو اُس نے قوم کو ہدایت کی کہ ایسی قوم کا مقابلہ جس کی تائید کے سامان غیب سے ہوتے ہیں ٹھیک نہیں۔ تم مسیڈین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ لوگ متفرق ہو گئے حضرت خالد نے پہنچا کر اسلامی دستوں کو جابجا پھیلایا حکم دیا۔ کہ جو شخص قبول اسلام سے انکار کرے اُس کو گرفتار کر لائیں اور جو اطاعت و انقیاد سے انکار کرے مقابلہ کا ارادہ کرے اُس کو قتل کر دیں حضرت صدیق اکبر کا حکم تھا کہ جس قبیلے سے اذان کی آواز آئے اُن سے ہاتھ روک لیں۔ اور جہان سے اذان کی آواز نہ آئے۔ اُن پر اسلام کو پیش کریں اگر اسلام قبول کر لیں تو زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی کا سوال اُن کے سامنے پیش کریں اگر ادا زکوٰۃ کو قبول کر لیں تو فہماور نہ پھر اُن پر حملہ کریں۔ ادا زکوٰۃ کو منجملہ تمام فرائض کے اسلئے مستعد کیا کہ اہل عرب اسی کو اپنے لئے موجب ننگ و عار سمجھتے تھے۔ ایک دستہ نے مالک بن نویرہ کو مع چند ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔ اس دستہ کے لوگوں نے مالک کے بارہ میں اختلاف کیا بعض کہتے تھے ہم نے اذان کی آواز سُنی بعض انکار کرتے تھے۔ حضرت خالد نے اس اختلاف کو دیکھ کر کوئی حقیقی فیصلہ نہ کیا۔ بلکہ اُن کو قید میں رکھنے کا حکم دیکر قیدیوں کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیا کہ اُنکی حفاظت کریں سردی کی رات تھی حضرت خالد نے اعلان دیا۔

دافعوا اسراکم اپنے اپنے اسیر کو سردی سے بچاؤ۔

کنانہ کی زبان میں ایکے معنی قتل کر دینے کے تھے۔ لوگوں نے اُن کو قتل کر دیا۔ شور کی آواز حضرت خالد کے کان میں پڑی اور باہر نکلے تو قصہ ہی دوسرا دیکھا۔ فرمایا۔

اذا سارا لله اھرا اصابہ خدا کسی بات کو چاہتا ہے تو وہی ہوتا ہے۔

مالک کا قتل خداداد غلطی رائے سے ہوا غلط فہمی سے صحابہ میں اسکی وجہ سے ایک قسم کی تشویش اور حضرت خالد کی جانب سے بدظنی پیدا ہو گئی۔

حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ پر زور دیا کہ انکو مغزول کر دیا جائے آپؐ نے فرمایا جس تلوار کو رسول اللہ ﷺ
 علی اللہ علیہ وسلم نے میان سے نکالا ہے میں اُسکو میان میں نہ کروں گا۔ حضرت عمرؓ کا اصرار زیادہ بڑھا
 تو فرمایا۔ اُنسے رائے میں غلطی ہوئی ہی۔ عداً کچھ نہیں کیا۔ اسکے بعد آپؐ نے مالک کا تو خون بہا دیا اور خالد کو
 حاضر ہو کر حکم بھیج دیا۔ حضرت خالد حاضر ہوئے۔ تو حضرت عمرؓ نے بہت کچھ فرمایا۔ چپ سنتے ہوئے
 چلے گئے۔ صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعی عذر بیان کر دیے۔ جو قبول کر لئے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا۔
 سید کتاب کا واقعہ | سید کہ اب کا قصہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں
 شروع ہو گیا تھا۔ آپؐ کی وفات کے بعد اُس سے بہت نور پاکوا۔ بنو حنیفہ اور اُن کے اعوان کی کثیر جیت
 اُس کے ساتھ تھی جھوٹے گروہوں اور بیہودہ لاف زنیوں پر لوگ اُس کے ساتھ ہوئے تھے حضرت
 صدیق اکبرؓ نے جس طرح اور مرتد قبائل کی سرکوبی کیلئے افسروں کو مامور فرمایا تھا۔ سید کی سرکوبی کے
 لئے عکرمہ بن ابی جہل کو مامور فرمایا تھا۔ اور شرجیل بن حسنہ کو اُن کی مدد پر روانہ فرمایا تھا۔ مگر عکرمہ نے
 شرجیل کا انتظار کئے بغیر سید سے مقابلہ کیا اور پس پا ہوئے۔ مدینہ منورہ اطلاع دی تو صدیق اکبرؓ
 نے لکھا تم اپنی صورت مجھے نہ دکھلاؤ اور یہاں لوٹ کر واپس آؤ۔ مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جائیں
 گی بلکہ تم حذیفہ اور عرقہ کے ساتھ ملکر اہل عمان سے مقابلہ کرو۔ اور شرجیل کو نکالنا کہ پیش قدمی کرنے میں
 حالہ کا انتظار نہ کریں حضرت مالک بن نویر سے فاریخ اور صدیق اکبرؓ کی خدمت میں صفائی و معذرت
 کر کے سید کی جانب روانہ ہوئے۔ صدیق اکبرؓ نے ہماجر بن انصار کی کثیر جماعت کو آپؐ کے ساتھ کیا
 اور سید کو حضرت خالد کی امداد کیلئے بھیجا کہ وہ پشت کی جانب سے مسلمانوں کو دشمن کے حملہ سے بچائیں
 اور شرجیل نے بھی بغیر انتظار حضرت خالد کے سید سے مقابلہ شروع کر دیا اور وہ بھی پس پائے
 حضرت خالد پہنچے تو سخت ملامت کی دراب پوری قوت سے فریقین کا مقابلہ ہوا۔ غلبہ کبھی ادھر کا
 ہوتا تھا کبھی اُدھر کا۔ ایک مرتبہ بنو حنیفہ نے مسلمانوں کو اس قدر پیچھے ہٹا دیا کہ حضرت خالد کے چہرے
 خیمے تک پہنچ گئے اور اُن کو بھی تھوڑی دیر کیلئے حلقہ چھوڑ دینی پڑی لیکن پھر حضرت خالد نے نور کا
 حکم کر کے اُن کو دودر تک ہٹا دیا۔ مگر کہ اسی نور شور سے جاری رہا حضرت خالد نے خیال کیا کہ

جب تک مسیلہ مارا جائیگا۔ لڑائی بند نہ ہوگی۔ خود میدان میں نکل کر مسیلہ کو مقابلہ کیلئے بلایا۔ وہ آیا تو اُس پر چند باتیں پیش کیں وہ ہر بات کا جواب دینے کیلئے منہ پھیر کر اپنے شیطان سے (جو اُس کو تلقین کرتا تھا) مشورہ لیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت خالد بن ولیدؓ واقعہ پاکر اُسکے اوپر چلے اور وہ بھاگ نکلا اور مع اپنی قوم کے حدیقہ رقلہ یا حصار میں پناہ لی۔ آخر برابر بن مالکؓ نے ہمت کر کے دیوار رقلہ پر سے کود کر دروازہ کھول دیا۔ یہ مسلمان داخل ہوئے مسیلہ مارا گیا۔ اور معاملہ ختم ہوا۔

حضرت خالدؓ کی پیشین گوئی | پیامہ کی فتح اور مسیلہ کے قتل سے فراغت ہو چکی تو حضرت صدیق اکبرؓ کا عراق کی جانب | حکماء پہنچا کہ عراق کی جانب روانہ ہو جائیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیامہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں سے عراق کو روانہ ہوئے اُن سے پہلے مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے عرض کر کے عراق کی طرف پیش قدمی کی اجازت لیلی تھی اور دو چار ڈبھیڑ ہوئی بھی تھیں۔ مگر اصل سلسلہ فتنات عراق کا حضرت خالدؓ سے ہی شروع ہوتا ہے مثنیٰ بن حارثہ کو بھی یہی حکم پہنچا کہ خالدؓ کے ساتھ جا کر مل جائیں۔ حضرت خالدؓ ملک عراق میں داخل ہوئے۔ چند مقامات کو بصرہ زبرنگین کیا۔ اور بعض پر سخت مقابلہ ہوا اور تھوڑے عرصہ میں مغیشیا تک پہنچ گئے اور اسکی فتح کی اطلاع صدیق اکبرؓ کی خدمت میں ہوئی۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

عجرت النساء ان یلدن مثل خالد عورتیں خالد جیسے کو جننے سے عاجز ہیں۔

ان سب مقامات کو عرصہ قلیل میں فتح و مستر کرتے ہوئے آپؐ جبرہ پہنچ گئے۔ جبرہ ملوک منادہ کا پایہ تخت تھا اور اس وقت ایاس بن قبیصۃ الطائیؓ وہاں کا والی تھا جو عبد بن النذرؓ کی حکومت پر بیٹھا تھا۔ اہل صبرہ نے اول اول صلح سے انکار کیا۔ مگر بعد میں خود سوچ سمجھ کر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ امیر جبرہ ایاس اور عمرو بن عبد السبحؓ جس کو ابن بقیہ کہتے تھے گفتگو صلح کرنے نکلا ابن بقیہ نے نیا باغ لگا کر لیا تھا۔ اُس کی عمر کئی سو برس کی تھی۔ حضرت خالدؓ نے خیال فرمایا کہ یہ جو اس باغ میں بیٹھا کیا بات کرے گا۔ اور کیا سمجھے گا۔ اور اسی وجہ سے ربنا تعجب اہل جبرہ سے کہ تم بڑے ہوشیار مکار۔ چالاک ہو۔ پھر تم نے اپنی باگ ایسے شخص کے ہاتھ میں کیوں دیدی جس کو اپنی جان کی بھی خبر نہیں ملے گی۔

ابن بقیلہ سے چند سوالات کر کے معقول اور برجستہ جواب سنے تو فرمایا۔

المقوم اعلم بما فیہم قوم اپنی اندرونی حالات کے خود زیادہ جانتی ہیں

ابن بقیلہ کے خادم کے ساتھ پھیلی میں زہر تھا۔ حضرت خالد نے اُس کو نیکر زہر پھیلی پر رکھ کر ابن بقیلہ سے دریافت کیا کہ زہر کیوں مارتا رکھا۔ کہا اس وجہ سے کہ اگر میں تمہارے حالات اچھے نہ دیکھتا اور تم کو اپنے انداز کی مخالفت پاتا تو زہر کھا کر جاتا۔ کیونکہ دلت کی زندگی سوغت کی موت اچھی ہے۔

حضرت خالد نے فرمایا موت تو کسی کے اختیار میں نہیں۔ وقت معین سے پہلے کوئی شخص

نہیں مر سکتا۔ زہر کھانا کھانا برابر ہے۔ اور پھر آپ نے لبسما اللہ خیر الاسماء عرب الاسراض

والسماء الذی لا یضر مع اسمہ داعا الرحمن الرحیم پڑھ کر زہر کو نگل لیا ابن بقیلہ نے کہا۔

بیشک جب تک تم لوگوں کی یہ حالت ہو تم اپنے تمام مقاصد میں کامیاب ہو گے اس گفتگو کے بعد اہل

حیرہ سے بھی صلح ہو گئی۔ حیرہ کے گرد و پیش اور اس نواح میں مسعودیات و قصبات واقع تھیں وہاں

کے چودھری بنبردار و رئیس سب کے سب حیرہ کے انجام کو دیکھتے تھے جب حیرہ بصلح فتح ہو گیا تو اس

نواح کے تمام نمبرداروں اور چودھریوں اور زراعت پیشہ لوگوں نے آکر صلح کر لی اور اس طرح حضرت

خالد کیلئے رستہ صاف ہو گیا۔ آپ نے چند بھجریہ کارافسروں کے ہمراہ کچھ دستے دیکر حکم دیا کہ پیش قدمی

کریں۔ چنانچہ یہ لوگ وجہ کے کنارے تک پہنچ گئے فارس میں اگرچہ اس وقت غزل و نسب اور

قتل ملوک کا دور دورہ تھا۔ باہم اختلاف کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مگر حضرت خالد کی خبر پہنچی تو فوج

ملک پر اتفاق کر کے سخت مقابلہ کی ٹھان لی۔

حضرت خالد پوری ترتیب اور سامان کے ساتھ انبار تک پہنچ گئے یہاں کا سپہ سالار ساہل

کاگور زیش نادر تھا۔ اُس نے اول اول تو مقابلہ کیا۔ مگر انجام کار صلح کر لی اور شیر نادر بہمن جادو سے

جاہلا حضرت خالد نے انبار و کلو اذاکے گرد و پیش مقامات سے بھی صلح کر لی اور انبار کو زیر نیابتہ زبیر خان

ابن بدر چھوڑ کر خود عین التمر کی طرف کوچ کیا۔ یہاں بہرام جوہین کا بیٹا امران مع نہایت عظیم الشان لشکر فارس

کے پڑا ہوا تھا اور قبائل عرب غزوہ تغلب و یاد کی بھاری جمعیت زیر کمان عقیقہ ابن ابی عقیقہ اُسکی امداد

و معاونت کیلئے موجود تھے عقیقہ نے ہران سے کہا عرب کا مقابلہ عرب ہی خوب کر سکتے ہیں۔ ہمیں اور خالد کو چھوڑ دیجئے ہم دیکھ لیں گے۔ اُس نے منظور کیا عقیقہ پورے ساز و سامان کیساتھ حضرت خالد کے مقابل ہوا۔ عقیقہ ابھی لشکر کی ترتیب میں مشغول صاف بندی کر رہا تھا کہ حضرت خالد نے بنفس نفیس اُس پر حملہ کر کے بغل میں دبایا۔ اُس کا لشکر تو بغیر لڑے بھڑے فرار ہوا جس میں سے بہت سے قیدی بنائے گئے اور عقیقہ اسیر ہو کر لشکر اسلام میں آ گیا۔

ہران کو اس نہریت کی خبر پہنچی تو وہ بھی قوم سمیت چلتا بنا۔ اور اس طرح عین التمر کی فتح سے بھی فراغت ہوئی۔

حضرت صدیق اکبر نے عیاض بن غنم کو ایک دوسرے حصہ لشکر کی کمان دیکر حکم دیا تھا کہ عراق کی جانب سے داخل ہو کر حضرت خالد سے جا ملیں۔ عیاض بن غنم حسب ہدایت مطیع و متقاد بناتے ہوئے اس طرف کو قدم بڑھا رہے تھے کہ ایک جاگ انکو عظیم الشان جمعیت کے مقابلہ ہو گیا۔ حضرت خالد عین التمر کی فسخ سے فارغ ہوئے تھے کہ حضرت عیاض کا طلبِ مداویں پیام پہنچا عیاض دو مہمہ الجندل کے مقابلہ میں پڑے تھے۔ اور انکے مقابل دو مہمہ الجندل کی حفاظت اور مدافعت کیلئے قبائل بزرگ کلب۔ غسان۔ تینخ۔ ضباجم پڑے ہوئے تھے۔ دو مہمہ الجندل دو کیموینہ منقسم تھا۔

اکید بن عبد الملک اور جودی بن ربیعہ اکیدہ تو وہی ہی جس کو حضرت خالد نے پہلے ایک فوج گرفتار کر لیا تھا اور بعد عہدِ پیمان شدید صلح کر کے سہا کر دیا تھا۔ حضرت خالد جب عیاض کی امداد کو روٹا ہوئے اور اکیدہ کو اطلاع ملی تو اُس نے قبائل کو صلح کی رائے دی۔ جب کسی نے نہ مانا تو چپکے سے نکل بھاگا حضرت کو اسکی اطلاع ملی تو اُسکو رہتہ میں سے گرفتار کر لیا اور بد عہدی و نقضِ صلح کی بنا پر اسکو قتل کر دیا۔ اسکے بعد دو مہمہ الجندل کا محاصرہ کر دیا۔ ایک جانب حضرت عیاض اور دوسری جانب حضرت خالد تھے آخر جودی قید ہوا اور دو مہمہ الجندل بھی بعد محاصرہ فسخ ہو گیا۔ آپ کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے تو اہل فارس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور عقیقہ کے قتل سے قبائل عرب میں جوشِ انتقام اٹھ اٹھا۔ مل جل کر زمرہ۔ اور وزبہ۔ و سردارانِ فارس کی زیرِ کمان بھاری لشکر نے انبار کی طرف

پیش قدمی کی۔ قحطان بن عمرو نیز حضرت خالد کے نائب تھے۔ انہوں نے اعبید بن خدی اور عروہ بن اشجد کو مقابلہ کیلئے آگے بھیجا کہ حمید پران کو روکیں۔ حضرت خالد کو خبر پہنچی تو فوراً حیرہ پہنچے اور پھر خود قحطان مقام حمید پر پہنچ گئے۔ زربہ اور زربہ سے سخت مقابلہ ہوا اور یہ دونوں مقتول ہوئے۔ عجیبی شکر یہاں سے فرار ہوا کہ اخیانہ چاہا۔ جن کے تعاقب میں ابویلی پہنچے۔ خناس میں مسودہ امیر افواج تھا اسکو ابویلی کی آگ سے بھیڑ دیا تو مریض ہو گیا۔ یہاں ہذیل بن عمران اپنی جمعیت کیساتھ موجود تھا۔ حضرت خالد کو مقامات مذکورہ کی فتح کی خبر ہوئی تو حیرہ سے روانہ ہو کر اپنے افسران فوج سے رات کو مقام مضر پر جا ملے اور رات ہی کو ہذیل پر سونے میں حملہ کر دیا۔ ہذیل کی شکل جان بچا کر چند لوگوں کیساتھ بھاگا۔ ہذیل کیساتھ عبدالغنی ابن ابی تہم اور ابیبد بن جریر بھی تھے یہ دونوں حقیقتاً مسلمان ہو چکے تھے کسی مجبوری یا بابر کی وجہ سے ہذیل نے ساتھ لے گئے یہ دونوں بھی اس معرکہ میں مقتول ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر کو اطلاع ملی تو آپ نے ان کے ورثہ کو وصت دیدی۔

حضرت عمر کو مالک بن نویر کے قتل پر جو ناراضی حضرت خالد سے تھی اس واقعہ سے اور بھی بڑھ گئی۔ مگر صدیق اکبر یہ فرما کر ان کی ناراضی کو دفع فرمائے تھے کہ جو شخص دشمنوں سے مقابلہ کرتا ہے اسکو ایسے واقعات کے ساتھ ضرور پڑتا ہے۔

مضیع سے فراخت پاکر حضرت خالد ثنی اور زبیل کی طرف بڑھے۔ جو رصافہ کی جانب شرق آباد تھے۔ یہاں ربیعہ ابن مجبیطی عتقہ کے انتقام کیلئے جمعیت کثیر موجود تھا اور اس نے زہر زوزبہ اور ہذیل سے معاہدہ کر لیا تھا۔ حضرت خالد ان سے عہدہ براہ ہو چکے تو اپنے حکم دیا کہ ربیعہ پر حملہ کیا جاوے۔ ربیعہ ثنی میں تھا اسکو تین طرف سے ایسا لیا کہ ایک متنفس بھی نہ بچ سکا۔ ہذیل مضیع سے بھاگ کر زبیل میں آ گیا۔ انہر بھی حضرت خالد نے تین جانب سے شب خون مار کر قصہ تمام کر دیا۔ زبیل سے آپ بھاگے بھی وہاں ہلال بن عتقہ خیمہ زن تھا۔ گروہ خستہ ہی بھاگ گیا۔

رصافہ اپنے فراض کا رخ کیا۔ یہاں شام۔ عراق۔ جزیرہ کی حدود ملتی تھیں۔ یہاں ایک طرف اہل شام و روم میں جیت و غصہ کی آگ مشتعل تھی۔ دوسری جانب اہل فارس زخم خوردہ ہو کر

انہال کی فکر میں تھے اور پھر قبائل عرب تغلب ایاد وغیر بھی انکے ساتھ ہو گئے غرض عرب عجم روم
 و شام کی مجتمعہ قوت سے مقابلہ تھا۔ مگر سخت مقابلہ اور نقصان اٹھانیکے بعد مجبوراً عساکر نہریت ہوئی بحضرت
 خالد نے دس یوم فرائض پر قیام کر کے حیرہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ ساقہ شکر گی کمان شجر بن لاغر
 کے سپرد کی اور عام طور پر ظاہر کر دیا کہ میں خود بھی ساقہ میں ہوں گا۔ مگر آپ خفیہ فرائض سے بقصد حج
 مع چند معتمدین کے مکہ کو روانہ ہو گئے اور قبل اسکے کہ آپکے تشریف لیجانیکی خبر پھیلے آپ حج کر کے
 واپس آ گئے حضرت صدیق اکبر کو اسکی اطلاع پہنچی تو آپ ناخوش ہوئے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت خالد بن الولید
 جیسا بدو و خجریہ کا رجری و جانباز سپہ سالار ہرگز کسی ایسے امر کے ارتکاب کو جائز نہ سمجھ سکتا تھا جس میں اندیشہ
 نقصان ہوتا وہ ہر قسم کا کامل انتظام کر کے تشریف لیگئے تھے۔ فوج کو موقعہ بوقعہ تقسیم کر کے ہر ایک
 حصہ پر تجربہ کار دلیر افسروں کو مقرر کر دیا تھا پھر اسکے ساتھ اس کا بھی پورا انتظام کیا تھا کہ اسلامی لشکر میں
 بھی یہ خبر نہ پھیلے اور روانہ بھی ایسے وقت ہوئے کہ عین وقت حج پر پہنچ کر فوراً واپس ہو گئے۔ تین سو ساری
 کا بھی کامل انتظام تھا۔ مگر خلیفہ الاسلام کی نظر غایت تھی حضرت خالد کی ہر حرکت سکون پر انکی نظر تھی
 دشمن کے ملک اور اسکی اہمیت کا نقشہ پیش نظر تھا۔ یہ بالکل صحیح تھا کہ حضرت خالد اخبار کی پوری بینش
 کر کے تشریف لیگئے تھے مگر ایسی خبر کا باوجود انتظام شدید بھیل جانا کچھ مستعجب نہ تھا۔ تجربہ سے ثابت ہے
 کہ ہمیشہ اس سے بھی زیادہ راز دارانہ خبریں بچھوٹ جاتی ہیں مسلمانوں کا تو ایک فرد بھی اُس وقت ایسا
 نہ تھا جس سے سازش کا اندیشہ ہوتا۔ مگر جس طرح مسلمان جاسوسی کے ذریعے دشمن کے گھر کی خبر لاتے
 تھے اسی طرح کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ادھر کے جاسوس اس خبر کو لے اڑتے اور دشمن اچانک حملہ کر بیٹھتا ان
 سبکے علاوہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ناگہانی طور پر جنگ پیش آ جاتی اور مسلمان جو حضرت خالد کے تشریف لیجانے
 سے بخیر تھے اپنے سپہ سالار کو نہ دیکھ کر سخت سنطرب الحال و پریشان ہوتے ان میں طرح طرح کی بگاڑ
 پیدا ہوتی جس کا انجام پست ہمتی کے سوا کچھ نظر آتا تھا خلیفہ المسلمین کی پوری بینش انھیں جن کے باعث
 حضرت خالد پر عتاب ہوا۔ صدیق اکبر جو حضرت عمر کے بار بار اصرار پر بھی حضرت خالد کو معزول نہ کرتے
 تھے اس خلاف مصلحت اسلام امر پر ناراض ہو گئے۔ لیکن انکی ناراضی میں بھی عین مصلحت مضمر تھی۔

عراق میں تو متواتر فتوحات سے مسلمانوں کا سکھ چکا تھا۔ لیکن شام میں عساکر اسلام بھی داخل ہی ہوئے تھے۔ وہاں بجز ایک دو جگہ کے کوئی بڑی لڑائی نہ ہوئی تھی اور نہ کوئی بڑا شہر فتح ہوا تھا۔ کئی مسلمان سرحد اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ مختلف استوں سے ملک شام میں بڑھ رہے تھے۔ جس کے مختصر واقعات یہ ہیں کہ ۳۳ھ ہجری یعنی خلافت صدیق اکبر کے سال دوم کے آخر میں آپ نے خالد بن سعید العاص کو سب سے پہلے ملک شام کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا اور ایک لشکر کا امیر مقرر کر کے علم سرداری سپرد کیا۔ اور بعض روایات کی موافق اس سے قبل یعنی جبکہ حضرت خالد عراق کی جانب روانہ کئے گئے۔ خالد کو ملک شام کی کوچ کا حکم ہوا تھا۔ لیکن خالد بن سعید سے خلافت صدیق اکبر کے کیوقت غلطی رائے سے ایک ناموزوں بات پیش آچکی تھی جب خلافت صدیقی تسلیم ہو چکی تو خالد بن سعید نے دو عینے تک بیعت کی اور اس درمیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو کہا اے بنی عبد مناف تم مغلوب کر دئے گئے حضرت علی نے ارشاد فرمایا۔ مغالبہ (یعنی زبردستی) ہو یا خلافت حضرت صدیق اکبر نے تو انکی اس حرکت پر کچھ خیال نہ کیا۔ مگر حضرت عمر کو ناگوار تھا جب عساکر شامیہ کی کمان اُن کے سپرد کی گئی تو حضرت عمر نے اسکے برخلاف اصرار کیا اور وہ اس عہدہ سے معزول کر دئے گئے اور اُن کو یہ حکم ملا کہ تنہا پر مسلمانوں کی تقویت کیلئے مقیم رہیں۔ بغیر حکم کے وہاں سے نہیں عرب قبائل میں سے اُن لوگوں کو تنہوں نے فتنہ ارتداد میں حصہ نہیں لیا جمع کر لیں۔ اور جب تک دشمن حملہ نہ کریں یا مقابلہ سے پیش نہ آئیں کسی سے نہ لڑیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہاں جا کر مقیم ہو گئے۔ بعض چھوٹے چھوٹے معرکے بھی اُن سے ہوئے۔ اسکے بعد صدیق اکبر نے پیش قدمی کا حکم دیا۔ مگر اس طرح کہ اندرون ملک میں نہ گھسیں۔ بلکہ اس طرح پیش قدمی کریں کہ دشمن کو پیچھے سے دبانیکا موقع نہ ملے۔ مگر آہستہ آہستہ اقدام کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ شام کی فوجیں مقابلہ کیلئے بڑھنے لگیں۔

خالد نے صدیق اکبر کی خدمت میں اعداد کیلئے لکھا۔ اب یہاں بھی اس کا اہتمام ہوا اور بنی النصار کے ایک لشکر کے ساتھ خاص راستہ سے فلسطین جانیکا حکم ہوا اور ولید بن عقبہ کو دوسرے لشکر کے ساتھ اردن پہنچے گا ماسی طرح یزید بن ابی سفیان کو جمعیتہ کثیر کے ساتھ روانہ کیا۔ اور سب کے بعد

حضرت امین امہ ابو عبیدہ ابن الجراح کو بھاری لشکر کے ساتھ محض جانیکا حکم ملا۔ سب کے سب معینہ راستوں سے روانہ ہوئے راستہ میں کہیں کہیں معمولی لڑائیوں اور کہیں صلح سے بعض شہر اور قلعہ بھی فتح ہوئے۔ عساکر اسلامیہ اسی طرح اپنے اپنے افسروں کی ماتحتی میں پیش قدمی کرتے ہوئے چلے گئے حضرت ابو عبیدہ تو جابیہ پہنچ گئے اور یزید ابن ابی سفیان نے بلقاء کے سامنے خیمہ نصب کئے شرجیل ارون پر پہنچے اور عمرو بن العاص نے عروبہ کے آگے جھنڈا نصب کیا۔ لہذا ان مشہور مقامات ملک شام تک پہنچ گئے تو اب ملک دم میں ایک عام حرکت پیدا ہو گئی۔ اتفاق سے ہر قل شاہ روم و شام اسوقت بیت المقدس میں تھا اسکو ان حالات کی اطلاع دیکر مدافعت و مقاتلہ کی خواہش کی گئی ہر قل نے ارچونکہ پیش آنے والے حالات کا علم اسکو کتب سابقہ سے تھا کہا میرے نزدیک تو مسلمانوں سے صلح کر لیں تو روم کا تمام ملک اور شام کا نصف باقی برصغیر کا ورنہ کل کا کل دے بیٹھیں گے۔ اس پر سب نے بالاتفاق انکار کیا۔ تو بادشاہ بیت المقدس سے روانہ ہو کر محض آیا اور یہاں پہچ کر فرامی فوج میں مشغول ہو گیا اس نے یہ سوچا کہ مسلمانوں کے ہر دستہ فوج کے مقابلہ میں لشکر پیچیدہ یا جائے۔ ان کو اس قدر ہلکتہ نہ دی جائے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھاگنا پڑے اور اس طرح مسلمانوں کی قوت کو کمایا جائے۔ اپنے یقینی بھائی تدارق کو نوے ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کی مٹی بھر جمعیت کے مقابلہ کیلئے مامور کیا۔ یقیناً کو ساتھ نہرا کیساتھ حضرت ابو عبیدہ کے مقابلہ کیلئے اور اسی طرح جرحہ کو یزید اور دراقص کو شرجیل کے ساتھ معرکہ رانی کیلئے۔ اس تدبیر کا مسلمانوں پر سخت اثر پڑا۔ وہ بجائے خود مخالف و حیران رہ گئے مسلمانوں کی کل جمعیت تیس ہزار بھی نہ تھی اور یہاں ہر ایک کے مقابل کئی کئی گنا روم و شام کی فوجیں موجود ہوئیں۔ اس وقت سب نے عمرو بن العاص سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا اس سچ یہ کہ ہم سب ایک مقام پر مجتمع ہو جائیں اجتماع کی حالت میں ہم مغلوب نہیں ہو سکتے حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں اطلاع دی گئی تو وہاں سے بھی یہی جواب آیا جو عمرو بن العاص نے کہا تھا۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قتلہ عدد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے ہاں ارتکاب معاصی کی وجہ سے کثیر التعداد ہونے کی صورت میں بھی مغلوب ہو سکتے ہو۔ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

ایک شام سب کے شام کا نصف کا نصف دیکر ہی صلح

تم نسب مقام یرموک پر کھٹے ہو جاؤ۔ ہر ایک امیر اپنے اپنے دستے کا مستقل سردار رہی اور اپنے دستے کو
 ناز پڑھائے۔ جب اس لئے پرتفاق ہو گیا تو سب کے مقام یرموک پر جمع ہو گئے۔ دوسری طرف عساکر
 روم و شام بھی زیرِ کمان تدارق یرموک پہنچ گئے۔ اور ایسے مقام پر نازل ہوئے کہ نشیبِ ریّاں کیلئے خندق
 کا کام دیتا تھا۔ مسلمان اس خندق کی وجہ سے اپنے حملہ نہ کر سکتے تھے اور وہ خود اس سے نکلنے نہ تھے۔ کبھی
 نکلے تو معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد واپس ہو گئے تین ماہ کا مل اسی طرح گزر گئے مسلمانوں نے یہ دیکھا تو حضرت
 صدیق اکبر کی خدمت میں امدادی لشکر کی درخواست کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ خالد بن ولید بلا اطلاع حج کر کے
 آئے تھے اور آپ اس حرکت پر ان سے کبیدہ تھے اس نامناسب حرکت پر آپ ان کو متنبہ کرنا چاہتے تھے۔
 جسکی بہترین صورت یہ تجویز فرمائی کہ ملک عراق سے جسکی فتوحات کا سلسلہ خالد بن ولید کے ہاتھ شروع
 ہو کر اس درجہ پہنچ گیا تھا کہ عراق کے بڑے حصہ میں مسلمانوں کا عمل دخل ہو چکا تھا۔ حضرت خالد کی شجاعت
 و مردانگی۔ دانا ئی و فرزانگی کی سہاک بیٹھ گئی تھی اور وہ تمام عراقیہ کے قاعد عام سپہ سالار تسلیم کر لئے گئے تھے
 عساکر شامیہ کی امداد کیلئے روانہ ہو جائیز کا توری حکم دیا گیا۔ ظاہر ہو کہ ایک اقل درجہ کے سپہ سالار افواج
 کو ایک امدادی دستہ کا امیر مقرر کر کے بھیجا ایسا ضرور تھا جس سے ان کا نثرل سمجھا جاتا تھا اور جہاں بھیجے
 جاتے ہیں وہاں معرکہ مائے حرب کی ابتداء اور مقابلہ بھی ایسے عظیم الشان لشکر سے جس میں ان کو سابق بینا میثور
 بھی دھبہ لگنے کا اندیشہ تھا۔ مگر صدیق اکبر کو ایک جانب اگر بصورت نثرل تنبیہ کرنی مقصود تھی تو دوسری جانب
 انکی دور بین نظرنے نازل یا تھا کہ ملک شام کا عقدہ بغیر خالد جیسے سپہ سالار کے حل نہ ہوگا۔ حضرت خالد بلا
 چون و چرا عراق کی افواج کا نصف حصہ لیکر روانہ ہو گئے اور اس مخلصانہ اطاعت حکم کا نتیجہ یہ ملا کہ ملک
 شام کی عام قیادہ ان کو مل گئی۔ انکی نیکنامی کو چار چاند لگ گئے۔

حضرت خالد اپنی جمعیت کیساتھ قنودق میداؤں کو طے کرتے۔ اور متفرق مقامات پر قبائل
 سے مقابلہ کرتے اور منہزم کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ قیدیہ سردار اپنے
 پیٹھ پر جس کا نام سوسی تھا جمع تھے۔ اہو و لوہے کے فرے اڑا رہے تھے۔ شراب نوشی کا دور ہو رہا تھا
 گویا گارہا تھا۔ حضرت خالد اچانک ایسے وقت انکے سر پر پہنچے کہ گویا اشعارِ ذیل کہلا کر پڑھ رہا تھا۔

الاعلاؤنی قبل جلیش ابی بکو لعل منایا نا قویب و اخیری

ہاں مجھ کو شراب سیراب کرو ابو بکر کے لشکر کے آنے سے پہلے کہیں کہیں شہید یا محتجز قیدی گئی ہیں اور یہ جو معلوم ہو

الاعلاؤنی بالزجاج و کسرہ علی کمیت اللون صافیتا عری

ہاں مجھ کو گلاس دیکھو سیراب کر دو بار بار میرے پاس لائے شراب بخوانی جو صاف و شفاف ہو نیکی کے ساتھ بہ رہی ہو۔

الاعلاؤنی من سلاخۃ قهوة تسلی ہوم النفس من جیل الحما

ہاں سیراب کرو مجھ کو اُس متوالی شراب سے جو غم غلط کرے۔ اور شرابوں میں بہتر سے بہتر ہو۔

اظن خیول مسالین و خالدا ستطر فکہ قبل الصبح مع المنس

میں خیال کرتا ہوں مسلمان سوار اور خالد سویرے۔ صبح سے پہلے ہی متعدد مرتبہ جیش کے ساتھ ہتھکڑیاں پہنچے

فہل لکم فی السیر قبل قتالکم و قبل خروجر المعصرات من الخلد

کیا تمہاری رائے ہے کہ لڑائی سے پہلے کل چلو اور اس سے پہلے کہ لڑائی لڑو کیا بددوس سے باہر نکل پڑیں

بیچارہ ان اشعار کو دہرا رہا ہے کہ ایک مسلمان نے بڑھ کر گردن پر تلوار مار دی اور اس کا خون شراب

کے برتن میں گر گیا ایک عجیب اتفاق تھا جو پیش آیا۔

حضرت خالد اسی طرح بصری تک پہنچے وہاں کچھ مقابلہ کے بعد دشمن نے صلح کر لی اور یہ ملک شام

کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالد کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ یہاں سے روانہ ہو کر یرموک پہنچے۔ یرموک کے لشکر

کی تعداد کل ستائیس ہزار تھی اب حضرت خالد کے پہنچنے پر چھپتیں ہزار ہو گئی۔ وہاں حبیبیہ کہہ رہی تھیں

کہ چلے ہیں عساکر اسلامیہ کسی ایک قاعدہ کے ماتحت تھے ہر ایک امیر اپنے دستہ کا مستقل فرد دار تھا۔

اور انہی طرح جدا جدا ہر امیر اپنی جمعیت سے مقابلہ کرتا تھا۔

حضرت خالد کے پہنچنے پر ایک ماہ کامل اس طرح گز گیا کہ پادری اور راہب عساکر روم و شام میں

جانبازی و مدافعت ملک و ملت کی روح بھونکتے رہے۔ اور جب وہ ہر طرح سرکب ہو کر میدان کارزار میں

نکلے۔ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کیلئے تیار ہو گئے تب جمادی الاخریٰ میں فیصلہ کن لڑائی کیلئے

خندق سے نکلے اور ایسی نشان و شکوہ صف بندی اور ترتیب کے ساتھ ان کے دستے آگے بڑھے کہ

مسلمانوں کو اس سے قبل کسی ایسے عظیم الشان اور آراستہ اور سامان حرب و ضربہ کمل افواج کیساتھ سابقہ پڑا تھا۔ ہر مسلمانوں کے پاس ایسا سامان تھا نہ ایسی ترتیب اور پھر ہر ایک دستہ جدا کسی ایک حکم کے تابع نہیں۔ یہ حالت سخت خطرناک تھی جس کا احساس حضرت خالدؓ نے فوراً کر لیا اور ہر گھر امرائے عساکر سے کہا کہ آج کے دن کسی کو اپنی بڑائی، فخر اور افسری کا خیال نہ رکھنا چاہئے۔ یہ تمہارے کارنامے تاریخوں میں لکھے جائیں گے۔ دوسرے لوگ تمہارے افعال کو سنبھالتے گئے۔ تم ایک ایسی قوم سے جو نہایت راستہ ہے اس طرح جدا جدا مقابلہ کیلئے نکلے ہو جو کسی طرح دشمنانہ فعل نہیں ہو سکتا اور نہ تم جیسے غلصہ اور طالبینِ اجرو ثواب کیلئے کسی طرح مناسبت ہے۔ جس امر میں خلیفہ وقت کی طرف سے کوئی خاص ہدایت نہیں لگتی اس میں تم کو اپنی رائے سے کام لینا چاہئے۔ سب نے کہا آپ فرمائیے کیا دے گا؟ ان کو سمجھ لو کہ عدین اکبر نے ہم کو ایک مقام پر جمع ہونیکا حکم صرف اس لئے دیا ہے کہ ہم ملکر سبوت کام کر چکے اور اگر ان کو تمہاری حالت کا اندازہ ہوتا تو جمع ہونیکا حکم نہ دیتے۔ تمہاری یہ حالت مسلمانوں کیلئے دشمن کی کثرت اور شوکت سے زیادہ مضر ہے۔ آج اگر ہم نے مل جل کر ان کو خندق تک پہنچا دیا تو پھر کبھی ہمت نہ کرینگے میری رائے تو یہ ہے کہ ہر ایک دستہ کا سردار نمبر وار ایک ایک دن کل لشکر کا قاعد عام بنجائے اور اس کے زیرِ کمان ساری فوج نقل و حرکت کرے۔ یہ رائے پسندیدہ ہو تو آج تمام فوج کی کمان میرے ہاتھ میں دیدو۔ سب نے بخوشی منظور کر لیا۔ دشمن تو یہ سمجھ رہے تھے کہ جیسے اور دن مقابلہ ہوتا تھا آج بھی ہو گا مگر میان رنگ پلٹ چکا تھا۔ حضرت خالدؓ نے ترتیب ہی بدلی تھی۔ اور اس طرح لشکر کو ترتیب دیا تھا کہ اس سے پہلے ایسی ترتیب دی گئی تھی۔ معرکہ یرموک کا انجام جو کچھ ہوا تو اسے اس سے بے خبر نہیں ہماری غرض اس وقت کسی معرکہ کی تفصیل سے بحث کرنا اور اس کے نتائج کو منظر عام پر لا کر رکھ دینا نہیں ہے۔ ہمارے اس مسلسل کلام کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ عساکرِ اقصیہ کے قاعد عام تھے اور وہاں سے صرف شام کے عساکر کو تعزیت و امداد دینے کیلئے تشریف لائے تھے۔ افسرِ اعلیٰ تھے تو اسی دستہ کے جو ان کے ہمراہ تھا۔ گریموک پہنچ کر اپنی قابلیت اور ذاتی جوہر حسن تدبیر اور فراست کی بدولت متبع افواج کے سپہ سالارِ عظیم بن گئے۔ اور اسی

حسن تدبیر کا نتیجہ تھا کہ اُس روز سے آپ بحیثیت قاعدہ تسلیم کر لئے گئے۔

حصہ چہارم مغزولی و برطانی امارت عساکر کا زمانہ

حضرت خالد کی پہلی مغزولی اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خالد کی اول مغزولی کس مقام پر ہوئی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ یرموک میں اور عین اُس وقت جبکہ سپہ سالاری کا علم اُن کے سر پر لہا رہا تھا۔ دشمن کی بے جگہ نہ مدافعت کرتے ہوئے اُنکو خندق کے مقبرہ میں دفن کر دیے تھے مدینہ منورہ سے قاصد لے کر صدیق اکبر کی وفات۔ فاروق عظیم کی خلافت اور اُس کے ساتھ ہی اس انقلاب عظیم کی خبر سنائی کہ حضرت خالد کو مغزول کر کے بجائے اُن کے امین الامتہ ابو عبیدہ بن الجراح قاعدہ عام بنائے گئے۔ بارگاہ خلافت کا یہ حکم نامہ اول امین الامتہ ہی کے ہاتھ میں دیا گیا۔ مگر اُنہوں نے اُس کو مصلحت حضرت خالد سے مخفی رکھا اور دوسرے وزرائے اعلیٰ کی اطلاع کی۔ اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ یرموک کے بعد محاصرہ دمشق کیوقت مغزول کئے گئے ہیں۔ دمشق کے محاصرے میں بھی حضرت خالد سے فوق العادت دلیری و شجاعت اول درجہ کی حسن تدبیر کا ظہور ہوا تھا۔

آپ میں شجاعت و جانبازی۔ فوق الفطرت قوت و طاقت۔ بیدار مغزی و فرزانگی سب ہی اوصاف موجود تھے۔ محصورین دمشق نے شہر نیاہ کے دروازہ بند کر کے سنگین پیرہ قائم کر دیا تھا۔ فہیل کے دیو اور یوہوچوں پر فوجیں معین تھیں۔ اندر کی حالت اور کسی قسم کے واقعہ کی اطلاع ملنی ناممکن تھی۔ مگر حضرت خالد ہی ایک ایسے شخص تھے کہ اس سخت بندش کے بعد بھی رتی رتی کی خبر رکھتے تھے۔ گورنر دمشق کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور مجالس عیش و سرور ترتیب دی گئیں۔ فوج کو مع افسران دعوت دی گئی، کھانے کے بعدے نوشی کا دور ہوا۔ اور بدست ہو کر دونوں عالم سے بخیر ہو گئے۔

حضرت خالد جیسے بیدار مغز سے یہ حال کیونکر مخفی رہ سکتا تھا۔

کان ینام ولا ینیم
سوئے تھے نہ سوئے دیتے تھے۔

ایسے ہی موقعوں کیلئے رسیوں کی بیڑھیاں بنا رکھی تھیں جن کو فوراً فہیل کے کنگروں پر

پھینک کر انکے سہارے سے چڑھ گئے اور عین روازہ کے اندر کو دروازہ کھول دیا۔ اسلامی لشکر
 داخل ہو گیا۔ اہل دمشق کو خبر ہوئی تو ایسے بد حال تھے کہ دوسرے روازہ سے نکل کر حضرت ابو عبیدہ
 قاعد عام سے صلح کی درخواست کی آپ کو حضرت خالد کے واقعہ کی اطلاع نہ تھی اُن سے صلح کر کے
 صلحاً داخل دمشق ہوئے۔ دوسری طرف سے حضرت خالد بزور داخل ہو کر لڑ رہے تھے۔ اور حضرت
 ابو عبیدہ داخل ہوئے۔ اور اس طرح آدھا دمشق بزور اور آدھا بصلح فتح ہو گیا۔ عین اس محاصرے کے
 وقت فاروق اعظم کا حکم اُن کے غل اور امین الامت کے تقریر و نصب کا پہنچا جس کو اس وقت
 ظاہر کرنا خلاف مصلحت سمجھ کر صلح دمشق کے بعد ظاہر کیا گیا۔
 بہر حال کوئی سنی وایت صحیح ہو مگر اس قدر متیقن ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے مسند خلافت
 پر متمکن ہوتے ہی حضرت خالد کو مغرول فرمایا تھا۔

مغرولی کے بعد اس مغرولی کا کوئی اثر حضرت خالد کے اوپر نہیں ہوا۔ وہ جس طرح بحیثیت سپہ سالار
 اعظم کام کرتے تھے اُسی طرح ایک ماتحت افسر کے لباس میں جانیازی کرتے رہے۔
 انکا غل پر سوک میں ہوا ہے تب تو اُس کے بعد فتح دمشق میں جو کارنامے اُن کے ہاتھ سے ظہور پذیر
 ہوئے تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں ایسے واقعات گنتی ہی کے پیش آئے ہونگے اور عین محاصرہ دمشق میں
 مغرولی ہوئی ہے تو اس معرکہ کا انصرام اُنہی کے ہاتھوں ہوا۔ اور اُس کے بعد مقام فعل میں اسی انداز سے
 جانا زائد واد شجاعت ہی۔

بعد اُمین الامت کیسیا مہم حص کو روانہ ہوئے اور مقام ذی الکلاع پر منزل کی ہر قل کو اس کی
 اطلاع ملی تو توڈر کی کبان میں بھاری فوج روانہ کی۔ مرج الروم میں مقابلہ ہو گیا۔
 توڈر حضرت ابو عبیدہ کے مقابلہ پر ایک حصہ فوج کو زیر کیا اس شش رومی کے چھوڑ کر خود دمشق
 کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے کی فکر میں رات کو حلد یا بنید یا بن ابی سفیان دمشق کے والی تھے
 انکو اطلاع پہنچی تو توڈر کے مقابلہ کیلئے نکلے اور ایک موقع پر معرکہ کا راز گرم ہو گیا۔ عین اس حالت میں
 حقیقت سے حضرت خالد نے آدبا یا اور اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن کے بہت کم آدمی جان بچا کر جا سکے

تو ذرا بھی مقتول ہوا۔

اس معرکہ کے بعد امین الامتہ کی ہر کاب بعلبک حصص حاکمہ لافقیہ وغیرہ کو صلحا یا مقابلہ فتح کرتے چلے گئے اور ان مقامات کے بعد حضرت امین الامتہ نے آپ کو ایک دستہ فوج دیکر قنسرین کی فتح کیلئے بھیجا۔ ابھی مقام حاضر پر پہنچے تھے کہ روم کا عظیم الشان لشکر حضرت خالد کے مقابل آگیا۔ یہ رومی لشکر زیر کلان میناس تھا۔ میناس اس بابہ کا شخص تھا کہ ہر قل کے بعد دوسرے درجہ پر سمجھا جاتا تھا۔ میناس کیساتھ سخت مقابلہ ہوا۔ روم کے لشکر نے بھی واو شجاعت دینے جان بازی کر نہیں کوئی دقیقہ ٹھاندر کھا۔ اور اسی وجہ سے وہ سب کے سب میدان جنگ میں خا ہو گئے۔ میناس قتل ہوا۔ اس معرکہ کے بعد ہر قل قیصر روم و شام و ایشیا کو چمک کی حفاظت سے یایوس ہو کر قسطنطنیہ جانے پر مجبور ہوا۔ سابق معرکوں کے بعد قنسرین کے عظیم الشان معرکہ اور قیصر روم کے قسطنطنیہ جانے کی خبر اور حضرت خالد کے نمایاں کارناموں کی حالت معلوم ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا

اخر خالد نفسه برحمة الله ابا جکبر خالد نے خود اپنے آپ کو سپہ سالار بنالیا اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرما
ہو کان اعلم بالرجال منی وہ کام کے آدمیوں کو مجھ سے زیادہ پہچانتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے شام میں حضرت خالد کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ کو سپہ سالار اعظم بنایا تھا اور فتوحات عراق کے مدار عظم مشنی ابن حارثہ کو جو بعد حضرت خالد کے عساکر عراقیہ کے قائد اعظم تھے معزول کر کے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ حضرت مشنی ابن حارثہ کے حالات و واقعات انکی با فوق الفطرت شجاعت اور ان کی مخلصانہ سعی و جانفشانی انکی برکات ظاہری و مغوی کے حالات سے ناظرین کرام بیانات سابقہ میں باخبر ہو چکے ہیں۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت خالد کی تعریف کرتے ہوئے ان دونوں سپہ سالاروں کی معزولی کی وجہ جس پر عقل ظاہر بین نا عاقبت اندیشی یا عدم قدرت دانی یا خوف فتنہ و اختلاف کا الزام ٹھکا سکتے تھے بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

میں نے ان دونوں کو کسی نعمت اور بدظنی کی وجہ

ان لیما عز لهما

عن ساریبۃ و لکن
الناس عظموہما
فخشیت ان یحکلو
الیہما
معزول نہیں کیا۔ بلکہ لوگوں کے دلوں میں
انکی عظمت انکی تدبیر و شجاعت پر اس قدر اعتد
ہو گیا تھا جس سے اندیشہ تھا کہ ظالم کی نظر اٹھا کر
فتوحات کا انحصار انہیں کی ذات پر نہ سمجھ لیں۔

حضرت فاروق اعظم نے ان دونوں بزرگوں کو معزول کیا جس کے اسباب میں علاوہ بعض آل
اندیشہ انداز احکام شرعیہ و سپاہیہ کے ان مصالح کا بھی دخل تھا۔ جن کو اس موقع پر ظاہر فرمایا۔ مگر دونوں نے
عزل کے بعد وہ نمایاں خدمتیں کیں جن سے ثابت ہو گیا۔ کہ خطا آمارۃ و لذت حکومت و نام آوری کو
ان کے کاموں میں کچھ دخل نہ تھا۔ اور اسی تجربہ و آزمائش کے بعد آپ کا خیال ان دونوں کی طرف تبدیل
کیا۔ جس کا اقرار علی رؤس الاشہاد آپ نے کیا۔ اور گواہی اقرار کے بعد وہ اپنے سابق درجہ پر واپس نہ
کئے گئے۔ اور حاجت بھی نہ تھی۔ کیونکہ ان کے کارنامے دونوں حالت میں یکساں تھے۔ پھر کسی جدید
تغیر کی کیا ضرورت تھی۔ تاہم آپ نے اپنی رضامندی اور انکی عظمت و وقار کا اعلان فرما دیا جس سے
ان قلوب کو جن کو مقتضائے عقل ظاہری کچھ تردد یا خلجان ہوتا ممکن تھا اطمینان ہو گیا۔

تفسیرین کے بعد حضرت خالد کے ہاتھ پر عرش فسطح ہوا۔ اور اسی طرح بہت سے مواقع میں اپنی
تدبیر و شجاعت کے جوہر دکھلاتے ہوئے بیت المقدس کے محاصرہ کیلئے پہنچ گئے اور یہاں سے
حضرت عمر کی خدمت میں لکھا گیا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کے دست مبارک پر ہوگی۔ آپ نے
مہینے سے بیت المقدس کا قصد فرمایا اور امراء عساکر کو اطلاع دے دی کہ اپنے لشکر پر قیام
چھوڑ کر ہم سے جا بیہیں آکر لیں۔ سواہ عمرو بن العاص اور شرجیل بن حسنہ کے کہ وہ تو اپنی جنگ
سے نہ ہلے۔ کیونکہ اندیشہ سخت تھا۔ باقی تمام افسران اعلیٰ جا بیہ پہنچے۔ سب سے اول یزید ابن
ابی سفیان۔ ابو عبیدہ ابن الجراح۔ اور ان کے بعد خالد ابن الولید گھوڑوں پر سوار آپ کے سامنے
اس شان سے آئے کہ جو یہود و براج کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حالت دیکھ کر سواری
سے اتر پڑے اور پتھر اٹھا کر امراء عساکر کو مارنا شروع کیا اور فرمایا کہ تمہاری حالت میں کس قدر

تغیر آیا اور تم اپنے خیالات سے اتنی جلد بھر گئے۔ تم اس ہیئت میں میرے سامنے آتے ہو۔ ابھی تو دو ہی برس سے تم کو اس طرح کا عیش نصیب ہوا۔ اگر دو سو برس کے بعد بھی تم میں تغیر آتا تو میں تمہاری جگہ دو سروں کو مامور کرتا۔ غرض حضرت عمر کو یہ شان ترفہ و تہم کی ہیئت نہایت مکروہ اور ناپسند معلوم نہ آئی۔

ایک خیال ہو گیا کہ شام و روم کی عیش پرستی کا اثر ان میں بھی آگیا۔ حضرت عمر کی ناراضی کی جب یہ حالت دیکھی تو امراء عساکر نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ امیر المؤمنین یہ لباس تو محض دکھلاوے کے ہیں۔ ورنہ ہم تو کمل تمہیں رنگائے ہوئے ہیں حضرت عمر نے سن کر فرمایا اگر یہ بات ہو تو مضائقہ نہیں۔ حضرت عمر نے جاہ پر قیام فرمایا اور اسی مقام پر بیت المقدس بصلح مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔

جب بیت المقدس پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا اور شام کا ملک مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا تو بڑے بڑے شہر امراء عساکر کی ماتحتی و نگرانی میں بیٹھے گئے۔ خود سپہ سالار اعظم امین اللات ابو عبیدہ جو حصہ پر مقیم تھے اور آپکی ماتحتی میں حضرت خالد قنسرین پر۔ یزید ابن ابی سفیان دمشق پر۔ معاویہ ابن ابی سفیان آرمین پر۔ علقمہ بن مجر قسطنطنیہ پر اور ساحل بحر پر عبداللہ ابن قیس۔ غرض حضرت ابو عبیدہ ملک شام کے تمام حصوں پر مشہور افسروں کو معین فرما کر جو حصہ میں مقیم تھے۔

ہر قل ملک شام و روم میں مسلمانوں کی فتوحات کا رنگ دیکھ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن جب حضرت ابو عبیدہ فتح بیت المقدس سے فارغ ہوا کہ حصہ میں مقیم ہوئے تو اہل خبریہ نے ہر قل کے پاس قسطنطنیہ پیام بھیجا کہ اگر شام کو واپس لینے کیلئے فوجیں بھیجیں تو ہم بھی معین و مدد کار رہیں گے۔ ہر قل کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اور اُس نے ایک بھاری لشکر کو مقابلہ کیلئے بھیجا۔

حضرت ابو عبیدہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپنے امراء عساکر کو حصہ پر جمع ہونیکا حکم دیا حضرت خالد بھی قنسرین سے وہاں پہنچے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ اور اُس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو عبیدہ کو تردد ہوا اور آپنے افسران افواج سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ آیا ہم خود ان پر حملہ کر کے لڑائی کی ابتدا کریں یا قلعہ بند ہو کر مدد کا انتظار کریں۔ حضرت خالد نے مشورہ دیا

کہ نہیں ہم کو فوراً اُن پر حملہ کر کے لڑائی کی ابتدا کر دینی چاہئے۔ مگر باقی افسروں نے یہ نئے دی کہ ہکو قلعوں میں محفوظ رہ کر امیر المؤمنین۔ سے خط و کتابت کرنی چاہئے اور جو حکم آئے اُس کی تعمیل کی جائے کثرتِ رائے اس جانب تھی اور احتیاط کا پہلو بھی اسی میں تھا ایسے حضرت ابو عبیدہ نے اسی پر عمل کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی کلام و دینی و مالی اندیشی سے موقع در موقع ایسی طرح رسالہ کی چھانیا ڈال دی تھیں کہ جس سمت اور جس نواح میں امداد کی ضرورت ہو فوراً فوج رسالہ پہنچ جائے۔ کوفہ میں ہار ہرار سوار موجود تھے۔ آپ کی خدمت میں حضرت ابو عبیدہ کا اعلیٰ خط پہنچا تو آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو تحریر فرمایا کہ کوفہ سے قفقاع کو فوراً ابو عبیدہ کی امداد کیلئے روانہ کر دیں وہ دشمنوں کے زخم میں مصوب ہیں۔ اہل جزیرہ ہی اس ساری لڑائی کے بانی مبنی ہر قل کو کسانو الے تھے جب ہر قل نے اپنی دھیں حص کی طرف بڑھا دیں تو اہل جزیرہ بھی حسبِ عدہ مقابلہ کیلئے تیار ہوئے ان میں بھی حرکت پیدا ہوئی۔ حضرت عمر نے اہل جزیرہ کی مدد کیلئے حضرت سعد کو تحریر فرمایا کہ سیل ابن عدی کو رقبہ کی طرف روانہ کریں اور عبداللہ ابن عتبہ کو نصیبین کی طرف۔ ولید بن عقبہ کو عرب جزیرہ کے قبائل ربیعہ و تنوخ کے مقابلہ کیلئے روانہ کریں اور عیاض بن غنم کو بھی اُنکے مقابلہ کیلئے بھیجیں۔ اگر اہل جزیرہ لڑائی کی نوبت آئی تو عیاض بن غنم افسرِ عظام افواج کے ہونگے۔ غرض اس طرح حضرت عمر ہر جانب کا بندوبست کر کے اور تمام ہدایات بھیج کر خود بھی حضرت ابو عبیدہ کی امداد کیلئے مدینے سے روانہ ہو کر جا رہے تک پہنچ گئے۔

یہاں یہ ہوا کہ جب اہل جزیرہ نے اپنے گرد و پیش عساکرِ اسلامیہ کی خبریں سنیں اُن کے تو ہوش اُڑ گئے۔ سب عدے بھول گئے رومی لشکر کو بیچ میں چھوڑ کر ادھر ادھر متفرق ہو گئے۔ ابھی تک قفقاع بن عمرو حص تک پہنچے نہ پائے تھے کہ اہل جزیرہ کی متفرق ہو کر بھاگ نکلنے کی خبریں حضرت ابو عبیدہ تک پہنچیں اور اُس جانب سے اطمینان ہو گیا۔ آپ نے حضرت خالد سے مشورہ کیا کہ اب جارحانہ حملہ کریں۔ حضرت خالد نے مشورہ دیا کہ ضرور کرنا چاہئے حضرت ابو عبیدہ نے اس مشورہ پر کاربند ہو کر حملہ کر دیا مسلمانوں کو فتح ہوئی قفقاع ابن عمرو تانہ امداد لیکر تین دن بعد فتح کے پہنچے۔ اس میں گفتگو ہوئی مگر

وہ مال غنیمت میں شریک کئے جائیں یا نہ کئے جائیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھا گیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ضرور شریک کئے جائیں۔

اہل جزیرہ جب مقابلہ سے کنارہ کر کے متفرق ہو گئے تب مسلمانوں کو جزیرہ کی فتح کا خیال ہوا۔ ادھر تو حضرت سعد بن ابی وقاص سپہ سالار عراق نے عساکر اسلامیہ کو جزیرہ کی طرف بھیجنا شروع کیا ادھر حضرت ابو عبیدہ سپہ سالار شام نے عیاض بن غنم کو ادھر روانہ کیا اور اس طرح جزیرہ و آرمینیا فتح ہو گئے۔ اس فتح کے متعلق صحیح روایت یہی ہے کہ عساکر شامیہ عیاض بن غنم کی زیرِ کمان فتح جزیرہ کیلئے آئے تھے۔ مگر بعض روایتوں سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن الولید بھی عیاض کے ہمراہ تھے۔ یہ روایت اول تو روایات صحیحہ کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت خالد کا سوا حضرت ابو عبیدہ کے کسی اور افسر کی ماتحتی میں کام کرنا ثابت نہیں ہے۔

حضرت خالد کی پہلی معزولی تو باختلاف روایات یا عین معرکہ یرموک کے وقت ہوئی جبکہ حضرت دوسری مرتبہ معزولی خالد تمام عساکر اسلامیہ کے قاعد عام بنکر کثیر التعداد لشکرِ روم کو زیر و بر کر رہے تھے۔ یا عین محاصرہ دمشق کے وقت جس میں حضرت خالد کی حسن تدبیر و بیداری کے وہ جوہر ظاہر ہوئے۔ جسکی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ بہر حال اُن کی معزولی کسی جگہ ہوئی۔ مگر ہوئی ایسے وقت جبکہ وہ عظیم الشان فرائز کا کام اپنے اوپر لئے ہوئے مسلمانوں اور اسلام کیلئے سپر بنے ہوئے تھے لیکن اپنے اس معزولی کے بعد بجائے شکستِ دل ہونیکے پہلے سے زیادہ چستی و جان بازی دکھلائی جس کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ تو ارشاد فرمایا

عجزة النساء ان يلدن مثل خالد عوذین خالد جیسے شخص کے جننے سے عاجزیں۔

اب دوسری معزولی کا وقت آتا ہے جو پہلی معزولی سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔

حصص کے معرکہ کے بعد حضرت خالد و عیاض بن غنم دونوں افسروں نے سرحد روم کی جانب حملہ کیا اور وہاں سے اُن دونوں کو بہت سالانہ غنیمت ملا۔ اس خبر کا چرچا ہوا تو بہت فحشہ ہو گیا۔ لوگ حضرت خالد کی خدمت میں آکر طالبِ امداد ہوئے۔ ان طالبین میں بعض شعر بھی تھے شعب ابی

قیس بھی اُن لوگوں میں تھے حضرت خالد نے اُنکو دس ہزار درہم عطا فرمائے۔

حضرت خالد کی اس طرح دریا دلی کے ساتھ انعام و اکرام کرنے کی خبریں فوراً حضرت عمر کی خدمت میں پہنچیں۔ اوہر ایک واقعہ اور پیش آیا کہ حضرت خالد حمام میں غسل کیلئے تشریف لیگئے۔ وہاں جواہرنا بدن کو ملا اسکی نسبت معلوم ہوا کہ اس میں شراب ملی ہوئی تھی۔ یہ خبر بھی حضرت عمر کی خدمت میں پہنچی۔ کیونکہ کچھ اعمال کی ایک ایک حرکت پر نظر رہتی تھی اور اُنکی کوئی چھوٹی بڑی بات خفی نہ رہ سکتی تھی۔ ہزار ہا میل کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایسی نگرانی فرماتے تھے کہ گویا وہیں موجود ہیں آپسے حضرت خالد کو حمام کے واقعہ کے متعلق لکھا۔ جس کا جواب انہوں نے دیا کہ وہ اُبٹنا پسا ہوا تھا۔ شراب نہ رہا تھا غرض ان دونوں واقعوں کا اثر یہ ہوا کہ حضرت عمر نے امیر عساکر حضرت امین الامۃ ابو عبیدہ کو لکھا کہ خالد کی شبکیں اُنکے حمائے سے باندھ کر اور کلاہ سر پہے اُنارکڑ جمع عام میں کھڑا کریں اور اُن سے دریافت کریں کہ یہ انعامات کہاں سے دیئے ہیں۔ مال غنیمت میں سے یا اپنے مال سے۔ اگر وہ یہ جواب دیں کہ اموال غنیمت میں سے دیئے ہیں تب تو صریح خیانت ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ اپنے مال میں سے دیئے ہیں تو یہ اسراف اور مال کا ضائع کرنا ہے اور ہر حال میں اُن کو امارت سے معزول کر کے اُنکے متعلقہ کام کو اپنی نگرانی میں لیں حضرت امین الامۃ نے تعمیل احکام خلیفۃ الاسلام حضرت خالد کو قنسرین سے طلب فرما کر ایک عام جلسہ کیا۔ خود نمبر پر بیٹھے حضرت عمر کے یہاں سے جو صاحب کھنسا لیکر آئے تھے وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت خالد سے سوال کیا کہ شعب کو انعام کہاں سے دیا۔ حضرت خالد نے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت ابو عبیدہ ساکت و صامت نمبر پر بیٹھے تھے۔ آخر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حضرت خالد سے فرمایا کہ امیر المؤمنین کا حکم آپ کے بارہ میں یہ ہے۔ اور کلاہ اُنا کر نیچے رکھی اور اس کے بعد اُن کو کھڑا کر کے عمامہ پہنا دیا۔

یہ سب کچھ کیا گیا۔ مگر حضرت خالد نے احکام خلافت کی حرمت اور اطاعت کے لحاظ سے کسی بات سے اُن کو نہیں روکا جب کلاہ اُنا رکھے اور عمامہ سے اُن کو کس دیا گیا تو کہا اب بتلاؤ کہ شعب کو انعام کہاں سے دیا۔ اپنے مال میں سے یا غنیمت میں سے۔ حضرت خالد نے جواب نہیں

کہا غنیمت میں سے نہیں بلکہ اپنے مال میں سے یا۔ یہ جواب سن کر حضرت ابو عبیدہ نے اُن کو کھول دیا۔

اور اپنے ہاتھ سے کلاہ سر پر رکھی۔ اور اپنے ہاتھ سے اُن کا عمامہ باندھا اور ارشاد فرمایا

نسمع ونطيع لولا اننا
ہم اپنے والی اور خلفاء کے حکم کو سننے اور اطاعت کرتے ہیں
ونفخ ونفخدم مولانا
اپنے بچہ لوگوں کی تعظیم کرتے اور اُن کی خدمت کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ تو ہو چکا۔ مگر حضرت ابو عبیدہ نے تو اُن کی عظمت اور بزرگی کے لحاظ سے معزولی کی

اطلاعیہ مناسب سمجھا۔ حضرت خالد کو یہ حیرانی پیش تھی کہ اب میں کیا کروں۔ معاملہ اسی پر ختم ہو چکا کہ

اب مجھ کو اپنے مستقر پر جا کر ابو عبیدہ کے کاموں کو سرانجام دینا چاہئے۔ یا اسکے بعد معزول بھی ہو چکا ہوں۔

ایک عرصہ اسی تخیس گذر گیا۔ آخر جب مینہ منوہ حاضر ہونے میں دیر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ

نے از روئے فراست سمجھ لیا کہ اُن کو معزولی کی اطلاع نہیں دی گئی۔ تب اپنے براہ راست اُن کو مدینہ

چلے آئیے لئے لکھا۔ حضرت خالد کو اپنی معزولی اور واپسی مدینے کا حکم ملتا تھا تو آپ قنسرین

تشریف لیگئے۔ وہاں جمع عام میں خطبہ پڑھا اور سب کو خضعت کیا۔ اسکے بعد جس تشریف لائے۔

اور وہاں بھی عام جلسہ میں خطبہ پڑھ کر سب کو الوداع کہا اور مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

یہاں پہنچ کر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔

قل شکوتک الی المسلمین
میں نے آپ کا شکوہ مسلمانوں سے کیا مسم ہو خدا کی آپ

فباللہ انک فی امری لغیر محمل
میرے معاملہ میں اچھا سلوک کرنے والے نہیں ہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا اس قدر مال کہاں سے آیا۔ اور یہ ثروت کیونکر نصیب ہوئی۔ عرض کیا

مال غنیمت کے سهام سے ساٹھ ہزار سے جو زائد ہو وہ آپ لے لیجئے۔ تخمینہ کر لیا گیا تو ساٹھ ہزار سے

بیس ہزار زائد تھا اسکو لیکر بیت المال میں داخل کر لیا گیا۔ اسکے بعد حضرت خالد سے خطاب کر کے فرمایا۔

یا خالد واللہ انک علی
اے خالد قسم ہے اللہ کی قسم مجھے بہت ہی

لکیر و انک الی الحبیب
غزیر اور محبوب ہو۔

اور پھر تمام امصار و بلاد کے مسلمانوں اور ولیوں کو عام اطلاع بدین مضمون فرمادی۔

اِذَا لَمِ اعْمَلْ خَالِدًا عَنْ مَخْطُوعٍ وَاجْهَانَةٍ وَلَكِنْ اَلْهَمَّ فَتْنًا وَفِتْنًا وَابَهُ فَخَفَّتْ اَنْ يُّوَكِّلُوْا اِلَيْهِ فَاَلْحَبَّتْ اَنْ يَعْلَمُوْا اَنْ اَللّٰهُ هُوَ الصَّانِعُ وَاجْهَانَةٍ فَتْنَةٍ

دریں خالدا کو ناراضی یا خیانۃ کی بنا پر مقرر نہیں کیا لیکن لوگوں کے دلوں میں انکی غیبت زیادہ ہوگئی ہوا وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے مجھے اندیشہ ہو گیا تھا کہ انہیں پرکھو ورنہ نہ کر بیٹھیں اسلئے میں نے پسند کیا کہ وہ جان لیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی طرف فتنہ میں مبتلا ہوا

اسکے بعد بیس ہزار کی رقم جو حضرت خالد سے لیکر بیت المال میں داخل کی تھی وہ انکو واپس فرمادی۔ معزولی اور حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہونے پر حضرت خالد کے اُن کارناموں کا جن سے دنیا تھر تھی اختتام ہوتا ہے۔ اسکے بعد حضرت عمر نے اگرچہ بار بار اصرار فرمایا کہ وہ کوئی عہد و ولایت ملکی یا سپہ سالاری افواج قبول فرمائیں۔ مگر انکار کرتے رہے اور کسی عہد کو قبول نہ فرمایا۔ عزت و یکسوئی کی حالت میں بقیہ عمر کو گذار دیا سلطنت میں بقیہ حص (ملک شام) یا مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

حضرت خالد کو حسرت تھی کہ میدان کارزار میں اُن کی وفات نہ ہوئی بلکہ بزدلوں یا کاہل اور سست لوگوں کی طرح بستر راحت پر جان دی۔ وہ اپنی آخری حالت میں فرماتے تھے کہ ہر موقع پر اپنے قتل و موت کا متلاشی رہا مگر نصیب ہوا اور آج میں بستر پر جان دیتا ہوں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں سو معرکوں میں شریک ہوا ہوں اور میرے بدن پر بالشت بھر چکی بھی ایسی نہیں جس میں تلوار یا نیزہ یا تیر کا زخم نہ لگا ہو۔ مگر آج اونٹ کی طرح بستر پر رہتا ہوں۔ خدا بزدلوں کی آنکھ کو لذت سے آشنا نہ کرے یعنی بزدل اور راحت پسند کو راحت و عیش نصیب نہ ہو۔

حضرت خالد کے اُن حالات کی طرف جو ایک مومن کامل صاف باطن الائنش کدورات نفسانی سے طاہر و مطہر ہو چکا ہوا جس کے جسم و روح اوصاف کمال سے متصف جلال و جمال خداوندی سامنے اپنے اختیار و ملکات سے منسلخ ہو چکی ہوں ہمارے بیان مذکورہ میں کافی اشارہ ہو چکا ہے۔ اُن کے علاوہ اور بھی واقعات ایسے ہیں جن سے آپ کی مقبولیت عند اللہ اور حب دنیا و مافیہا سے کامل کیسویں گاہ پر اثبات مل سکتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام لائیکے بعد ہی سے آپ اپنا تعلق دنیا کی لذتوں اور راحتوں یاں

ودولت اولاد ورفقار سے منقطع کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ضروری اسباب معیشت کو جنگی ہتھیاروں سے منقطع کر دیا۔ ضرورت ہوتی ہے اور اُس سامان حرب ضرب کو جو عرب کی زندگی کا ایک لازمی جزو تھا اور بالخصوص اس شخص کیلئے جو اپنی جان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ بن اسلام کیلئے سپر نیا ہے ہوئے ہونہایت ہی لازمی تھا، مستعار حیثیت کے زیادہ رکھنا پسند نہ فرماتے تھے۔

اصابہ میں صحیحین سے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خالد نے اپنی زہرہ اور سامان کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے یعنی اپنی ملکیت سے نکال دیا اور بطور متولی اپنا قبضہ ہاتھی رکھا جس کا حاصل یہ ہے کہ ملک مال میں مراعات جاری ہوتی ہے نہیں ہونگی۔ یہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کا واقعہ ہے جو حضرت خالد کے اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لیکن اسکے بعد بھی آپ اپنا سامان اسی طرح فی سبیل اللہ وقف کرتے رہے یہاں حالات اسکی شہادت دیتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا کہ سب سے بہتر اور مرغوب نفس شہید کو اپنے ملک میں باقی نہ رکھیں۔ وفات کی وقت گھوڑا اور آلات حرب اُنکی ملک میں تھے اُن کو بھی وقف فرمادیا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی پسری اولاد موجود تھی مگر دنیا سے کیسوی اور بے تعلقی نے پیٹنگ دکھلایا کہ تھوڑے ہی زمانہ بعد سلسلہ اولاد منقطع ہو گیا۔ اور آج اُس نام اور شہرہ مراد و فدائے اسلام کی کوئی یادگار موجود نہیں اُن کا قلب جس طرح دنیا سے بے لگاؤ تھا۔ اسی طرح اُن کے تعلقات جسمانی بھی روئے زمین سے منقطع کر دیے گئے اور سوار اُس صل اصول تعلقات اسلامی اور مذہبی قوی علاقہ کے کوئی علاقہ باقی نہ رہا اور یہی وہ علاقہ ہے جسکی وجہ سے آج اُنکی یاد دلوں میں اسی طرح تازہ ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے بے اختیارانہ کلمات کا صدور بھی ہوا مثلاً نہر کی ڈلی کو نکل جانا جس کا بیان گذر چکا ہے یا شرب کا سرکہ بچانا ایک شخص شرب کا مشکیزہ لئے ہوئے آپ کے سامنے آیا۔ دریافت کیا اس میں کیا ہے اس نے کہا یہ سرکہ ہے آپ نے فرمایا۔

جعلہ اللہ خلا

(خدا تعالیٰ اسکو سرکہ بنا دے)

دیکھا تو وہ سرکہ ہی تھا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب آپ کی دعائے شہد بنگئی۔ ممکن ہے کہ واقعات متعدد ہوئے ہوں ایک موقع پر شراب کا سرکہ بن گیا ہو اور ایک موقع پر شہد اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور یہ اختلاف روایت کا اختلاف ہو بہر حال نفس قبولیت عا میں مشک کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرت رضی اللہ عنہ نے آپ کو مغزول منور کیا اور وہ نزولی جیسا کہ وہ خود فرما چکے ہیں کسی بطنی کی وجہ سے نہ تھی اور نہ حضرت خالد پر کوئی الزام تھا۔ اگر ظاہری طور پر الزام تھا بھی تو ان کے پاس ایسا جواب موجود تھا جس کو سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مان لیا تھا اور باوجود حضرت عمر کے اصرار کے مغزول نہ کیا تھا۔ مغزولی کے اسباب کو حضرت عمر نے مختلف مواقع میں خود ظاہر فرمایا ہے اور سب سے بڑے سبب کو ہم بھی حضرت عمر کے الفاظ میں نقل کر چکے ہیں لیکن آپ کو ان سے وہی تعلق باقی تھا اور وہی محبت قلب میں مرکوز تھی جو صادق الامان افراد میں ہوتی ہے اور جو حضرت عمر جیسے صاحب فہم است مدبر اور صاحب باطن کو حضرت خالد جیسے بہادر اور کارگذار جان نہا کے ساتھ ہوتی چلبے تھی۔ مغزولی کے بعد قبول غم پر ہمارا راسی کی دلیل ہے حضرت خالد نے وقت وفات حضرت عمر کو اپنا وصی مقرر کیا۔ جو اس کی کافی شہادت ہے کہ حضرت خالد کے دل میں اس مغزولی کا جس کا ظہور ظاہر بنیوں کے خیال میں بے عنوانی یا با لفاظی دیگر تنہا کمیر طریق سے ہوا تھا کچھ اثر باقی نہ تھا۔ ملک بن حکم اور مصلح کو حضرت عمر سمجھتے تھے ان کو حضرت خالد بھی خوب جانتے تھے۔ آخر سب کے ایک اُستاذ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد۔ ایک مشد کے حلقہ گوش ایک ہی در کے تعلیم یافتہ ایک ہی خانقاہ کے فیضیاء تھے۔ کیوں نہوار شا و جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی۔

اصحابی کا لہجہ و بایں ہمہ | ریسے اصحاب ستاروں جیسے ہیں جس کا اقتداء
اقتدایم اہتدیلہ | کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

حضرت خالد کو معرکے سے قتال سے یتشف اور خدمت اسلام کا یہ ذوق و شوق جو خود فرما

ہیں کہ کلمہ توحید شہاد کے بعد کوئی عمل میرے نزدیک اُس ات سے زیادہ کار آمد اور موجب اجر نہیں کہ یہ اندھیری رات میں جبکہ آسمان سے بارش بھی ہو رہی ہو، ڈھال تلوار لگا کر صبح کا انتظار کر رہا ہوں اور پھر کسی ایسی خدمت کو قبول نہ کرنا جس میں انکی دلی تمنائیں پوری ہوں۔ خود اسی کی دلیل یہ کہ معاملہ عزل میں جن حکمتوں اور مصلحتوں پر حضرت عمر کی نظر تھی اُن کو حضرت خالد بھی ایسا ہی سمجھتے ہوئے تھے۔ حضرت خالد کی وفات پر حضرت عمرؓ نے کمال اندوہ و ملال کا اظہار فرمایا۔ خاندان بنی مخزوم کو آپ نامو قذائی اسلام کی مفارقت کا قلق اور بے انتہا قلق ہونا لازمی اور ضروری امر تھا اُنکے جاندار انکی عورتیں سب کی سب اس جاگداز صدمہ پر خزن و ملال کیلئے جمع ہو کر ماتم کر رہی تھیں حضرت عمرؓ وہ شخص ہیں کہ صدیق اکبرؓ کی وفات پر اُن کے سپہانوں نے کچھ اضطراب کا اظہار کیا تو اُسی وقت پشت روک دیا اور گو اُن کا اضطراب حد جواز میں داخل ہو گا آپؐ نے صدیق اکبرؓ کے گھر میں اسکو بھی پسند کیا اور آج جبکہ سنا بنی مخزوم خالد جیسے شیر مرد پر رونے اور آنسو بہانے کیلئے جمع ہوئے تو آپؐ نے صراحتاً فرمایا

ما علیہم ان یبکیں ابا سلیمان | کیا حرج ہے اگر وہ ابوسیمان پر وہیں بشرطیکہ آداریں
مالہ یکن نفخ او لقلقلۃ | بلند نہوں۔ ماتم کی صداؤ سے شور برپا نہو۔

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو رجز میں حضرت خالدؓ کے اوصاف و مدائح کہتے سنا تو اسکو حد حصر میں داخل نہ سمجھا اور نہ ممانعت فرمائی۔ بلکہ خود بھی زبان مبارک سے فرمایا۔

راحمہ اللہ خالد

حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک زبان اُنکا ذکر خیر سنا تو لہو و تمشیل یہ شعر پڑھا۔

والفینک بعد الموت تنذابی

میرے توشہ اور ماتم محتاج واجبی سے بھی محروم رکھا،

ہمیں اشارہ تھا کہ زندگی میں تو آپؐ اُن کے ساتھ بیخبری اور اعراض کا معاملہ کیا اور اب اُن کے اوصاف سننے اور بیان کرتے ہیں حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کا یہ فرمان جو عشرہ مبشرہ میں ایک فرد اور کامل و مکمل درجہ کے صحابی تمام روز سراسر شریعت واقف اور حکم و مصالح انتظامی کے محرم راز تھے۔

حضرت عمر کی ایمانی فراست اور دوزبانی دوراندیشی کو بخوبی جانتے اور سمجھتے تھے بطور اعتراض ہرگز نہ تھا بلکہ بطور مزاج اور خوش طبعی تھا حضرت عمر بھی اسکو اعتراض سمجھتے تھے۔ تاہم آپ نے حضرت خالد کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار کو مناسب سمجھا اور فرمایا۔

انی ما عتبت علی خالد الا فی تقدّمہ | (میں نے خالد پر سوا اس کے کسی بات پر غصہ نہیں کیا کہ وہ استقلال سے
وما کان یصنع فی المال | سے کا کر بیٹھتے تھے اور مال کو بھی اپنے اختیار سے صرف کرتے تھے)

فتوحات اسلام کی توسیع اور اسلام کی تقویت تائید میں حضرت خالد کی جگہ نہ شجاعت و بسالت اور فوق الفطرۃ شہادۃ و قوۃ کے حالات اکثر باخبر حضرات سے مخفی نہیں ہیں اور یہی کہ نقص عقل تجربہ ہے یہ حالات اُن کے ذاتی اوصاف و ملکات کی طرف منسوب ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جبکہ وہ خود ہادی برحق سے برسرِ مقابلہ ڈھال تلوار لئے ہوئے تھے انکی شجاعت کے کارنامے سب بھپٹوں سے فائق و برتر تھے اسلام نے انہیں ملکات و قویٰ میں ایمان کی تازہ روح پھونک دی تھی۔ اُنکے وہ ملکات جو دنیا اور جاہ و ریاست کی طلب و تقویٰ میں صرف ہوتے تھے اب تلوناتِ بشری سے معروضِ منسلخ ہو کر خدا کی راہ میں صرف ہونے لگے۔ یہ سب کچھ صحیح ہے اور اسکو اسی طرح مان لینا چاہئے۔ مگر حضرت خالد اپنی تمام تر کامیابیوں کو سوائے مبارک کی برکت کا ثمرہ سمجھتے تھے جو انکی کلاہیں ٹکے ہوئے تھے جسکو سر پر رکھ کر میدان کارزار پر نکلتے تھے۔ ایک بار میدانِ یرموک میں یہ کلاہ گم ہو گئی حضرت خالد کے قلق و اضطراب کی کوئی انتہاء بھی لوگوں کو اُسکی تلاش پر مامور کیا نہ ملی۔ تو پھر تائید کی کہ جس طرح ہو سکے تلاش کر کے لاؤ۔ خود بھی اسی جستجو میں براہِ گشت کرتے رہے۔ آخر مل گئی لوگوں نے اسقدر اضطراب اور فکر کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عمرہ میں فرقِ مبارک کے بال منڈائے لوگ اُنکے لئے دوڑے مگر میں نے سب سے آگے بڑھ کر لیلیہ اور اپنی ٹوپی میں کھ لیا۔ اسکا بعد جب کسی معرکہ میں شریک ہوا ہوں تو یہ ٹوپی میرے ساتھ ہی ہوا اور اُسکی برکت نصرت و فتح کے آثار نمایاں ہوتے رہے ہیں۔

یہ تھا صحابہ کا ایمانِ کامل اور اپنے ہادی کے ساتھ عقیدت و محبت کا حال۔ ایک شیرِ دل جاں ناز۔ مدبر و فرمانہ جس کی ساری عمر انہیں بہادریہ کاموں میں گزری ہو جو معرکائے جنگ و قتال کو چرخوں کے

کھیل سے زیادہ نہ سمجھتا ہو۔ نور ایمانی نے اُسکے دلیس حقائق اور ممکنات کے راز کو منکشف کر دیا اور اب کسی فعل کو اپنی ذات یا صفات کی طرف سے نہیں سمجھتا۔ اس زمانہ کے روشن خیال تو اسکو توہم پرستی یا غامیانہ عقیدت پر محمول کر سکتے ہیں۔ مگر حقیقت الامر یہی ہے جو وہ سمجھے اور ہر مومن کامل کو ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔ حضرت خالد کے قینوں ناموں کا حال مختصراً اس بیان میں آچکا ہے ہم اسوقت تکلی تاریخ لکھنے کے درپے نہیں ہیں درناور بھی کچھ حالات لکھ سکتے تھے۔ ہمارے اس بیان میں اُنکے دوبارہ مغزولی کے حالات بھی گذر چکے ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ اُنکی مغزولی کے اسباب کو تفصیل سے بیان کر کے ایک تنقیدی نظر دالیں جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اصل سبب اُس کا کیا تھا۔

حضرت خالد ایک دلیر اور جانا نر سپاہی تھے اور ایسے شخص سے بمقتضابر جرت بعض افعال ایسے بھی سرزد ہو جاتے ہیں جو بظاہر تدبر انجام بینی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت خالد معاملات حربہ کے اندر تدبیریں بھی آگے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ گذشتہ بیانات سے اس کا ثبوت مل چکا ہے۔ تاہم اُن سے بعض ایسے امور بھی صادر ہوئے۔ جو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا مبارک کے خلاف اور مصلحت اسلام کے منافی تھے سب سے پہلا واقعہ تو وہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف انکو بھیجا، انکو دعوت اسلام کیلئے بھیجا گیا تھا نہ مقابلہ کیلئے، لیکن وہاں پہنچکر مقتضابر حالات حضرت خالد نے بنی جذیمہ کے چند افراد کو قتل کر دیا جسکی خبر پہنچنے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

اللہم اِنی ابرء الیث مما صنع خالد | (اُمی میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں)

لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس اظہار ناراضی کے اُنکی اس حرکت کو غلطی رائے کے سوا کسی امر چرچول نہیں فرمایا۔ اور اسی وجہ سے اُنکو پھر بھی ایسی ہی اہم خدات کیلئے مامور فرماتے رہے۔ چنانچہ دومۃ الجندل کے نواب کید ابن عبد الملک کے مقابلہ کیلئے بھیجے گئے اور وہ اُسکو قید کر لائے اس طرح مخبران کی طرف قبیلہ نرج کی بدایت تبلیغ اور در صورت عدم اقیاد و تسلیم مقابلہ کیلئے بھیجے گئے۔ آپ ہاں گئے۔ اُن کو دعوت اسلام دی وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور آپ اُن کو..... ارکان اسلام کی تعلیم دینے کیلئے خود تو وہاں اقامت پذیر رہے۔ مگر ان حالات کی اطلاع تحریری جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

و سلم کی خدمت مبارک میں بھیج دی جس پر ارشاد صادر ہوا کہ خود معاً ان لوگوں کے جو آنا چاہیں یہاں حاضر ہو جائیں آپ ایک جماعت کو لیکر حاضر خدمت ہو گئے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برابر خدمات انجام دیں اور ہر ممکن سعی سے آپ کی رضا حاصل کرتے رہے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سب حالات پیش نظر تھے۔ ایک طرف آپ حضرت خالد کے جو ہر ذاتی سے واقف دوسری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد کا جو ان پر تھا حال جانتے تھے۔ بارگاہ رسالت پناہ سے جو خطابات ان کو عطا ہوئے تھے ان کا بھی علم تھا۔ اس لئے مسند خلافت حقہ پر ٹنکن ہوتے ہی صدیق اکبر نے بھی ہمات اسلامیہ کے سرانجام کیلئے ان پر اعتماد فرمایا۔ قتلہ ارتداد کا انسداد وسیلہ کذاب جیسے سخت اور قوی ترین دشمن اسلام کی سرکوبی ان کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔ مگر اس زمانہ میں بھی ان سے بعض امور ایسے سرزد ہوئے جن کی اگر صحیح تاویل نہ کی جاتی تو وہ مورد اعتراض بن سکتے تھے۔

مالک ابن نویرہ بھی انہیں لوگوں میں تھا جس نے خلافت صدیق اکبر میں قتلہ ارتداد کے انحصار لیا تھا حضرت خالد نے مختلف اقوام و قبائل کو سیدھا کرتے ہوئے موضع بطلح کی طرف جہاں مالک ابن نویرہ کا قیام تھا متوجہ کیا تو اب مالک کو فکر ہوئی۔ وہ اپنی حرکت پر نادم تھا اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے نصیحت کی اور کہا بہتر ہے کہ ہم اپنی حرکت کا تدارک کر کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ یہاں تو مشورہ کے بعد طے ہوا اُدھر حضرت خالد نے بطلح کی طرف بڑھنا چاہا تو انصار نے متابعی کے بدینہ جو جب انکار کیا کہ قبیلہ بنراخہ سے فراغت کے بعد ہکو بارگاہ خلافت سے یہ حکم ہے کہ تاصدر حکم ثانی اسی جگہ تعین ہیں حضرت خالد فرماتے تھے کہ اول تو مجھ کو پیش قدمی کی اجازت مل چکی ہو اور اگر اجازت بھی نہ ملتی اور میری رائے میں یہ امر مناسب ہوتا تب بھی مجھے کرنا چاہئے تھا ہکو وقت فرصت ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔

یہ واقعہ بھی انہیں امور میں دخل ہو سکتا ہی جو حضرت خالد قبضہ صلاحت وقت بلا استفسار اجازت اپنی رائے سے کر بیٹھتے تھے اور ایسے ہی امور کو حضرت عمر نے تقدم کے لفظ سے تعبیر کیا ہی۔

حضرت خالد تو روانہ ہو گئے۔ انصارِ اوّل تو رُکے لیکن بعد میں وہ بھی جا کر شریک ہو گئے مالک فی تحقیق اپنے خیالات کو ترک کر چکا تھا۔ ادھر سے حضرت خالد کا لشکر پہنچ گیا اور کچھ سوار مالک کو مع ہمراہیوں کے اسیر کر لائے جو رات کو حضرت خالد کے حکم سے قتل کر دیے گئے۔ مالک کے قتل کے بعد حضرت خالد نے اُسکی زوجہ سے نکاح کر لیا۔

ادھر تو مالک کا قتل اُدھر اُسکی زوجہ سے نکاح کر لینا یہ دونوں امر ایسے تھے جس پر اکثر صحابہ خیالات انکی طرف سے بدل گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ناراضی انتہا کو پہنچ گئی۔ آپ نے صدیق اکبر سے اُنکو مغرور کر دینے پر اصرار کیا۔ مگر صدیق اکبر نے حضرت خالد کے عذر اور تاویل کو صحیح مان کر مغروری سے انکار فرمادیا اور یہ فرمایا میں اُس تلوار کو نوکر میان میں کر دوں جسکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعداءِ اسلام کیلئے میان سے نکالا ہے۔

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی وقت سے وفات تک تمام زمانہ سفر و نشی و جان نشاری میں دُعا اُن سے ایسے سرزد ہوئے تھے جنہیں وہ مہتمم ہو کر قابل غزل سمجھ جاسکتے تھے۔ ایک بنی حنیہ کا قتل جو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا جس پر آپ نے اظہارِ ناراضگی بھی فرمایا۔ اور اسی واقعہ کی وجہ سے اُن میں اور حضرت عبدالرحمن بن عوف میں تیرکلامی اور مناقشہ بھی ہوا جسکی تفصیل گذر چکی ہے دوسرا یہ واقعہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیش آیا۔ اول واقعہ میں تو اُن پر یہ گمان ہو سکتا تھا کہ اُنہوں نے بنی حنیہ کو اپنے چچا فاکہ ابن المغیرہ کے عوض قتل کیا ہے اور دوسرے میں یہ گمان ہو سکتا تھا کہ مالک ابن نویرہ کو معرقتھار کے اس وجہ سے قتل کر دیا کہ اُسکی حسین و جمیل بیوی سے نکاح کرنا تھا اور وہ دونوں باتیں ایسی سخت تھیں کہ اُن سے کسی طرح درگزر نہ ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں واقعوں میں جبروتِ انصار نے اُنکا ساتھ دیا بلکہ بجز طبعیٹے۔ مگر باوجودیکہ یہ دونوں فعل نہایت ہی ناگوار تھے اور وہ عمداً نہیں اغراض کی تحصیل کیلئے کئے جاتے جبکہ ظاہر گمان ہو سکتا تھا صادر ہوتے تو اُن سے کسی طرح درگزر نہ کیا جاتا۔ مگر حضرت خالد نے جو کچھ کیا اُس میں انکی غرض کو ہرگز دخل نہ تھا۔ بنی حنیہ کا قتل صرف اسوجہ سے ہوا کہ اُنہوں نے اپنے اسلام کو ایسے الفاظ میں ظاہر کیا جن سے مغرور ہوتا تھا کہ وہ اسلام سے پھر گئے۔

ایسی حالت میں اُن کا قتل جائز تھا۔ ہاں توقف اور تامل کیا جانا اُن سے اُنکے مطلب کی توضیح کرنی چاہی تو بہتر اور مقتضی احتیاط تھا یہی وجہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ اُنکے اس فعل سے براءت ظاہر فرمائی مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بہت سامان ہیکر سارے قبیلہ کا خون بہا اور نقصان مال ادا کیا۔ مگر حضرت خالد کو بھی معذور سمجھا۔

اور گو اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ظاہری صحت سے بہت ہی متاثر حضرت خالد سے ناخوش و کبیدہ تھے۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شناس نظر میں ایک جانب تو حضرت خالد کا عذر صحیح تھا دوسری جانب وہ خدات اسلام بھی پیش نظر تھیں جو اُنکے ہاتھ سے سرانجام ہونے والی تھیں۔

مالک ابن نویرہ اور اُسکے رفقاء کا قتل عدا نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت خالد نے حکم دیا تھا کہ اُن کو سڑی سے محفوظ کر دیا جائے لغت اور زبان کے فرق سے غلط فہمی ہوئی اور وہ قتل کر دئے گئے قتل ہونیکے بعد ہر مسلمان کو جائز تھا کہ مقتول کی زوجہ سے عقد نکاح کر لے مقتضی احتیاط یہ ضرور تھا کہ موضع تم سے بچنے کیلئے حضرت خالد ایسا نہ کرتے۔ مگر لیا تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مالک کو قتل ہی اس وجہ سے کرایا تھا۔ ظاہری صورت ایسی تھی کہ صحابہ جیسے پختہ کار شریعت و احکام اسلام پر مٹے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اسلام کا فرض اولین سمجھنے والے کیونکر اسکو ٹھڈے دل سے دیکھ سکتے تھے خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہم جن کی شان و اشدھمہ فی امر اللہ عمر (خدا کے کام میں سب سے زیادہ پختہ اور مضبوط عمر ہیں) اُتنی کیسے سکوت کر سکتے تھے۔ اُنکے معزول کر دینے پر اسرار کیا۔ مگر بارگاہ خلافت میں یہ درخواست منظور نہ ہوئی۔ حضرت خالد کے عذر تسلیم کر لئے گئے اور اُنکو اُسکے پیغمبر اہم مہمات اسلام کی سرانجامی کا عظیم الشان کام سپرد کیا گیا۔ اس معاملہ میں صدیق اکبر نے وہی طریقہ اختیار فرمایا جو اسی قسم کے ایک واقعہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار فرما چکے تھے حضرت عمرؓ نے گو اُس سے اختلاف کیا اور مقتضی اسباب فتنہ دانش و تدبیر و سیاست انتظام تھا۔ مگر جب صدیق اکبر کی رائے کو ایک جانب استوار و محکم دیکھا تو سوار سکو

و تسلیم چارہ نہ تھا۔

یہ حالات تو زمانہ رسالت مآبؐ زمانہ خلافت صدیق اکبرؓ کے تھے جس کے دیکھنا اور سمجھنے صاف ظاہر ہے کہ گو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت عمرؓ کو ان کے یہ افعال کھلے۔ مگر ان کی وجہ سے خباہت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے نزدیک وہ قابل غزل نہ سمجھے گئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں ان کو مغزول کیا اور اس کی اصل وجہ کیا تھی۔

ہم آئے سابق بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو دوبار مغزول کیا۔ اور تہہ منہ خلافت پر لیکن ہونے ہی جبکہ حضرت خالد میدان یرموک میں اپنے سے مضاعف مضاعف دشمن سے یرموک مقابلہ ترتیب صفوف اور حملہ کی تیاری میں مصروف تھے دوسری مرتبہ جبکہ حضرت خالد نے اس مغزولی کو ٹھنڈے دل سے قبول کر کے وہ نمایاں خدات انجام دیں کہ حضرت عمرؓ کو بھی ان کی شاندار کارنامے دیکھ کر اقر خلافت اللہ ابابکرؓ ہو کاں اعلیٰ والو حال صبی فرمانا پڑا۔

اول مغزولی کی جس قوم ہی واقعات ہو سکتے ہیں۔ جو ان سے زمانہ خلافت صدیق اکبرؓ میں پیش آئے دوسری مغزولی اور میدان کارندار سے یک تخت طلب کر کے مینے منورہ بلا لینے۔ اسلامی عسکر کو ایک ایسے جری۔ مدبر۔ صاحب فراست۔ جانباز کی خدمات سے محروم کر دینے کے وجوہ ہی واقعات ہو سکتے ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے یعنی شاعر کو انعام دینا وغیرہ۔ لیکن کیا حقیقت میں بھی یہی وجوہ مغزولی کی تھیں۔ یہ امر غور طلب اور قابل تحقیق ہے۔

آس بارہ میں اول تو ہم کو واقعات کی حقیقت صدیق اکبرؓ کی رائے اور حضرت عمرؓ کی شان کو دیکھنا چاہئے اور پھر خود حضرت عمرؓ کے اقوال کو پیش نظر رکھ کر نتیجہ نکالنا چاہئے۔

قابل الزام واقعات اور ان کے باوصف حضرت صدیق کی رائے مبارک کا حال معلوم ہو چکا ہے اور حضرت عمرؓ کی شان انقیاد الحق اور انخلاع از شوائب نفسانیت کا حال بھی معلوم ہو۔

اکثر مورخین اسلام نے واقعات غزل کو بترتیب حالات نقل کر دینے پر قناعت کی ہے اور زمانہ حال کے تاریخ نویسوں کا میلان یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزل کے اصلی وجوہ یہی واقعات ہیں جو حضرت خالدؓ

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا زمانہ خلافت صدیقی یا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئے لیکن میرے خیال میں اس کا فیصلہ کرنا زیادہ غور و فکر کا تقاضا ہے اور مجھے قبل اسکے کہ اس معاملہ میں اپنی خیال کا اظہار کروں بطور تہیہ چند امور کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) مقررین اور کامل افراد سے بھی نفرش ہو جاتی ہے اور ایسے امور جو بظاہر قابل گرفت ہوتے ہیں سرزد ہو جاتے ہیں اور اُن سے مدگذر اور عفو بھی ہوتا ہے۔ اُن کی تاویل حسن بھی کی جاتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو کوئی فرد بھی ایسا نہ نکلے گا جس پر عتما و کیا جاسکے۔ اور اس کے خدمات دین کی سرانجامی کا اہل سمجھا جائے گا نفرتوں میں باعتبار صد رتائیر و باعتبار شذوذ و تکرار فرق ہوتا ہے کبھی ایک نفرتش و خطا کے اسباب صد وراہے ہوتے ہیں جنکی وجہ سے اُس شخص کی معذوری ظاہر ہوتی ہے اور وہ شخص باوجود اس تقصیر کے مدود و مستعوب اُنکی نہیں بنتا اور کبھی اُس کے اسباب علامات ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکی وجہ سے اُس شخص کے بارہ میں آرا کا اختلاف ہو جاتا ہے کوئی اُسکو معذور سمجھتا ہے تو دوسرا مستہم۔

علیٰ ہذا ایک بار کسی نفرتش کا صدور ہو جانا اس قدر قابل گرفت نہیں ہوتا جتنا بار بار اسی قسم کی خطاؤں و نفرتوں کا۔ اسرار سے گناہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے اور ندامت و پشیمانی کے بعد کبیرہ بھی ہلکا بنکر قابل عفو ہو جاتا ہے۔

(۲) کسی ایک معاملہ میں جو اپنے اندر دونوں پہلوؤں منفعت و مضرت کیلئے ہوتا ہے مجتہدین کی رائے میں اس وجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے کہ ایک مجتہد کو ایک جانب پیش نظر ہوتی ہے اور دوسرے کو دوسری جانب احکام فقہیہ میں مجتہدین امت کے اختلاف کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ایک کی نظر غریمیت پر ہوتی اور دوسرے کی خصیت پر یہ و سرائر یہ کہ عند اللہ کسی معاملہ میں غریمیت کو ترجیح ہو اور کسی میں خصیت کو۔

(۳) احکام اجتہاد میں ایک مجتہد کو دوسرے کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ اگرچہ مجتہدین کے درجات اجتہاد و قور علم۔ دفعہ نظر میں فرق ہو۔ مگر ہر ایک مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حنین امام اعظم سے۔ امام شافعی امام مالک سے۔ امام احمد شافعی سے علی ہدایہ سب مجتہدین امام اعظم سے کسی مسئلہ میں اختلاف نہ کرے۔

(۴۷) ایک حکم کی بہت سی علتیں اور ایک واقعہ کے بہت سے سبب ہو سکتے ہیں اور اس حکم کو مستقلاً ایک علت و سبب کی طرف منسوب کرنا جائز ہوتا ہے۔ گو حکم لگانے والے کے علم میں یہ فرق ملحوظ ہو کہ ان سبب و علتوں اور اسباب میں باعتبار تاثیر کیا فرق ہے وہ اس حکم ظاہری اور حقیقی علت میں فرق سمجھتا ہو۔ مگر اسکو بصاحت و قوت اور مبادیبت مخاطب یا اختیار ہر ایک اس حکم کو کبھی ظاہری علت کی طرف منسوب کر کے اور کبھی حقیقی کی طرف کبھی ایک سبب کو بیان کر دے کبھی دوسرے کو۔

جب یہ امور مہد ہو چکے تو اب سنئے کہ حضرت خالد کی عظمت شان۔ جلالتِ قدر۔ کمالِ تقویٰ و تدبیر۔ بے انتہا شجاعت و بسالت۔ اعلیٰ تدبیر و فراست تو ایسے تسلیم شدہ ہیں کہ کوئی شخص اُن سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اُن سے کسی لغزش کا سرزد ہو جانا مستبعد نہیں اور نہ اُن کے درجہ کو گھٹانا ہے اگر کسی سے اچھا ناگسی لغزش کا سرزد ہو جانا مرتبے سے گرا دینے کیلئے کافی ہو تو اب ہر شخص مشکل ہو جائیگی خصوصاً ایسی لغزشوں سے جن کا تعلق خط و ناسخانیہ سے ہو ملکہ رائے و تدبیر یا فہم و ادبی ہو۔ حضرت خالد سے بھی بعض ایسے امور صادر ہوئے جن کا تعلق ظاہر اور رائے و اجتہاد سے تھا۔ لیکن اُن میں گنجائش سوطن کی بھی تھی۔ سب سے پہلی بات تو بنی جذیمہ کے قتل کی تھی حضرت خالد تو فرما تھے کہ میں نے اُنکو مسلمان سمجھ کر قتل نہیں کیا۔ بلکہ اُنہوں نے صبا نا کہا تھا جس کے صاف معنی دین سے پھر جانیکے تھے۔ گو اُن کی مراد یہ ہو کہ ہم اپنے دین سابقیت پرستی و شرک سے پھر کر دین اسلام کا داخل ہو گئے مگر عرف عام کے مطابق اُس کے معنی دین حق سے پھر جانیکے تھے چنانچہ کلام مجید میں بھی صائبین کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہے۔ صحابہ میں سے بعض بڑے درجے کے افراد کا بھی اُس طرف گیا کہ اُنہوں نے اپنے خط نفس کی وجہ سے اُن کو قتل کیا۔ اور لفظ صبا نا کو اس کا بہا بنایا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اُن پر یہ الزام لگایا کہ تم نے اپنے چچا فاکہ ابن المغیرہ کے قصاص میں قتل کر کے دیرینہ عداوت نکالی ہے۔ حضرت خالد کا عذر بالکل صحیح تھا۔ اور منشاء اُنکے اس فعل کا ہرگز وہ اثر نہ تھا جس کی جانب حضرت عبدالرحمن بن عوف کا خیال بجورع ہوا ہی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے عذر کو تو تسلیم فرمایا مگر دینی جزیرہ جو فی الحقیقت

مسلمان ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے بوجہ غلطی رائے کے قتل ہوئے تھے میت المال سے اُن کا
خون بہا حطاً فرما دیا۔ ادھر حضرت خالد کی یہ پہلی بات تھی۔ اور ایک نمبر دائرِ شخص سے جو دین کی اتناعت
کیلئے نکلا ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا کام جس کے سپرد ہو ایسے امور کا پیش آ جانا کچھ
مستبعد نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس موقع پر حضرت خالد کا خیال صحیح نکلتا۔ اور اُن کو اس حالت میں کہ
بنی جذبیہ شہر شری اور جنگجو قبیلہ تھا۔ امن دیکر مسلمانوں میں غلط فہمی کی اجازت دیدی جاتی۔ تو
ممکن تھا کہ مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جاتا۔ اور اُس کے ساتھ ہی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کو وہ فتوحات اسلام میں بھی پیش نظر تھیں جو اُن کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئی ہوتی تھیں۔ اس لئے
آپ نے اس سے بالکل درگزر فرمایا۔ اُن پر کسی قسم کا عتاب نہیں فرمایا۔ اور وہ ایسی ہی خداتِ دین کے
سرخجامی پر مامور رہے۔ لیکن چونکہ اس واقعہ میں وہ احتمال بھی تھا جسکی جانب حضرت عبدالرحمن کا
خیال گیا۔ کیونکہ حضرت خالد کے چچا بنی جذبیہ کے ہاتھ سے قتل ضرور ہوئے تھے اور کم از کم اتنا ضرور
تھا کہ حضرت خالد نے اُن کے قتل کرنے میں عجلت کی۔ اگر اُن سے مکر استفسار کر لیا جاتا تو ممکن تھا
کہ وہ اپنے مطلب کو وضاحت سے بیان کر سکتے جس سے اُن کے حقیقتاً مسلمان ہونے پر اعتماد ہو جاتا
اور اس طرح وہ قتل سے اور حضرت خالد شائبہ تمسک محفوظ ہو جاتے۔ اس لئے جنابِ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانب تو درگاہِ خداوندی میں حضرت خالد کے فعل سے اپنی برارت
ظاہر فرمائی اور دوسری جانب حضرت عبدالرحمن ابن عوف پر عتاب نہیں فرمایا کہ تم ایک مسلمان کے
سورطن کیوں کرتے اور ایک بری کو شتم کیوں بناتے ہو۔ بلکہ جب دونوں میں تیز کلامی ہوئی تو
خالد ہی کو مہلایا خالد دع عنہ اصحابی فرما کر گفتگو سے روک دیا اور حضرت عبدالرحمن
کے ادب و احترام کو قائم رکھنے کا حکم دیا۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ واقعہ بالکل
نیسا منیا ہو گیا۔ صحابہ کی ایک جماعت بالخصوص وہ ہاجرین انصار جو باوجود حضرت خالد
زیرِ کمان ہونے کے بنی جذبیہ کے قتل میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ اس فعل کو مکروہ و قابلِ عتاب
سمجھتے تھے ابتداءً اس واقعہ کی وجہ سے ناراض ضرور تھے۔ مگر اب ہر کسے دل صاف ہو گئے تھے۔

اس معاملہ میں اُن سے جواب طلب کیا تو واقعی حال عرض کر دیا۔ آپ نے اُن کے عذر مقبول کو تسلیم فرمالیا اور کسی قسم کا عتاب کئے بغیر اُن کو عزل پر اسرار فرمایا۔ تو فرمادیا اُن سے اُلک جتہادی غلطی ہوئی تھی میں اُس نیکار کو کیونکر میان میں کر دوں جس کو جناب سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعدا و دین کیلئے میان سے نکالا ہو۔ صدیق اکبر و فاروق اعظم میں یہ اختلاف رائے مجاہدین کا اختلاف تھا۔ حضرت صدیق اکبر کو ایک پہلو سر سنجامی خدمات انجام پیش نظر تھا اور آپ خیال فرماتے تھے کہ احیائی و اتفاقی لغزش جس کا وقوع مواقع حرب میں مدبرین سے بالکل ممکن ہے اُسکی بنا پر اُن کی اعلیٰ قابلیت سے کیوں چشم پوشی کی جائے۔ اور آپ کا یہ فیصلہ بالکل جناب سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ آپ کی دور بین نظر میں وہی حالات تھے جن کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے واقعہ میں حضرت خالد سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی تھی اور فاروق اعظم کو دوسرے پہلو پیش نظر تھے تیسری بات حضرت خالد سے یہ پیش آئی کہ مقام رضیح میں قبیلہ بذیل سے اُن کا مقابلہ ہوا تو دو مسلمان شخص عبد الغری ابن ابی ہم اور لبید ابن جریر جو باوجود مسلمان ہونیکے بذیل کے جبر سے اُنکے ساتھ شریک ہو گئے تھے قتل ہو گئے حضرت صدیق اکبر کو اُنکے قتل کی خبر پہنچی تو اُنکے ورنہ کوایت دی یہ واقعہ فی الحقیقت کچھ زیادہ اہم نہ تھا۔ کیونکہ دو مسلمان اگرچہ مجبوری ہی سہی کفار کے ساتھ تھے مخلوط جماعت میں اُن کی حفاظت سہل بات نہ تھی۔ مگر حضرت عمر کو واقعہ قتل مالک کی ناخوشی باقی تھی۔ اس واقعہ نے بے احتیاطی کے الزام کو جو سابقہ دو واقعوں میں حضرت خالد پر لگ چکا تھا تازہ کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر نے اُس وقت بھی یہ فرما کر جو شخص دشمنوں سے مقابلہ کرتا ہے اُس کو ایسے واقعات سے ضرور سابقہ پڑتا ہے۔ قصہ دفع دفع ہو گیا۔

حضرت صدیق اکبر کا یہ ارشاد بالکل صحیح تھا حضرت خالد اس معاملہ میں بالکل معذور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے کی طرح حضرت عمر نے بھی اُن کے عزل پر اصرار نہیں فرمایا۔

خلافت صدیقی ختم ہونیکے بعد خلافت فاروقی کا زمانہ آیا۔ اُس وقت حضرت خالد علی ق

میں نمایاں فتوحات کا سلسلہ قائم کر کے ملک شام کے میدان یرموک میں عساکر اسلامیہ کی کمان اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے عظیم الشان جنگ کی تیاری میں مشغول تھے۔ اور اسی حالت میں اُنکے پاس معزولی کا حکم بارگاہ فاروق اعظم سے آیا۔ اختلافِ روایت میں اُس وقت جبکہ بحیثیت سپہ سالار اعظم دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے داؤد جابازی سے پہلے تھے۔ ایک اور بھی روایت ہے کہ معرکہ یرموک کا محاصرہ دمشق کے درمیانی زمانہ میں غزل کا واقعہ ہوا۔ اور میرتب خیال میں باعتبارِ درایت یہ جانب قوی معلوم ہونی ہے کہ اُن کی اول معزولی محاصرہ دمشق کے وقت ہوئی کیونکہ اس معزولی کا جہان شک تو اسلحہ سے ہم کو ثابت ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ وہ قیادت عامہ سے معزول کئے گئے۔ اگر وہ اس طرح معزول کئے جاتے کہ کسی حصہ فوج کے قاعد بھی نہ رکھے جائیں تو حضرت ابو عبیدہ اس حکم کی خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے جس طرح معزولی ثانی کے بعد ہر قسم کی افسری سے معزول ہوئے تھے۔ اب بھی کسی دستہ فوج کی کمان اُنکے سپرد نہ رہتی حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ جس طرح حضرت عمرو بن العاص۔ شرجیل بن حسنہ۔ زید بن ابی سفیان وغیرہ علیحدہ علیحدہ جیوش کے مستقل سپہ سالار تھے۔ اسی طرح حضرت خالد بھی ایک مستقل جیش کے امیر عسکر تھے۔ فتح بیت المقدس کے وقت جب فاروق اعظم خود تشریف لائے اور یہ حکم دیا کہ امراء عساکر ہم سے مقامِ جاہلیہ ملاقات کریں تو منجملہ امراء عساکر حضرت خالد بھی تھے اور حضرت خالد کی قیادت عامہ کی ابتداء معرکہ یرموک میں بھی عین اُس دوزوئی جبکہ تمام عساکر اسلامیہ نے مجتمع ہو کر رومی عساکر پر حملہ کر کے اُن کو خندقوں سے نکالنا چاہا تھا۔ ابھی تک اُنکی قیادت عامہ تسلیم نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ تجویز یہ ہوئی تھی کہ باری باری ہر امیر عسکر قاعدہ عام بنایا جائے۔ پھر جبکہ بارگاہ خلافت سے اُن کی قیادت عامہ کی بابت کوئی حکم صادر نہیں ہوا تھا۔ امراء عساکر نے ابھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ تجویز میں کوئی خصوصیت حضرت خالد کی نہ تھی۔ تھی تو صرف اس قدر کہ اول و کل افواج کی کمان اُنکے ہاتھ میں رہی گئی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اُس غیر تسلیم قیادت عامہ کی خبر نہ منور پہنچ بھی جاتی۔ اور وہاں سے عین معرکہ میں اُنکے عزل کا حکم بھی صادر ہو جاتا۔ ہاں یہ بات بالکل ممکن اور قرین قیاس

ہو کہ معرکہ یرموک میں گو یہ تجویز کوئی تھی کہ ہمارے عسکر باری باری ایک ایک دن کل افواج کی کمان کرے مگر اول ہی دن کی قیادت عامہ کے نتائج کو دیکھ کر کچھ کسی امیر عسکر نے اس کو پسند نہ کیا کہ موافق تجویز سابق کوئی دوسرا قاعد عام بنایا جائے اور اس طرح معرکہ یرموک انکی قیادت عامہ میں انجام کو پہنچا اور اسکے بعد دوسرے معرکوں میں بھی بحیثیت قائد عام کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ باضابطہ بھی جلیل القدر عہدہ ان کیسے تسلیم ہو گیا۔ اور اول مرتبہ فاروق اعظم نے اسی قیادت عامہ سے ان کو معزول فرمایا۔

یہ ایک ضمنی بحث تھی جس کو ہم نے اس وجہ سے لکھا ہے کہ روایات میں اختلاف ہو اور مؤرخین نے ان واقعات کے جمع کرنے پر کفایت کی ہے۔ ترتیب کی بابت کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ البتہ زمانہ حال کے مصنف علامہ رفیق بک عظیم نے اشہر مشاہیر اسلام میں اسکو ترجیح دی ہے کہ انکی پہلی معزولی محاصرہ دمشق کے وقت ہوئی مگر وجوہ ترجیح کو تفصیل کیساتھ انہوں نے بھی بیان نہیں کیا۔ اس ضمنی بحث سے فراغت کے بعد ہم اصل مدعا کی طرف عود کرتے ہیں

یہ بات تو کھلی ہوئی ہے کہ حضرت عمرؓ جو چند در چند حضرت خالد سے ناخوش تھے آپ کے خیال میں حضرت خالد کے اندر ایک قسم کی تعجیل بھی تھی جس کے نتائج چند واقعات میں ظاہر بھی ہو چکے تھے۔ اور ساتھ ہی ایک قسم کا استقلال رائے بھی تھا کہ بہت سے معاملات میں بلا انتظار حکمت خلافت اپنی مستقل رائے سے کام کر بیٹھتے تھے۔ اس ناخوشی کا علم صدیق اکبرؓ تمام صحابہ اور امراء عساکر اسلامیہ کو تھا۔ چنانچہ مثنی ابن حارثہ جو حضرت خالد کے بعد عساکر عراقیہ کے سپہ سالار اعظم تھے اور جن کے ہاتھ پر عراق کا حصہ کثیر فتح ہو کر مسلمانوں کا سکھ بٹھا تھا۔ مدینہ منورہ صدیق اکبرؓ کے حضور میں بیا عرض حاضر ہوئے کہ حالات واقعات ملک عراق معرکہ قتال زبانی عرض کر کے یہ درخواست کریں کہ مرتدین عرب کے ان افراد کو جن کے صدق و اخلاص خالص بے لوث توبہ کا ثبوت مل چکا ہے اور وہ اس وجہ سے کہ صدیق اکبرؓ نے مرتدین کے بارہ میں یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ عساکر اسلامیہ میں شریک کر کے دشمنان دین کے مقابلہ کیلئے نہ بھیجائیں۔ اب تک داخل عساکر نہیں ہوئے تھے۔

معرکہ کے قاتل ہو، شرکت کی اجازت دی جائے کیونکہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان میں جو شخص
 حمیت اسلام کی آگ بھری ہوتی ہے اور وہ نہایت ذوق و شوق سے مجاہدین کے ساتھ ہو کر لڑتا
 رہتا ہو تو آپ ایسے وقت مدینہ منورہ پہنچے کہ صدیق اکبر جوہ کی آخر منزل طے کر کے
 سفر آخرت کے تہیتہ میں تھے۔ مگر اسی حالت میں صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو بدیں الفضا
 وصیت فرمائی۔

انی لہرحوان اموت یومی ہذا ۱۱ فاذا مت فلا تقسمین حتی تنادیا لناس مع
 المثلثی ولا تشغلکم مصیبتہ عن امر دینکم ووصیۃ ربکم فقد رایتہ متوفی رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم ما صنعت وما اصیب الخلق بمثلہ واذا فقم اللہ علی اہل
 الشام فلم ید اہل العراق الی العراق فانضموا ہذا ولو انہ اہل الجراءۃ علیہم
 مجھے امید ہے کہ میری وفات آج ہی ہوگی۔ میری وفات کے بعد شام ہونے سے پہلے لوگوں کو
 مشن کے ساتھ جانیکے لئے تیار کر دینا۔ کوئی مصیبت تم کو دین کے معاملات اور خداوند عالم کے
 احکام کی تعمیل سے مشغول نہ کرے۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ علیہ وسلم کی
 وفات کی وقت کیا کیا۔ حالانکہ مخلوق پر اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی ہے۔ پھر
 جب خدا تعالیٰ ملک شام کو فتح کر دے تو اہل عراق کو درودہ امدادی لشکر جو عراق سے حضرت
 خالد کے زیرِ کمان عساکر شامیہ کی امداد کیلئے بھیجا گیا تھا، عراق میں واپس کر دینا۔ کیونکہ کفار عراق
 پر جبری اور وہاں کے لائق وہی ہیں۔

فاروق اعظم نے صدیق اکبر کے دفن سے فراغت پا کر لوگوں کو مشن کے لشکر میں شریک
 ہونیکے لئے آمادہ کیا اور فرمایا۔ قد علوا بوجہ انہ لیسوء فی ان او مر خالد افلہذا امر
 ان ارد اصحاب خالد او ترک ذکرہ معہ۔

ابو بکر صدیق کو معلوم ہے کہ میں خالد کے امیر بنانے کو ناپسند کرتا ہوں۔ اسی لئے آپنے خالد کے

لشکر کو عراق واپس کرنے کا حکم تو دیا۔ مگر خالد کا ذکر نہیں فرمایا۔

فائدہ حضرت صدیق اکبر اپنی وفات کی خبر ان الفاظ میں دیتے ہیں انی لا بدو میں اُمید کرتا ہوں) یہ نہیں فرماتے انی لا خشی انی لا خفاف (مجھے اندیشہ ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا قلب شوق لقاء اللہ و حضوری دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر معمور تھا کہ ایک لمحہ بھی دلدنیا میں قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اُس وقت کے انتظار میں امید کی گھڑیاں گن رہے تھے۔

یہ ہے شان صدیق اکبر کی اور یہی ہے مضمون حدیث شریف من احب لقاء اللہ حب اللہ لقاءہ (جو شخص خدا کی ملاقات کو جو بعد موت حاصل ہوتی ہے) دوست رکھتا ہے خدا تعالیٰ بھی اُسکی لقاء کو محبوب سمجھتا ہے) لیکن اس حالت بعد و شوق میں کہ ایک منٹ دنیا میں رہنا گوارا نہ تھا۔ اور اس حالت بعد میں اپنی جسمانی تکالیف کی طرف بھی مطلق التفات نہ تھا۔ دین کی فضا اس قدر غالب تھی کہ آخر دم تک اُسی میں انماک رہا۔ وہی فکر سب فکروں سے غالب تھا۔ مومن کی شان یہی ہونی چاہئے کہ سرور و حزن۔ فراخی و تنگی۔ ترقی و تنزلی۔ صحت و مرض۔ سب حالتوں میں دین کا خیال غالب رہے۔ اُسی کا استحکام ہمیشہ نظر ہے کوئی خیال اُس پر غلبہ آئے غم دین خور کہ غم عنہم دین بہت ہمہ غماں فراتر از دین است

حاصل یہ کہ حضرت عمر کی ناخوشی حضرت خالد سے ظاہر و باہر تھی۔ اُسی حالت میں اس مغربی کو سجز اُس ناخوشی کے کسی اور سبب پر محمول کرنا مشکل ہے۔ اور اسی وجہ سے مؤرخین اس غل کو ثمرۃ کبیدیگی سابق بتلاتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہی تو کچھ جائے اعتراض بھی نہیں کیونکہ حضرت خالد سے بعض ایسے امور سرزد ہوئے تھے جن سے عام ناخوشی پھیلنے کے ساتھ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجود حضرت خالد کے عذر کو تسلیم فرمائے اور اُن کو معذور سمجھنے کے عند اللہ اپنی برارت اُس فعل سے برارت کرنے کی نوبت آئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ بات ناپسندیدہ تھی ہاں چونکہ حضرت خالد نے عماً نہیں کیا تھا۔ اس لئے وہ بھی معذور تھے اور صدیق اکبر کے نزدیک بھی وہ امور جو باعث کبیدیگی فاروق اعظم تھے ضرور قابل گرفت تھے چنانچہ اُن کی

استقلال رائے تعجل و جرات کو کہ اسلامی عساکر کو بلا سزا چھوڑ کر خفیہ طرح حج کرائے ناپسند فرمایا۔ اور اس طرح تنبیہ فرمائی کہ قیادۂ عامہ عراق سے مغزول کر کے ایک دستہ فوج کے ہمراہ شام جائیکا حکم دیا۔

اور اگرچہ بارگاہِ صدیق اکبر سے برخلاف رائے فاروق اعظم حضرت خالد کی امارت عساکر پر برقرار رکھنے کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا اور اس وجہ سے شاید کسی کو ظمان پیدا ہو کہ حضرت فاروق نے اُس حتمی فیصلہ کو کیسے مسترد فرمایا۔ مگر پھر بھی یہ بات قابلِ اعتراض نہیں۔ اول تو صدیق اکبر فاروق اعظم دونوں مجتہد مستقل تھے۔ اور ہر ایک کی رائے واجتہاد کیلئے وجہ وجہ موجود تھی۔ زمانہ خلافت صدیقی میں حضرت عمر کا درجہ زیرِ اعظم کا تھا۔ اُن کا فرض تھا کہ حکمائے خلافت کے سامنے گردن جھکا دیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا اسلئے جب وہ مستقل خلیفہ ہوئے تو اُن کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ضروری ہو گیا۔ علاوہ بریں ایک حکم جو کسی وقت صادر ہوتا ہے یہ ضرور نہیں کہ ہمیشہ کیلئے باقی رہے۔ ممکن ہے کہ صدیق اکبر جنہوں نے باوجود اصرارِ فاروق اعظم حضرت خالد کو مغزول نہیں کیا تھا کسی دوسرے وقت اُن امور کی بنا پر جو لوگوں کی نظریں کھٹکتے تھے یا کسی اور غایہ و دقیق مصالحت کی بنا پر مغزول کر دیتے۔

مگر میرے خیال میں عزلِ اول کی وجہ صرف یہی ناخوشی و کبیدگی نہ تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو تصریح فرما دیتے کہ کسی ایک دستہ کی کمان بھی اُن کے سپرد نہ کی جائے۔ ظاہر ہو کہ امینِ الامت پہلے ہی سے ایک حبیش کے امیر عسکر تھے۔ اُن کا تقرر امارتِ عسکر پر اب جدید نہ تھا۔ جو یوں خیال کیا جاتا کہ حضرت خالد کے دستہ کی امارت اُن کو دی گئی ہے بلکہ اُن کو قائم کر نیکیہ یعنی شے کہ قیادت عامہ جو حسبِ تسلیم امرا و جناد و تسلیم خلیفہ ارشدان کے سپرد ہے وہ اُن سے لیکر امینِ الامت کو دیدیجائے اور جب امارتِ عسکر پر وہ قائم رکھی گئی تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ فقط اس ناخوشی کی بنا پر مغزول کئے گئے۔ کیونکہ وہ امور تو ایسے نہیں تھے کہ اُن کے بعد کسی قسم کی افسری پر وہ قائم رہ سکتے زمانہ صدیق اکبر میں تو اُن امور کی وجہ سے اُن کی کلیتہً ہر قسم کی افسری سے مغزول کرنے کا اصرار فرمائیں اور اب

امارت عسکر پر قائم رکھیں۔ فاروق اعظم جیسے شدید فی امر اللہ سے تو ایسی مدافعت کی توقع کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ اور یہ خیال کہ آپؐ تو ان کو مطلقاً مغرول فرما دیا تھا۔ مگر امین الماتہ نے ایک حبش کی کمان اُن کے ہاتھ میں دیدی۔ کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ وہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ صحابہ خلیفہ راشد کے حکم کو مغرول سلاطین کا حکم سمجھ کر اُسکے خلاف کو جائز سمجھتے۔ حالانکہ سلاطین دنیا کے احکام کی خلاف بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اور جب یہ بات ہو تو ہر مسلمان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مغرولی کی وجہ فقط وہی سابق امور نہ تھے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا اثر اور دخل اس مغرولی میں ضرور تھا۔ لیکن اُن کے ساتھ وہ پہلو بھی جو حضرت صدیق اکبرؓ کے پیش نظر تھا۔ اور حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار کے بھی غل سے ملنے تھا۔ متشکل ہو کر سامنے آگیا تھا۔ یعنی ادھر تو حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے فتوحات عراق کی بنیاد حکم ہو چکی تھی اور ہشامؓ کے عظیم ترین معرکوں کا انجام انہیں کی تدابیر حربؓ جانیازی کا نتیجہ تھا۔ بڑے بڑے شہر و قلعے اہم مقامات انہیں کے ہاتھ سے فتح ہوئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جہاں اُنکی عظیم الشان فتوحات اور نمایاں کارنامے ملاحظہ فرمائے اُسکے ساتھ ہی کچھ یہ بھی احساس ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب میں اُنکی عظمت و عزت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ ان تمام فتوحات اور اسلام کی بسیرت تمام ترقیات کو حضرت خالدؓ کی جدوجہد اُنکی تدبیر و فراست۔ شجاعت و بہادرت کا نتیجہ سمجھنے لگے ہیں جس سے آپکو یہ اندیشہ ہوا کہ خاص افراد و جلیل القدر صحابہ پر تو کچھ اثر ہونا مستعد ہو مگر عوام اور بالخصوص جدید الاسلام افراد اور اسی طرح قرون البعد میں اگر یہ خلیجان پھیل کر راسخ ہو گیا تو خداوند عالم کے فضل و رحمت پر سے نظر اٹھ کر اسلام کے سایے کو شمر اور اُس کے تمام نمایاں آثار و برکات انسانی تدابیر منہ پھر ہو جائیں گے۔ اور یہ سخت بخشنہ ہو گا جو ایک طرف تو مسلمانوں کے اصلی عقیدے کو کہ ”سواء خداوند عالم کوئی دوسرا کارساز نہیں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے تدبیر کے موافق ہوتا ہے۔ تدابیر کی یہ تاثیرات نہیں ہیں۔ تدابیر ایک ذریعہ اور بہانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں“ بدل دیگا۔ ادھر جب مسلمانوں کے خیالات فاسد ہو گئے تو خدا تعالیٰ کی رحمت بھی اُن کی طرف متوجہ نہ رہیگی۔ اور اسلام کا یہ بن بنایا کھیل بگڑ جائیگا۔ نہ اسلام بھگتا۔ نہ مسلمان اودنہ بھر

فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوگا۔ نہ ظہور دین کا غلبہ بلکہ یہی حالت ہی توجو مالک فتح ہوئے ہیں وہ بھی نکل جائیں گے۔

اس امر کا احساس ہوتا ہی۔ آپ کو مسلمانوں کے سنبھالنے فساد عقیدہ اور ترک توکل و اعتماد علی اللہ سے بچانے اسلام کو تھامنے کی فکر ہو گئی۔ آپ کے متوکل دل نے جس میں فراست ایما فی کیا تھی نصیح و ہمدردی خلق خدا کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور آپ کے غم راسخ اور ہمت بلند کے کنگے دشوار کام بھی سہل ہو جاتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے کام میں آپ کو لوم لائم و طعن طاعن کی ذرہ بھر پروا نہ تھی۔ یہ ٹھکانا ہی کہ اس کا علاج ہجر اس کے کچھ نہیں کہ انکو قیادۂ عام کے منصب سے معزول کر کے محض قیادۂ جیوش کی صورت میں رکھا جائے۔ قیادۂ عام کی صورت میں جو فتح ہوتی تھی۔ یا اسلام کی رتنی و استحکام کا جو کام بھی ہوتا تھا وہ صرف انہیں کے نامزد ہوتا تھا۔ قیادت عیش کی حالت میں اگر ان کے نامزد ہو گا بھی تو وہی کام جو ان کے سوتہ فوج سے خاص ان کے ہاتھ کسی مخصوص صورت میں صادر ہو آپ کو اس جانب سے اطمینان ملی تھا کہ مسلمانوں میں کے خاص تو کیا عوام افراد بھی ایسے نہیں کہ احکام خلافت کی تسلیم میں کچھ چون و چرا کو دخل دیں گے۔ ان کو حضرت خالد سے کیسی ہی محبت ہو۔ انکی عظمت دلوں میں کیسی ہی کچھ کیوں نہ ہو اسلام کی فتوحات انکی مساعی جمید کا ثمرہ کیوں نہ سمجھتے ہوں مگر حکم کی تسلیم میں اور وہ بھی برضا تسلیم میں کسی کو تردد نہ ہو گا اس لئے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلے حضرت خالد کی معزولی کا حکم صادر فرمایا جو بلا انکار و تردد تسلیم کر لیا گیا۔ کسی کے دل میں بقصد تضار عظمت خالدی یا عدم علم حکمت عزل کا کھٹکا ہو مگر کچھ چرچا نہ ہوا۔ عام طور پر اس عزل کا سبب یہی امور سمجھے گئے جو باعث ناخوشی فاروق اعظم تھے مگر حقیقت یہ بات نہ تھی اور اگر حقیقتاً یہ بات ہوتی تو جو شخص ایسے امور میں متمم ہو وہ قیادۂ جیوش کے قابل کیونکر ہو سکتا تھا۔ حقیقتاً تو وہی خیال تھا کہ عام قلوب میں انکی عظمت خارج از اعتدال خدا تعالیٰ کی رحمت و فضل سے محرومی کا سبب نہ جائے۔ مگر چونکہ عام قلوب میں اس خیال کی ابھی ابتداء ہی تھی اس لئے آپ نے اسی قدر کو کافی سمجھا کہ قیادۂ عام سے معزول کر کے قیادۂ جیوش پر قائم

رکھا اور امور سابقہ کی بنا پر بھی جس قدر احتیاط مناسب تھی اُس کیلئے بھی اس قدر انتظام کو کافی خیال فرمایا۔ اور چونکہ اس حکم میں دونوں پہلو ملحوظ نظر تھے اس لئے آپ نے عام مخاطبین کے خیال سے تو وجہ عزل اُسی ناخوشی کو بیان فرمایا۔ لیکن خواص کی نشلی و اطمینان اور حضرت خالد کو تمت و سہوہ وطن سے بچانے کیلئے اصلی و حقیقی وجہ کو واضح و کافہ کر کے بیان فرمایا۔

ہم اَوّل بیان کر چکے ہیں کہ ایک چیز کے کئی سبب ہو سکتے ہیں۔ یہاں بھی ایک سبب ظاہری تھا اور ایک حقیقی۔ دونوں کو بجائے خود عزل میں دخل تھا۔ مگر حقیقی سبب امر آخر تھا۔ دیکھئے مثنیٰ ابن جندبہ قائد عام عراق بھی معزول کئے گئے۔ مگر اتنا فرق ضرور تھا کہ عام قلوب میں اُن کا وہ اثر نہ تھا جو حضرت خالد کا تھا۔ نہ سلسلہ فتوحات اُن کے ہاتھوں سے اس قدر قائم ہوا تھا جس قدر اُنکے ہاتھ سے اس لئے آپ کو اُن کے عزل کیلئے کسی سبب ظاہری کے بیان کی نیکی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ ہاں ان کو اتہام اور سہوہ وطن سے محفوظ رکھنے کیلئے یا اُنکی دل شکنی کو دفع کرنے کے لئے جو ممکن ہے کہ عزل سے پیدا ہوئی ہو اصلی اور حقیقی وجہ کو بیان فرمادیا۔

اس ہمارے بیان سے معزولی اوّل کی وجہ حضرت عمر کے بیانات کا تطابق بخوبی معلوم ہو گیا ہمیں امید ہو کہ اسکے بعد کسی ذی عقل و فہم کو نہ حضرت عمر کے اختلاف بیان میں خلجان ہو گا۔ نہ اصلی اور ظاہری اسباب کے جمع کرنے میں وقت پیش آئیگی۔ نہ حضرت خالد کو کسی معاملہ میں قابل اعتراض سمجھنے کی جرات ہو سکیگی۔ یہاں تک تو معزولی اوّل کا بیان تھا اب دوسری معزولی کے متعلق سنئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصلاح خیالات اور احتیاط ظاہری کیلئے ان کو قیادہ سے معزول کر دینا کافی خیال فرمایا۔ مگر حضرت خالد کی حسن تدبیر فطرۃ بلند ایسی واقعہ نہ ہوئی تھی کہ اس حالت میں بھی اُن کی برتری سے کوئی انکار کر سکتا اُنہوں نے ایک حدیث کی افسری میں بھی اپنے آپ کو قائد عام ثابت کر دیا۔ امین الامۃ قائد عام تھے مگر حضرت خالد کی خدا بخشے آپ کا اعتماد و اطمینان اس درجہ بڑھا دیا تھا کہ سب کام انہیں کی رائے سے ہوتے تھے اور گویا حقیقتاً سپہ سالار اعظم حضرت خالد ہی تھے اسی حالت کو دیکھ کر حضرت عمر نے ارشاد فرمایا اقرّ خالد نفسه آہ۔ یعنی ہم نے تو خالد کو معزول

کیا تھا۔ مگر اُن کے کارناموں نے خود اُن کو امیر بنا دیا۔

جب یہ انتظام کافی نہوا۔ بلکہ حضرت خالد کے ساتھ جو حسن عقیدت مسلمانوں کو تھا یا جو اعتماد اُنکی حسن تدبیر۔ فراست و دانائی پر تھا پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ اور اس نے نفسی اور روحانی جانفشانی لے اور بھی اُنکی عظمت پر ہادی کہ مغزولی سے متاثر ہوئی بجائے اور زیادہ چست و چالاک ہو گئے۔

جب مسلمانوں کے دلوں میں اُن کی عظمت و اقتدار کو اعتدال سے زیادہ بڑھتے دیکھا اور وہی فتنہ جس سے بچنے کیلئے آپ نے اُن کو اقل مرتبہ مغزول فرمایا تھا۔ اب پہلے سے زیادہ مہیب صورت

میں ظاہر ہونے لگا تو آپ کو اس کے اسداد کی فکر پہلے سے زیادہ ہوئی اور ضرور ہو کہ اُن کو تمام خدشات سے مغزول کر کے واپس بلا لیا جائے۔ اس وقت چونکہ مسلمانوں کے قلوب میں سابق سے زیادہ اُنکی

محبت قائم ہو چکی تھی اور بلا و جبریل میں عام تشویش پھیل جانے کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ اور جب مسلمانوں میں اُنکی یہ عظمت و محبت تھی جس کے آثار کا ظہور یعنی حسا کی جانب سے اُن کی تعظیم و تکریم کا ہونا لازمی

ہو رہا تھا تو یہ بالکل ممکن تھا کہ حضرت خالد میں بھی کوئی مضمون اپنے نفس پر اعتماد کا یا اُن خدشات جلیلہ کی اپنی طرف منسوب سمجھنے کا پیدا ہو جائے۔ اسلئے ایک طرف اگر مسلمانوں کو ورطہ ہلاکت سے بچا جائے

تھا تو دوسری جانب حضرت خالد کو بھی کسی خطرہ موہوم سے محفوظ رکھنا مد نظر تھا۔ مغزولی اول کے بعد حضرت خالد سے اُس قسم کی تو کوئی بات پیش آئی نہ تھی جیسے بنی جذیمہ یا مالک ابن نویرہ کے قتل

کی پیش آچکی تھی۔ صرف دو واقعے پیش آئے تھے ایک تو کسی شاعر کو انعام میں کثیر رقم کا دیدن دوسرے حمام میں جا کر ایسے اُبٹنے کا استعمال جس میں شراب ملی ہوئی تھی۔ ان دونوں واقعوں کو سابق واقعات

قتل بنی جذیمہ و قتل مالک بن نویرہ وغیرہ سے کیا نسبت مسلمانوں کا قتل غلطی رائے سے ہو یا غلطی فہم سے سخت اور عظیم الشان امر ہے اور یہ دونوں امر ایسے نہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگر شاعر کو انعام دینا اسراف میں داخل سمجھا تو حضرت خالد کے خیال میں یہ اسراف تھا۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب قصیدہ بانٹ سعاد کو راز

مبارک انعام میں عطار فرمائی تھی۔ رہی مقدار انعام دینے والے کی ہمت و وسعت اور وسیع النہالی کا

شرہ ہے۔ کسی سائل کو ضرورتِ حاجت سے زیادہ دینا جائز ہے۔ تو شاعر کو بھی جو منزلہ ایک مسائل کے ہوتا ہے جائز ہے اور پھر اس میں ایک دوسری وجہ انکارِ شریعی اس کی بدزبانی سے اپنی عزت و آبرو کو بچانا بھی موجود ہو سکتی ہے۔ اس لئے رقم کثیر بطور انعام دیدینے میں اُنکے نزدیک کچھ مہرج نہ تھا۔

عباس ابن مرداس نے جب جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کچھ اشعار کہے تو ارشاد

فرمایا۔ اقطعوا عنی لسانہ، قالوا
بما اذایا رسول اللہ فامر لہ
بجملۃ قطع بھا لسانہ

اُس کی زبان کو قطع کرو عرض کیا کس چیز سے قطع کریں
ارشاد ہوا کہ اس کو ایک جملہ یعنی دو چادریں دیدیں جس سے
اس کی زبان بند ہو جائے

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ نہایت سخی و کریم تھے کسی سائل کے سوال کو رد کرنا جانتے ہی نہ تھے اور نہ عطا و جود اور اجراء امداد کا سلسلہ جو کسی کے ساتھ ہوتا تھا منقطع فرماتے تھے ایک مرتبہ آپ نے ایک شاعر کو انعام میں رقم کثیر عطا فرمادی کسی نے اعتراض کیا۔

اتعطی شاعر یعصی الرحمن
و یقول الیہ تنان

ر کیا آپ شاعر کو اس قدر رقم دیتے ہیں جس کا شیوہ حق تعالیٰ
کی نافرمانی اور مخلوق پر بہتان بندی ہی

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

ان خیر ما بذلت من مالک ما وفیت بہ رجن مواقع میں تو اپنا مال خرچ کرتا ہوں سب میں تبرّ اور کی حفاظت
عرضتک و ان من ابتغاء الخیر اتقاء الشمر کا موقع ہے۔ شر سے محفوظ رہنا بھی طلبِ خیر میں داخل ہے،
مروی ہے کہ ایک شاعر نے آپ کی مدح کی آپ نے انعام میں بھاری رقم عطا فرمادی۔ اسپر لوگوں
نے ملامت کی تو فرمایا۔ اترا فی خفت ان یقول لست ابن فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ
ولا ابن علی ابن ابیطالب ولکنی خفت ان یقول لست کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ولا علی رضی اللہ عنہ فی صدق و یجل عنہ و یبقی عملاً فی الکتب محفوظاً
علی السنۃ الرواہ فقال الشاعر انت واللہ یا ابن رسول اللہ اعرف بالمدح والذم منی
ا کہ تمہارے خیال میں مجھ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ یہ کہتا کہ آپ فاطمۃ الزہرا علی بن ابی طالب کے صاحبزادے نہیں ہیں۔

نہیں مجھ کو اس امر کا اندیشہ تھا کہ وہ یہ کہتا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے یا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مثل نہیں ایسا کہتا تو یقیناً وہ سچا ہوتا۔ بایں ہمہ یہ بات وایت ہو کر پھیل جاتی کتابوں میں مدون ہوتی۔ راویان اخبار کے ہستہ میں محفوظ ہو جاتی۔ شاعر بھی اس گفتگو کو سنتا تھا۔ اُس نے کہا قسم یہ خدا کی آپ مدح و ذم کی حقیقت کو مجھ سے زیادہ جانتی ہیں، حاصل یہ کہ اگر شاعر کی حیثیت کو دیکھا جائے کہ دن رات معاصی میں نہمک افتر و بہتان میں مصروف ہو تو اُس کو ایک پیسہ بھی دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی تقویتِ اعانت و اعانت علی العصیۃ ہے لیکن جب اُن کو انعام دینے سے مقصود ارتقا و ترقی یعنی عزت و ابر و کی حفاظت ہو تو ارتقا و ترقی طلب فیہ اور داخل اعمال حسنہ ہو تو اس کو دینا اور انعام میں بھاری رقم دینا دونوں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور بعض اوقات درجہ ضرورت تک پہنچ جاتے ہیں۔ پس بعینہ اسی طرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے انعام کو خیال فرمایا۔

فائدہ ۱۰۔ یہاں ایک قوی شبہ پیدا ہو سکتا ہے جس کا حاصل یہ کہ اگر شاعر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسبت لست کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا کہ علی رضی اللہ عنہ کہتا جو حقیقتاً بھی صحیح تھا کہ آپ کا درجہ نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر تھا اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ اور آپ بھی اُس کو صحیح جانتے تھے تو اس میں مذمت اور کسر شان کیا نکلتی تھی جس کے منقول اور مروی ہونیکا آپ کو اندیشہ تھا اور جس سے بچنے کیلئے آپ نے اُس قدر مال کو بلا ضرورت صرف کر دیا۔ جواب اس شبہ کا یہ کہ بیشک شاعر کا یہ کہنا صحیح ہوتا اور آپ بھی اُس کو صحیح جانتے تھے اور اس میں آپ کی کسر شان و توہین بھی نہ تھی۔ مگر یہ اُسی وقت جب تک کہ ظاہری الفاظ کے مطابق مطلب سمجھا جاتا۔ یعنی آپ پر تہ اور درجہ یعنی فضائل و کمالات ذاتی و اکتساب خیرات و میراث میں اُن کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ لیکن اہل عرف و عادت اُس سے دوسرا مطلب بھی سمجھ سکتے تھے وہ یہ کہ آپ اُس طریقہ پر نہیں ہیں اور اُن جیسے نہیں ہیں یعنی آپ اپنے سلف کے صحیح خلف اور جانشین نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی اگرچہ الفاظ کے صراحتاً مدلول نہیں ہیں۔ مگر عرفاً مفہوم ہو سکتے ہیں اور شاعر کی مراد بھی یہی ہوتی۔ تو یقیناً ایسوں کو دخل ہوتا اور ان سے اتفاق کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تقریر میں کہ شاعر بھی حیران ہو گیا۔ اور

بے ساختہ بول اٹھا کہ ہجو اور مدح کو آپ محمد سے یعنی شعرار سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے موقع میں اگر صراحتاً ہجو کی جائے یا کمد یا جائے کہ آپ حضرت فاطمہ زہرا یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نہیں ہیں تو سننے والا اُس کو افترا و بہتان خیال کرے گا۔ البتہ ہجو ایسے پیر میں کہ ظاہر اُس کا غلط نہوا اور اشارہ تنقیص مرتبہ کی طرف ہو جائے یا ایسا مرتبہ جس سے اُس عصر کے سننے والے بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں اور بعد کے آنے والے جنہوں نے آپ کے حالات خود مشاہدہ نہیں کئے جب اس قسم کے خیالات نہیں گئے تو اُن کو خیال ہو سکتا ہے کہ شاید آپ نے اپنے سلف کا اتباع چھوڑ کر اہل دنیا کی طرح دنیوی مشاغل کی طرف توجہ فرمائی ہو۔ یہی وہ باریک پہلو تھا جس کو آپ اپنے لئے کسر شان توہین اور مذمت سمجھتے تھے اور جس سے اتفاقاً کو عین خیر خیال فرماتے تھے۔

اس درمیانی فائدہ کے بعد پھر ہم اصل مطلب کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت خالد کا یہ فعل نہ حرام و مکروہ تھا اور نہ اسراف میں داخل۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس معاملہ میں گرفت کی تو اُس کا مطلب نہ تھا کہ اس فعل کو حقیقتاً اسراف خیال فرماتے تھے۔ بلکہ میرے خیال میں آپ کو انتظاماً ایسے امور کا سبب کرنا منظور تھا۔ مثلاً یہ فعل حضرت خالد سے صادر ہوا آپ تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایک ممتاز اور برگزیدہ فرد تھے اُن کی نسبت یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ اسراف جیسے کیونکر گناہ کے مرتکب ہوں اور نہ یہ کہ سلاطین دنیا کی طرح مدح کرنے کیلئے انعام عطا فرمائیں بلکہ تھا تو یہ کہ ایک سائل تھا جس کو آپ نے اپنے حوصلے و ہمت کی موافق عطا فرمایا اور اُس کی بدزبانی سے بچنا بھی پیش نظر تھا۔ مگر اسی قسم کے افعال جاہ طلب لوگوں کیلئے محبت ہو جاتے ہیں اور جہان تک ہمنے تواریخ و سیر کو دیکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیاست عام کیساتھ افراد کے اخلاق و آداب کی اصلاح بھی فرماتے تھے اور کسی ایسے معاملہ میں بھی جو بظاہر مہتمم بالشان معلوم نہ ہوتا ہو مگر اُس پر کسی وقت بھی دوسرے قسم کے فرائد مرتب ہو جائیں گے اندیشہ ہوتا تھا۔ سختی سے محاسبہ و وارو گہ فرماتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کو فہم میں گھرنے کا دروازہ لگالیا تو حضرت مسلمہؓ کو بھیج کر جلوادیا۔ کیا

کیا دروازہ کا لگانا بھی ناجائز امور میں تھا مگر آپ کی غرض یہ تھی کہ امر اور ولایت کا دروازہ ظالمین و اہل حاجت کیلئے ہر وقت کھلا رہنا چاہئے اور اگر بندش اور دربانوں کی روک کی ابتداء صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پڑ گئی تو دوسرے کو حجت قوی ہاتھ آجائیگی و علیٰ ہذا بہت سی نظائر ایسی ملیں گی کہ ایک مباح اور جائز امر کے انسداد میں بھی امور محرّمہ کی طرح اتہام فرمایا۔ علیٰ ہذا اُبٹنے میں اگر شراب بھی اور مان کو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں ایسے اُبٹنے کا استعمال ناجائز تھا تب بھی یہ ایک مسئلہ اجتہادی تھا حضرت خالد کے نزدیک اُس کا استعمال جائز تھا۔ کیونکہ شراب کی صورت و حقیقت مستحیل ہو چکی تھی۔ یعنی بدل چکی تھی۔ پس جو احکام صوّت و حقیقت شراب پر متفرع ہوتے ہیں وہ بہرہ منوں گے جیسا شراب کو سرکہ بنالینے سے احکام بدل جاتے ہیں۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ صابون میں اگر ناپاک چربی ملی ہوئی ہو تو اُس کا استعمال جائز ہے کیونکہ چربی اگرچہ ناپاک ہو مگر وہ مستحیل ہو چکی ہے لہذا حکم بدل گیا اور ایسے اجتہادی مسائل میں کسی ایک مجتہد کو دوسرے پر الزام کا کوئی حق نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر نے اس جواب کو نکتہ انکار نہیں فرمایا۔ عرض ان دونوں معاملوں کی جن پر آخر کی معزولی مرتب ہوئی یہ حقیقت تھی اور ہم دعوے کیساتھ کہہ سکتے ہیں کہ معزول کرنے کی وجہ یہ امور نہ تھے بلکہ انکی وجہ سے حضرت عمرؓ کے قلب مبارک میں حضرت خالدؓ کی جانب سے کوئی سوء ظن مچا پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر گرفت تھی تو انتظاماً سد باب کیلئے دیکھے حضرت عمرؓ نے بجلف فرمایا واللہ انک علیٰ الکرم و الانک الی الحبیب اور امر اور ولایت کے نام عام گشتی جاری فرمائی۔

انی لہما عزل خالد اعن سخطہ و لاحیافۃ۔ سخطہ اور خیانتہ نکرہ ہیں جو تھی کے تحت میں واقع ہوئے نہیں یعنی کسی ادنیٰ شائبہ ناخوشی و خیانتہ کی بنا پر معزول نہیں کیا حضرت عمرؓ کی اس شد و مد سے حلف اور برادرت کے بعد بھی اگر کوئی شخص وجہ عزل انہیں امور کو سمجھے تو یہ اسکی خوش فہمی یا ہیٹ و ہرمی ہوگی۔ حضرت عمرؓ جیسا راستباز تو بجلف شدید انکار کرے اور یہ اب بھی یہی کہے تو نہایت جزوت و پیاکی کی بات ہو۔ مجھ کو تو اب اس ارشاد سے اپنی سابق معروض کی معزولی اول کی وجہ بھی وہ امور سابقہ نہ تھے ایک اور تاہید مل گئی۔ وہ یہ کہ کسی بات پر ناخوش ہونے سے یہ لازم نہیں آتا

کہ وہ قابل غزل بھی سمجھی جائیں ممکن ہو کہ یہ دونوں آخری امر حضرت عمرؓ کو ناپسند ہوں اور آپ کی شان احتساب و انتظام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہونے چاہئیں مگر غزل میں ان کو دخل نہیں تھا۔ لیکن بانیہ کہ دونوں معاملے ایسے خفیف تھے۔ کہ مغزولی کی وقت اُن سے وہ معاملہ کیا گیا جو ایک حقیقی مجرم سے بھی نہیں کیا جاتا۔ ایک قادیانیش کے سر پرستے عاملاً مار کر ٹھیکس باندھی جائیں اور سر جمع مہربانہ حیثیت سے جواب طلب کیا جائے۔ یہ اس قسم کی توہین ہو جو مستوجب حدود شرعی کے ساتھ بھی نہیں کی جاتی۔ ماغربن مالک پر حد زنا جاری کی گئی مگر جس شخص نے اُنکی توہین کی تھی اُس کو روک دیا گیا۔ اور پھر اقل رتبہ تو باوجودیکہ وجوہ ناخوشی قوی تھیں صرف قیادۂ عامہ سے مغزول کرنے پر اکتفا کی گئی اور اس رتبہ اُن کو عام افراد کی طرح جہاد میں حصہ لینے سے بھی باز رکھا گیا۔ بلکہ واپسی کا حکم دیدیا گیا۔

جب ہم اس مغزولی کے اسباب اور طریق غزل پر نظر غائر ڈالتے ہیں تو سوار اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ مغزولی ثانی میں ان امور کو مطلقاً دخل نہ تھا۔ اگر مغزولی اول میں ناخوشی سابق کو ظاہر فرمادیں سمجھ لینا ممکن تھا تو اب اتنی وجہ بھی موجود نہ تھی۔ کیونکہ یہ معاملہ ایسے نہ تھے اور پھر حضرت عمرؓ بخلاف اس سے انکار فرماتے ہیں۔ بات تھی تو صرف یہی کہ قلوب میں اُنکی غلط حد اعتدال سے تجاوز ہوتی جاتی تھی بتایا پر بھروسہ بڑھتا جاتا تھا۔ خدا تعالیٰ پر سے نظر اٹھتی جاتی تھی۔ ادھر حضرت خالدؓ میں جاو و ملو و اعتماد علی الناس پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا کیونکہ آپ معصوم نہ تھے حضرت عرضی اللہ عنہ نے ایک جانب تو عام خیالات و عقائد کی اصلاح فرمائی کہ اُنکو عمدہ جلیلیہ قیادۂ جیوش سے مغزول فرمایا اور بتلادیا کہ اصل وجہ فتوحات اسلام رحمت و فضل خداوندی ہو وہی صانع و کار ساز ہو۔ کسی کی کسی تدبیر و شجاعت۔ سیاست و فرائض کا اس میں دخل نہیں ہے۔ بعد مغزولی اگر وہ دوسروں کی طرح عام غزاة میں بہتے تب بھی اس خیال عام کا استیصال ممکن نہ تھا کیونکہ جس معرکہ میں وہ شریک ہوتے اگرچہ کسی حیثیت سے ہوتے عام خیالات کا رجوع اُنہیں کی طرف ہوتا اور نصرت و فتح کو اُنکے وجود اُنکی رائے و تدبیر کی طرف منسوب کیا جاتا۔ راجح و شک دینی۔ تدابیر حرب بتلانے کیلئے قائد و افسر ہونا ہی کچھ ضرور نہیں ہو بعض اوقات ایک معمولی سپاہی سے وہ نمایاں خدمات صادر ہو جاتی ہیں جنگی بدلت وہ سپاہی سے دفعۂ جرنیل کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے پھر

شخص جو وقتاً فوقتاً عام قیادہ حیوش کے مابین پر رہا ہو۔ جسکی تدبیر و فرمانگی کے ثمرات بکرات و مرآت
مشاہدہ ہو چکے ہیں اُس سے نہ کوئی سپہ سالار استغنی ہو سکتا ہی نہ عام افراد کے قلوب میں سے اُس کی
عظمت اقتدار کم ہو سکتی ہیں۔ اسلئے اس کا علاج تھا تو صرف یہی تھا کہ ان کو میدان ہی سے طلب کر لیا
جائے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو عظیم خطرات ہلکات سور اعتقادی و اعتماد علی غیر اللہ سے بچالیا جائے
اور دوسری جانب خود حضرت خالدؓ کے ساتھ وہ معاملہ کیا کہ اگر کوئی خطا نفس پیدا ہو چکا ہو یا ہو جائیگا
ہو تو وہ بھی دل سے نکل جائے اور بقصد بشریت جن غوائل نفس کا اندیشہ ہو سکتا ہے اُس سے
محفوظ ہو جائیں۔ نفس کے غوائل اور المراض ایسے سخت و صعب ہیں کہ اُن سے بچنا اور مبتلا ہو کر صحیح
ہونا افراد انسانی کی قدرت اور طاقت سے خارج ہے۔ اُن سے وہی محفوظ رہتے ہیں جن کے قلوب کو
خداوند عالم نے پاک و صاف بنایا۔ یا اُن کا کامل تزکیہ و تصفیہ فرمایا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

احدی عدل و نفسک التي ینو حیثیک (تیسرے بلا دشمن تیرا نفس جو تیرے بطن میں ہے)

حضرت یوسف صدیق اس وقت شان و عظمت مرتبہ پر فرماتے ہیں۔

وما ابد نفسی ان النفس لا تموت (میرا اپنا نفس کہہ رہی نہیں کہتا۔ نفس بلا حکم کہہ نہ لایا ہو بلائی)

یا لیسوا الا ملہ حمساً بقی (کیلئے سوئے اُن لوگوں کے خیر خدا تعالیٰ رحم فرمائے)

غرض حضرت عمرؓ کی شان فاروقی نے اسکو گوارا نہ کیا کہ امت مرحومہ کسی مرض عام اعتماد علی غیر اللہ
و ترک توکل میں مبتلا ہو کر تدبیر ہی کو مایہ اعتماد بنالے۔ یا حضرت خالدؓ میں ہی کسی قسم کا خطا نفس محبت
جہاد و مارت پیدا ہو جائے اُسکے معاملہ کیلئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی۔ جہاں حضرت خالدؓ کو ہر جمعہ
مہربانہ حیثیت و جواب طلب کر نہیں شوکت نفس کو توڑنا تھا ایسے ہی اُنکے غزل کو ظاہری اسباب کی طرف
منسوب کر کے ایک طرف عام مسلمانوں کی روک تھام تھی جن کے دلوں میں حضرت خالدؓ کی عظمت اس وجہ
تھی کہ کہیں اُسکے مقابلہ پر احکام فاروقی میں کلام نہ ہونے لگتا۔ اور حضرت خالدؓ کو جن خطرات و مصائب
سے بچانا تھا اُسکے اندر بھی اسکو زیادہ دخل تھا۔ خلاصہ یہاں یہ تمام بیان کیا ہے کہ صلیوت ظاہری میں غزل

اول کیلئے واقعات سابق کو اور عزل ثانی میں واقعات بعد کو سبب بنایا گیا۔ اور پھر ان دونوں میں فرق تھا۔ عزل اول میں حضرت عمر کی ناخوشی واقعات سابقہ کی وجہ سے ایک ظاہر امر تھا اور اس لئے انکی مداخلت بھی اُس عزل میں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر عزل ثانی میں اس قدر مداخلت بھی نہ تھی لیکن حقیقتاً عزل کی یہ وجہ نہ تھی بلکہ اُس وقت فساد عقائد کے ابتلا سے اور حضرت خالد کو حب جاہ و شوکت نفس کے ملک میں سے محفوظ رکھنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اول عزل کے بعد بھی آپسے حقیقتہ الامر کو بیان فرماتے ہوئے صاف ظاہر کر دیا کہ خالد اوشنی کو کسی ریبہ یا تممت کی وجہ سے معزول نہیں کیا گیا۔ بلکہ خوف فتناس کا باعث ہوا۔ اور عزل ثانی میں بھی جب حضرت خالد نے اسی بے عنوانی کا جو ان کے ساتھ بری گئی شکوہ کیا تو حلف کے ساتھ اس حسن ظن اور محبت کا اظہار فرمایا جو آپ کو ان کے ساتھ تھے۔ اور ہر ذریعہ گشتی عام امر اور عساکر و ولایہ امصار کو اطلاع دی کوئی شخص حضرت خالد کو کسی اشتباہ یا ریبہ کی طرف منسوب سمجھے۔

یہی حقیقتہ الامر عزل خالد کی۔ ہر شخص کو چاہئے کہ اس بیان کے اہم مقاصد کو محفوظ رکھے اور اس کے دل میں نہ حضرت خالد کی جانب سے سوز ظن کا خطرہ ہو۔ نہ حضرت عمر کی جانب اس امر کا کہ ایک نامور قاتل کی خدمات سے مسلمانوں کو کیوں محروم فرمادیا۔

فوائد

واقعہ عزل خالد سے چند اہم فوائد ہم کو حاصل ہوئے ہیں جن کا بیان کر دینا بھی مزید افادہ کا ذریعہ

ہوگا۔

فائدہ اول۔ تقدیر و تدبیر کا جمع کرنا عام افہام و عقول میں دشوار ہو رہا ہے۔ توکل کو بیکاری سے متلا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر ٹٹھینے اور دوسروں پر اپنا بار ڈال کر خود اپنا بوجھ معطل بننے کا مرادف سمجھا جاتا ہے۔ فلسفہ اور سائنس کے دلدادہ اُسکی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ تجربات و مشاہدات سے عجائب و غرائب منافع و ایجابات سے عالم کو تخریر کر دیتے ہیں۔ مگر ان کا دائرہ علم صرف مشاہدات و محسوسات تک محدود ہے اور سچ پوچھتے تو ان کی حقیقت سے بھی آشنا نہیں ہیں۔ اُس میں سے بھی صرف اتنی بات

اخذ کرتے ہیں جس کا تعلق آثار و ثمرات سے ہے وہ حقائق انبیاء کی کند تک نہیں پہنچتے اور نہ پہنچ سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے انہیں مادیات و تاثیرات کو اصل الاصول سمجھ کر ان پر اس درجہ اعتماد کر لیا ہے کہ اس سے ایک قدم بھی آگے بڑھانے کا ارادہ نہیں کرتے اور کیونکر کر سکتے ہیں جب حقیقت ثنائی بصیرت سے انکو حصہ ہی نہیں ملا اس حقیقت کو اسلام نے روشن کر دیا اور بتلادیا کہ تقدیر و تدبیر دونوں بخوبی جمع ہو سکتی ہیں اسلام نے ایک طرف ایمان بالقدر کو اگر ایمان کا جزو لازم قرار دیا ہے تو دوسری جانب تدبیرات اسباب سے متمتع ہونے کی بھی اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض مواقع میں ضروری بتلایا ہے۔

تقدیر و تدبیر کا اختلاف عقل و استدلال سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے۔ اگر اسی غفلت کہہ دے کہ جو خداوند عالم نے ہر انسان کے اندر ودیعت کر رکھی ہے محض محسوسات و مشاہدات ہی کے بخول بھیلیاں بنا بر باد کر کے اسکی ترقی کو محصور و محدود نہ کر دیا جائے۔ بلکہ اس کی بلند پرواز فطرت کو لمبات میں صرف کیا جائے اور سب سے پہلے اس مرحلے کو طے کر لیا جائے کہ عالم کی گونا گوں نقش و نگار قسم قسم کے تغیرات و انقلابات کسی زبردست و مضبوط ماتھ میں ہیں جو تمام اشیا کا خالق۔ اسباب و مسببات کا تار ڈینے والا ہے جس کے اشارہ اور حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اسباب جس کے اشارہ کے مطیع و متقاد ہیں۔ اس کا ارادہ اور اسکی مشیت اسباب کے پابند نہیں ہیں۔ یہ مسئلہ اگرچہ دنیا کے ممتاز ازم اور اصل مذاہب میں تسلیم شدہ ہے تمام عالم باستاندار و ہر مین اسکے قائل ہیں۔ مگر باوجود اسکو تسلیم کر لینے کے اسباب کے دلدادہ افراد کو اس جانب سے ذہول ہو جاتا ہے۔ ہاں کبھی کسی نہایت دہریے و ملحد کی پشت پر کوئی سخت تازیانہ عبرت لگا دیا جائے تو یہ علم اذعان پھر تازہ و شکم ہو جاتا ہے۔

اوجہ یہ مرحلہ طے ہو چکا تو اس کے بعد تمام اسلامی معتقدات تقدیر و توکل وغیرہ اہم مسائل کا تسلیم کرنا ضروری و لازمی ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ارباب عقول اپنی پرزور استدلال و قیاسات سے ہر ملحد و ہر یے کو منوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اپنی قوی و روشن دلائل کے سامنے کسی کی بھی پلٹنے نہیں دیتے۔ مگر حقیقت ان کا اصل علم انہیں کو ہوتا ہی جن کو حقائق منکشف ہو جاتے اور وہ برائے العین خالق و مخلوق کے ربط اسباب و مسببات کے تعلق کو مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ ان کا مرتبہ محجہ و متسلل

بہت کچھ اوپر پہنچ جاتا ہے اور ان کو استدلال و حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ اپنے اندر دیر پا پاک و روشن دل لئے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں حقائق ملکات کا انکشاف تام ہوتا ہے اور وہ اپنی معرفت و بصیرت کا قوی اثر ڈال کر دوسروں کو بھی بلا واسطہ ذیل برہان منوا سکتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حقائق اشیا اور غامض علوم کا انکشاف اس طرح کر دیا تھا کہ ان کو کسی دقیق سے دقیق مسئلہ میں کسی قسم کا خفا باقی نہیں رہتا تھا ہر غامض و ادق مسئلہ کو بصیرت ایمانی سے ادراک کرتے تھے ان کو ہر شکل اور متعسر الفہم مسائل میں برو قلب حاصل ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اصول دین میں متفق تھے کبھی ان میں اختلاف نہیں ہوا اور جب کبھی کوئی مسئلہ چند اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مجالس و مقامات میں دریافت کیا گیا تو جواب کے الفاظ تک بھی ایک ہی ہوتے تھے۔

دیکھئے تقدیر کا مسئلہ جس کے فہم سے اکثر اہل دانش و فہم عاجز ہیں چند صحابہ سے علیحدہ علیحدہ مجالس میں دریافت کیا گیا تو جواب کے الفاظ تک متفق تھے ابن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے حضرت ابی کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ تقدیر کے مسئلہ میں مجھے کچھ خلجان ہے آپ کچھ ارشاد فرمائیں تو شاید یہ خلجان رفع ہو جائے فرمایا لو ان الله عز وجل عذب اهل سموت و اهل ارضه عذب بهم و هو غير ظالم لهم و لو رحمهم كانت رحمته خيرا لهم من اعمالهم و لو انفق مثل احد ذهب في سبيل الله ما قبل منك حتى تومن بالقد و تعلم ان ما اصابك لكن ليحطك و ما اخطاك لكن ليصيبك و لو مت على غير هذا لادخلت الناس۔

راگ خداوند عالم تمام زمین و آسمان والوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہ ہوگا۔ اور اگر رحم فرمائے تو اسکی رحمت اُنکے اعمال سے زیادہ مفید اور بہتر ہوگی۔ اور اگر قیامت پر پاؤں کی برابر فی سبیل اللہ سونا خرچ کر ڈالے تو جنت تک تقدیر پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ جان لے کہ جو کچھ تکلیف تجھ کو پہنچے دلی ہے کسی تدبیر سے ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچے دلی وہ پہنچ نہیں سکتی۔ اگر تو اس عقیدہ کے سوا کسی اور عقیدہ پر مریگا تو جہنم میں داخل ہو گا۔

ابن ابی کعبؓ کہتے ہیں کہ اسکے بعد میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے بھی

یہی فرمایا۔ پھر حضرت حذیفہ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ پھر حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی اسی مضمون کی میرے سامنے روایت کی۔

اور یہی وجہ تھی کہ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کے اندر اختلاف بھی ہوا تو چند کلموں میں بات صاف ہو جاتی تھی۔ طول طویل استدلال کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔

اور جب مسئلہ تقدیر کو مان لیا گیا اور اسکو اسکی حقیقت کی موافق سمجھ لیا گیا تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور ٹکول کرنا ہر مسلمان کے ذمے لازم ہو گا۔ درجہ اعتقاد میں تو یہ فرض ہو گا کہ ہر ایک فعل کا فاعل حقیقی اسکو سمجھے۔ اگر ایسا نہ سمجھے اور سوار خداوند عالم کے کسی اور کو بھی فاعل و خالق سمجھے۔ یا کسی غیر کا خواہ بڑا نفس ہی ہو اس میں دخل جانے تو اسکو مشرک کہنے میں کیا ناہل ہو سکتا ہی۔ قدریہ کو جو عباد کو خالق افعال سمجھے ہیں اسی وجہ سے ہذا الامۃ فریاد گیا ہے۔ اور اگر درجہ اعتقاد سے ترقی کر کے یہ عقیدہ اُس کا حال بن گیا۔ اور اسکی نظر غیر اللہ سے اٹھ گئی تو یہ اعلیٰ مقام سمجھا جاتا ہے جو سوار صدیقین و اہل مبارک دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ صحابہ کے تمام افراد باوجود تفاضل مراتب اس حال کے ساتھ متصف تھے۔ انکو کشف و عیانائے مراتب حالات حاصل تھے۔ اُن کے اندر وہ سکون و طمانیت موجود تھی جو سالہا سال کی ریاضت و تزکیہ و تصفیہ باطنی سے حاصل نہیں ہوتی یہی وجہ تھی کہ صحابہ کا ہر ایک فرد قرون ابد کے تمام افراد سے افضل مانا گیا ہو۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اکثر افراد حالات کے اعتبار سے اسباب و تدابیر کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے نظر آتے تھے وہ کسب و اسباب میں شنول رہتے تھے۔ جنگ و صلح کے وقت وہ ایسی تدابیر کرتے تھے جن سے منہمک فی الاسباب و زرار و سلاطین بھی عاجز تھے۔ انکی تدابیر کو دیکھ کر دنیا میں حیران رہ جاتی تھی۔

ظاہر میں نظریں سمجھتی تھیں کہ اُن کو محض اپنی تدابیر پر اعتماد ہی۔ مگر حقیقت ایسا نہ تھا وہ سب کچھ کرتے تھے کہ اُن کا علاقہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ اسقدر قوی تھا۔ اُن کی نظر غیر اللہ سے ایسی اٹھی ہوئی تھی کہ قوی سے قوی کا آمد و مفید تدبیر کو بھی منتج نہ سمجھتے تھے اور سوار خداوند عالم کسی کو فاعل و صانع غما نہ جانتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختلف شیون و حالات پر اگر آپ ذرا سلامت صدر کیساتھ نظر ڈالیں تو آپ کو اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی توقف نہ ہو گا کہ تدبیر کا استعمال توکل کے منافی نہیں توکل و تدبیر نہایت سہولت سے جمع ہو جاتے ہیں دیکھئے ایک جانب تو آپ اہل (احقر) الحلیش و افاقی الصلوٰۃ میں نازیں شکر کی آراستگی و روانگی کا سامان کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں دوسری جانب عام خیالات و اعتقادات کی اصلاح کیلئے حضرت خالد جیسے نامور جلیل القدر مدبر و مشعل کی خدمات سے مستفاد فرماتے۔ اور دکھلا تے ہیں کہ تم تدبیر کرنے کیوقت بھی اُس پر اعتماد نہ کرو کار ساز حقیقی کوئی اور ہے۔ نہ خالد ہیں۔ نہ عمر یہی اسلامی صحیح و بے لوث تعلیم اور یہی وہ خطرناک گھاٹی مسئلہ جبر و قدر کی جس کے طے کر نہیں ہزار بادعیان عقل و دانش تباہ و برباد ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جملہ

(تاکہ جان لیں کہ کار ساز صرف اللہ ہی)

لِیَعْلَمُوا أَنَّ الصَّالِحَ هُوَ اللَّهُ

فرما کر تمام اشکالات کو رفع فرما دیا اور تمام صحابہ نے بلا تکبر و تدو اُس کو تسلیم فرمایا۔ کیوں کہ سب کے قلوب صافیہ میں یہ حقیقت منکشف تھی قرن صحابہ میں اس مسئلہ کے اذ اختلاف ہی نہیں ہوا۔ اسلام کے بیشتر فرقوں میں سے اہل سنت و الجماعت کثر ہم اللہ تعالیٰ نے اس از کو سمجھا۔

لا جبر ولا قدر و لکن امرٌ مَکْزُومٌ (نہ جبر نہ ضرر کہ انسان مجبور ہو۔ اُس کے اختیارات کو افعال میں کچھ دخل نہ ہو۔ اور نہ قدر ہو کہ وہ خود اپنے افعال کا خالق اور ان پر قادر ہو۔ بلکہ جبر و قدر کے درمیانی بات ہو۔ یعنی بعض وجہ سے وہ قادر مختار ہے اور بعض وجہ سے مجبور)

کو جزو ایمان قرار دیا۔ اس اعتقاد حق کے سوا جس فرقہ نے کوئی دوسری راہ اختیار کی وہ خود بھی تباہ ہوا۔ دوسروں کو بھی تباہ و برباد کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر مسلمان کو صراطِ مستقیم پر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کم عقلی۔ کج سمجھی۔ اپنے خیالات کی پابندی۔ احکام شریعت کو اپنی ناقص عقلوں کے معیار پر اتارنا۔ تباہ و برباد کر دیتی۔ فخر جنم کا ابدھن بنا دیتی ہیں۔

عصمنا اللہ تعالیٰ و جمیع المسلمین منه واللہ ھدای من شیعہ الی صراطِ مستقیم

جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے خواہشمند ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سوار اُن اصول کے کسی اور طریقہ پر ترقی نہیں کر سکتے۔

فاروقی خلافت میں اسلام کی جوشان و شوکت تھی مسلمانوں کی عزت و عظمت کا سکہ حقیقہً دنیا میں سیٹھا ہوا تھا۔ وہ بعد کے کسی قرن میں حاصل نہیں ہوا۔ ممالک اسلامیہ ضرور وسیع ہوئے مگر اسلام کی حقیقی ترقی کا زمانہ نہ تھا۔ اور یہ اُن صحیح اصول و عقائد کا ثمرہ تھا۔ اب بھی جس قدر ترقی ہوگی نہیں اصول کی پابندی سے ہوگی۔

فائدہ ثانیہ سلطنت و نبوت و جلیحد انصیب میں سلطنت تو عالم کے نظام ظاہری کو قائم رکھنے عدل و انصاف امن و اطمینان پہیلانے افراد و عایایس توازن و مساوات برقرار رکھنے۔ اجرا حدود و قصاص۔ حفظ حدود ممالک و سرانجامی معرکائے قتال وغیرہ کیلئے ہوتی ہے۔

اور نبوت تعلیم شریع و احکام الہی بتدیسال شرک و فساد اعتقاد و اعمال و اصلاح معاد تزکیہ نفوس۔ تطہیر اخلاق و محو آثار نفسانی کیلئے۔

یہ دونوں امر اگرچہ متعاقب ہیں کیونکہ فرض نبوت صعبی پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں کہ شوکت و عجب قوت تنقید احکام الہی اُسکے ساتھ ہو علی ہذا فرض سلطنت اُسی وقت بوجہ اتم ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ کہ سلطان وقت کسی شریعت منزل من اللہ کا پابند ہو بوجہ اتم کی قید ہم نے اس لئے لگائی ہے کہ بہت سے سلاطین ایسے بھی گذرے ہیں اور اب بھی ہیں جو باوجود کسی شریعت منزل من اللہ کے تابع نہ ہوئے نہ نظام عالم کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور اُن کو سلطان عادل اور منتظم کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ یہ خود ساختہ قانون کے پابند ہوتے ہیں اس لئے حقیقی قوانین کی طرف اُن کو ہدایت نہیں ہوتی۔ اور چونکہ اُن کا علم بالکل محدود ہوتا ہے وہ رعایا کے حقیقی نفع و نقصان کو نہیں سمجھ سکتے اسلئے اُسکے شرارت بھی اگرچہ ایک حد تک پہلے معلوم ہوں مگر نظر غور سے دیکھا جائے تو بہت سی مضرتیں اپنے اندر لئے ہوتے ہیں۔ اور اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دراصل سلطان عادل وہی ملوک ہیں جو کسی خدائی قانون کی ماتحتی میں نظام عالم کو قائم کرتے ہیں اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ سلطنت و نبوت دونوں متعاقب ہیں۔

لیکن یہ کچھ ضرور نہیں کہ دونوں منصب ایک ذات کے اندر جمع کر دیئے جائیں انتظام ظاہری اور مصلحتی معاویہ کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہو کہ منصب نبوت سے کوئی سرفراز کیا جائے اور زمام سلطنت کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دیجائے جو نبی کے احکام کا تابع ہو کر اپنے فرائض ادا کرے۔

ہم اہم ماضیہ کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں یہ ہم کو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں تو ایک ذات کو دونوں منصب عطا کر دیئے گئے ہیں اور کبھی اُن کو بالکل حیدر رکھا گیا ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک خاندان کے اندر نبوت ہوتی تھی اور ایک میں سلطنت۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد اسباط کے نام سے موسوم تھی اُن میں سے یہود ابن یعقوب کی اولاد میں ملک سلطنت منتقل چلے آتے تھے اور لادی بن یعقوب کی نسل میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا اور اسی طرح پر بنی اسرائیل میں ایک زمانہ تک مالک حکم کوئی ہوتا تھا اور مہیا وحی و تنزیل کوئی دوسرا۔

طاوت کی سلطنت و مملکت کا حال کلام اللہ میں مذکور ہے۔ باوجودیکہ بنی اسرائیل میں نبی موجود تھا مگر انتخاب سلطان کی ضرورت پیش آئی۔ اور یہ انتخاب طاوت کے نام نکلا۔ دیکھئے ارشاد خداوندی۔

رَأٰی كَيْفَ بَنٰی لَہٗ كَمَا اَللّٰہُ لَہٗ لَیْسَ لَہٗ رَأٰی K

وَقَالَ لَهُمْ قَبِیْہُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَاوُتَ مَلْکًا قَالُوْا اَنْیَٰیْکُوْنُ لَہٗ الْمَلٰٓئِکَ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اٰحِقُّ بِالْمَلٰٓئِکَ مِنْہٗ وَلَعِبَیْوْتَ سَعۃً مِّنَ الْمَآلِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اَصْطَفٰہُ عَلَیْکُمْ وَ سَرَّ اَدۃً بِسُطۃٍ فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰہُ یُؤْتِی الْمَلٰٓئِکَ مِنْ لَیْسَ لَہٗ رَأٰی K

بنی اسرائیل کو اس میں تو کچھ خلیان تھا کہ مملکت کو سلطنت سے جدا کر کے ایک مستقل بادشاہ کیوں بنایا گیا۔ کیونکہ وہ اُس کے خورگ تھے۔ انکو دونوں منصبوں کے فرائض کی تقسیم معلوم تھی وہ جانتے تھے کہ دونوں کی اطاعت کس طرح جمع کی جا سکتی ہے۔ ایک کی فرمانبرداری دوسرے کے ساتھ ارتباط و انقیاد سے ملنے نہیں ہے۔

اُن کو یہ بھی معلوم تھا کہ حقیقی سرکاری نبی ہی کی ہوتی ہے۔ بادشاہ بھی اُن کے احکام کا متبع اور اُن کے اشارہ و حکم کا منتظر رہتا ہے۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ بادشاہ کا درجہ باوجود اُن وسیع اختیارات و حکومت عام کے زیادہ سے زیادہ وزیرِ تفویض یا والیِ تفویض کا ہوتا تھا۔ ان وجوہ سے ان کو اس متعارف امر کی تسلیم میں قائل نہ ہوا۔ ہاں تامل و حجاب یا انکار و نزاع ہوا تو اس میں کہ طاقت کو اس منصبِ علیل کیلئے

امام و خلیفہ کو تمام ولایات پر اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ تمام ممالک و صوبے اس کے زیرِ نگیں اور ہر ایک صیغہ و شعبہ ملک بلا استثناء اُس کے ماتھ میں ہوتا ہے۔ لیکن شخص واحد نہ تھا کبھی کسی وسیع سلطنت یا ملک کا انتظام نہیں کر سکتا۔ اس کو ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے اختیارات کو نائبوں اور قائم مقاموں کے ذریعے سے نافذ کرے اسی لئے امام کے واسطے نائبین کا ہونا لازم ہے۔ نائب دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وزیر۔ دوسرے والی ممالک۔ وزراء کا اصل فرض تو یہ ہے کہ خلیفہ یا سلطان کا مشیر رہے۔ اُس کے بار کو اٹھائے۔ اور وایان ممالک ولایات خاصہ کا انتظام کرتے ہیں امداد ولایت کو انکی ولایت میں کبھی اختیارات عام دیئے جاتے ہیں یا کبھی اختیارات خاص۔ عام اختیارات عام کی صورت میں۔ اس کو امیر یا والیِ تفویض کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہونا ہے کہ امام نے ایک ولایت میں اپنے کل اختیار اس کے سپرد کر دیے ہیں۔ ہر ایک معاملہ کو اپنی رائے سے تجویز کر سکتا ہے اور نافذ کر سکتا ہے ایسے وایان ممالک کی مثال درکار ہے۔ تو سلاطین سلجوقیہ۔ ولبیہ۔ صلاویہ۔ سامانیہ وغیرہ کو جو نسبت خلاف عام کیے ساتھ تھے اسکو پیش نظر کر لیجئے۔ اور خاص اختیارات کی حالت میں جیسا کہ تجویزِ حکم کا اختیار نہیں دیا گیا بلکہ صرف تنقید و اختیار دیا ہے وہ کسی امر کو اپنی رائے سے تجویز و فیصل نہیں کر سکتا۔ ہاں خلیفہ امام کے احکام کو جاری و نافذ کر سکتا ہے تو ایسے امیر یا والیوں کو امیر یا والیِ تنقید کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح وایان بھی دوسرے ہیں۔ ایک وزیرِ تفویض دوسرا وزیرِ تنقید۔ وزیرِ تفویض کے اختیارات بالکل ہی ہوتے ہیں جو امام کے اُسکو کسی امر میں امام سے استفسار یا استعاضہ کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ وہ بھی مثل امام کے دوسرے متقل امام ہوتا ہے اور اسی لئے اُس کے اندر اکثر ایسے شرائط کا وجود ضروری ہے جو امام کیلئے لازمی ہیں۔ فرق ہوتا ہے قائلانہ کہ وزیرِ تفویض کا عزل و نصب امام کے ماتھ میں ہوتا ہے وہ جب چاہے اُس کے اختیارات کو سلب کر سکتا ہے۔ گو یا امام اصل ہے امیر اُس کا ظل۔ اور وزیرِ تنقید خود کوئی حکم نہیں دے سکتا اور نہ تجویز کر سکتا ہے۔ وہ ہر ایک معاملہ میں امام کے حکم و رائے کا متبع ہے۔ اُس کا منصب صرف اس قدر ہے کہ امام کے یہاں سے صادر شدہ احکام کو نافذ کرے۔ بلکہ بنی اسرائیل جو نبیاری علیہم السلام کے ساتھ ملکہ کام کرتے تھے اُنکی شان یہ معلوم ہوتی ہے کہ شرائط میں تابع احکام انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے اور کوئی معاملہ خلاف منشورِ شریعت طے نہ کر سکتے تھے۔ شریعت کا منشور معلوم ہونے کا ذریعہ انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے۔ ہر موقع و مقام کے مناسب انبیاء علیہم السلام احکام شریعت ظاہر فرماتے تھے اور بلکہ انکا ابتداء کرتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر اُن کو وزیرِ تنقید کہہ دیا جائے تو کچھ مستبعد نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ دوشعبوں حمایتِ خلق و نظامِ عالم میں سے ایک شعبہ کے اختیارات مستقل اُن کی سپرد کر دیئے گئے ہیں تو اس اعتبار سے اُن کو وزیرِ والیِ تفویض کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امامت و سیاست کے واسطے میں بذیلِ سلسلہ تعلیمات اسلام ہمارا وہ رہ گئے ہیں۔ اگر توفیقِ الہی نے دو فراموش مستقل شعبوں کے اُس میں انتشارِ اللہ تعالیٰ اس بحث کو مفصل و مدلل مروج کریں گے۔ یہاں فقہِ ضرورت اسکی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے ۱۲۰ مشر

کیوں منتخب کیا گیا۔ یہ بات اُنکو انوکھی معلوم ہوئی کہ برخلاف معمول سابق خاندان یہود وائے منتقل ہو کر ملک کسی اور خاندان میں چلا جائے۔ طاوت اپنی ذات سے مفلس و تنگ دست تھے اپنے پیشہ کے اعتبار سے بھی ذمی و جاہل ہونیکے بجائے کم رتبہ سمجھے جاتے تھے کیونکہ وہ دباغ و جڑہ رنگنے والے یا سقا دپانی بھرنے والے تھے اور یہ دونوں پیشے مخلوق کی نگاہ میں حقیر و مبتذل سمجھے جاتے ہیں۔ اور خاندان سلطنت میں سے نہ تھے کیونکہ وہ بنیامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ اور نبی اسرائیل کی عادتہ مستمرہ یہ تھی کہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی بات بھی بلا کسی قسم کی تکذیبی کے نہ مانتے تھے۔ اسلئے منازعت کیلئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے طاوت کو کیوں بادشاہ بنایا گیا۔ ہو ہم پر کیوں فوقیت دی گئی۔ وہ کونسی بات اُس میں موجود ہے کہ ہم باوجود فہرتم کی قابلیت۔ و ہیبت و لیاقت کے نظر انداز کر دیئے گئے اُن کے ان اعتراضات و خدشات کا جواب خداوند عالم نے آیات مذکورہ میں دیدیا جس کا حاصل یہ ہوا کہ تمہاری نظراس ظاہری شان و مال و دولت پر ہی تم اُنکو نہیں سمجھے محض کی وجہ سے حقیقتاً قابلیت سلطنت کی ہوتی ہو۔ طاوت میں وہ قابلیتیں موجود ہیں جو تم میں نہیں ہیں علم اُن کا تم سے زیادہ ہے۔ قوت جسمانی و سلامتی حواس میں وہ تم سے زیادہ ہیں اور انہیں پر ادوار فرائض سلطنت کا مدار ہے۔

پھر اسکے علاوہ یہ ہے کہ مملکت و سلطنت موہبت الہی ہے اُسکو اختیار ہے اپنا ملک جسکو چاہے عطا فرمائے۔ قابلیت پیدا کرنا بھی اُسی کے اختیار میں ہو اور عطا ملک بھی واللہ یوئتی مملکنا من یشاء۔

ملک و سلطنت کے یہ دونوں سلسلے اسی طرح جدا جدا چلے آئے۔ لیکن حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی ذات میں ان دونوں کو جمع کر دیا گیا۔ کلام اللہ میں ارشاد ہو۔

کَلَّا أَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا | ہم نے ہر ایک کو علم و حکم عطا کیا،

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی زیادہ وسیع حکومت دی تھی اسکی حکومت انسانوں سے متجاوز ہو کر جنات طیور و وحوش پر بھی تھی۔ ہو اُوکو اُنکے لئے مسخر کر دیا گیا تھا

طیوڑد حوش سے پہرہ چوکی کا کام لیا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود اسکی دعا فرمائی تھی۔ جو درجہ اجابت کو پہنچی۔

رحمہ کو ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کیلئے نہ ہو
تحقیق تو بڑی بخشش والا ہے

وہب لی ملکاً لا ینبغی لاحد
من بعدی انک انت الوہاب

فائدہ :- اس آیت میں امر قابل تنفیج و بخشش میں۔

اول یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا مطلب کیا تھا۔

سو معلوم کر لینا چاہئے کہ اس دعا کے تین مطلب بیان کئے گئے ہیں اول یہ جو ظاہر الفاظ آیت سے منہم ہوتا ہے کہ مجھ کو ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو ایسا ملک نہ ملے۔ کیونکہ مواقع ترفیف و مرح یا طلب میں جب ایسے الفاظ کو جمع کیا جاتا ہے جو ظاہر و دوسروں سے نفی پر دلالت کرتے ہیں تو عرف و استعمال میں صرف اپنے لئے کسی بڑی چیز کی طلب یا کسی کے فضل و کمال کی عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے دوسروں سے نفی مطلوب نہیں ہوتی مثلاً کسی کی طرح میں کہا جاتا ہے۔

نہاں شخص کی تفسیر : دولت ایسی ہے جو کسی کو
ما مل نہیں ہے۔

لفلان ما لیس لاحد من الفضل
والمال

اس عبارت میں مدلول الفاظ صاف اور صریح طور پر مدوح کیلئے اثبات اور غیر مدوح سے نفی و سلب ہو لیکن عرف و استعمال شاہد ہے کہ نہ قائل کی یہ غرض ہی اور نہ سامع اس سے یہ مطلب سمجھتا ہے۔ اُس سے صرف مدوح کے فضل و کمال کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ سو ہم یہ کہ اس عبارت میں ایک کلمہ کو مقدر مانا جائے اور تقدیر عبارت اس طرح کی جائے۔

لا ینبغی لاحد سلبہ یعنی مجھ کو ایسا ملک عطا فرما جو مجھ سے سب سے زیادہ اور مجھ سے نہ لیا جائے۔

اور اس وقت دعا کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ مجھ کو نہایت عظیم الشان ملک عطا فرما۔ جو فی حد ذاتہ بے مثل ہو۔ اور نہ یہ ہو گا کہ اُس جیسا ملک کسی اور کو نہ ملے۔ بلکہ یہ ہو گا کہ جیسا ایک مبتلا کے بعد جس کا آیتہ سابقہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ چند روز کیلئے میرا ملک مجھ سے سلب کر لیا گیا تھا۔ آئندہ مسلوب نہ ہو اور

کسی کو اُس کے سلب کرنیکی قدرت و طاقت نہو۔

تین احتمال ہیں اس آیت کے مطلب میں جن میں سے احتمال اول باعتبار مدلول الفاظ اور مطابق دلالت کلام ہونے کے قوی ہے اور اُس سے عدل و توازن کے دوسرے معنی کی طرف جو عبادت و دلالت خفی ہوں اور اُن کی مراد لینے میں عوف و استعمال کا سہارا حاصل کرنیکی ضرورت پڑی یا جو مدلول سے بعید ہوں۔ کوئی وجہ نہیں ہے۔

مگر مفسرین کو ایسے ظاہر الدلالت معنی مراد لینے میں متامل ہیں۔ اول یہ کہ کسی اور کو ایسا ملک دینے جائیکی دعا کرنا منافست میں داخل ہو جو ایسے حلیل القدر نبی کی شان سے مستبعد ہے اپنے لئے طلب کرنا اگرچہ منشاء اُس کا صحیح ہو معیوب مذموم نہیں لیکن دوسرے کو فضیلت و نعمت کے محروم کرنیکی خواہش کرنا اچھا نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا مقبول ہو چکی اور اب کسی کو ایسا ملک ملنا نہ چاہئے۔ لیکن ایک حدیث سے جو بخاری وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہو معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسی عام حکومت و اختیارات جن و انس پر حاصل تھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ایک بھوتنا کل رات میری طرف اس غرض سے آیا کہ سیر فی ناز کو منقطع کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو قابو دیا۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس کو مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح کو تم سب بھی اُس کو دیکھو لیکن مجھ کو میرے بھائی سلیمان کی دعا سب بھبلی ملکا لاہیل بنی (احمد من بعدی) یاد آگئی۔

حمدہ تعالیٰ نے ذلت کے ساتھ اس کو لوٹا دیا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان غفرتا جعلت غفرتا على البعثة ليقطع
على صلواتي وان الله تعالى امكنني منه
فلقد كلفتم ان اربطه الى سارية
من سواري المسجد حتى تصبحوا فتنظروا
اليه كلكم فذكرت قول اخي سليمان
رب اغفر لي وهب لي ملكا لا يعنيني
احمد من بعدى فردة الله
خائفاً

اور اسی لئے دوسرے معنوں میں سوغنی ثانی کو مزج سمجھتے ہیں کہ ان میں کوئی خلیجان نہیں ہو لیکن
میں سے خواہاں ہیں وہ فوجیں ایسی نہیں ہیں جنکی وجہ سے ان ظاہر الدلالت معنی کو ترک کیا جائے۔

گراں لیا جائے کہ اس دعا سے منافقہ معلوم ہوتی ہے تب بھی ہم کو یہ غور کرنا چاہئے کہ منشا اسکا
کیا ہے۔ آیا ذاتی غرور و جاہ ہے یا اظہار شوکت دین الہی و جلالت قدر انبیاء علیہم السلام۔ حضرت سلیمان
علیہ السلام کو ملک وسیع و اختیار و تسلط عام جن و انس طیور و دوش پر تو پہلے سے دیا ہی گیا تھا۔ اسلئے
اسکی خواہش تو دراصل انکو نہ تھی اور نہ ایسی دعا کرنے کا خیال تھا مگر چونکہ اسی ابتلا و امتحان کی وجہ سے
جو ان کو پیش آیا جس کی وجہ سے چند وزان کا ملک سلب اور اختیارات ساقط ہو گئے تھے ان کو یہ ضرورت
پیش آئی کہ انبیاء علیہم السلام کی جلالت شان۔ اپنی قرب منزلت عند اللہ اور قدرت باری کی وسعت
کا اظہار کریں اور دکھلا دیں کہ گواہی ابتلا کی وجہ سے چند روزہ ملک سلب ہو گیا ہو۔ مگر اب مجھ کو وہی ملک پہلے
سے زیادہ استحقاق کیساتھ مل گیا کہ نہ اب سپر کسی کا خواہ جن ہو یا انس تسلط ہو سکتا ہے اور نہ میں سے
بعض کسی کو ایسا ملک مل سکتا ہے اور جبکہ منشا اس دعا کا یہ ہے تو اس میں کچھ مریج نہیں ہے اور نہ خلاف شان انبیاء
علیہم السلام ہے۔

رہا خلیجان ثانی وہ بھی کچھ نہیں ہے کیونکہ اس دعا میں اگرچہ لفظ غیر عیالی ہے مگر عام میں بعض چیزیں مستثنیٰ
ہے، جوتی ہیں اور یہ مستثنائے انکی عموم کو باطل نہیں کرتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا اسی عام مفہوم کی موافق
مقبول بھی ہو چکی ہو اور فرض کرو کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی عظمت و شان کا وسیع ملک اور
کامل و تمام اختیارات بھی عطا کئے گئے ہوں اور آپ سلطنت و ملک کے اعتبار سے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے
مساوی نہیں بلکہ بدرجہا بڑے ہوئے ہوں۔ تب بھی اس دعا کی عموم اور اجابت دعا میں فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکی دعا کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے منزلت عند اللہ۔ نبوت حقیقی و ذاتی۔ انبیاء علیہم السلام کی آپ سے
مستفیض اور تابع ہونے کو بخوبی جانتے تھے پھر اپنی دعا کے عموم میں آپ کو کیسے داخل کر سکتے تھے۔
دوسرے یہ کہ اس حدیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایک غدریت پر تسلط دیا گیا

وہ بھی ایک وقت خاص میں جیسا کہ لفظاً ممکن فی اللہ منہ سے معلوم ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی مطلب کے سکتا ہے تو یہ کہ جنات پر آپ کا تسلط تھا اور اس خاص شعبہ میں آپ کی حکومت حضرت سلیمان علیہ السلام کے مساوی تھی۔ لیکن انکی حکومت تو علاوہ جنات کے اور چیزوں پر بھی تھی اور اس حدیث کے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت و مملکت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح عام تھی پھر اس خلیان کی راہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی راہ کا علی اسبیل العموم مقبول ہونا کیونکر باطل ہو گیا۔ ان سب کے علاوہ یہ بات ہے کہ بیشک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہوں کے بادشاہ اور نبیوں کے نبی تھے جس کو جو کمال ملا آپ کی وساطت سے ملا۔ تمام کون آپ کے زیر نگین تھا۔ اور اس اعتبار سے آپ کی روحانی و جسمانی برتری۔ حکومت و سطوت کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے بھی عظیم الشان کہا جائے تو بجا و درست ہے۔ مگر آپ کی شان ملوک و سلاطین کی شان نہ تھی۔ باوجود اس غطت و اقتدار کے آپ نے اپنے لئے شان عبدیت کو ہی پسند فرمایا۔ کھل مکایا، کل العبد اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کھاتا ہے (کبھی تخت والے پر بیٹھ کر ہوا میں چلنے کو پسند نہیں فرمایا۔ نہ جنات سے آپ نے ہماروں مزدوروں کا کام لیا۔ نہ وحوش و طیور کی افواج صف بستہ آپ کے سامنے کھڑی ہوتی تھی۔ نہ تخت شاہی پر جلوس فرمایا۔ پھر جب آپ نے باوجود اس عموم حکومت و اقتدار و اختیارات اپنے لئے اس طرز شان کو پسند نہیں فرمایا اور نہ آپ کا طرز ملوک و سلاطین کا طرز تھا۔ تو اس حالت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عموم حکومت و سلطنت سے اس کو کیا منافات ہے۔

جیت و دونوں خلیان مرتفع ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے ظاہر مطلب کو چھوڑ کر دوسرے معنی کی طرف توجہ کریں۔ بیشک جہانک بہا و اخیال ہے اس آیت کا یہی مطلب سمجھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی اس دعا کا یہی مطلب سمجھا ورنہ آپ کو اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی فنا کو تو خالی سلیمان رب اغفر لی وھب ملکاً لا یمینفی (احمد من بعدی

اور تواریخ عالم بھی شاہد ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کسی بادشاہ کو نہ اتنا وسیع ملک ملا

نہ ایسے عام اقتبارات عطا ہوئے۔

ہی یہ بات کہ ایک غفریت کو پکار کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستون مسجد سے باز نہ بھی دیتے تو اس سے مساوات حکومت سلیمان علیہ السلام کیونکر ہو جاتی پھر کیا وجہ تھی کہ آپ نے اس دعا کے خیال سے اُسکو چھوڑ دیا۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کمال رعایت و پاس درجہ دعا و اجابت دعا کا تھا کہ ایک جزویں بھی تھوڑے سے اشتراک کو پسند فرمایا اور اسی سے ہماری اس غرض کی خرید تائید ہوتی ہے کہ آپ کو بیشک ہر قسم کے اقتدار و اختیار تمام موجودات پر حاصل تھے آپ الہین و آخرین کے سردار مبدء فیوض و برکات تھے خلق عالم کی منشأ تھے۔ مگر آپ نے شان ملکیت اختیار کرنے اور ملوک و سلاطین کے ساتھ اشتراک کو خواہ نبی ہوں یا غیر بنی اور وہ اشتراک خواہ اسم میں ہو یا رسم میں کسی حد تک بھی پسند نہیں فرمایا۔

معنی اول مراد لینے کی صورت میں ایک ہی فائدہ ہو کہ دونوں آخری معنی خود بخود اس کے ساتھ آجاتے ہیں کیونکہ ایسا ملک جو کسی کو نہ ملے خود عظیم الشان بھی ہو گا اور کسی کو اُس کے سلب قدرت نہ ہوگی۔ اور وہ کبھی مسلوب نہوگا۔

امر ثانی یہ کہ ایسی دعا کرنا کیا تھا۔ اس میں اقوال مختلف ہیں اگر سب کو مفصلاً بیان کیا جائے تو نہایت طول ہو جائیگا اور یہ موقع اس کا نہیں ہو لہذا باختصار بیان کیا جاتا ہے۔

بعض کا قول تو یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس ابتلا میں مبتلا ہوئے جس کا ذکر آیت سابقہ میں ہوا ہے تو اُس کے بعد آپ نے قبولیت دعا کی علامت کے طور پر اور اس اثر کے ذقیقہ کے لئے جو ابتلا سے پیدا ہوا تھا۔ یہ دعائیں تاکہ عوام و خواص کو معلوم ہو جائے کہ اس ابتلا سے آپ کی عظمت شان۔ قرب و منزلت عند اللہ میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ اور زیادہ بڑھ گئی اور یہ کہ ابتلا ایسا ہی تھا جیسا کہ خواص و مقربین کو پیش آجاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ عام اسلئے تھی کہ اس قدر عظیم الشان ملک و دولت طاعات و عبادات خداوندی کی کثرت کا ذریعہ بن جائے۔ کیونکہ اگر مال و دولت دنیا کو امور خیر اور اتقانِ مرضات اللہ میں صرف کیا

کیا جائے اور دنیا حصول دین کا وسیلہ ہو جائے تو ایسی دنیا نہایت محمود ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

نعم المال الصالح للرجل الصالح | رمال صالح مرد صالح کیلئے بہت اچھی چیز ہے۔
ظاہر ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام ایسے ملک عظیم کے مالک متصرف ہوں جو شان دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ آپ کے بعد کسی کو نصیب ہوا اور اس مال میں ایک ساعت کیلئے بھی اس کی طرف مشقت نہوں۔ اُس سے کام لیا جائے تو صرف اصلاح دین۔ تکثیر خیرات و مبرات کا تو اس کے ذریعے تقرب الہی ہونے میں کیا تردد ہے پس ان کا اس ملک عظیم کا طلب کرنا درحقیقت سرسبز خیر تھا بلاد و عباد سب کی بہتری اُس میں ملحوظ تھی۔

زخشری کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام خاندان ملک و نبوت میں تھے یعنی آپ کے خاندان میں ملک و نبوت کو جمع کر دیا گیا تھا آپ کو نبوت و سلطنت اپنے والد اود علیہ السلام سے ملی تھی۔ آپ کو مملکت و سلطنت سے اُس حاصل تھا۔ آپ نے اپنی نبوت کی دلیل کیلئے معجزہ بھی اُسی نوعیت کا طلب کیا یعنی جھکو ایسا ملک عطا فرما جو کسی کو نہیں ملا اور یہ امر معجزہ کی حد میں بھی داخل ہوتا ہے جب بطور خرق عادت کے ہو

زخشری کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ زمانہ قوم جبارین کے تسلط و مملکت کا زمانہ تھا ان کو اپنی وسعت ملک اور تسلط و قوت پر فخر تھا۔ اور یہ ایک امر مسلم ہے کہ ہرنی کو مناسب وقت معجزہ عطا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا کمال درجہ غایت کو پہنچا ہوا تھا تو آپ کو معجزہ بھی اُسی قسم کا دیا گیا جس کے مقابلہ سے فن سحر کے صاحب کمال باوجود اشتراک ظاہری عاجز آگئے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا چرچا تھا بڑے بڑے صاحب کمال طبیب موجود تھے سخت سے سخت امراض کے معالجہ میں اُن کو کامل و سنگاہ حاصل تھی ایسے زمانہ میں آپ کو معجزہ ایسا دیوٹے اور ابراہیم و ابراہیم عطا ہوا جس کے مقابلہ سے بڑے بڑے طبیب عاجز و درماندہ ہو گئے

علی ہذا حضرت خاتم النبیین کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر فخر تھا اپنے مقابلہ میں وہ ساری دنیا کو عجم کا خطاب دیتے تھے۔ گویا سوائے ان کے دنیا میں کوئی قوم اپنی مافی الضمیر کو کماتحادا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ ایسے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزہ کلام اللہ عطا فرمایا گیا۔ اور وہ بڑے بڑے مدعیان فصاحت و بلاغت اسکی ایک چھوٹی سی سورۃ کے مقابلہ سے عاجز رہ گئے۔

بعینہ اسی قاعدہ کی موافق اس زمانہ میں جبکہ مالک و سیدہ مطوت و شوکت کے حصول چار بار سن کو فخر تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا۔

لیکن اس دعا کو بطور طلب معجزہ تسلیم کرنے میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ معجزہ ابتدا نبوت کی وقت عطا ہوتا ہے اور یہ واقعہ جیسا کہ سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے درمیان کا ہے۔ یعنی آپ کو ملک و نبوت عطا ہونے اور ایک زمانے تک ایسے عظیم الشان ملک پر حکمرانی کرنے اور فتنہ میں مبتلا ہو کر اُس سے نجات حاصل ہونے کے بعد کا ہے۔

جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ معجزہ کیلئے شرط یہ ہے کہ ابتدا نبوت کے وقت طلب کیا جائے۔ اور تسلیم بھی کر لیں تو ایسا اس امر کیلئے نص صریح نہیں ہے کہ یہ عطا درمیان ہوئی۔ ممکن ہے کہ ابتدا نبوت ہی کا واقعہ ہو۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ زعمشری کا قول اگر صحیح ہو سکتا ہے اور جواب اشکال کو بھی اگر اُس میں بہت سے خلجان ہیں تسلیم کیا جاسکتا ہے لیکن سیاق آیت بالکل اسکی تائید نہیں کرتا۔

اس بحث میں بہتے امور قابل تحقیق تھے۔ مگر چونکہ یہ موقع اس کا نہیں اس لئے ہم اتنے ہی پر قناعت کر کے اور اس ضمنی فائدہ کو ختم کر کے اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(بنی اسرائیل میں) نبوت و سلطنت مجتمع و متفرق ہونے کی وہ صورت تھی جو اوپر عرض کی گئی۔ ختم الانبیاء کا زمانہ آیا۔ اور امت محمدیہ کو تمام عالم پر حق ریاست و حکومت عطا ہوا تو مملکت کو نبوت سے جدا نہیں رکھا گیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہی تھی جو سابق میں عرض کر چکے کہ باوجود کونین کے زیر نگیں نہ ہونے کے آپ اپنے اپنے لئے شانِ عبدیت ہی کو پسند فرمایا۔ آپ نے سلطنت و مملکت کے کسی ایک طرز و انداز کو بھی گوارا نہیں فرمایا۔ مگر جو اختیارات ایک شہنشاہِ اعظم کے ہونے چاہئیں وہ سب آپ ہی کے قبضہ میں تھے، اور آپ انکا استعمال فرماتے تو مہربانوں کے دایوں کا تقرر آپ کے حکم سے ہوتا تھا، قاضی آپ مقرر فرماتے تھے تحصیل حاصل آپ کے حکم سے ہوتا تھا۔ اموال خراج و زکوٰۃ آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے ہماہم غزوات میں لایا۔ بنفس نفیس انجام دیتے تھے، یا کسی کو اپنا قائم مقام مقرر فرماتے تھے، الغرض سوا ان ظاہری شانِ سلطنت جملہ امور جو سلطان وقت کے متعلق ہوتے ہیں آپ کے دستِ مبارک میں تھیں اور نظامِ سلطنت کیلئے کوئی جدا گانہ سلطان نہ تھا۔ آپ خاتم الانبیاء تھے۔ نبوت کا سلسلہ آپ کی ذاتِ مبارک پر ختم ہو چکا۔ یہ صورت تو باقی نہ رہی کہ نبوت و سلطنت یک جا جمع ہو جائیں اور اقتضائے اصلی حالتِ امت مرحومہ یہ تھا کہ سلسلہ اسی شانِ انداز کے بحیثیت اجتماعی قائم رہے۔ اور اُس میں نبوت کے آثار اور حکومت و سلطنت کے لوازم مجتمع رہیں یہ درجہ خلافت راشدہ کا تھا۔ خلفائے راشدین نبی نہ تھے۔ مگر منہاجِ نبوت کو عیناً و کشفاً سمجھے ہوئے اُس پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی قابلیت تام رکھتے تھے۔ علومِ نبوت کا انوکھا س تام اُن میں موجود تھا۔ اور اس بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے طریقے و سنت کو اپنی سنت کیسا تسلیم فرمایا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

عفیوہ لبسنتی و سنت الخلفاء	میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت
الراشدین المہدیین	کو مضبوطی سے پکڑو۔

خلفاء راشدین میں بھی شیخین درجہ بدرجہ فائق تھے۔ اس لئے اُن کی اتباع و اقتداء کا حاصل حکم دیا گیا۔

اقتلوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر | اقتدار کو اُن کو کا جو میرے بعد بیٹھے۔ یعنی ابی بکر و عمر کا

خليفة راشد کا کام یہ ہر کہ وہ نظامِ ظاہری کو قائم رکھنے کیسا اقتدار امت کو منہاجِ نبوت پر چلائے۔ اور بالیسا سخت و صعب کام ہی جس کا نبھانا نہایت دشوار ہی۔ سلاطینِ عادل کا وجود دنیا میں بہت

ملیگا۔ مگر سلطنت علیہ المنہاج النبوت کا وجود عنقا کے حکم میں ہے۔ آپ کے مبارک و مسعود زمانے کے بعد صرف تیس سال تک خلافت علی منہاج النبوت کا سلسلہ رہا اور اُس کے بعد باوجود کیہ خلفاء مروانیہ و عباسیہ میں ایسے خلفاء ہوئے جو عدل و انصاف اور تنظیم امور سلطنت میں ضرب المثل ہیں۔ مگر ان کی خلافت کو خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہتے۔ صرف عمر بن عبد العزیز ایسے گذرے ہیں جن کی شان خلفاء راشدین کی سی تھی اور اسی وجہ سے اُن کے زمانہ کو مثل زمانہ خلفاء راشدین کہا جاتا ہے۔ یا آخر زمانہ میں امام احمدی ایسے ہونگے جن کے اندر دونوں وصف یعنی آثار نبوت و حکومت پوری طرح مجتمع ہونگے اور وہی خیرات و برکات و عود کراہیں گے جو زمانہ نبوت یا خلافت میں تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے سلاطین رحمدل۔ انصاف پسند متشرع و متدین گذرے ہیں جنہوں نے توسیع ممالک و حفظ حدود سلطنت و اجراء احکام شریعت میں سرتوڑ کوشش کی ہے مگر ایسے انکو خلیفہ راشد تسلیم نہیں کیا۔ اسکی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ دونوں کو جمع کر کے ہر ایک آثار و لوازم کو اسکی حد پر رکھنا نہایت سخت مرحلہ ہے اور سلطنت کو منہاج نبوت پر چلانا کٹھن کام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مرض وفات میں ایک وزیر بہت سچپین تھے اور فرماتے تھے میری سمجھ میں نہیں آتا خلافت کے معاملہ میں کیا کروں۔ اسی تردد میں ہتا ہوں کہ اپنے بعد کس کو جانشین کروں حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔ علی کیسے ہیں آپ انکو ولی عہد کیوں نہیں بناتے۔ فرمایا وہ ہر طرح اہل و لائق ہیں۔ سو اراکے کہ انکے اندر مزاج و خوش طبعی ہے کوئی اور بات نہیں ہے۔ مجھے نظر آتا ہے کہ وہ متولی خلافت ہو جائیں تو تم کو حق کے اس استہ پر لیکر چلیں جس کو تم پہچانتے ہو۔

یہ طریقہ جس کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جانتے تھے وہی منہاج النبوت تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس طریقہ پر قائم رہنے دو سروں کو اس راہ پر چلانیکے پورے اہل تھے۔

اس ہمارے بیان سے نبوت سلطنت خلافت راشدہ کا فرق معلوم ہو گیا اور یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ نبوت و سلطنت کے مجتمع و متفرق ہونے میں کل چار احوال ہیں۔ نبوت محض سلطنت محض نبوت و سلطنت ایک جا جمع ہوں سلطنت علی المنہاج النبوت۔ سو محض نبوت تو ایسی ہی جیسے کہ انبیاء بنی اسرائیل میں۔

ہوتی تھی۔ جیسا کہ ہم مفصلاً بیان کر چکے ہیں۔ کہ باوجود انبیاء کے موجود ہونیکے سلطان وقت علیہ السلام تھا۔ نبوت و سلطنت دونوں کے اجتماع کی وہ صورت ہی جو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو بنی اسرائیل پر حاصل تھی۔ یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدس میں جمع کدے گئے تھے اور سلطنت محض کی مثالیں ہزاروں موجود ہیں۔ بنی اسرائیل اور امت محمدیہ کی ہر قرن میں سلاطین کا سلسلہ موجود رہا۔ سلطنت علی منہاج النبوت جس کو ہم نے خلافت اشد کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اسکے اندر ایک جانب تو اختیارات سلطنت کامل تمام موجود ہوتے ہیں۔ دوسری جانب نبوت کے آثار بھی پورے نمودار ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کے احکام نبوت کے احکام کے ساتھ ملحق سمجھے جاتے ہیں۔ ان چاروں کے فرض بھی متفاوت ہیں۔ بنی وحی الہی کے تابع ہوتے ہیں اور اس کے اشارہ پر معاش و معاد کے احکام کی تکمیل کرتے ہیں ان کے حکم کی اطاعت فرض و لازمی ہوتی ہے۔ اس سے روگردانی کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مردود و ابدی ہو جاتا ہے۔

سلطان احکام شرعیہ میں بالکل نبی کے تابع ہوتا ہے۔ البتہ نظام عالم کو قواعد شرعیہ کے مطابق قائم کرتا۔ عدل و انصاف کے قوانین جاری کرتا ہے۔ تمام معاملات کا خواہ زرعی ہوں یا تجارتی۔ تمدنی ہوں یا سیاسی۔ صلح کے ہوں یا جنگ کے اسی سے تعلق ہوتا ہے اور اسی احاطہ میں خود مختار بنکر اپنے احکام نافذ کرتا ہے۔

خلیفہ راشد میں سلطنت و حکومت کی جہت غالب ہوتی ہے۔ مگر چونکہ وہ مشکوٰۃ نبوت بھی مقبض مستیز ہوتا ہے۔ اس لئے احکام و اختیارات ایک حیثیت سے اگر بالکل سلاطین کے احکام و اختیارات ہوتے ہیں تو دوسری حیثیت سے وہ اپنے اندر احکام نبوت کی جھلک بھی لئے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے خلفاء راشدین کا اتباع کو اس درجہ کا فرض و لازمی نہیں ہے جیسا کہ احکام انبیاء کا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ انکی سنت و طہر سنت انبیاء کی مثل مشابہ بنادیا گیا ہے اور انکے اتباع کو ایک درجہ ضروری قرار دیا گیا ہے۔

خلیفہ راشد اور سلطان عادل کے طریقے ان کے احکام کا فرق اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو

تاریخ و سیر میں خلفاء راشدین کے حالات ملاحظہ فرمائیے آپ کو صد ہا مثالیں ایسی ملیں گی کہ خلیفہ کا حکم یا طرز عمل سیاسی پہلو سے علیحدہ ہو کر اصلاح معاد و تہذیب اخلاقی و مملکت تصفیہ باطن و تزکیہ خواطر پر مبنی ہوتا ہے۔

مثال کی ضرورت ہی تو دیکھ لیجئے

حضرت معاذ ابن جبل انصاری رضی اللہ عنہ۔ نوجوان خوش رو و خوش خور۔ کشادہ دل سخی تھے اپنی قوم کے بہترین نوجوانوں میں سے سخاوت و کشادہ دستی کا یہ حال تھا کہ کسی چیز کا رکھنا اور جمع کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ ایسے سخی کریم النفس کی آمدنی اگرچہ وہ فی حد ذاتہ زیادہ بھی ہو۔ کما تنک خرچ کا ساتھ بناہ سکتی تھی۔ آخر قرض لیکر خرچ کرنا شروع کیا اور اسقدر قرض دار ہو گئے کہ تمام اموال منقولہ و غیر منقولہ قرض کے احاطہ میں آ گئی۔

جب آمدنی کی کوئی صورت نہ رہی قرض خواہوں نے مطالبہ شروع کیا تو حضرت معاذ جناب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بدیں غرض حاضر ہوئے کہ آپ کے ایما پر قرض خواہ کچھ نہ کچھ مسامحہ کریں گے اور کسی حصہ دین سے گزر کر کے تھوڑی سی پرفاعت کر لیں گے۔ قرض خواہوں نے باوجود آپ کے ایما کے کچھ بھی چھوڑنا گوارا نہ کیا تو آخر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا تمام مال فروخت کر کے قرض ادا فرما دیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے کوئی چیز ان کے پاس باقی نہ رہی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی اس حالت کا فکر تھا فتح مکہ کے ساتھ آپ اپنے ملک یمن کے کسی حصہ پر ان کو والی مقرر فرما کر بھیجا تاکہ انکی حالت کسی قدر درست ہو جائے اور جو نقصان مالی ان کو پہنچا ہے اس کا جبرئیل آمدنی سے ہو جائے جو بیت المال سے معاوضہ خدمت عطا ہوگی۔

حضرت معاذ اُدھر تو میسرؤن تھے اُدھر وہاں کچھ تجارت کی سلسلہ جنبانی کر دی۔ اور اس طرح اچھی مقدار مال کی انکے پاس جمع ہو گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ معاذ کے پاس اتنا چھوڑ کر جس سے وہ زندگی تیر کر سکیں باقی سب دبیہ و سامان لیکر

بیت المال میں داخل فرمائیں۔ صدیق اکبر نے اسکے جواب میں فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے بھیجا تھا کہ اُن کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ ایسی حالت میں میں اُن سے خود نہ لوں گا۔ ہاں وہ خود داخل کریں تو مصالحتہ نہیں۔

حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ ابوبکر صدیقؓ نے اس بات کو قبول نہیں کیا تو خود حضرت معاذؓ کے پاس پہنچے اور یہ درخواست کی کہ تم اُس مال کو داخل بیت المال کرو حضرت معاذؓ نے وہی جواب دیا کہ میں میں بھیجی اسلئے گیا تھا کہ وہاں ہر تلافی نقصان کروں اب میں برگز کچھ بھی نہ دوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یمن کر خاسوش ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضرت معاذؓ آپ سے ملے اور فرمایا کہ بھائی میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں پانی کے گروہ میں غوطے کھا رہا ہوں۔ ڈوبنے کے قریب ہوں تم نے مجھ کو نجات دلائی ہے۔ اسکے بعد حضرت معاذؓ نے صدیق اکبرؓ کی خدمت میں سارا ماجرا عرض کیا اور جو کچھ کہا کر لائے تھے سامنے رکھ کر حلف عرض کیا کہ میں نے کسی چیز کو مخفی نہیں رکھا۔ صدیق اکبرؓ نے حلف کیساتھ فرمایا کہ میں اس سے کچھ نہ لوں گا۔ میں اپنی طرف سے مشکوہ کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ فرمادے تھے۔ فرمایا کہ اب اس کے رکھنے میں کچھ مہرج نہیں ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نہایت جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں اُنکی فضیلت و منقبت کا اندازہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد امام العلماء عبر لوحۃ۔ (معاذ بن جبل قیامت کے روز علماء کے آگے آگے رہیں گے اور اونچے مقام پر ہوں گے)

ایسے جلیل القدر صحابی سے یہ تو ناممکن تھا کہ وہ بیت المال میں کسی قسم کی خیانت و بے احتیاطی کرتے یا رعایا کو ستا کر اپنا خزانہ پر کرتے۔ بطور روزیہ کے کچھ لیا تو وہ جائز تھا بیت المال کے مال میں تجارت کر کے نفع حاصل کیا تو باذن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ آپ نے اُنکو میں بھیجا ہی اسلئے تھا کہ وہاں اس نقصان کا جبر ہو جائے جو تمام جائداد و اموال کی فروخت سے پہنچ چکا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اول صدیق اکبرؓ سے اور پھر خود حضرت معاذؓ سے اموال کس سبب کو واپس کر دینے کیلئے اصرار کرنا اس بنا پر تو ہو نہیں سکتا کہ اُنکی طرف کسی قسم کی سوجھ بوجھ تھی یا اس طریقہ کسب کو ناجائز

اور مال کسب کو حرام و مشتبہ سمجھتے تھے۔ بلکہ بات تو یہی تھی کہ حضرت معاذ جیسے پاک بے لوث منتظم
عن الدنیا کیلئے آپ اُس کو پسند فرماتے تھے کہ دنیا یا متل دنیا کی طرف کچھ بھی توجہ کریں۔ اُن کے
دلیس ثروت و دولت کی کچھ بھی قدر و منزلت ہو۔ ولایت و قضا کے معاوضہ میں جو ایک ضروری
اسلامی دینی خدمت تھی سوار کفاف یا قدر گذران اوقات کچھ بھی لیں۔ غرض اُن کے دل کو حب دنیا سے
پاک رکھنا اور اُس تلوت سے دور رکھنا تھا جو ممکن ہے کہ ولایت صوبہ کی جلیل القدر منصب یا تحصیل مال
میں ہو گیا ہو یہی وجہ تھی کہ جب تک حضرت معاذ کی طبیعت میں کچھ بھی تعلق یا میلان اُس مال کی طرف
رہا۔ آپ کی طرف سے اُسکی واپسی پر اصرار رہا اور جس وقت یہ تعلق منقطع ہو کر خود واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے
دل سے اُس خیال کو دور کر کے حضرت عدیق اکبر کی خدمت میں سب کچھ حاضر کر دیا اور آپ نے اُسکے
قبول سے انکار فرمایا۔ تب حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا کہ اب اُسکے رکھنے میں کچھ ہرج نہیں۔ کیوں اس لئے
کہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ پہلے انکو رکھنا حرام و ناجائز تھا اب حلال ہو گیا۔
خیال فرمائیے کہ حضرت عمرؓ کے اس اصرار کا کیا منشاء تھا۔ بجز تزکیہ باطن و تطہیر قلب کچھ نہ تھا۔ اُنکی
ہمدی نصیح دینی کا اقتضایہ تھا کہ جو حضرات شرف و بیت و مجالست سرور انبیاء علیہم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام
مشرف ہو چکے۔ آپ کی برکات ظاہری و باطنی کی انعکاس نے اُنکی اخلاق و ملکات کو منور کر دیا اور وہ انوار
ایمانی سے مالا مال ہو چکے اُن کو متاع دنیا کسی قسم کا رابطہ و تعلق نہ رہی۔ دنیا کو محض تبلیغ یعنی ایام حیاۃ
پورا کر کے دار آخرت تک پہنچانے کا ذریعہ سمجھیں۔

دوسری مثال درکار ہو تو دیکھئے کہ حضرت عمرؓ بجز ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو
بضرورت مسلحانہ معرکہ ہائے رزم و بغرض اشاعت اسلام و توسیع ممالک اسلامیہ شام و عراق وغیرہ کے
بھیجے گئے تھے۔ باقی میل القدر صحابہ کو بلا کسی خاص ضرورت کے حد و مدنیہ منورہ سے باہر نکلنے کی
اجازت نہ دیتے تھے۔ دنیا کے سرسبز و شاداب ممالک ہاں کے سامان عیش و طرب و سائیش و راحت
تک نہ دیکھئے اُن سے حد جواز میں استمتاع و تفریح کو پسند نہ فرماتے تھے اور فرماتے تھے میں چاہتا ہوں
لہرون الدنیا و لا اخرت

(دنیا کو دیکھیں اور نہ دنیا لیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ تشدد جس کو غالباً ایک سطحی نظر والا جابرانہ حکم سے تعبیر کر سکتا ہے لفظاً اور قاعدہ شرعیہ اور اصول مہد اسلام میں داخل تھا۔

نہایت کیلئے سفر کی ممانعت ہونے تجارت اور طلب رزق کیلئے۔ مگر اس کا ہنسی بھی وہی تزکیہ و تطہیر و قطع تعلقات دنیا و متاع دنیا تھا۔ آپ کو اس کی فکر تھی کہ جن کامل و مکمل افراد کا بزرگیت حضرت سرور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تزکیہ نام ہو چکا دنیا کی اُنکے قلب میں پیشہ کی برابر قدر و قیمت نہیں تھی۔ وہ اسی طرح اُس عالم کو تشریف لیا جس اور کسی نہج و کسی عنوان سے ظاہری طور پر لوگوں دنیا کی سرسبزی و شادابی اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔

یہ اور اس قسم کے احکام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصود ہے اور یہ اُنکے خاص فرض منصبی میں داخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام جہاں ایک طرف اُمار و نواہی شرع کی تعلیم فرماتے تھے دوسری جانب دُنيا و مافیہا کی نفرت ذہن نشین کر کے قلوب کا تزکیہ و تصفیہ فرماتے تھے۔

هو الذی بعث فی الاممیین رسولاً منہم یتلو علیہما آیاتہ و یزکیہم و یعلّمہم الکتاب و الحکمۃ۔

وہ ہے جس نے اُنھیں ایچ آن پڑھوں کے پیغمبر انہیں میں سے پڑھاتا ہے اور اُن کے نشانیاں اُس کی اور پاک کر رہے اُن کو اور سکھاتا ہے اُن کو کتاب و حکمت

خلفاء راشدین کو بھی انبیاء علیہم السلام کے دنوں قسم کے احکام و اختیارات سے حصہ ملا ہے اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ وہ اختیارات سلطنت کیسا تھا آثار نبوت بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔

جب خلافت راشدہ کی حقیقت اور اُسکے اختیارات و آثار کا حال ہمارے بیان مذکورہ بالا سر بخوبی منگشف ہو گیا۔ تو اب سنئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

درجہ خلافت میں بھی ایک خاص درجہ رکھتے ہیں۔ بلکہ یوں کہہ دیا جائے کہ خلافتِ اشد اپنی دونوں جانبوں اختیارات و لوازم سلطنت اور آثار و برکات نبوت سے پوری قوت کے ساتھ آپ ہی کے عہد میں ظاہر ہوئی۔ اگرچہ درجہ و مرتبہ صدیق اکبر کا ہر معاملہ میں آپ سے بڑھا ہوا ہے۔ اور

خلافت کے اصول فستوح امصار و بلاد کی قواعد ترتیب جیوش تنظیم عساکر تولیۃ امرار و قواد
 سب کی بنا آپ ہی کے ہاتھوں سے پڑی۔ ملک عرب کا فتنہ و فساد کے عالم زلزلہ سی پاک
 و صاف کھلے آپ ہی کی ذات سے ہوا ہی۔ اسوقت آپ نے انبیاء الو الغم کی سی استقامت و
 صبر سلاطین قاہرین کی سی قوت و شوکت کا ثبوت دیا اور سب کچھ وہ کیا جس کے کرنے
 بلکہ سمجھنے سے بھی جلیل القدر صحابہ قاصر ہوئے تھے۔ مگر بایں ہمہ آپ کی خلافت کو شاہراہِ نبوت
 کا تہ سمجھنا چاہئے آپ میرا ثابوت کا غلبہ تھا۔ تنظیم بلاد و غیرہ امور سے آپ کو فطرًا مناسبت
 زیادہ نہ تھی۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ اس داعیہ خیر کی وجہ سے کیا جو بعد وفات جناب رسول اللہ صلی
 علیہ وسلم منجانب اللہ آپ کے روشن اور پاک دلیس پیدا کر دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے تمام ہم
 اور عظیم الشان امور آپ نے سر انجام دیے۔ اور اسی زہد اور عدم رغبت فی الدنیا کی بنا پر جناب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی خلافت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا: **وَفِي بَيْتِي مَضْعَفُ**
اَوْ حضرت عرضی اللہ عز و جل ایک جانب تو شانِ محدثیت کا امتیازی درجہ موجود جس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ مشکوٰۃ نبوت سے مقیاس انوارِ کامل و مکمل حاصل تھا۔ ادھر شانِ انتظامی ایسی اعلیٰ بیاندہ پر کہ
 استقامت و اہم فی اللہ کا اگر ان کا خطاب آگیا۔ ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
 واقعہ میں جس کا اندر خلافت خلفائے راشدین کی طرف اشارہ ہوا **فَلَمْ يَأْمُرْ بِالْقِيَامِ** (فوج)

کے حالات و معاملات۔ احکام و تھنایا سے جو دربارہ حضرت خالد اُن سے آخر تک ظاہر ہوئی۔ دولہ
 قسم کے امور ظاہر ہوئے بعض معاملات تو رینار قواعد و اصول سلطنت تھے اور منشا مواخذہ
 یا اجراء احکام یہ اصول تھے۔ اور بعض معاملات کا مقتضار وہی امور تھے جو منصب نبوت کی
 تعلق رکھتے ہیں۔ اُن میں عام اعتقاد کا تحفظ حضرت خالد کو دینا اور اُس کے لزانہ و حظوظ سے بے لوث

لہذا نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ابو بکر نے ایک ڈول پانی کے کھینچے اور اُنکے کھینچنے میں ضعف پڑا۔
 لہذا نہیں دیکھا میں نے کسی جوان کو کہ عمر کا سا کام قوت سے کرنا ہو بھی جلد خواہ کلیم۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے ڈول کھینچ کر
 ہیں آپ نے ڈول حضرت ابو بکر نے لیا اور ایک ڈول کھینچ کر اُنکے کھینچنے میں ضعف تھا یہ سب اُن سے ڈول حضرت عمر نے لیا تو بقیہ قوت ہو گیا
 ڈول کھینچے اس قوت کو آپ نے بایں الفاظ میں فرمایا کہ میں نے کسی جوان کو عمر کی طرح اپنا کام قوت سے نہ دیکھا۔ ۱۲

رکھ کر تزکیہ خاطر کرنا وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ ان تمام حالات کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اور ہم ہر موقع پر اشارہ بھی کرتے آئے ہیں۔ اس لئے یہاں اُنکے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہر صاحب فہم سلیم منطبق کر سکتا ہے۔ ہم نے اصل اولیٰ بیان کر دی۔ سلطنت خلافت کے فرق کو بتلادیا ہے۔ اسکو سمجھ لینا چاہیے اور پھر اسکو دیکھ کر کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دونوں قسم کے معاملات کس قوت و صلاحیت کیساتھ صادر ہوئے ہیں۔ ہر ایک بات کی توجہ بنچ جانا چاہئے۔ واللہ الہادی الی صراط المستقیم۔

فائدہ ثالثہ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں انما بعثت معلما۔ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، یعنی میرا اصلی اور حقیقی کام ہے کہ جہل کی عام تاریکی کا پرہ عقول و بصائر سے اٹھا کر علم کے انوار و برکات سے عالم کو منور کر دوں۔ ادھر دوسرا ارشاد ہے۔

بعثت لایمہ مکارم الاخلاق | میں مکام اخلاق و ملکات فاضلہ و افضلہ حسنہ کی تکمیل و تہم کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

یعنی مکام اخلاق و ملکات فاضلہ کی تعلیم و تلقین کا سلسلہ گو ابتداً آفرینش تجارتی ہے۔ ہر نبی نے اپنی شریعت میں اسکی تعلیم دی ہے۔ ہر ایک امت کے افراد صالحہ نے اخلاق و ملکات فاضلہ کے ذریعہ سے مدارج روحانی و جسمانی میں ترقی حاصل کی۔ انبیاء علیہم السلام کے بیان فرمودہ اصول و قواعد کو دیکھ کر اور سمجھ کر عقلاً ہر زمانہ خواہ کسی دین و نبی کے پیرو ہوں یا نہوں۔ اخلاق حسنہ و ملکات فاضلہ کی تعلیم کو انسانی تمدن و تہذیب کا جزو لا ینفک سمجھتے چلے آئے ہیں۔ مگر شریعت محمدیہ چونکہ تمام شرائع سابقہ کی مکمل شرح ہے اُنکے اندر جو افراط و تفریط تھی اسکو زائل کر کے جادہ اعتدال قائم کرنے والی ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہوا یہ شریف۔

یضع عنہما صرہما و لا یخلل | دفع کرتے ہیں اُن سے اُن کا بوجہ اور شائد جو ان پر پہلے سے تھے۔

اس لئے جس طرح احکام شریعت کے اندام سابقین افراط و تفریط کو دخل تھا۔ اسی طرح مکام اخلاق کے اندر بھی ایک گونہ افراط و تفریط موجود تھی۔ وجہ اسکی ظاہر ہے۔ ہر حکم شریعت کا منشاء کوئی خلق مطہی

اور ملکہ اصلی ہوتا ہے اور اس حکم و رکن شریعت سے ان اخلاق و ملکات کے آثار و ثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔ کسی حکم میں اگر کسی ملکہ فاضلہ کی تقویت و اصلاح مد نظر ہوتی ہے تو دوسری میں کسی ملکہ رذیلہ اور خلق ردی کا ازالہ و محو مقصود ہوتا ہے۔ پس ضرور یہ کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تمام شرائع سابقہ کی ناسخ یا با لفاظ دیگر مکمل ہے تو آپ کی اخلاقی تعلیم بھی مکام اخلاق کی مکمل و متمم ہوگی۔

اکمال و تقیم کے یہی معنی ہیں کہ اگر کسی ملکہ یا طبقہ میں کسی خلق حسن پر عمل درآمد نہیں ہوا اسکو زیادہ مستحق یا قابل عمل و التفات نہیں سمجھا تو اسکی ترویج دی جائے۔ اُنکو اسکے آثار و ثمرات سے مطلع کیا جائے۔ یا اگر کہیں خلق حسن کو بجائے خود دشمن و واجب العمل سمجھا جاتا ہو اگر افراد قوم نے اپنے خود تراشیدہ خیالات و اسکی صورت نوعیہ کو بدل ڈالا ہو اسکی طرقتہا میں تغیر کر دیا ہو اسکی اندر افراط و تفریط پیدا کر دی ہو۔ تو ان امور کو حذف کر کے اصلی عاصن کی تعلیم دیکر جو نقصان کو دیا جائے اور اس طرح اسکی متمم کر دی جائے۔

ہر ملک ہر ملت ہر طبقہ ہر فرق بلکہ ہر قوم اور اسکی کل افراد میں اخلاق کی تقسیم حسنہ و قبیحہ کے اندر موجود کسی جاہل سے جاہل قوم کے حالات و معاملات کا بھی اگر تجسس و تفقہ کرینگے تو آپ کو ان کی روانہ زندگی کے دیکھنے سے صاف صاف معلوم ہو جائیگا کہ انکی رسوم و عادات میں بعض اخلاق کا احسان بعض کا اعتکاف واقع داخل ہو سادہ مٹی پر انکی باہم معاشرت کے حسن و قبح کا مداسر ہو۔ یہ تو طبقہ جہال غیر تمدن و متمدن نشوونما کا حال ہے لیکن جہاں عقل کھلتی ہے تمدن میں تمدن ہیں۔ تہذیب و ترقی نے انکی عقل کو مصفی و مجلی کر دیا ہے۔ وہ انسانی معاشرت کے آداب و اصول و کما حقہ واقف ہیں۔ انکی اندر تو اخلاق حسنہ و سیئہ کی توزیع و تقسیم کو بہت سمجھا بخلا داخل ہوتا ہے۔ جو اخلاق ان کے نزدیک حسن و جمیل قرار دیئے گئے ہیں خواہ فطرۃ سلیمہ کے نزدیک وہ جمیل نہوں کسی شریعت ان کو تعلیم نہ دی ہو۔ مگر وہ اپنی زندگی کا لب لباب اپنی برتری و بہتری قوم میں اپنی عزت و رفعت انہیں اخلاق کیساتھ متصف ہونے میں سمجھتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے اخلاق کسی قوم میں رائج ہو جاتے ہیں جو مبیا کہ نفس الامری میں تسبیح و تقابل نفرت میں اس قوم کے بعض افراد کو بھی اسی طرح کھٹکتے ہیں مگر یہ شخص باوجود ایسے افعال اور انکی مشاعر یعنی اس خلق و ملک کو سخت نفرت و حقارت سے دیکھنے کے اپنی قوم کے خود تراشیدہ تہذیب و تمدن کو سنبھالنے کیلئے ان اخلاق کیساتھ مجبوراً متصف ہوتا اور وہ

افعال اس سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ملک عرب میں بہت سے ایسے اخلاق ذمیرہ و راج پکڑ گئے تھے جن کو
 برا سمجھنے والے ان میں موجود تھے۔ مگر جمہور اور قوم کی قوم انہیں اخلاق و ملکات کی تابع تھی۔ علی ہذا دوسری
 مشہد ان اقوام کا حال دیکھ لیجئے۔ ہماری اس عرض کا حاصل یہ ہوا کہ تعلیم اخلاق عالم کیلئے ایک لازمی امر
 جو قومیں شرع الہی کی متبع ہیں ان کے اندر وہی اخلاقی تعلیم ہے جو بواسطہ نبی ان تک پہنچی ہے۔ اور جو قومیں
 کسی مذہب و ملت حق کے تابع و متقاد نہیں ہیں ان کے اندر بھی اخلاق کی اصولی تعلیم تو بواسطہ شرائع
 انبیاء علیہم السلام پہنچی ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو باعتبار اپنی روایات قدیمہ کے
 کسی نبی یا کسی شریعت کی متبع نہ ہو۔ جہل و تہذیب و تمدن۔ سرکشی و نافرمانی نے رفتہ رفتہ اپنا اثر جاکر ان کو
 دائرہ اتباع انبیاء و شرائع سے نکال کر مستقل بنا دیا۔ اور ان اقوام نے انہی اصول تعلیم اخلاق کو تسلیم
 کرتے کرتے اس حد تک پہنچا دیا کہ بظاہر سوار چند لمحوں کے تعلیم انبیاء اور اخلاق رسوم و رواج اقوام میں کچھ
 مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔

دیکھئے تو سہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے جانشین حضرت اسماعیل ذبیح اللہ
 علیہ السلام نے حرم محترم میں بیٹھ کر مکارم کی تعلیم دی۔ وہ کونسا خلق حسن تھا۔ جسکی آپ نے تعلیم نہ دی تھی اور
 پھر نہ انداز تک انہی اخلاق انہی اقوال و افعال انہیں اعمال و معاملات پر عملدہ راہ بھی ہوتا رہا۔ مگر اثر یہ
 جو عرب کی حالت تھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تعلیم خلیل الہی کا کچھ بھی اثر باقی تھا۔ جب اخلاق تمدن عالم کیلئے
 ایسا جزو لاینفک ہیں اور کسی قوم میں خواہ کسی شریعت کے پابند ہوں یا اپنی عقل و رسوم مقررہ کے۔
 اخلاق و ملکات فاضلہ علی وجہ الکمال موجود نہ تھے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ کسی ملت میں تعلیم اخلاق
 مکمل طور پر نہیں ہوتی اور جب قدر تھی اس ملت کے افراد نے خود انکو بگاڑ ڈالا تھا اور رد و بدل کر کے اعلیٰ تعلیم کا ایسا
 ملیا میٹ کر دیا تھا کہ حقیقت و غیر حقیقت کا پتہ لگنا دشوار تھا۔ اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ عالم کے اکثر
 افراد نے جہاں احکام الہی کا اتباع ترک کیا۔ وہیں اپنی اخلاقی حالت کو اپنی عقل و اوہام۔ رسوم و عادات
 کے تابع کر لیا اور یہ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ منشاء جملہ افعال و اقوال کا اخلاق و ملکات ہیں۔ جیسا ظنی
 اور جیسا ملکہ ہوتا ہے ویسے ہی اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

گرا می جیب حرمہ العالمین پھیرا اور پکی ذات پر تمام عالم کی نجات کا دار پھیرا تو لازمی امر تھا کہ تکمیل شریعت کے ساتھ تکمیل و تقیم مکارم اخلاق بھی آپ کے ذریعہ سے ہوتی جو اخلاق و ملکات حسنہ عالم سے مٹ چکر تھے ان کو از سر نو زندہ فرماتے جن میں جو نقصان آکر انکی حالت و صورت بدل چکی تھی یا انکے مواقع استعمال میں تغیر آچکا تھا۔ اُن کو اصلی حالت پر نمایاں فرماتے۔ اور یہی مطلب آپ کے ارشاد فیض بنیاد کا تھا۔

خدا بے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے و انص تعلیمی کو آیت شریفہ کے اندر ان جامع الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

هو الذی بعث فی الامم رسولاً
منہم یتلو علیہم آیاتہ
و ینزلیہم ویعلّمہم الکتاب
والحکمۃ

وہ وہ ذات پاک ہے کہ جس نے اسی لوگوں میں ایک رسول بھیجا
اُن کی قوم میں سے جو اُن پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو تلاوت کرتا ہو
اور اُن کے نفسوں کا تزکیہ کرتا ہو اور کتاب کی تعلیم کرتا
ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

مفہوم آیت سے ظاہر ہے کہ آپ کی تعلیم میں تلاوت آیات و بیان احکام شرعیہ تزکیہ باطن و تطہیر اخلاق تعلیم و تلقین کتاب اللہ۔ و اصول و لمیات شرع تعلیم اسرار معرفت و توحید سب ہی کچھ داخل تھے۔ آپ کی تعلیم نے شریعت حقہ کو من کل الجوانب ایسا محفوظ و مستحکم کر دیا کہ کسی جانب سے ہمیں رخنہ پڑنے اور گزند پہنچنے کا اندیشہ و احتمال باقی نہ رہا۔ آپ نے شریعت کے حدود و احکام کے حسن و قبح اُن کے استعمال کے طریقے اس طرح بیان فرمادئے کہ جو شخص اپنے تقیظ و فہم کے ساتھ قائم رہے کسی ورطہ ہلاکت و رسوائی میں نہیں گر سکتا۔ آپ نے ظاہری احکام کی تعلیم کے ساتھ اسرار شریعت اور لمیات احکام کی تلقین بھی اس طرح فرمادی کہ کسی کو شک و شبہ کی اس میں گنجائش نہ چھوڑی تزکیہ باطن و تطہیر اخلاق کے ذریعہ سے علم الباقین کو حق الباقین کے درجے تک پہنچا دیا۔ اس طرح شریعت کے حصار کو اتنا محکم و استوار فرمادیا کہ خداوند عالم جل جلالہ نے شریعت محمدیہ کو متفہم کمال و تکمیل پر فرما دیا۔

اليوم املت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔
آج کے دن تمہارے دین کو کمال کر دیا۔ اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر پورا کر دیا۔ دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔

یہ تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تعلیم اور انجیم گاہ کے سنیافتہ حضرت مختار ضوان علیہم السلام تھے اُستاد کامل و بنیظیر تھے ہی۔ مگر شاگرد بھی تمیز تھے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم ائیں شریعت اسلامیہ کی حدود و فرائض اخلاقِ حسنہ کے متعامل خصائل ذمیرہ سے اجتناب۔ علوم اذواق و مولجید اسرار معرفت ذات و صفات توحید و تنزیس درجہ پائی تھی کہ اولین و آخرین میں ان کا کوئی مثل نہیں ہوا صحابہ مکمل دین تھے باطن ان کا نور معرفت و توحید سے لبریز تھا۔ اُنکے تمام اخلاق و ملکات مرضیات الہی کے تابع تھے۔ اُنکے تمام قوی و حرکات شریعت کے پابند و حدود شریعت کو اس طرح سمجھے ہوئے تھے۔ ایک لانچ اُن سے ادھر ادھر بٹنا ناممکن تھا۔

واقعہ امارت و عزل خالد رضی اللہ عنہ سے صحابہ کے حالات پر ایک بیدار روشنی پڑتی ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس واقعہ کے جزئیات پر غور کر کے صحابہ کے کمال کا اذعان کرے اس واقعہ کے اندر اس قدر امور قابل بیان ہیں جن کے احاطہ سے میں قاصر ہوں۔ مگر تمہیم فائدہ کی غرض سے چند باتیں عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔

(۱) تمام دنیا میں جس طرح لائق و باتدبیر افسران افواج کی ضرورت ہوتی ہے مسلمانوں کو بھی خصوصاً اس حالت میں جبکہ خبریہ ماعرب کی تنگدستی سے نکل کر ساری دنیا کا مقابلہ کرنا تھا کوئی بڑی ترتیب یافتہ فوج اُن کے ساتھ نہ تھی صحابہ میں ہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ بدیں معنی آزمودہ و پختہ کار تھے کہ صحبت کیما اثر نے ادھر شب و روز کی حاضری و خدمت گزار رہے۔ مگر کہائے رزم کے شب و فراز نے اُنکے تمام ملکات و قوی کو روشن و منور بنادیا تھا۔ ان میں کا ہر ایک فرد اُمت و احدہ کا حکم رکھتا تھا مگر ایسے قدیم لایام ہاجرین و انصار کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ صحابہ میں بھی زیادہ تعداد ایسے حضرات کی تھی جن کو سوار و خرف زیادہ جمال مبارک یا چند ایام یا چند ساعت یا ایک ہی بار حاضری و بار کی زیادہ نوبت خدمت گزار نہ آئی تھی۔ کیونکہ قبائل کے قبائل فتح مکہ کے بعد اور حجۃ الوداع کے درمیان مسلمان ہوئے۔ اگرچہ اکثر قبائل کے وفد حاضر دربار نبوی ہوئے۔ مگر وہ میں چند افراد حاضر ہوتے تھے بلکہ سارا قبیلہ۔ اور حجۃ الوداع میں گو بکثرت قبائل عرب شریک جج ہوئے اور یہی موقع عام طور پر قبائل عرب

اقتباس اوارو دیدار جمال مبارک کا نصیب ہوا۔ مگر اؤل تو اس میں بھی سارا عرب شریک نہ تھا۔ حجۃ الوداع میں کل تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بیان کی جاتی ہو۔ حالانکہ مسلمان قبائل عرب کی تعداد سو وقت بہت زیادہ تھی مسلمانوں میں ایک بڑی جماعت اُن طلقار کی تھی جو فتح میں اسیر ہوئی اور ان کو چھوڑ دیا گیا۔ یہ لوگ مسلمان بھی ہو گئے تھے اور صحابہ کے عدد میں بھی داخل سمجھے جاتے تھے۔ مگر حقیقت ابھی نچتہ مسلمان ہی نہ ہوئے تھے۔ ہاں اُس وقت کا اسلام اُنکے حقیقی اسلام کی مضبوط بنا کا حکم رکھتا تھا۔ بعض تو اُسی وقت نچتہ مسلمان ہو گئے اور اکثر کچھ زمانہ بعد۔ طائف میں مسلمانوں کی ہریت انہیں طلقار مکہ کی طفیل تھی جو کہ عدد میں ہزاروں تھے۔ مگر جہلو کے فضائل اسکے متاعب مصائب واقف نہ تھے۔ پھر ولید اسلام کی محبت نہ تھی مسلمانوں کا درد نہ تھا۔ کوئی مضمون تھا جو بوجہ عدم الفت اسلام و الفت دین آبائی و محبت قومی ہی تھا کہ مسلمانوں کی مغلوبی سے ولید مسرت پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ ابو سفیان باوجود مسلمان ہو جانیکے بول ہی اُٹھے تھے۔

لن تقتحي الهزيمة (لا الی البحر) (پر ہریت سمندر سے وڑ نہ سکے گی)

پھر منافقین کی ایک جماعت بھی اس وقت تک داخل و شریک تھی۔ ادھر وہ قبائل عرب جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے ملکہ برسرِ مقابلہ تھے۔ ان کا شمار بھی مسلمانوں کے شمار سے زیادہ تھا چنانچہ صدیق اکبر کو جو کام سب سے پہلے کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ سیدہ کذاب۔ اسود عسسی وغیرہ مرتدین۔ اور کفار عرب و منافقین کے فتنہ سے عرب کو صاف کیا اور یہ ظاہر ہے کہ گو حضرت صدیق اکبر کی بے مثل استقامت بروقت تدبیر و تدارک نے اسلام کی جڑ کو مضبوط کر دیا۔ کفر و شرک کی بیخ و بنیاد کا لکڑھنڈکا مگر یہی تو وہ مسلمان تھے جو ابھی ابھی برسرِ جنگ تھے اور اب ان کو عساکر اسلام میں بھرتی کر کے دم و شام عراق و فارس و حبشہ و قیصم اللیام سلطنتوں کے بشمار عساکر قاہرہ کے مقابلہ پر بھیج رہے تھے جو تہذیب و تمدن کے علاوہ کامل و مکمل سامان حرب و ضرب کے آراستہ و پیراستہ تھے۔ عرض عساکر اسلام کا اکثر عنصر ایسے ہی افراد سے مرکب تھا۔

ایسی حالت میں مسلمانوں کو کیسے لائق۔ کیسے جری۔ کیسے تار وودہ۔ سر ودرم چشید مسر کا ودرم

اور کیسے کوہ وقار یا تکلیف مدبر و فرزانہ امراء عساکر و قواد کی ضرورت تھی۔

پھر یہ بھی دیکھ لینے کی بات ہو کہ مہاجرین و انصاریں کی ایک بڑی جماعت جو علماً و علماء ہر طرح سے ممتاز و فائق سمجھے جاتے تھے۔ ان کی ضرورت خاص دار الخلافہ میں کس قدر تھی چنانچہ ایسے افراد میں سے سوا بعض حیدر بزرگوں کے جیسے ابن الامۃ ابو عبیدہ بن الجراح۔ یاسعد بن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ عنہم کے باقی کل وہ حضرات جنکو صحابہ کے اندر علم و زہد تقویٰ وغیرہ میں امتیاز تھا تعلیم امت اور ضروریات خلافت کیلئے مدنیہ منورہ ہی میں مقیم ہوئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ میں تمام وہ اوصاف موجود تھے جیسا کہ دل درجہ کے جنرل میں ہوتے چاہئیں مسلمانوں بالخصوص طبقہ اول صحابہ میں ایک سے ایک جبری ایک سے ایک بڑھ کر بدو ذی رائے موجود تھے مگر کوئی تو خصوصیت تھی کہ سیف من سیوف اللہ کا خطاب حضرت خالد کو عطا ہوا۔

حضرت خالد کے اندر جس وصف کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہو کہ ایک قائد ہمیش میں اس سے بڑھ کر اوصاف نہیں ہو سکتے۔ انکی شجاعت و بسالت۔ دانائی و فرزانگی۔ جرأت و جہت۔ خرم و متیقا۔ غرض جس وصف کو دیکھتے ہوں کہنے کو دل چاہتا ہو کہ اس سے بڑھ کر ہونا مشکل ہے پھر ان اوصاف کیساتھ لڑنے پر ان کا یہ عصب کہ نام سننے ہی وحشت و حواس خطا ہو جائیں۔ تدبیر پھول جائیں۔ دوستوں کو یہ اعتماد کہ جدھر لیجائیں بلا پوچھے ساتھ ہولیں۔ یہ باتیں تھیں کہ کسی اقبال مذکور کو بھی آج تک نصیب نہ ہوئی تھیں اور یہی وہ اوصاف تھے کہ آج تیرہ سو سال گزرے پر حضرت خالد کا سکہ مخالف و موافق کے قلوب میں اُسی طرح بیٹھا ہوا ہو جیسا جب تھا۔

ادھر تو یہ حالات تھے جن کا اقتضایہ تھا کہ ایسے پیش جنرل کی خدات و عساکر اسلامیہ کو محروم کر دینا ملک غلطی اور خود کشی سے کم نہ تھا۔ لیکن اُدھر شان فائق دیکھئے کہ بوجہ بعض ان افسروں کیلئے احتیاطیوں کے جو حضرت سے مقابلہ مرتدین عرب صادر ہو چکی تھیں عظیم الشان معرکہ یرموک میں جہاں کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج کو ہتھیار ترتیب یافتہ افواج۔ یہ مقابلہ تھا۔

صف کار زار مرتب تھیں۔ حضرت خالد کے سر پر قیادۂ عامہ کا پھر رہا اللہ مارا تھا۔ ایک دم مغربی کا

حکم سجدہ۔ اس اقل مغزولی میں ان معمولی گرفتوں کیساتھ وہ خیالات حفظ و اعتقاد اشد بھی تھے جو دوبارہ
کلی غل اور واپس طلب کر لینے کے سبب آئے۔ مگر جیسا کہ تواریخ کے مطالعہ سے مفہوم ہوتا ہے
عزل کو ظاہراً انہیں گرفتوں پر مرتبہ کھا گیا۔

اگر ذرا خیال وغور سے دیکھئے تو اس وقت فاروق عظیم کو سخت اثر کمال تھا۔ حد و شریعت کی نفلت
تو اس طرف داعی تھی کہ ایک ایسے ذمہ دار افسر کی ادنیٰ فروگدشت پر چشم پوشی نہ کی جائے۔ اور پھر افسر محض
افسر ہی نہیں بلکہ اقل درجہ کا مقبول و خاص صحابی جب کا فعل و قول خود قابل اقتدار کیونکہ تھوڑی سی چشم
پوشی کرنیسا اثر میں مضد عظیم کی بنیاد پڑتی تھی۔ افسران افواج کو ایسے مواقع میں اپنے خیالات اور جراتوں
کے پورا کرنے کیلئے حجتہ تامہ مانڈائی تھی خصوصاً اس وجہ سے اور بھی کہ وہ ایک صحابی کا فعل تھا۔
ادھر خلفاءِ سلاطین مابعد کو ماتحت افسروں کی ناجائز و ملک غلطیوں سے چشم پوشی کرنے کیلئے حضرت
عمر کا طرز عمل ایک نہایت قوی حجت ہو جاتی، اور حضرت خالد کی فتوحات عظیمہ کفار پر ان کا رعب و داب
مسلمانوں کو ایسے سخت وقت میں ایسے لائق و قائد و سپہ سالار کی ضرورت یا موراس طرف بلاتے تھے
کہ انکو اس عہد سے جنبش نہ دی جائے۔ مگر بالآخر آپ کا فیصلہ یہ ہوا کہ شریعت کی حد میں خنہ پڑنا ایسا مضد
عظیمہ ہے جس کی اصلاح خارج از امکان ہے۔ ادھر صحابہ میں ان سے بڑے درجے کے موجود ہیں جنکی
برکت سے وہ کام ہو جائیں گے۔ جو حضرت خالد کی آزمودہ کاری بقصد و حزم سے ہوتے تھے اور
اسکے ساتھ ہی یہ بھی یقین تھا کہ حضرت خالد کی خدمات محض ایک سبب زیادہ نہیں ہیں۔ ان کا کوئی فعل موثر
نہیں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہو خداوند عالم کے حکم و اذن سے ہوتا ہو۔ ایک سبب کیلئے بہت سے سبب ہوتے
ہیں۔ دوسرے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔ ادھر آپ کو حضرت خالد کی دینداری، اسلام اور مسلمانوں پر
جان نثاری سے کامل توقع تھی کہ اس عزل کا ان کے کسی حال پر اثر نہ پڑے گا۔ بلکہ وہ بمقابلہ کفار
بہادر خدمات جہاد کیلئے پہلے سے زیادہ چست و چالاک ہو جائیں گے اور اُس سے زیادہ کرد کھائیں
گے جو حالت قیادہ عام میں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کا یہ حسن ظن پورا ہو کر رہا۔

حضرت خالد نے وہ خدمات کیں جنکی وجہ سے حضرت عمر کو بھی مان لینا پڑا کہ ان کی خدمات تھیں

خود ان کو امیر بنادیا یہ تھا حضرت عمر کا تعلق دین۔ محافظت حدود شریعت لیسز رفتہ متعہ اور یہ تھا ان کا نول و ایمان۔ کہ ایک ذراسی فرو گذاشت کو جن کی تاویل حضرت خالد کے پاس موجود تھی بوجہ انسداد مفسدہ عظیمہ گوارا نہ کیا۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ زمانہ قرن اول تھا۔ بکثرت صحابہ عساکر اسلام میں موجود تھے مسلمانوں پر انکی صحبت کا گہرا اثر تھا۔ شرک و جہل کی بنیادیں اوکھڑ چکی تھیں۔ اسلئے کسی ایسے اعتقاد باطل کے راسخ ہو جائیکا تو اندیشہ بالکل نہ تھا کہ سلیمان کا کوئی ایک فرد بھی حضرت خالد کی بند یا فرست کو نتیجہ حرب میں مؤثر سمجھے لگے اور خدائے بے نیاز کی طرف سے توجہ اور انابت سوز ہول ہو جائے مگر اسیں شک نہیں کہ جو اعتقاد حضرت خالد کے تدابیر جنگ جرأت و بسالت کے اوپر تھا اس کا فوری نقصان لیک تو یہ تھا کہ بہت سے افراد ان پر اور ان کی تدابیر پر ایسے مطمئن ہو چلے تھے کہ خود اپنی طرف سے اقدام کر نیکی گویا ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ اور یہ امر حبیباً کچھ ضرر ہے ظاہر ہے خصوصاً ایسی قوم کے لئے جو دنیا کو ہدایت کرنے نکلے ہیں اور اسکو حضرت خالد جیسے ہزار ہا افراد کی ضرورت ہی۔

پھر صحابہ جیسے حلیل القدر افراد اور قرن اول کے مسلمانوں میں غیر اللہ پر اعتماد و بھروسہ گودہ کسی درجہ کا ہو یا سوار خداند عالم اور کسی کے فعل کو ذلیل و مؤثر سمجھنے کا شائبہ گویا ظاہری صوت کے اعتبار ہی ہوا انکے راسخ علم و ذوق معرفت۔ قارذات۔ توکل و تقدیر ایمانی ذوق و وجدانی کے سلسلہ خلاف تھا۔ سب سے بڑھکر کہ مفسد اعتقاد۔ اعمال و افعال کی بنیاد ہمیشہ ابتدائی فہمی پڑی ہو و افکار اور رنجین فی العلم میں تو کسی اعتقاد فاسد کی بنیاد جم ہی نہیں سکتی ہالی اسوقت اگر کسی ادنیٰ درجہ کے جاہلیا یا مباح پر مباح کیا گیا تو قرن مابعد میں انہیں مباحات و شرک بدعات کی صورت اختیار کر لی ہوتی ہوتی کی بنیاد ہیں سے چلی ہو کہ انبیاء و صالحین کی تصاویر کو ان کی یاد تازہ کرنے کی صحت و سوان کی طاعانہ اذات کی طرف راغب و متحرک ہو جانے اپنے مکانوں کی پاک صورتوں کی لہجہ انہولی وضع قطع سے برکات و فیوض حاصل کر نیکی لئے۔ کھا جانا شروع ہوا اس طبقہ میں ان بزرگوں کی عظمت تھی تو انکے بندہ کامل و عابد و ذلیل بدرگاہ اب العین ہونے کی حیثیت لیکن دوجار طبقہ گذر جانے پر وہ اعلیٰ

وجہ تو کم ہو گئی۔ وہی عباد صالحین اب بصورتِ لب و ملبوس پرستش کئے جانے لگے۔

بعینہ اسی طرح حضرت خالد پر اعتماد و بہرہ و جسم جمہا کر اسلامیہ میں پھیل گیا تھا اس وقت تو گو اسی درجہ کا تھا جیسے کہ تدابیرِ براجمہا کی شرع نے اجازت دی ہو۔ مگر تدابیرِ براجمہا ط کی حد تک احتمالِ اول تو اعمال و افعال میں ترکِ توکل کی طرف داعی ہوتا ہے بڑے بڑے صلحا صبح سے شام تک تدابیر میں منہمک رہتے ہیں۔ ترکِ تدبیر کی وقت پریشان خاطر ہو جاتے ہیں۔ ان کو بہت کم خیال ہوتا ہے کہ تدبیر و عدمِ تدبیر دونوں حالتوں میں فاعلِ حقیقی حق تعالیٰ ہی۔ اور بہرہ شدہ شدہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ توکل کو محض ڈھکوسلہ سمجھنے لگتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ چھالت کسل و کاہلی حیلِ غالب ہوئی تو توکل کو اڑنا یا جانا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ خامکاروں کا توکل اسی درجہ کا ہوتا ہے۔ مگر حقیقی توکل ایسا نہیں ہے اور حقیقی توکل سے بخیر ہو کر کسی توکل کو سمجھنا جس کے معنی عجز عن التدبیر کے ہیں یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے کہ اول مذہب ہی کو محترم علیہ اور معمول بنایا گیا۔ اور جب تدابیر کی تاثیراتِ قلوب میں راسخ ہو چکیں تو اب صرف توکل پر ایمان ہی ایمان بن گیا۔ اور پھر اس سے بڑھ کر حیل و عقل اور فلسفہ کی الجھنوں میں پڑے۔ عالم کو تدابیر ہی کا مظهر و کما حقیقی اسباب و مثرات۔ خالق الاسباب و التأثيرات تک سائی نہ ہوئی نہ عقول سلیمہ کی ہدایت باقی رہی نہ قوانینِ فطرۃ پر عمل درآمد یا علمِ ذوقی رہا نہ فہدائی۔ نہ کشفِ حقائق سے تعلق رہا اور نہ اسرارِ معرفت سے نہ اہل اللہ کے علوم و معارف پر ایمان و اذعانِ میسر آیا۔ نہ اُنکے آگے تسلیمِ خم کیا اب توکل کے عقائد بھی خلاصی ہو گئی۔ یہ وہ مراحل میں جو عالم میں پیش آچکے اور آ رہے ہیں۔

انہیں وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے فاتح سپہ سالار کو ظاہر ایک قسم کی بے عزتی کے ساتھ مغرور اور میدان کارزار سے واپس بلا کر بروقت امت کو سمجھا لا اور اس مفسدِ عظیم سے نجات دی جس کا اثر کو ابھی سولہ اسی قدس نفوس کے دوسرے حضرات کو محسوس ہوا ہو۔ مگر آپ کو اور آپ چیلپا کو عیاں مشہود تھا۔

آج صد ہا اولیاءِ امت کی قبروں کی پرستش ہو رہی ہے۔ انکی ذوات کی تعظیم مفرطہ میں گروہ کے گروہ مبتلا ہیں۔ مگر حضرت خالد بن کی عظمت خود انکی حیات میں انکو اقربان و امثال میں اس قدر تھی

آج انکی تعظیم مفروضہ کا وجود نہیں ہے۔ نہ انکی قبر کا عرس ہوتا ہے۔ نہ آداب و سجدات تعظیمی بجالائے جاتے ہیں۔ یہ اس بزرگزیادہ تعلیم کا اثر میں تھا اور یہ حضرت عمرؓ کا اس قرن پر اور تمام امت پر احسان عظیم تھا۔
 جزاء اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیرا۔

اصل وجہ تو اس غزل کی یہی تھی جو عرض کی گئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد کہ میں نے خالد کو کسی ناراضی ربیبہ اور تمہمت کی وجہ سے مفروضہ نہیں کیا اسکی واضح اور بین دلیل ہے۔

لیکن بعض اُن جنوی امور کو بھی اس میں دخل مان لیا جائے مثلاً کسی شاعر کو کچھ زیادہ تم انعام میں عطا فرما دینا۔ یا حمام میں جا کر بیٹھنے کا استعمال جس میں شراب کا کوئی جزو مخلوط تھا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ اس قسم کی بات ہے جو جوہات غزل میں بیان ہو چکیں حضرت خالدؓ نے اپنے خیال و رائے کے موافق کوئی ناجائز امر نہیں کیا شاعر کو انعام دینے کا منشاء موجود ہے یہ عہد احفظ ناموس کے لئے بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ خالد کوئی معمولی شخص نہیں ہے اُن کا فعل قابل افتداری و تقلید ہے۔ انہوں نے آج ایک شاعر کو اپنی ملک سے ہزار روپیہ دو سو امر اور سلاطین بیت المال سے لاکھوں کروڑوں دینگے اور اس فعل کو حجت گردانیں گے۔

علیٰ ہذا بیٹے کا قصہ گو حضرت خالدؓ کے نزدیک اس وجہ سے کہ شراب باقی نہ رہی تھی اُسکا استعمال جائز تھا اگر اس سے عوام کے خیالات کی تصحیح نہیں ہو سکتی شہرت یہی ہوتی کہ ایسا بیٹنا استعمال کیا جس میں شراب تھی اور ظاہر ہے کہ آپ کا یہ فعل دوسروں کیلئے حجت ہوتا اور آگے چل کر بلا توریہ و بلا تاویل ایسے بیٹے استعمال ہونے لگتے جن میں ظاہر شراب اپنی اصلی حالت میں مخلوط ہوتی۔ یہ تھی حضرت عمرؓ کی شان کہ مسئلہ توکل و تقدیر کو جو ایک اعتقادی مسئلہ اور دین کا اصل اصول ہو نیکی کے ساتھ کشفی و فانی تھا سنبھالنے اور امت کو فساد عظیم سے بچانے کے لئے حضرت خالدؓ کے غزل میں پس پیش نہ کیا اور کچھ پواہ نہ کی کہ جہاں اسلامیکہ کو ان کی علیحدگی کو کس قسم کا نقصان یا گزند پہنچے بیشک پہنچتا اگر دشما اس انتظام کا شائبہ نفسانی ہوتا۔ ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا اور یہ تھا صحابہ کا توکل تام۔ یہ تھی حضرت عمرؓ کی صلابت بینی کہ ایک امر قابل تاویل میں بھی اس مسالمت و رواداری کو جائز نہ رکھا۔ جس کی وجہ سے خیالات میں تغیر اعمال و افعال میں نقصان پہنچے۔ امت کسی گمراہی میں مبتلا نہ ہو

(۲) حضرت خالد کی اول مغزولی میدان یرموک کے صف کارزار میں ہوئی محبوت انکی زیرِ کمان ۳۵ ہزار جرار لشکر کی کمان تھی اور جلیل القدر صحابہ بطور امارہ و وزیران کے حکم اور ارشاد کے تابع تھے۔ اس لشکر جرائد کس درجہ کے لوگ تھے اُسکے اندازہ کیلئے یہی کافی ہے کہ بحشر صحابہ ان میں موجود تھے یا وہ لوگ جو دنرات صحابہ کے فیوض و برکات سے مستفیض رہتے تھے اُنکے قلوب صاف۔ ذہن سلیم اور علم واسع تھے۔ ہر حکم کے منشاء و سببی کو سمجھتے تھے وہ اسکو بھی جانتے تھے کہ اسلام نے اُنکے حقوق کو کس قدر بڑی کر دیا جو ان میں کا ادنیٰ سے ادنیٰ اُحد کر سکتا تھا جس کی ذمہ داری سب عائد ہوتی تھی۔ بائیمہ علو شان شریعت میں بال بال جکڑا ہوا تھا انکو خوب معلوم تھا کہ اللہ اور اُسکے رسول کے بعد اطاعت اولی الامر و خلفاء بھی فرض ہو وہ یہ بھی جانتے تھے کہ فتنہ و اختلاف قومی شیرازہ کو پرانہ کر دیتے اور دین کی جڑوں کو کھوکھلا بنا دیتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ باوجود حضرت خالد کی عظمت و اقتدار کا قلوب میں سکھ مٹھ جانے کے اور باوجود مکہ ان میں کا ہر شخص فدا ہونے جانے کو تیار تھا۔ مگر جب خلیفہ وقت کا ایک سفیر نامہ بر یا چیرا سی حکما مہ چل سپہ سالار عظیم لیکر پہنچا تو واپس ہمیشہ پتہ نہیں دیتی کہ اس عظیم الشان لشکر میں سے ایک نے بھی خلیفہ کے حکم سے سرتابی تو درکنار اس میں کسی حد تک نکتہ چینی بھی کی ہو۔

اس عظیم اجتماع میں حضرت خالد کے قریبی رشتہ دار خاص احباب ہم عصروں و قرین خواص و مصائب۔ اذیکانگ اور باڈیکار و سب ہی موجود تھے حضرت خالد کے جن امور کو سبب غل بنایا گیا تھا۔ وہ ایسے نہ تھے کہ تاویل نہ ہو سکتی ہو۔ ایسے وقت بالکل ممکن تھا کہ اقربا و احباب اہل مصاحبوں کی طرف سے کسی جانب داری و حمایت کا اظہار ہوتا۔ حضرت عمر کے حکم پر نکتہ چینی ہوتی۔ یا کم از کم اس کو بے محل اور بے موقع بتلایا جاتا۔ اس عجلت کو انکی سوتدیری پر محمول کیا جانا اس سے کم درجہ یہ بات تھی کہ ایسے سخت مقابلے کی وقت یک لخت اتنے بڑے سپہ سالار اور قائدِ فرمانہ کی مغزولی اُنکے عزم و ہمت میں فتور ڈالتی ان کو دشمنوں کے غلبہ اور اپنی مغلوبیت کے خطرات سنا تے اور اس بنابر خلیفہ کی خدمت میں نذر ثانی کی درخواست بھیجتے۔

ہمعصر وہم قرن و مرتبہ حضرات کی جانب سے حضرت عمرؓ کے حکم میں عین مصلحت و صواب ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی۔ حضرت خالد کو اس سزا کا سختی ظاہر کیا جاتا۔ مگر اللہ اکبر یہ حکم غل کس سکون و طینان کے ساتھ کیا نہ موافق کی جانب سے صدرائے حمایت بلند ہوئی۔ نہ اقران و امثال کی طرف سے حکم کی تائید اور تقویت۔ یہ کو تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اس حکم کے بارہ میں باہم بھی سرگوشیاں ہوئی ہوں۔ حکم آیا سپہ سالار معزول ہوا۔ دوسرا ان کی جگہ قائم ہوا۔ اور کسی نظم و تربیت میں فرق نہ ہوا۔ نہ خیال میں ہیجان و تلاطم پیدا ہوا جس کی روک تھام کی جاتی۔

یہ کیوں ہوا اس لئے کہ تعلیم اسلام نے سب کے قلوب میں ایک ہی رنگ ڈال دیا تھا جن غاض حکمتوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غزل میں پیش نظر رکھا تھا گو اول اول عام قلوب میں اس کا احساس نہ ہوا ہو۔ اور جبکہ قلوب میں خلش و فحجان ہو بھی تو اول ان کو اس قسم کے اختیارات نہ تھے کہ خود معزول کر دیتے اور ایسی زوجتیں معاملہ میں انقلاب کی تحریک کو بھی پسند نہ کرتے تھے کہ جب حکماء پہنچ گیا تو سب نے رضائے و رغبت اس کو منظور کر لیا۔ اور اس بات کی تہ کو پہنچے جس کی خلیفہ وقت کی فرمائش ایمانی نے ہدایت فرمائی تھی۔ کیا کوئی قوم ایسی پاک تعلیم اور ایسے پاک نفوس کی مثال پیش کر سکتی ہو۔

(۳) امین الامہ ابو عبیدہ ابن الجراح کے نام حکم پہنچا کہ خالد سے اپنے ہاتھ میں کمان لے لیں حضرت امین الامہ نے اس حکم کی تعمیل تو اتنی ترمیم کیسا نہ کی کہ عین معرکہ کے وقت اس کا اظہار نہ کیا اور اتنا اختیار بوجہ حمایت مصلحت مسلمین ان کو تھا۔ مگر آخر اعلان عام اس طرح کر دیا کہ حضرت خالدؓ کی عظمت و وقار پر سر مو فرق نہ کرنے دیا۔ وہ پہلے اگر قائد عام تھے تو اب قائد عام کے مشیر علیہ مدار کل ہو کر رہنے لگے۔ حضرت امین الامہ بغیر انکی صلاح و مشورہ کے کچھ نہ کرتے تھے۔ اکثر موقعوں پر کسی بڑے حصہ سکر کی کمان اُنکے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اکثر مواقع میں مستقلاً اپنی رائے سے حملہ کرتے یا کسی شہر و قلعہ کو فتح کر لیتے تھے اپنے لئے ماتحتوں کا خود انتخاب کر لیتے تھے۔ غرض جو امور ایک قائد عام کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں وہ سب کچھ اُن کے ہاتھ میں تھے۔ اور یہی اُن کی مستعدی و ہمتی۔ جانبازی و جان نثاری تذبذب و فراست تھی کہ ظاہر میں قائد عام اتنی فرمان اور کام کرنے میں با اختیار تھے۔ اور اسی حالت

کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمادیا۔

أَقْرَبُ خَالِدٍ لِنَفْسِهِ | (خالد نے خود اپنے آپ کو امیر بنالیا)

امین اللہ وہ شخص تھے کہ اس امت مرحومہ کے اندر فرد اکمل شمار ہوتے تھے۔ اُنکے بارہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق امین فرمایا ہے۔ ایسے شخص سے یہ تو ممکن تھا کہ اپنے اندر قیادت سرانجامی و فرائض عامہ قیادت جیوش مسلمین پاتے۔ اور پھر اسکو قبول کر لیتے ایسا کرتے تو بجائے امین ہونے کے سخت خائون اور مجرموں میں شمار ہو نیکی قابل ہوتے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ پاسداری قرابت یا رشتہ مودہ و مصاحبت حضرت خالد کی اتنی فراہماری کر دیتی کہ خلیفہ وقت کے حکم پر حق پڑ جاتا نہیں۔ آپ میں لیاقت خدا داد تجربہ حرب و ضرب و فتح و فلاح و امصار ہر قسم کے امور موجود تھے اور اس کے ساتھ فرست ایمانی و رسوخ علم بھی کامل موجود تھے۔ آپ نے خلیفہ کے حکم کے منشا کو خوب سمجھا کہ امت کو ایک عام و ربطہ مٹلا لستے بچانا اور شریعت کی حدود کو رختہ لٹا زنی سے محفوظ رکھنا۔ ادر آپ حضرت خالد کے ذاتی جوہر ان کے کمال خدا داد کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسلئے آپ نے کمال خرم دونوں پہلوؤں کو سنبھالا۔ اُنکی مغزولی کا اعلان فرمادیا اور حضرت خالد کے ذاتی کمالات اور اُنکی فراست و تدبیر اُنکی جرأت و بہادرت۔ آرا صحیحہ و مشاورت مفیدہ کی ویسے ہی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ مستفیع ہوتے رہے۔

امین اللہ کیلئے اس وقت و حالتوں میں سوا ایک حالت سامنے تھی۔ یا تو یہ کہ ایسے شہور و زوار نامقبول خلافت قائد عام کی حکومت قائم نہ ہو میں اپنی عدم قابلیت و مسلمانوں میں عدم مقبولیت کے احتمال سے حضرت خالد پر اعتماد کرتے۔ یا یہ کہ اس حلیل نشان منصب قیادت عامہ کو اپنے لئے سخت و دھست کا ذریعہ بنا کر حضرت خالد کو بالکل نظر انداز کر دیتے اور اُنکو ایک عام سپاہی کے درجہ میں پہنچا دیتے یا اس سے بھی بڑھ کر خطرہ ہونا کہ ایسا شخص جہاں سے بڑے دجے سے گرا گیا گیا ہے ممکن ہو جو بجا اپنی رسوخ و مقبولیت عام کوئی ایسی ریشہ و ذاتی کمزوریاں جس سے اُنکے کارناموں میں فرق پڑ جائے۔ فتوحات ترک جائیں اور بالآخر قومی صلائے احتجاج حضرت خالد کو دوبارہ قائد عام بنائے جائے کیلئے بلند ہو۔

گزشتہ جلد میں ایک امر بھی اُن کیلئے کوئی ایسی بات کا محرک نہوا جس سے کچھ بھی شائبہ نفسانیت کا پتہ چلتا۔ بشاشت ایمانی رنگ و ریشمیں سمائی ہوئی تھی تعلیم اسلام نے اُنکے تمام قوی و اخلاق کو بکھڑکھا تھا۔ تنزیب نفس نے کسی نامعلوم خلق کا اثر باقی نہ چھوڑا تھا۔ توکل و ایمان بالتقدیر نے کسی شخص کے قول و فعل کو مؤثر حقیقی باقی نہ رکھا تھا۔ اُن کو علم راسخ تھا کہ جو اللہ چاہے گا ہو کر رہے گا۔ عمر و خالد ابو عبیدہ سب ملکر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ اسلئے اس وقت اُنہوں نے وہی کیا جو ایک کامل الایمان صاحبِ است و تیر کو کرنا چاہئے تھا۔ (۴) یہ وقت سب سے زیادہ حضرت خالد کیلئے پرخطر تھا۔ کیسا ہی کوئی مخلص سپہر دکننا ہی دشمن نہ ہو ہوا سکو بھی ایسے وقت اپنے ننگ و ناموس کی پابالی رفعت کے بعد بسوط و عروج کو بعد نزول و عزت کے اندوخت کے خیالات ستاتے ہیں خصوصاً جبکہ ایک شخص اپنے آپ کو بالکل بے لوث سمجھتا ہو۔ اور وہ اور نام دیا جاتا ہے کہ اُس نے تائید اسلام و نصرة المسلمین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور پھر اس کو مسلمانوں کے خصوصاً اعتماد سے بھرا خیال ہو کہ میں کچھ بھی زبان سے نکالوں گا۔ یا کوئی حرکت کرونگا۔ ہزاروں دل میرے ساتھ ہونگے سینکڑوں شاہین نائیدیں جنبش کرنے لگیں گی۔ مگر وہی ایک پاک اسلامی تعلیم تھی جس کی بدولت حضرت خالد بھی حظوظ نفسانیت سے اتنی دور نکل چکے تھے جتنے حضرت ابو عبیدہ و حضرت عمرؓ ایک مقتضایہ بشریت اپنی برآء کی بنا پر یہ خیال گذرا ہو کہ میرے ساتھ یہ معاملہ درست نہیں ہوا۔ تو ممکن ہو مگر قابل گرفت نہیں لیکن آپ نے بھی خلیفہ کے حکم کو اسی طور و رغبت سے سنا جیسے عام افراد نے۔

نہ جیں جیں ہوئے۔ نہ کسی کے پاس شک و شکایت لیکو گئے۔ نہ اس منصبِ حلیل سے مغرور ہوئے اُنکے اندر کچھ تحریک کی۔ نہ چہرہ پر خزن و ملال کے آثار ظاہر ہوئے۔ نہ بشاشت میں فرق پڑا۔ نہ کسی امر میں تقاعد ہوا۔ بلکہ ادارہ فرائض میں پہلے سے زیادہ جست و چالاک ہو گئے۔ قیادہ عام کی مسورت میں اگر ان سامعی جمیلہ میں تحصیل رفعت و نیکنامی کا بھی احتمال نگاہ تھا تو اب اس کا لوث بھی نہ رہا اور انکا پاک نفس ان تو ہمارے بھی بری ہو گیا اور آپ نے وہ کچھ کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا۔ ذرا انصاف سے دیکھو کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہما جبرین اولین میں سے نہیں ہیں۔ عشرہ مبشرہ

اور دوسرے جلیل القدر صحابہ سے قبول اسلام میں۔ خدمتِ جان نثاری میں نخلِ مصائب و شدائد میں بہت ہی موخر ہیں۔ غزوہٴ خندق تک تو مسلمانوں سے برسرِ پرکار رہے۔ مگر جب اسلامی تعلیم اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کیمیا اثر نے اپنا اثر دکھلایا۔ تو اُن کو بھی ایک دم میں ہی حالاتِ مقامات طے کر دیئے گئے جو علی فرق المراتب قدیم الایام صحابہ کو طے ہو چکے تھے۔ اُن کے اسلاق و ملکات میں نہ شائبہ جاہلیت باقی نہ رہا نہ واہمہ نفسانیت۔ ان کا بال بال شریعت کے حکم و استوار اصول سے بندھ گیا۔

(۵) غزل ثانی میں امین الامہ کیلئے ایک قسم کی زیادہ آزمائش امتحان کا وقت تھا۔ ادھر تو حضرت خالد کی عظمت عام قلوب میں سابق سے زیادہ راسخ و مستحکم ہو چکی تھی۔ انکی تدابیر جنگ۔ فراست و دانائی بسالت و شجاعت کے ساتھ ساتھ انکی پاک نفسی مین و بکات کا اعتقاد اور بھی بڑھ چکا تھا۔ اور اب ہر ایک فتح و نصرت کو انکی تدبیرِ راجحہ قرار دینے کے بعد دینی و برکت کی طرف منسوب سمجھنا ایک کھلی ہوئی بات تھی مسلمان اپنی آنکھ سے دیکھتے تھے کہ قائدِ عام امین الامہ باوجود اس نفع و شان و علو مرتبت ہر قسم کے تجرّبہ و تدبیر کی ہر بات میں حضرت خالد پر اعتماد کرتے ہیں۔ گویا حقیقت میں قیادہ عام کی تمام ذمہ داری انہیں کے سپرد ہی اُدھر اُنکے دل میں یہ اعتقاد اور ادھر امین الامہ کا یہ معاملہ پھر کیسے ممکن تھا کہ اُن کا یکلخت مغرور کو دنیا تمام خدمات سے سبکدوش کر کے میدانِ کارزار سے واپس بلا لینا۔ انکو نہ کھٹکتا۔ اس وقت امین الامت کو یہ خطرہ ہو جانا کہ انکی مغروری مسلمانوں میں کسی سببان کا سبب نہ بن جائے۔ خلیفہ ارشد کی طرف کسی قسم کی سوزِ ظنی نہ پیدا ہو جائے کچھ مستبعد امر نہ تھا۔

دوسری جانب اُن کو یہ اشکال کہ خلیفہ وقت کی اطاعت تو اسکی مقتضی ہے کہ حرفِ بحرف تعمیل

ارشاد کریں۔ ادھر حضرت خالد کی جلالتِ شان و علو مرتبت اور پھر خود امین الامہ سے قرابت و رُہل قرابت کیساتھ مراعات اور رعایتِ حقوق کا حکم اس سے مانع۔ ادھر حکمِ غل ایسا سخت کہ حقیقی مجرموں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ بالخصوص جبکہ باوجود جرم کے ناقابلِ معافی و درگزر ہونیکے وہ شخص کسی اعلیٰ رتبہ پر ممتاز نہ ہو ایسے وقت تو ایسے احکام میں نہایت احتیاط برتی جاتی ہے۔ اخفا کے

ساتھ کسی اور بہانہ سے طلب کر کے نظر بند کر دیتے۔ یا حکم سنائی دیتے ہیں۔

مگر آپ نے باوجود ان اشکالات اور پرخطر آزمائش کے وہی کیا جو ایک پاک دل۔ راسخ فی علم کو کرنا چاہئے جو اسباب تاثرات اسباب ظاہری سے گذر کر مؤثر حقیقی کی بارگاہ تک سوخ یافتہ ہو۔ جو حدود و شریعت کو کما حقہ سمجھے محض اور حفاظت حدود کو اولین فرض سمجھے ہو۔

آپ تب عیسیٰ حکم خلیفہ راشد امام ارجناد کو جمع کر کے حکمائہ خلافت ہاتھ میں لیکر ممبر پر بیٹھے اور جب مضمون حکمائہ حضرت خالد سے سوالات شروع کئے مگر شکیں باندھنے میں ابھی کچھ تامل تھا جس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کی طرف سے کچھ خطرہ یا پاسداری حضرت خالد و جنبہ داری نسبت مانع تھی نہیں بلکہ رفعت شان و جلالت قدر حضرت خالد کی وجہ سے ایک قسم کی حیاتی جو اقدام سے اقل و ہل میں مانع آتی تھی حضرت امین الامۃ فطری طور سے نہایت حلیم بردبار واقع ہوئے تھے انکی طبیعت بھی نرم تھی لیکن یہ تامل بھی چند لمحوں کی بات تھی۔ ادھر آپ اس سے قبل مسلمانوں کو منشا حکم کی اطلاع دیچکے تھے اور یہ بھی ممکن ہو کہ آپ نے خود پہلے ہی سے عیسیٰ حکمائہ خلافت کیلئے کسی کو مامور فرما دیا ہو۔ حضرت بلال کا خود کھڑے ہو کر سر سے عمامہ اتارنا اور اسی سے شکیں باندھنا جبکہ قائد عام امین الامۃ ساکت بیٹھے ہوں اس کا زبردست قرینہ ہی۔

حضرت خالد نے امین الامۃ سے سوالات سن کر کچھ جواب دیا۔ اس بھاری اور عظیم الشان اسلامی جماعت میں ایک قسم کا سناٹا اور سکوت تھا۔ لوگ ادھر حضرت خالد کی غفلت و شان کو دیکھتے تھے ادھر خلیفہ کے سخت حکم کو خیال کر کے امین الامۃ کو دیکھ رہے تھے۔ کہ کیا کریں گے اس سکوت کو حضرت بلال حبشی مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکت قدم اور جنبش دست نے توڑا۔ آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر سر سے عمامہ اتارنا اور اسی سے اُن کے ہاتھ کس کر باندھ دیے اب پھر انہیں سوالات کا اعادہ ہوا۔ اور اب حضرت خالد نے بھی صفائی سے جو جواب صحیح تھے دیئے۔

جواب سننے کے بعد حضرت امین الامۃ نے خود کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے سر پر عمامہ باندھتے ہوئے فرمایا
 نطیع ونسمع لولہما ونکرم ونخدم | ہم اپنے ولایت و حکام کا حکم سنئے اور اس کی اطاعت کرتے

موالینا

اور قرابت امروں بنی اعمام کا اکرام و احترام کرتے ہیں۔

ایسے اشکال و خطرہ کے وقت امین الامت نے تمام جوانب کو کس طرح منبھالا۔ ہر معاملہ میں حدود شرعیہ کی کتنی محافظت کی۔ ظاہر ہوا اور یہ اسلام کی اسی پاک تعلیم کا اثر تھا جس نے سوا ایک سو دہ عشق الہی کے سب خیالات کو مٹا دیا تھا۔

خلیفہ راشد کے حکم کی بھی پوری اطاعت کی حضرت خالد کی قرابت کا حق بھی پورا ادا کیا انکی جلالت شان کو بھی اُسکے درجہ پر قائم رکھا۔

کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ اپنے ہاتھ سے عام سر پر باندھنے اور ان الفاظ کے ادا کرنے میں جن سے حضرت خالد کی تعظیم ثابت ہوتی ہو۔ منشا حکمنامہ خلافت کی خلاف ورزی تھی کیونکہ منشا حکمنامہ تو بر سر مجمع توہین تھا۔ اور اس کا منشا تعظیم و تکریم جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ تعیل حکمنامہ بہ جبر و اکراہ تھی۔

ایسا ہرگز نہ تھا۔ حضرت امین الامت کو منشا حکمنامہ معلوم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمر کے قلب میں اس بیٹیل و جانبازیہ سالار کی غمخت مرکز رہی۔ انکی جلالت شان کو جانتے ہیں۔ جو خطاب سیف من سیوف اللہ کا ان کو بارگاہ رسالت مل چکا ہے وہ بھی انہیں معلوم ہے یہ جو کچھ کیا گیا انتظاماً و سدالباب الفتنة مضماً نفس خالد کیا گیا ہے اور یہی امین الامت کی غایت فراست ایمانی تھی کہ ہر بات کو اسکی حد پر رکھا۔ افراط و تفریط کی جانب ایک سانچہ بھی قدم نہیں بڑھایا۔

ایک لطیف اور | اس کی بظاہر کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ امین الامت نے قبل تعیل حکمنامہ خلافت بار یک نمک | ممبر ریڈیچہ کو حضرت خالد سے سوال کیا۔ تو آپ نے محض سکوت کیا۔ کچھ جواب نہ دیا

اور جب حضرت بلال عامہ اُتار کر اور شکیں بازہ کر تعیل تام کو کچکے اور اسوقت اُن سے اُن سوالات کا اعادہ کیا گیا۔ تو آپ نے جوابی اور حقیقی جوابات تھے عنایت فرمائے۔ یہ وجہ تو ہو نہیں سکتی کہ اول مرتبہ سوالات کو محض معمولی بات سمجھا تھا۔ یہ خیال تھا کہ بات یوں ہی مل جائیگی اور جب تعیل حکمنامہ ہو چکی تب آپ سمجھے کہ بلا جواب دیئے چارہ نہیں کیونکہ حضرت خالد بھی اسی مقدس جامع کے ایک برگزیدہ فرد

تھے۔ شانِ صلابتِ عمری اور شدۃ فی امر اللہ کو بخوبی جانتے تھے۔ احکامِ خلافت کی اطاعت سبکدوشی کے دلوں میں جستجو کر رہی تھی وہ بھی معلوم تھی حضرت ابو عبیدہ کی امانتِ دیانت۔ راستبازی و صداقت سے بخوبی واقف تھے۔ اسلئے یہ گمان ہی نہیں ہو سکتا کہ بات یوں ہی سکوت کے ٹل جائیگی بلکہ حقیقت اس میں ایک نہایت باریک پہلو اور غامض نکتہ تھا۔ جس کے سمجھنے کے بعد حضرت خالد کی عظمتِ شان و رفعت و قدرِ قلوب میں اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

بات یہ تھی کہ حضرت خالد کو خواہ بوجہ اپنی فراستِ باطنی و نورِ ایمانی اور خواہ برہنہ اندازہ اپنی معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت عمرؓ نے میرے ساتھ کیا معاملہ فرمانا چاہا ہو اور وہ سوالات کے جوابات مجھ سے کس حالت اور کس انداز میں لینا چاہتے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس معاملہ مقصود حقیقتاً میری توہین نہیں ہے۔ گو صورتاً توہین ہے۔ بلکہ اصلاحِ خیالات و سد بابِ فتنہ اور خود میرے امراضِ نفسانی کا علاج کرنا مقصود ہے۔ اور میرے بھی جانتے تھے کہ اطاعتِ اولی الامر واجب ہے۔ کسی ایک فرد کو بھی گنجائش پسند نہیں ہے۔ اور ہمیں اللہ کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ جیسا اس سے فرمائے گا اسلئے آئیے تمام جوانب کو ملحوظ رکھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک ہو تب تک حکماً نہ ہو کر مجھ سے جواب لیا جائیگا کچھ نہ کہوں گا۔ یہ وجہ تھی سکوتِ خالد کی اور یہ بات تھی کہ جس کو شخص نہیں پہنچ سکتا۔ پہنچے گا تو وہ شخص جس کے دلیس نورِ ایمان کی وہی جھلک ہو جس سے اُس قرن کے قلوب سمجھ سکتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ صحابہ کے ہر ایک قول و فعل میں جستجو بھی زیادہ خیال کیا جاتا ہے اُس کے اندر سے نہایت لطیف و دقیق پہلو نکلتے آتے ہیں۔ الحمد للہ علی ذالک۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت صفائی اور نہایت آزادی سے حضرت خالد جیسے بے مثل قائدِ عام کو ایک مرتبہ نہیں و مرتبہ معمولی طور پر نہیں بلکہ نہایت عنف اور ایک قسم کی بے عزتانی سے مغرور فرمایا۔ اور وجوہاتِ غل میں ہم اُنکے حکم کی اصل منشاء اور صحیح غرض کو بابتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اس کے اعادہ کی تو ضرورت نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان کو ایسا کرنے میں اشکالات کیا تھے۔ اور ایک عقل کے پابندِ شریعت کے تابع و متقاد کو کس قسم کے خلیجان ہو سکتے تھے حضرت خالد کے فضائل

و کمال اسکے واقف انگلی نمایاں خدمتگذاری اسلام و فتوحات ممالک ہویدا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُنکے اس قسم کے افعال سے باوجود اظہار ناراضی درگزر فرمانا اور اسی طرح خدمات اسلام کو مامور و برقرار رکھنا۔

صدیق اکبر کا باوجود اصرار مغرور نہ کیا۔ اُن کے افعال کو قابل تاویل سمجھنا یہ سب کچھ معلوم تھا مسلمانوں میں اُنکے اقتدار و عظمت کا پہلو بھی پیش نظر تھا۔ سب سے بڑھ کر اسلامی عساکر کو ایسے سپہ سالار کی سخت ضرورت محتاج ایسے وقت محض انکو اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کر نہیں کس قدر پس پیش ہو سکتا تھا دو سر بجانب جن فتنوں کا استیصال اور جن بنحوں کا سد باب کرنا چاہتے تھے وہ ایسے نہ تھے کہ آپ اُن سے اغماض کرتے اور اُمت کو گمراہی و ضلالہ کے نہ بچاتے مگر جان اللہ حضرت عمرؓ نے وہی کیا جو ایک پاک تعلیم گاہ کے رشید ارشد شاگرد کو کرنا چاہئے تھا۔ آپ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کے منشاء حکم کو صحیح و مناسب وقت سمجھا۔ آپ نے یہ بھی سمجھا کہ وقت اسباب کے تفرق سے احکام بدل جاتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی سمجھا کہ احکام اجتہاد میں مجتہد وقت کو اپنی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔ انکو حضرت خالد و جملہ عساکر اسلامیہ و افراد سلیمین پر یہ بھی اطمینان تھا کہ اسلامی تعلیم نے اُنکے اندر خود غرضی احکام اسلام سے انحراف خلیفہ وقت سے نفرت و سرکشی کا مادہ ہی نہیں چھوڑا۔ باوجود حریت و جرات اخلاق جو اسلامی تعلیم کا جزو اہم تھا۔ شریعت کے احکام میں سب جکڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ نے بید ہر کل اصلاح امت کے پہلو کو مرجع سمجھ کر احکام جاری کر دیئے جس کی موافقت ہوئی۔

لیکن اس کے ساتھ جو بات سب سے زیادہ ہمارے دعوے پر روشنی ڈالتی ہے یہی کہ خلیفہ وقت نے اپنے حکم کی تائید اور ترویج میں کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جس سے حضرت خالدؓ کی تفتیش شان یا توہین و عدم کمال کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی ہوتا۔ بلکہ اس غل کی وجہ سے مسلمانوں میں جو داغ بہ نقص و توہین پیدا ہو جانیکا خیال تھا۔ اور ایسے مواقع میں اکثر ایسا ہو کرتا ہی۔ اسکو آپ نے نہایت کشادہ دلی۔ فرخ و صلتگی سے بکرات و مرآت ظہر فرما کر بذریعہ گشتی عامل امرار اجنا و دولاہ امصار کو مطلع فرمادیا کہ خالد کی مغروری کسی سوغ ظنی یا تمت کی وجہ سے نہیں ہوئی۔

حضرت خالد کو خود خطاب کر کے فرمایا

واللہ انک الیٰ المحبیب واللہ
انک علیٰ کریم

دخدا کی قسم تم مجھ کو محبوب و پیارے ہو۔ تمہاری عظمت
و اکرام میرے دل میں ہے)

آپ کے اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہو کہ آپ نے جلد جوانی کی پوری غایت کی۔ حد و سریت
کو سنبھالا۔ حضرت خالد کے درجہ کو قائم رکھا۔ مسلمانوں کے عقائد و خیالات کی اصلاح کی۔ امت کو فتنہ
و فساد سے بچایا۔ اور اس جلد کارروائی میں از ابتداء تا انتہا کہیں لوٹ نفسانیت یا شاہبغیر
کا وہم بھی ظاہر نہ ہوا۔

یہ تھی اسلام کی اصلی تعلیم جس نے مسلمانوں کو اوج رفعت پر پہنچایا اور جب مسلمانوں نے
حسب قدر اس اصل تعلیم سے بے توجہی کی انتہا ہی اُن پر دوبار آیا۔ ترقی سے تنزل کی طرف جھکے۔
واللہ الہادی واللہ المرجع والمآب

فائدہ رابعہ غل ثانی کی وقت خلیفہ کا یہ حکم پہنچا کہ حضرت خالد کے سر سے تمام اُتار کر اُسی سے اُنکی
مشکیں باندھی جائیں اور جواب طلب کئے جائیں جو نہایت سخت اور ہتک آمیز تھا۔ مگر تاہم اگر حضرت
خالد کے اقربان و امثال عرب کے رؤسا و سادات عساکر کے امراء و قوادیس سے کوئی اسکی تعمیل کر لیا تب
بھی ایک بات تھی۔ اپنی اقربان و امثال سے کوئی بات ہتک آمیز یا خلاف شان بھی پہنچ جاتی ہو تو اس کو
گوارا کر لیا جاتا ہو لیکن یہاں معاملہ برعکس ہوا۔ اس حکم کی تعمیل کے لئے عظیم الشان عساکر اسلام
میں سے جہاں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ کھڑے ہوئے تو حضرت بلال حبشی۔
مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بلال اپنے فضائل و مناقب کی وجہ سے کیسے ہی اعلیٰ درجہ کے مقرب و برگزیدہ ہوں۔ مگر تھے
ایک حبشی غلام۔ اُن کا ایک ایسے عظیم الشان پر خط کام کیلئے خواہ تو اس صاحب کے کہ امین الامیہ نے
خود اشارہ کیا ہو۔ اور خواہ اس وجہ سے کہ تعمیل حکماء و خلفائے اُلوامادہ کیا ہو۔ کھڑا ہونا حیرت انگیز
ضرورت تھا۔ مگر سبحان اللہ کیا صفائی اور پاکیزگی تھی۔ قلوب کیسے نور و جلی ہو چکے تھے۔ زوائل نفسانی کس

حد تک ناپدید ہو چکی تھیں۔ کہ کسی شخص نے اس حرکت کنا گواری سے نہیں دیکھا۔

اس واقعے سے معلوم ہو گیا کہ اسلام نے حریت مساوات کی تعلیم کس حد تک دی ہے۔ اُس نے توازن و تماثل کی میزان کو کیسا صحیح قائم کیا۔ جو قوانین آج حریت مساوات کی مددگی ہیں اور فخر کرتی ہیں کہ اسلام نے غلامی کو قائم کیا۔ اور ہم نے اس کو مٹا کر حریت مساوات کو جاری کیا اپنے دل میں ذرا انصاف کریں کہ اس کا فخر کما شک بجا ہے۔ اور وہ کیونکر اسلام کی حریت مساوات کا مقابلہ کر سکتی ہیں ہرگز نہیں اس حریت مساوات کو اسلام کی حریت مساوات توازن و مراتب سے کیا نسبت چہ نسبت خاک ابدالم پاک جو لوگ اس غلطی میں مبتلا ہو کر اسلام پر اعتراض کر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے حقیقت حریت و مساوات کی حدود اور ان کے احکام کو سمجھا ہی نہیں میں چاہتا ہوں کہ حریت مساوات اس کی حدود احکام طرق استعمال کے متعلق بھی کچھ وضاحت کر دوں۔

تفصیل و تحقیق مسئلہ حریت مساوات

مسائل مساوات۔ عالم کے تمام اجزاء پر نظر ڈالنے سے خواہ وہ افراد ہوں۔ یا اصناف۔ انواع ہوں یا اجناس صاف واضح ہے کہ اُن کے نظام کا محور اشتراک افراد۔ اجتماع و افتراق۔ تماثل و تمایز ہے عالم مجتمع اجزائے وجود میں مشترک ہی موجودات میں وصف حیوۃ سے تفریق شروع ہوتی ہے۔ اور ہمیں سے احکام و معاملات میں بھی تفریق کی بنیاد پڑتی ہے۔

موجودات غیر ذی حیات میں جمادات۔ نباتات۔ اشجار و احجار۔ درود و بار کوہ و کوہا سب شامل ہیں۔ موجودات ذی حیات میں پہر ایک کلی تقسیم ہو گئی۔ ایک جزو وہ ہے جو احکام خداوندی کا مکلف بنایا گیا جن سے احکام شرع کا تعلق ہے جن کے اقوال و افعال حالات و معاملات قانون شرع و شرع میں جکڑ دیئے گئے ہیں اور یہ حصہ ذوی العقول کا ہے۔ دوسرا جزو وہ ہے جو غیر ذوی العقول کہلاتے ہیں اور مکلف و مخاطب احکام الہی نہیں ہیں۔ اس جزو کے اندر گوشت ہر انواع و اقسام داخل ہیں۔ جن کا احاطہ شمار ہے۔ برقی۔ بجری۔ طیور۔ مینہ و بہائم حشرات الارض وغیرہ۔ مگر کلی طور پر ہم کو بھی

دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں ایک موزی مثل سباع طیور و بہائم۔ اس میں شیر جیتا۔ سانپ کچھو وغیرہ داخل ہو گئے۔ دوسرا غیر موزی۔

غیر موزی کی بھی ہم کلی تقسیم کر کے اس کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔ ایک وہ جس کا کام لانا انسان کیلئے جائز حلال مفید قرار دیا گیا۔ دوسرے وہ جن کا کسی طرح سے بھی استعمال ناجائز و حرام ہے جزو مکلف بالا احکام بھی دو حصوں میں منقسم ہے ایک انسان جو جسم کشیف ارضی ہے۔ دوسرا جن جو جسم لطیف۔ ناری۔ قادر علی التمثل بالاشکال المختلفہ ہے۔

وصف وجود میں سارا عالم شریک تھا اور یہاں تک حقوق و حقوق کا تعلق نہ تھا۔ وصف حیوۃ نے ان میں تفریق پیدا کر دی۔ مساوات وجودی کے احکام بدل دئے حقوق کے تعلق قائم کر دیے تمام موجود پر جزو مکلف کا حق تفوق قائم کر دیا۔ عالم کو بجمع اجزائے اس جزو کیلئے کارآمد بنایا گیا۔ خداوند عالم نے ایک عام فرمان کے ذریعہ ہم کو اس عظیم الشان احسان سے ان الفاظ میں مطلع فرمایا۔

خلق لکم مافی الارض جمیعاً (زمین کی ساری چیزوں کو تمہارے نفع کیلئے پیدا کیا۔)

اشترک وجودی کا نفع تو صرف اتنا ہے کہ موجودات میں سے ایک موجود دوسری موجود کے کارآمد ہو لیکن چونکہ احکام کا تعلق حیوۃ سے ہے۔ اس لئے کسی کا دوسرے پر حق نہیں ہے۔

حیوۃ کی تفریق نے اول تو یہ امتیاز قائم کیا کہ غیر موزی حیات اس جزو کا خادم و تابع ہوا وغیرہ یہ ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ غیر موزی حیات تمام افراد موزی حیات کیلئے کارآمد ہے۔ حیوانات۔ طیور۔ دواب سب انہیں اجزاء سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پانی پیتے ہیں۔ گھاس دھنوں کے پتے میوے پھل مکھانے ہیں۔ درختوں کے سایہ میں۔ پہاڑوں کے غاروں میں۔ زمین کی کھوئوں میں آرام کرنے اور پناہ لیتے سردی گرمی سے محفوظ رہتے ہیں۔

لیکن وصف حیوۃ کے اشتراک نے افراد موزی حیات میں ایک اور علاقہ بھی قائم کر دیا باوجود اسکے کہ حصہ مکلف کو اس حصہ پر فوقیت دی گئی جس میں فقط حیات ہی مکلف نہیں ہے کہ ایس کا خادم و تابع بنایا گیا۔ اور اسی کے منافع کیلئے پیدا کیا گیا۔ مگر تاہم وصف حیات کی رعایت اس جزو کے

فہم بھی لگی۔ ذی حیات میں جو حصہ غیر مرنی ہو اور انسان کو اسکی پرورش استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسے اونٹ بیل۔ بکری مرغی وغیرہ۔ اسکی رعایت تو اس درجہ تک ہو کہ اسکے چارہ دانہ میں کمی کر نیے یا برداشت سے زیادہ خدمت لینے۔ بوجھ لائنے۔ سوار ہونے میں قابل مواخذہ ہو جاتا ہو۔ رہا وہ حصہ جو خود انسان کا دشمن اور اسکی بنیاد کو گرانے والا ہے۔ باوجود اسکو قتل کر ڈالنے کی اجازت کے اسکی نجات ہو کہ ترسا کر یا تکلیف پہنچا کر مار ڈالا جائے۔ یہ کیوں صرف اس لئے کہ اشتراک حیاتی کا اقتضایہ ہو اور تفریق دیگر اوصاف کا اقتضا دوسرا۔

یہ اشتراک انفرادی طرح ترقی کرتا ہوا انس و جن پر منتہی ہوا جن والہ موجود بھی ہیں ذی حیات بھی ہیں ذوی العقول بھی ہیں۔ مکلف تکالیف شرعیہ و مخاطب بالخطابات الالہیہ بھی ہیں۔ اور باوجود اشتراک کے ان میں انفرادی امتیاز بھی ہو جن ہر کیسے۔ اجزا اناری سے اور اس وجہ سے وہ لطیف ہو۔ اس کو قدرۃ دیگئی ہو کہ اشکال مختلفہ میں متشکل ہو سکے۔ انسان کشیف ہو اجزا راضیہ سے اسکی ترکیبیں لیکن انسان کو اس وجہ سے کہ وہ اجزا راضی سے بنایا گیا۔ تواضع فروتنی تدلل و انقیاد اس کے خیر میں داخل اور عبدیت و افتقاد اسکی اصل فطرۃ میں مستقر ہے جن پر جس کے اندر بوجہ اجزا اناری علو و تنکبار خلقی ہے تفوق امتیاز دیا گیا۔

بوجہ اشتراکات کثیرہ متنوعہ کے جن انس میں حقوق کا موثقی و محکم تعلق قائم کر دیا گیا جن کے حقوق انس پر ہیں اور انسان کے جنات پر اور بوجہ ان اوصاف مخصوصہ کے جو انسان میں ہیں۔ اس کو جنات پر صورتاً۔ سیرتاً۔ حکماً تفوق و امتیاز دیا گیا۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (ہم نے انسان کو اچھے پیلے صوت پر پیدا کیا)

اس سے جو جسم انسانی کا تمام اجسام سے خواہ لطیفہ ہوں یا کشیفہ احسن ہو نہ کیا ثبوت ملتا ہو اور اسی سے اس کے اخلاق باطنی کی نوعیت و امتیاز کا نشان بھی ملتا ہو۔ ارشاد خدایہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خلق اللہ آدم علی صورۃ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صوت مثالی پر اپنی صورت پر جو آدم کی صورت تھی پیدا کیا) سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ مظہر تمام صفات کمالیہ مخلوق عالم کا ہو۔ مخلوقات کا کوئی دوسرا فرد خواہ لطیف ہو

یا کثیف۔ توری ہو یا ماری۔ اس درجہ کا منظر نام نہیں ہو۔ اور اسی حدیث سے نبیہ انسان کی باعتبار تقویم واعتدال اجزاء صوری حسن و اہل اعلیٰ و برتری ہونے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔

آدم علیہ السلام کو خلعت خلافت خداوندی عطا ہونے اور ارشاد خداوندی

اٰخِ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗ (میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بناؤں گا)

کے فرمان واجب الاذعان نے اس کی تفوق و برتری پر ہر نگاہ دی اور اب کسی کو دعوتے مہرئی اختیار ق تقدم و تفوق اس پر نہ رہا۔ اور اس طرح اشتراک و انفراد مساوات و امتیاز کا سلسلہ موجودات سے چل کر ایک صنف کو دوسری پر فوقیت دیتا ہوا انسان پر منتہی ہوا اور انسان کے افراد میں پھر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ ہماری اصلی غرض مساوات و حریت کے مسئلہ کا تعلق چونکہ افراد انسانی سے ہی ہے اس لئے ہم اس کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔

تمام افراد انسانی خواہ کسی ملک اور کسی رنگت کے ہوں۔ رومی۔ حبشی۔ ترکی۔ تاتاری۔ یوہرپی۔ ایشیائی۔ افریقی۔ امریکی سب ایک نسل سے ہیں۔ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اس انشعاب و تفریق پر اس مبہمیت و سوّم و عادات پر جس کے سب ایک میدان پر جا کر مل جاتے ہیں لیکن اس اشتراک پر جس بڑھکر اور کیا اشتراک ہو سکتا ہے اُن میں افتراق و تقسیم کا سلسلہ جاری ہے اور اسی سے احکام میں بھی تفریق ہو جاتی ہے تفصیل اس کی ہے۔

کہ خداوند عالم نے آدم کے اشتراک و افتراق تجانس و تمایز کو آیتہ ذیل میں ارشاد فرما دیا ہے۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور پھر تم کو قبیلوں اور کنہوں میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ امتیاز قائم رکھو۔ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں کا وہی شخص کم ہے جو زیادہ متقی ہے

يَا اٰهَآلَ الْاِنْسَانِ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَ قَبَاۡئِلَ لِتَعَارَفُوْٓا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

جملہ اولیٰ میں نبی آدم کا اشتراک بیان فرمایا گیا ہے اور جملہ جعلنا کم سے آخر آیت تک اُن کا افتراق و تمایز ظاہر ہے کہ نظام تمدن اس کا مقتضی تھا کہ نبی آدم باوجود ایک نسل اور ایک جنس ہونے کے

بہم امتیاز و تباہی بھی ہوں۔ ان کے اسباب محفوظ ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان میں اور بہائم میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ امتیاز دو قسم کے ہیں ایک تمدنی و معاشرتی جس کے منافع حیات دنیا تک محدود ہیں دوسرا مذہبی و دینی جن کا احاطہ فوائد و دنیا سے آخر تک وسیع ہے۔ آیت مذکور میں اول امتیاز و تباہی کو جملہ وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعلم فوائس بیان فرمایا ہے اور مذہبی و دینی کو ان اکرمکم عند اللہ التقاکم میں۔

ہر ایک امتیاز کا مبنی جداگانہ امور ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

امتیاز تمدن و معاشرت میں ہر قسم کے شعبے امتیاز و افتراق کے ہیں۔ پہلا شعبہ نسب کا ہے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے چند بیٹے ہوئے اور ہر بیٹے کی اولاد جدا گانہ ہوئی اور اسی طرح سلسلہ سلسلہ شلخ درشلخ ہوتا چلا گیا۔ اگر بنی آدم کا تولد و تناسل مثل حیوانات و بہائم ہوتا تو اس قسم کا امتیاز قائم نہ ہوتا اور نہ اس کی ضرورت پڑتی۔ اس امتیاز مذہبی سے کہنے۔ خاندان۔ کنبوں سے چھوٹے بڑے قبیلے اور پھر قومیں پیدا ہوتی چلی گئیں۔ یہ امتیاز و افتراق مشروع میں تو بہت کم محسوس ہوتا ہے کیونکہ مثلاً اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی اولاد میں بہت کم سمجھا جاتا ہے لیکن جوں جوں بعد بڑھتا جاتا ہے بہت بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ قبائل کا امتیاز بہ نسبت کنبہ اور خاندان کے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اقوام کا افتراق امتیاز تو اس درجہ ہوتا ہے کہ گویا ان میں کہیں جا کر بھی مشارکت نسبی نہیں ہے۔

دوسرا امتیاز ملک و وطن کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہر ایک ملک کی آب و ہوا جدا گانہ ہے۔ رنگ و روپ رسم و رواج قومی جسمانی کے ارتقار کا انحراف اس کو بڑا دخل ہے اور جس طرح حفاظت انسانی نسل انسانی کیلئے ضروری تھی۔ اُسی طرح امتیاز ملک و وطن بھی تمدن کا لازمی جزو ہے۔ بغیر اسکے نظام تمدن قائم نہیں رہ سکتا۔

تیسرا امتیاز حرفت و صنعت اور پیشہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دنیا میں بعض پیشہ اعلیٰ و ارفع جن کو عزت سمجھے جاتے ہیں اور بعض ادنیٰ و موجب حقارت و توہین ہوتے ہیں مثلاً تجارت کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ گداگری و سوال کو نہایت حقارت ہے۔ اسی طرح صنایع میں زیور بنانی والا۔ منقر سمجھا

جاتا ہے بہ نسبت جو تے سینے والے کے۔ علیٰ ہذا درزی کا درجہ خاکروکے بلند ہوتا ہے۔

ہر امتیازات مذکورہ بالا تمدن عالم کیلئے ضروری ہیں۔ اگر یہ تینوں نہوں تو نظام عالم استوار نہیں رہ سکتا۔ امتیاز مدارج و مراتب۔ انصدام حوائج و ضروریات زندگی۔ جلب منافع و دفع مضار کا مدار انہیں پر ہے۔ اور اس قسم کے امتیاز اور بھی ہیں جنکے بیان کرنے میں طول ہو۔ یہ وہ امتیاز ہیں جن سے قومیں نکلتی ہیں۔ قبیلے بنتے ہیں۔ خاندان پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہی امتیاز حدود بنتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ایک قوم دوسری قوم سے ایک ملک دوسرے ملک ایک خاندان دوسرے خاندان سے ہر ایک صنوع و پیشہ درد و دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔

ان امتیازات سے تو بنی آدم کے اصناف و انواع اجناس پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسری قسم کا امتیاز اور ہے جس کا اثر افراد تک تو بیشتر اور بسا اوقات اقوام و قبائل تک بھی پہنچ جاتا ہے۔

مثلاً امتیاز علم و جہل۔ علم جو نفیس ہے جس کے اندر یہ جوہر ہوا اسکے محترم واجب التعظیم قابل اطاعت ہونے میں کس کو شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ علم کسی فن کا ہوا انسان کے مرتبہ کو بالا و بلند کرتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں جہل و عنرت سے ذلت۔ اور جسے حنیض۔ اہتمام و اکرام سے امانت و تذلیل کی طرف دھکیلتا ہے۔ علم و جہل سے حقیقی بھائیوں کے مدارج و مراتب میں امتیاز و افتراق پیدا ہو جاتا ہے ایک بھائی دولتِ علم سے مالا مال ہو کر دنیا کا سرتاج۔ شاہانِ دنیا کا مقرب مخلوق کا استاد و مؤدب بنا ہوا ہے۔ دوسرا جہل کنڈہ ناثر اشدہ اس قابل بھی نہیں کہ کوئی اس سے مخاطب کرے۔ پاس بٹھلانے کا بھی روادار ہو۔ اور یہ امتیاز علم با اوقات افراد سے متجاوز ہو کر اقوام تک پہنچ جاتا ہے کسی خاندان سے دولتِ علم نازل ہوئی۔ جہل کا غلبہ ہوا تو چند پشتوں کے بعد وہ وحشی بن جاتے ہیں بجائے اخلاق انسانی و حشت حیوانی ان پر غالب آ جاتی ہے۔ اسی طرح بعض ملک کے ملک جہل کی وجہ سے انسانیت خارج ہو جاتے اور وحشی کھلانے لگتے ہیں۔

ایسی اقوام یا ممالک یا قباہیم کی مثالیں بھی بہت کم ہیں۔ جو کسی وقت جہل کی وجہ سے وحشی کھلاتے تھے۔ علم نے ان کو مہذب بنا کر تمدن اقوام میں داخل کر دیا۔ پہلے تو عرب ہی کی حالت دیکھ

لیجئے۔ اکثر حصہ ملک بیشتر اقوام و قبائل جبل کے تیرہ و تاریمدانوں میں بھٹکتے پھرتے تھے ان میں اور وحشیوں میں تھوڑا سا ہی فرق تھا۔ اور جب علم آیا اُس نے فطری اخلاق و ملکات کو جلا دیا تو کہاں سے کہا تک پہنچ گئے دنیا پر اپنے علم و ہنر کا سکہ جما دیا۔ اصلی و حقیقی تہذیب کا سبق سارے عالم کو دیا پھر امریکہ پر نظر ڈال لیجئے۔ کہاں وہ وحشت۔ اور کہاں یہ ترقی ایجادات و صنائع۔ و علمی ہندیاں و غیرہ ممالک کا حال ہے۔

یا مثلاً۔ امتیاز اخلاق و اعمال۔ ایک درجہ کے افراد میں۔ محاسن اخلاق و مکارم اطوار سے امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ مذہب و تمدن۔ علم کی دولت سے مالامال نسب و حسب و قومیت میں سی و بائیمہ اشتراک اخلاق شریفہ و ضعیفہ۔ امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ حسن خلق عالم کے علم کو مذہب کی تہذیب شریف نسب کے نسب کو ممتاز بنا دیتا ہے۔ جبل کے نقصانات آنکھوں سے اوجھل کر کے جاہل کی غرت بڑھا دیتا ہے۔

علیٰ ہذا اس قسم کے امتیازات اور بھی ہیں ان امتیازات سے قبائل و اقوام تو نہیں بنتے مگر افراد یا اقوام میں فضائل و کمالات شرافت و عنادت کے درجات قائم ہو جاتے ہیں۔

ان امتیازات کے بعد ایک اور بھی امتیاز ہے جو ساری دنیا یا کسی اقلیم یا کسی حصہ ملک کو دو حصوں پر منقسم کر دیتا ہے۔ ایک سلطان یا حاکم ہوتا ہے۔ باقی کل افراد اس کی محکوم و رعیت۔ یہ امتیاز قومیت و وطنیت۔ نسب خاندان سے باہر علیحدہ ہے۔ یہ تمام امتیازوں سے اوپر کا امتیاز ہے۔ اور عالم کے تمدن۔ بقا و نسل تحفظ حقوق کیلئے اس کا وجود نہایت ضروری و لازم۔

امتیاز و دیانت مذہب جو جناب باری کے ارشاد ان کو مکہ عند اللہ اتفاق سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے شعبے و درجات اگرچہ بہت سے ہیں۔ مگر ان سب کا انشاء اور اصل ایک ہی۔ انسان کو خدا اسلئے پیدا کیا ہی کہ عالم کے ہر جزو سے فائدہ اٹھائے تمام لذائذ و نعم سے متنع ہو۔ سب پر حکومت کرے اور ہماری بندگی کرے۔ ہمارے سامنے گردن جھکائے۔ ہم کو خالق مالک سمجھے۔ اپنے آپ کو مخلوق و مملوک سارے عالم کو اس کا ملک بنا کر اس کو ہر قسم کے تصرفات مانگا نہ کی اجازت دی گئی۔ اور اس سے

صرف اتنا طلب کیا گیا کہ ہم کو اپنا مالک رب رزاق معطی معبود جانے۔ تمام اجرائے عالم کا انسان کیلئے مسخر و خادم ہونا تو ظاہر ہے کہ کوئی ذی عقل انکار ہی نہیں کر سکتا۔ رہا یہ امر کہ وہ عبادت و اطاعت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اس کا انکار بھی کسی عاقل فہیم سے ممکن نہیں ہے خلدِ ند عالم نے امر اول کو تو ان الفاظ میں نشان دہیا

کیا نہیں دیکھا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جو کچھ آسمانوں و زمینوں میں ہو مسخر کر دیا اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو تمہارے لیے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ سَبِّحْهُ عَلَيْكُمْ نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ وَبَاطِنَةٌ

اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہے۔

اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا کیا اور آسمانوں میں پانی اُترا اور اس نے تمہارے فضیلتِ نفع پیدا کیا اور مسخر کیا تمہارے لئے کشتیوں کو کہ اُس کے حکم سے دریا میں جہازیں اور مسخر کیا تمہارے لئے نہروں کو اور مسخر کیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو پیش اور مسخر کیا تمہارے لئے رات کو اور دیا تم کو کچھ ہر چیز سے جو تمہارے لئے نفع دے اور مسخر کیا تمہارے لئے کھانے کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے بیشک اللہ بڑا ظالم کریم والا اور ناشکر گزرا ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفَلَكَ لِجَهْزٍ فِي الْبَحْرِ لَمَرْءٍ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفَخَّارَ وَسَخَّرَ لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبِينَ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَأَنَّا كَرَّمْنَا كُلَّ شَيْءٍ مَّا أَلْفَوْهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَهُ اللَّهُ لَا يَحْصُوهَا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ

اور امر ثانی کو آیت ذیل میں۔

نہیں پیدا کیا میں نے جن اور اس کو مگر اسی لئے کہ وہ میری عبادت کریں میں اُن سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ کہ وہ مجھ کو کھلائیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۚ مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مَرْجَفًا وَمَا أَرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا

انسان کی خلقت اس غرض کیلئے ہے تو اس کی افراد میں ایک عام تقسیم ہو کر کل اقوام عالم کے دو حصے ہو گئے خواہ وہ ایک نسب ایک خاندان ایک قبیلہ کے ہوں یا جدا گانہ۔ ایک ملک ایک اقلیم ایک شہر ایک قبیلہ ایک گاؤں ایک محلہ کے ہوں یا علیحدہ علیحدہ کسی پیشہ و حرفت کے ہوں۔ عالم کریم بنفس ہوں یا جہل و حشی اخلاق و عادات کے۔

ایک حصہ مومن ایک کافر جس نے خداوند عالم کی صلی غرض خلق عالم اور خلق انسان کو ملحوظ رکھا عالم کے اجزاء سے مستمع ہوا اور خود کو خدا کا بندہ مانا۔ ساری دنیا کو اپنی ملک سمجھا۔ اپنے آپ کو اپنے خالق کا مخلوق ملوک خداوند عالم کے پیچھے ہوئے انبیاء اور اس کے نازل کئے ہوئے احکام کا اتباع کیا مومن کہلایا اور جس نے سرکشی کی مخلوقات دینا پر تو ایسے تصرفات کئے گویا اسکی پیدائی ہوئی اسکے ملوک و مملوک ہیں اور خود اپنے مالک و خالق سے روگردانی کی اُس کے وجود کا قائل نہ پایا ہوا تو اپنی عقل نارسا کا تابع ہوا انبیاء کو نہ مانا۔ احکام منزلہ کا اتباع نہ کیا۔ شریعت کو نہ مانا۔ وہ کافر ناشکر گذار جاہل نعمت ٹھہرا۔

اس امتیاز کے درجات و پئمنا ہیں۔ مومن کی تقسیم بوجہ متعددہ ہوتی ہے جس سے اسکے افراد و انواع بنتے جلتے ہیں۔ ایمان درجہ اعتقاد و اعمال و فوہ میں ہے۔ تو مومن صالح ہے۔ فقط درجہ اعتقاد میں ہے۔ اعمال میں تقصیر ہے۔ مومن فاسق ہے۔ خداوند عالم کے وجود اسکی توحید و صفات کا علم یقینی اسکو حاصل ہے تو کمال ہے جو محض تقلید ہی تو ناقص۔ علیٰ ہذا اسرار معرفت و توحید۔ علوم اذواق و مواجید سے بہرہ ور ہو تو مومن عارف ہے۔ ورنہ غیر عارف۔ وحی و تنزیل سے اسکو سرفراز فرمایا گیا ہے۔ تو نبی و رسول ہیں۔ ورنہ صدیق و شہید و صالح۔

اس امتیاز کے اصلی آثار تو آخرت میں ظاہر ہوں گے۔ مگر اس کے احکام کا تعلق حیوۃ دنیا سے اس لئے ان احکام کے آثار دنیا میں بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

اشتراک و امتیاز کی اس بحث کا جس کو یہاں بیان کیا حاصل یہ کہ اشتراک کے درجہ میں بات ہوتی ہے اور امتیاز کے مرتبہ میں تفریق احکام و معاملات ہو جاتی ہے۔ جب تک اشتراک جودی تھا۔ حقوق اور معاملات کا تعلق نہ تھا۔ موجودات عالم میں ایک کو دوسرے پر حق تقدم و تفوق باعتبار تقدم خلقت۔ یا محتاج الیہ ہونے یا مفعول کبر جسام یا قلت و کثرت نفع کے ہو مثلاً اربع عناصر کو موجودات عالم کی خلقت میں ایسا داخل ہے جس کی وجہ سے ان کو اصل موجودات کہا جاتا ہے۔ پہاڑ پیدا ہوتے ہیں تو انہیں عناصر کی ترکیب و انداز سے۔ اشجار و آثار بھی انہیں سے۔ حیوانات و بہائم بھی انہیں سے یا مثلاً شمس و قمر۔ کو اکبر سیارہ و ثوابت۔ علیٰ ہذا افلاک و سموات بھی موجودات میں ہیں۔ مگر ان کا نفع موجودات

عالم کو زیادہ پہنچتا ہے۔ موسموں کا تغیر و تبدل جن کو اعتدال مزاج عالم میں بڑا دخل ہے۔ انہیں کے متعلق ہے شمس و قمر کی نورانیت اور تنویر نے اُن کے درجہ کو بڑھا دیا ہے۔ مگر جب تک فقط وجود کا اشتراک ہے حقوق و معاملات کا تعلق نہیں ہوا و جب وصف حیوۃ نے امتیاز کر دیا موجودات میں حد فاصل لگا دی۔ حقوق و استحقاقات و معاملات کا علاقہ قائم ہو گیا۔ اور پھر درجہ بدرجہ امتیاز و تفریق ہوئی نئی حقوق کا تعلق بڑھتا گیا، جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں، جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سنئے کہ اشتراک امتیاز کے احکام جابجا ہیں، جس حد تک اشتراک ہے اس میں حکم مساوات ہی، اور جس وصف سے امتیاز شروع ہوتا ہے مساوات بدجائے ہر احکام میں تفریق ہو جاتی ہے، ہر ایک وصف کے امتیاز نے اسکے لئے جداگانہ حکم ثابت کیا ہے۔

مساوات کے تین درجے ہیں۔ ایک مساوات ذات میں۔ ایک مساوات صفات و حالات میں ایک مساوات حقوق و معاملات میں۔ ہماری غرض اس وقت مساوات حقوق و معاملات کو بیان کرنے سے ہے۔ مساوات ذات و صفات سے نہیں ہے۔ ذات و صفات میں مساوات کا ہونا مشکل ہی۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ ہر موجود کی صورت شکل۔ قد و قامت۔ چیز و مکان وغیرہ اوصاف مختلف نے نامکن کر دیا، تو بجا نہیں اور ہو بھی تو ہم کو اس سے بحث نہیں ہے۔

اس سب تہید کے بعد عرض ہے کہ انسان مخلوقات میں کامل و اکمل ہے۔ حقوق و معاملات کا علاقہ جس قدر اس کی ذات سے ہو۔ عالم کے تمام انواع و اقسام میں کسی سے نہیں ہے۔ اسکے افراد میں خود باہمی حقوق و استحقاقات کا سلسلہ اس طرح قائم ہے کہ یہ ہو تو نظام تمدن باطل ہو جائے۔ بلکہ نسل انسانی منقطع ہو جائے اور باوجود ان تمام اشتراکات کے جو افراد انسان میں پائے جاتے ہیں اُن کے اندر امتیاز و افتراق بھی ہے۔ اشتراکات اگر مساوات کو تقاضا کرتے ہیں۔ تو امتیازات تفریق و تفاضل کو ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ افراد انسانی کے اندر مساوات کتنے امور میں ہونی چاہئے اور تفریق و مفاضلہ کتنے معاملات میں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اول عقل و عرف و ظہار و تہانہ کے طرز عمل اُن کے قوانین کے اعتبار سے بحث کریں اور اسکے بعد و کھلائیں کہ شریعت نے اس مسئلہ میں کیا تعلیم دی ہے۔

بادی النظر میں لفظ مساوات بہت پیارا معلوم ہوتا ہے جب یہ سمجھا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی

نظروں میں یا فلاں ملک میں امیر و غریب۔ شاہ و گدا سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت و امتیاز نہیں ہے یا کہتے ہیں کہ شیر کمری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں تو سننے والے کے قلب میں مسرت و اطمینان۔ پسندیدگی و طمانیت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مسرت و انتہاج سے دل لبریز ہو جاتا ہے اور وہ اس سے بڑھ کر دنیا کے اس بات کا خاصاں کسی بات کو نہیں سمجھتا۔ لیکن تحقیق طلب لہر ہے کہ آیا ہر لہر میں ہر معاملہ میں مساوات محمود ہے۔ یا ایسے مواقع بھی ہیں۔ جہاں مساوات مذموم سمجھی جاتی ہے اور اسکی مضرتیں نقصانات اس امتیاز و مفاضلت سے یہ رجحان اُٹھتی ہے جس کو بظاہر غیر محمود سمجھا جاتا ہے۔

ہم ابھی کچھ چکے ہیں کہ انسان کے اندر باوجود اشتراک صفت انسانیت مختلف وجوہ و طرق سے امتیازات پیدا ہوتے ہیں اور ہر امتیاز اپنا جدا حکم رکھتا ہے۔ پس یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ تمام افراد انسانی ہر امر میں مساوی قرار دیدیے جائیں۔ ملازم اور واجبت ہو کہ کسی حد تک ان میں مساوات ہو اور کسی جگہ جا کر وجوہ تفاضل و تفاوت درجات و مراتب ان کے معاملات میں تفاضل ملحوظ رکھا جائے۔

اسی لئے تمام عقلاء دنیا کا اجماع ہے۔ اور دنیا بھر کے قوانین باعتبار اُصول اس پر متفق ہیں کہ انسانی افراد کے حقوق باعتبار انسانیت مساوی ہیں۔ ایک نہایت غریب ضعیف بے یار و مددگار۔ جاہل و وحشی۔ کندہ ناتریشیدہ غیر مغرب غیر متہد۔ کج خلق۔ کمینہ۔ رذیل اخلاق۔ بد افعال۔ قبیح منظر سیاہ قام کے حقوق انسانیت کا محفوظ رکھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جتنا سلطان وقت یا ایک رئیس زمیندار تاجرو صناع کا یا ایک مذہب و متہد کریم نفس جامع اوصاف حمید و ملکات پسندیدہ کا کسی منصفانہ قانون میں ضعیف و کم تر شخص کی جان کو بڑے پایہ والے سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ اور اسی وجہ سے افراد انسانی کے حقوق و معاملات کی پامالی دنیا کے کسی قانون میں پسند نہیں کی گئی۔ اس کو جو ر و تعدی ظلم و ستم کہا جاتا ہے انسانیت کے خلاف وحشت و ہمییت کے مآدف سمجھا جاتا ہے۔

لیکن باوجود اس مساوات حقوق انسانی کے باجماع عقلاء دنیا دوسرے مباح میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی جاتی ہے اور اس فوقیت میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ کسی کے انسانی حقوق پال نہ ہو جائیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس درجہ کے مساوات کہ عالم کے تمام افراد خواہ کسی طبقہ کے ہوں ایک جیسی

درجہ پر رکھ دی جائیں گے۔ پھر ہندو نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ امر پسندیدہ ہو سکتا ہے کہ سلطان وقت اور ایک اونٹنی حنا کر وہ معاملات نشست و برخاست۔ کھانے پینے احترام و اکرام میں برابر کر دیے جائیں اور ایسا ہو تو کیا کوئی عاقل اس کو پسند کرے گا۔ اور کیا ایسا ہونیکے بعد عالم کا نظام باقی رہ سکتا ہے۔ ہمیں سکون و امن قائم اور اسکے افراد میں تعاون و تناصر کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔

اور کیا دنیا کا کوئی عقلمند شخص اسکو اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے کہ کسی فن کے عالم استاد کا تہہ متبہا حرمت و عظمت ایک بدین جاہل کی برابر کر دیا جائے۔ شاگرد استاد میں فرق مرتب اٹھا دیا جائے۔

اسی طرح ہر درجہ و مرتبہ کے امتیاز کا حکم خدا گناہ ہے جس کا لحاظ عقل و عرف و قوانین فطرۃ و قوانین عقل کے اعتبار سے ضروری ہے۔ ہاں اگر اسی طرح پر کہ حقوق انسانیت کی مساوات میں اس سے فرق نہ آوے اگر کسی زمانہ میں یا کسی ملک و قوم میں حقوق انسانیت کے اندر ایک نوع کو دوسرے نوع پر یا ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ پر فوقیت دی گئی۔ تو اس کو ہمیشہ ظلم سمجھا گیا ہے اور وہ قومیں آج تک وحشی جاہل غیر مہذب کہلاتی ہیں۔

اسی طرح اگر کسی ملک و قوم میں مساوات کو اس درجہ بڑھا دیا جائے کہ حقوق انسانی کے علاوہ باقی معاملات و مدارج میں بھی سب کو مساوی قرار دیدیا جائے۔ اچھے بُرے۔ عالم۔ جاہل۔ شریف و وضع ایک ہی ترازو میں وزن کر دیے جائیں تو اس مساوات کی مضرت اس امتیاز و تفوق نا جائز سے بدرجہا زیادہ ہے امتیاز و تفوق کی صورت میں ایک طبقہ کی قوت اس کا اقتدار اس درجہ کا ضرور بڑھ گیا کہ وہ امن و سکون قائم رکھ سکے۔ لیکن اس درجہ کے مساوات میں جبکہ تمام افراد یکساں سمجھے جاتے ہیں۔ بالکل امن و امان اٹھ جائیگا۔ ہر ایک متنفس کو زندگی و بھر ہو جائیگی۔ ایسی مساوات نہایت حماقت آمیز اور مضحکہ خیز ہے۔ ہم کو اس مساوات پر ایک حکایت یاد آئی۔

ایک گروہ اور اُس کا چلیہ ملک و ملک شہر شہر سیاحت کرتے پھرتے تھے۔ کسی ایک جگہ ٹھہرنے یا اقامت گزین ہونے کو پسند نہیں کرتے تھے جو حال ایسے آزاد اور مجرد لوگوں کی معیشت و طرز زندگی کا ہوتا ہے وہی اُن کا بھی تھا۔ جہاں پہنچے وہاں جو کچھ ملا کھالیا۔ بیروسیاحت کرتے کرتے اتفاق سے ایک

بستی میں پہنچے۔ تو دیکھا کہ وہاں ہر چیز ایک نرخ پر فروخت ہوتی ہے۔ کھجی مٹھائی۔ غلہ میوہ جات۔ دودھ۔
 دہی ترکاری سنبری۔ کپڑا۔ لوہا۔ تانبہ۔ سونا۔ چاندی وغیرہ۔ ان تمام اشیاء کا یہی حال ہے۔ چلیہ جو سفر کی
 صعوبت اور کھانسنے پینے کی تکالیف پر راحت کرتے کرتے تنگ آگیا تھا۔ اُس نے یہ حال دیکھ کر گرو
 سے عرض کیا کہ حضور کچھ دنوں یہاں قیام فرمائیں۔ تو سفر کی ماندگی دور ہو جائے ہر قسم کی اچھی خوش
 ذائقہ موافق طبع اشیاء کے کھانے سے ناتوانی بھی زائل ہو جائے۔ اور کچھ دن راحت و آرام سونگڈ رہیں
 گرو نے فرمایا جس جگہ اچھی بری چیز کی میز لگائی ہو سب کا ایک ہی حال ہو۔ وہاں ٹہیرنا کسی طبع مناسب نہیں ہے
 مگر چلیہ کے عید اصرار پر گرو نے بھی منظور کر لیا۔ پھر کیا تھا۔ دونوں نے خوب کھانا پینا شروع کر دیا۔ تھوڑی
 ہی مدت میں لاغری کا فور ہو کر فری اور توانائی آگئی۔ خوب موٹے ٹانے ہو گئے۔ انہیں ایم میں ہاں ایک قتل
 کا واقعہ پیش آگیا۔ مجرم پکڑا ہوا آیا۔ راجہ صاحب نے اس کو پھانسی پر لٹکائے کا حکم دیا۔ پھانسی پر لٹکانے
 لگے تو دیکھا کہ اس کا حلقہ بڑا ہے مجرم کی گردن تپتی ہے۔ حلقہ میں نہیں چھن سکتی۔ راجہ صاحب سے عرض کیا گیا۔
 ارشاد ہوا کہ جس شخص کی گردن اس حلقہ میں نہیں سکے اس کو بجائے اسکے لٹکا دو۔ مجرم تو دعائیں دیتا ہوا چلے
 اور ایسے موٹے ٹانے شخص کی تلاش شروع ہوئی۔

یہ دونوں گرد چلیا بھی تازہ دم کھپائی کر موٹے ہوئے تھے۔ انکو پکڑ لائے۔ گرو صاحب نے چلیہ سے فرمایا
 میں کہتا نہ تھا کہ ایسی جگہ جہاں اچھے برے کی تمیز نہ ہو ٹھیرنا مناسب نہیں ہے۔ اب دیکھ لیا کہ کیا نتیجہ ہوا چلیہ نے
 عرض کیا کہ غلطی تو ہو گئی لیکن کچھ تدبیر تیر لائے۔ فرمایا کہ تدبیر یہ ہے کہ جب پھانسی پر لٹکانے لگے لچ جائیں
 تو میں کہوں گا کہ مچھلو پھانسی پر لٹکایا جائے۔ اور تم اصرار کرنا کہ مچھلو۔ راجہ صاحب نے حکم دیا کہ ان دونوں میں
 سے ایک کو پھانسی دیو گرو چلیہ میں جھگڑا شروع ہوا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ میں پھانسی دیا جاؤں۔ یہ عجیب
 قسم کی تکرار تھی۔ موت کیلئے جھگڑنا نئی بات تھی۔ بالآخر راجہ صاحب کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو اپنے
 دونوں کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ کہو معلوم ہو کہ یہ وقت نہایت مبارک ہے۔ یکٹی کی
 گھر ٹی ہنر جو بھی اس وقت مر گیا سیدھا ٹنگ میں جائیگا۔ راجہ صاحب نے یہ سنا تو دل میں سوچا کہ مرنا تو سب
 ہی کو ہے۔ راجا یا پر جا کسی کو معلوم نہیں کہ کب مر گیا۔ ممکن ہے کہ میرے مرنا کا زمانہ قریب آگیا ہو۔ اور قریب

نہ سہی تب بھی آخر زنا ہے۔ اگر نیکے بعد نجات ہو جائے آرام مل جائے۔ اُس سے بڑھ کر اور کیا دولت و نعمت ہے اس مبارک وقت کو کیوں ہاتھ سے دیں۔ دنیا میں تو بہت کچھ عیش و آرام۔ اختیارات و حکومت کا مزہ دیکھ لیا اب آخرت کی فکر چاہئے۔ یہ سوچ بچار کر کہ ماکہ ان کو چھوڑ دو اور مجھے اس پھانسی پر لٹکا دو۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور راجہ صاحب رنگ یا سرگ میں جہاں جانا مقدر تھا تشریف لیکئے۔

ظاہرین نظروں میں تو یہ مساوات بھی خوش کن تھی۔ اور بالکل ممکن یہ کہ اُس بستی کے سادہ لوح اس پر فخر بھی کرتے ہوں۔ مگر حقیقت میں حماقت تھی۔ اچھے بُرے کا امتیاز نہ ہونا۔ اعلیٰ و ادنیٰ کا ایک درجہ میں کھدینا بالکل تباہی و بربادی کا سامان ہے۔ اس اعتقاد نہ مساوات کے خیال نے جو ست تعالیٰ اشیاء میں جاری تھی زیادہ وسعت پکڑ لی تو مجرم و غیر مجرم کی تیز بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا پھانسی کا حلقہ تنگ نہ کیا جاسکتا تھا۔ یا بادشاہ جرم کی سزا بھر پھانسی کے اور کسی صورت سے نہ ہو سکتی تھی۔

دولت و نعمت کے نشہ نے اس زمانہ کی تمدن اقوام میں بھی اس قسم کا سودا مساوات پیدا کر دیا ہے۔ بعض بستیوں بنائی گئی ہیں جن میں مساوات کو قائم کیا گیا ہے ہر تباہی و تباہی کا جو تیز کیا گیا ہے جس کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکایت مذکورہ بالا بھی بے اصل نہ ہوگی ہاں یہ فرق ضرور ہو گا کہ وہ جمالت و وحشی پن کا کرشمہ تھا اور یہ دولت و ثروت۔ سائنس و حکومت کا چوچلا۔ اگر یہ آخر الذکر صورت بڑے جدوجہد کسی چھوٹے بیانیہ میں کامیاب بھی ہو جائے تب بھی اس کا نفاذ عام نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے اس بارہ میں کچھ زیادہ کہنے کی حاجت نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقلی و عرفی طور پر ایسی مساوات جن میں تمام طبقات کے کل معاملات یکساں ہو جائیں ہرگز محمود و پسندیدہ نہیں۔

ہاں مساوات حقوق لازمی امر ہے۔ ہر ایک حکمران قوم اسکی مدعی ہے۔ اس کے قوانین مرتب ہیں۔ گو وہ اسکی صحیح میزان قائم نہ کر سکیں۔

عقلی و عرفی طور پر مسئلہ مساوات و تعاضل کی حقیقت اور اس کے احکام معلوم کرنے کے بعد اب دیکھئے کہ شریعت اسلام نے اس بارہ میں کیا تعلیم دی ہے اور پھر اس فرق کو محسوس کیجئے جو قوانین دنیا اور قانون

شریعت میں ہے۔

ہمارے سابق بیان سے معلوم ہو گیا ہے کہ بنی نوع انسان کا اشتراک مساوات کو مقتضی ہے اور اس کا امتیاز خواہ معاشرت و تمدن کے لحاظ سے ہو اور خواہ دیانت مذہب کے اعتبار سے تفاضل و تمایز کو۔ اہل عقل کے قوانین صرف معاشرت و تمدن کے تفاضل و تمایز کو محیطا ہوتے ہیں۔ لیکن شریعت دونوں کو جامع ہے۔

انسانیت کے اشتراک سے جن امور میں مساوات ضروری ہو وہ حفظ جان و مال حفظ تنگ و ناموس حفظ حقوق و معاملات وغیرہ ہیں۔

شریعت اسلام نے گو ہر ایک فی روح کی جان کا حق انسان پر کسی نہ کسی حد تک قائم کیا ہے مگر انسان کی جان و مال کی حفاظت اس درجہ کی کہ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے تمام افراد انسانی کو بلا امتیاز ملک و ملت رنگ و روپ شریعت اسلام نے اپنے حفظ میں لیا ہوا ہے اور ہر ایک موقع و وقت کے مناسب احکام اس بارہ میں نافذ فرما کر شیعین شریعت کو ان کا پابند بنا دیا۔

انسان کی وہی حالتیں ہیں مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ مسلم کی وہ حالتیں ہیں۔ اسلامی ممالک میں رہتے ہوں اُنکے عہد و امن میں داخل ہوں۔ یا ممالک غیر اسلام میں غیر اسلامی ملک میں رہنے والے دو حال کر خالی نہیں یا مسلمانوں سے برسر مقابلہ ہیں۔ اُن سے کسی قسم کا عہد و پیمان نہیں ہو۔ یا اُن سے عہد و پیمان کئے ہوئے ہیں۔

مسلمان بھائی کے جان و مال کی حفاظت تو اس درجہ فرض ہے کہ قتل مسلم سے بڑھ کر کوئی کبیرہ گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَلِّمًا فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا
جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اسکی جزا جہنم ہو جائے گی وہ ہمیشہ رہے گا۔

اسی طرح ان غیر مسلموں کا حال بھی ہے جو مسلمانوں کے ملک میں انکی ذمہ داری و عہد و پیمان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کا قتل بھی گناہ کبیرہ ہے۔ قتل تو قتل ان کی غیبت بھی حرام ہے اور کسی قسم کا ظلم کرنا

جائز نہیں بلکہ کتب فقہ میں فہمی پر ظلم کرنا اشد ہے۔ روفخار۔ اسلام و کفر کے فرق سے معصیت میں شدت وضع ہو تو ہو۔ مگر کبیرہ ہونے میں ترمیم نہیں ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے۔

من اخفر مسلماً في ذمته فعليه لعنة	جس نے کسی مسلم کے ذمہ کو جو اس کسی ذمی سے کیا تھا توڑ دیا اور
الله والملئكة والناس اجمعين	برقرار نہ رکھا اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی لوگوں کی لعنت
لا يقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً	ہو اللہ تعالیٰ اس کا نفل و فرض کچھ قبول نہیں کرتا۔

معاهد کو تکلیف پہنچانے میں خلاف عہد کرنے والا خواہ کوئی ہو۔ یہ عید شدید اور یہ عتاب ہے جس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص پر خدا کی فرشتوں کی لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کی کوئی عبادت فرض و نفل قبول نہیں ہوتی۔

یہ ہے مالک غیر اسلامی کے رہنے والے جن سے معاہدہ ہو چکا ہے انکو خلاف عہد تکلیف پہنچانا قتل و غارت کرنا بھی حرام و معصیت اور گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔

او فوايا العهدان العہد کاں مسئلہ | عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارہ میں سوال کیا جائیگا۔

کا عام فرمان اس صورت کو بھی شامل ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کفار کے ساتھ ایسے سخت شرائط پر معاہدہ کر لیا کہ جو مسلمان دین اسلام سے پھر کر تمنا سے پاس آجائے ہم سکھ سکھ واپس کرنے کا مطالبہ تم سے نہیں کریں گے۔ اور تم میں کا کوئی مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئیگا تو ہم اسکو واپس کر دیں گے اور اسی بنا پر جب کفار مکہ نے ابوبصیر کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ نے ایک ایسے شخص کو جو کفر سے بھاگ کر اسلام میں داخل ہوا تھا جس کے بگڑ جانے یا بے جا نیکانہ اندیشہ تھا اس کی ہر امنت و سماجت۔ دل شکنی اور حسرت و یاس پر خیال نہ فرما کر بے تامل کفار کے حوالہ کر دیا۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اس حکم کی پابندی اس حد تک کی کہ اس سے بڑھ کر ناممکن ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبکہ ملک شام میں برسرِ بکار تھے ایک مرتبہ دشمن کے ساتھ چند ہفتہ تک التوا رہتے ہوئے معاہدہ کر لیا تھا۔ مگر بقاعدہ الحزب خلد عتہ (اڑانی حیل و تدبیر ہے) اس زمانہ میں چپکے چپکے سرحد پر تیاریاں مکمل کرتے رہے کہ مدت التوا ختم ہوتے ہی اچانک حملہ کر دیں۔ انکی رائے میں

یہ امر ناجائز یا خلاف عہد نہ تھا تاہم بیرون جنگ اور احتیاط کا اقتضا بھی یہی تھا۔ ان کو کیا اطمینان تھا کہ دشمن بھی اسی فکر میں ہوا اور وہ بھی مدہ ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر بیٹھے اور ہمدست التوا ختم ہوئی اور اُدھر میر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بالکل بطل پر پڑے ہوئے تھے حملہ کا حکم دیدیا۔ حملہ شروع ہوا ہی تھا کہ ایک شہسوار گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور چلاتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر و فاء (لحدس یہ ایک صحابی تھے رضی اللہ عنہ) حملہ روک دیا گیا۔

تہہ وہ مالک غیر اسلامی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے۔ خواہ وہ سر دست بر سر جنگ ہوں۔ یا ان کے ساتھ ہر وقت جنگ کا اندیشہ لگا ہوا ہو۔ انکی دو حالتیں ہیں ان میں کا کوئی ایک یا چند امن لیکر دارالاسلام میں آئیں یا مسلمان امن لیکر انکے مالک میں جائیں۔ دونوں صورتوں میں اسلام نے جان و مال کو تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ جو غیر مسلم امن لیکر دارالاسلام میں داخل ہوا اسکے ساتھ ہمارا وہی معاملہ ہو جو معاہدہ کیساتھ۔ جب وہ حدود اسلام سے نکل جائے معاہدہ ختم ہو جاتا اور اس وقت اس کا حکم حربی کا ہو جاتا ہے۔ اور جو مسلمان امن لیکر ان کے مالک میں جائے اسکو حرام ہے کہ کسی کی جان کو تکلیف پہنچائے یا ان کے مال میں ناجائز تصرف کرے۔

یہ حال تو حکم معصیت کا ہی۔ احکام ظاہری کو دیکھتے تو دارالاسلام میں جیسا ایک مسلمان کے قاتل سے قصاص نفس (خون کا بدلہ خون) یا قصاص اطراف یعنی اعضا بدن کے عوض اعضا بدن سے لیا جاتا ہے۔ ویسا ہی ذی کے قاتل سے اور یہی حال اس مستامن کے قاتل کا ہی جو غیر اسلامی ملک میں رہتا ہے۔ مگر امن لیکر اسلامی مالک میں آکر آباد ہوا اور ذمی بن گیا۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب فتاویٰ میں لکھا ہے۔
وَجَبَرِي الْقصاص بِلِيْنِهِ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ | مسلمانوں کے لئے اس تنازعہ کے درمیان مجوز بن گیا جو قصاص جاری ہوگا
یعنی دونوں میں سے کوئی قاتل ہو اس سے قصاص لیا جائیگا۔

مستامن کی حالتوں میں فرق یہ بعض حالتوں میں اس پر معاہدہ کے احکام عاید ہوتے ہیں اور بالکل اُسی جیسا بن جانا ہے اور بعض میں نہیں اسلئے ہم نے معاہدہ ہو جانکی قید لگائی ہے۔ جن حالتوں میں وہ ذمی جیسا نہیں بنائے میں بھی اسکی جان کی حفاظت ضروری ہو فرق اتنا ہے کہ قاتل سے خواہ مسلمان ہو

یا ذمی قصاص نہ یا جاسیگا، اور اس قسم کے ذوق باقتبا حالات مقامات مسلمانوں میں تاہم اور مسلمانوں نہ یوں بھی نکلتے ہیں اور خاص اس موقع میں تو مسلمان ذمی کو در صورت قاتل ہونیکے مساوی رکھا گیا ہو۔

مال کی حفاظت کا بھی یہی حال ہے جس طرح مسلمانوں کے مال کی حفاظت دوسرے مسلمان کے ذمہ فرض ہے کسی ناجائز طور سے ظلم تعدی سے۔ جیلہ دھوکہ سے اس کا نہ لینا جائز ہے نہ ہلاک اور تلف کرنا اگر کسی کے مال کو ناجائز طور سے لیا معصیت و گناہ کبیرہ ہونے کے علاوہ شریعت نے اس کے حکام مدون کر دیے ہیں۔ تلف کر دیا تو حسب اقتضا حالات اس پر ضمان آتا ہے۔

یہی حال اس غیر مسلم کے مال کا ہے جو مسلمانوں کے ملک میں عہد و پیمان کے ساتھ رہتا ہے یا عہد و پیمان کے ساتھ چند روز کیلئے داخل ہوا۔ اس میں یہاں تک خیال کیا ہی کہ جن اموال یا اشیاء کا مسلمانوں کو رکھنا یا استعمال کرنا حرام ہی۔ بلکہ تلف کرنا ضروری ہے اگر کوئی تلف کرے تو اس پر ضمان نہیں آتا۔ اگر وہ ذمی کی ملک ہوں تو تلف کر دینے سے مسلمان کے ذمہ ضمان واجب ہوتا ہے۔ کوئی مسلمان اگر غیر مسلم کی ضرورت کو تلف کرے تو حسب قواعد فقہیہ اس پر ضمان واجب ہوتا ہے۔ در مختار میں ہے۔

و یضمن المسلم قبیۃ خمرۃ و خنزیرۃ | مسلمانوں پر ذمی کے ضرورت خنزیر کی ضمان واجب ہوگی۔
حفظ تنگ ناموس کا مال یہ کہ مسلمان کی کسی قسم کی آبروریزی و امانت و تذلیل خواہ قول سے ہو یا ضرب یا قتل سے اشارہ سے ہو یا کنایہ سے سامنے ہو یا پیٹھ پیچھے یعنی غیبت۔ قطعاً حرام ہے جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جس طرح مسلمانوں کے تنگ ناموس کی حفاظت شرعاً واجب اسی طرح ذمیوں کی بھی۔ ان کو زبان سے ہاتھ پیر سے معاملہ سے تکلیف پہنچانا۔ اذیت دینا خلاف انسانیت معاملہ کرنا سب حرام ہیں۔ یہاں تک کہ جس طرح مسلمانوں کو پیٹھ پیچھے برا کہنا حرام ہے اسی طرح ذمی کی غیبت کرنا بھی منع ہے در مختار میں ہے۔

و یجب کف الاذی عنہ و فحرم غیبتہ | واجب ہر ذمی سے اذیت کو روکنا اور اس کی غیبت کما لمسلم
حرام ہی جیسے کہ مسلمان کی۔

حفظ حقوق و معاملات کی یہ کیفیت ہو کہ شریعت اسلام نے اس بارہ میں میزن عمل کو ایسا صحیح قائم کیا ہے جس میں کسی جانب فراطفریط نہیں ہے۔ حقوق انسانی باعتبار معاشرت و تمدن بہرہ رما قسم کے ہیں۔ ان حقوق کی مساوات میں عربی۔ عجمی۔ رومی۔ شامی۔ افریقی امریکی۔ علی ہذا شاہ و گدا امیر فقیر سلطان و رعیت۔ ضعیف قوی میں کچھ امتیاز نہیں رکھا۔ معاملہ بیع یا ستر ہو تو با و شتاہ و یا گدا کا حکم ایک ہے۔ یہ نہیں کہ احکام میں کچھ تفاوت ہو۔ حدود و قصاص ہوں۔ مثلاً زنا کی حد چوری کی حد۔ شرب خمر کی حد۔ یا قتل عمد کی پاداش قتل خطا کی سزا۔ یا قطع اعضا جسانی کا قصاص یا ویت اس میں بھی سب افراد کو یکساں مساوی رکھا گیا ہے۔ شریعت اسلام نے معاملات میں حج کو ذر بہر کسی کے حق میں جائز نہیں رکھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا۔ قبیلہ قریش کی ایک عورت نے چوری کی اور حد سرق یعنی قطعید کا حکم اس پر قائم ہوا۔ قریش کو یہ امر نہایت شاق تھا۔ ایسی شریف خاندان کی بی بی سے ایسے فسیح فعل کا سرزد ہونا ہی اُن کے لئے کچھ کم موجب عار و ننگ نہ تھا۔ اب قطعید سے ایسا دھبہ لگتا تھا جو کبھی نہ ملتا۔ ادھر ان حضرات کو اپنے فضائل و شرف اسلامی کی رو سے بھی ایسے بدنامی داغ کا اپنے پاک و صاف دامن پر لگنا ناگوار تھا۔ اپنی قدامت اسلام اخلاص و جان نثاری کی وجہ سے یہ رائے ہوئی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا جائے۔ لیکن کون کرے۔ کس کی تاب مجال تھی۔ آخر قرار پایا کہ حضرت اسامہ بن زید جن کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اُنس تھا عرض کریں حضرت اسامہ نے عرض کیا تو اپنے ناگوار ی سے ارشاد فرمایا۔

التشفع فی حد من حدود اللہ | کیا تم خدا کی مقرر کردہ حدود میں سفارش کرتے ہو۔ اور اسی پر یس فرمایا بلکہ کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور اُس میں ارشاد فرمایا۔

انما اهلك الذين قبلکم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشریف ترکوه واذا سرق فيهم الضعیف قطعوه و
 دتم سے پہلے لوگ ایسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب کوئی شخص بڑے رتبہ کا چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور کوئی ضعیف کہیں کا کرتا تو اس پر حد قطعید جاری کرتے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر

ایما للہ لو ان فاطمۃ بنت محمد
سرق لقطع یدہا۔
فاطمہ جو محمد کی بیٹی ہی (حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا) بھی چوری
کرتی (معاذ اللہ) تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے پر حد جاری کر دی دیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منہ خلافت اشدہ پر متمکن ہو نیکیے بعد ایک خطبہ میں بعد حمد و
صلوٰۃ فرمایا۔

اِذْ وُلِّیْتُ عَلَیْکُمْ وَلَسْتُ بِخَیْرِ لَکُمْ اِنْ
سَلَّیْتُ قُوًی عَلٰی حَقِّ فَاَعِیْنُوْیْ وَاِنْ
رَاَیْتُ قُوًی عَلٰی بَاطِلٍ فَسَدِّدُوْیْ طَیْبُوْیْ
مَا اطَعْتُ اللّٰهَ فَاِذَا عَصِیْتُ
فَلَا طَاعَةَ لِیْ عَلَیْکُمْ اِلَّا اَنْ اَقُوْلَ کُمْ
عِنْدَ الضَّعِیْفِ حَتّٰی اُخْذَ الْحَقُّ لَہٗ
وَاُضَعِّفْکُمْ عِنْدَ الْقَوِیِّ حَتّٰی اُخْذَ
الْحَقُّ مِنْہٗ۔

(میں تم پر والی حاکم ہوا ہوں۔ حالانکہ تم میں کا افضل و بہتر
ہوں اگر تم مجھ کو حق کی تائید کرتے دیکھو تو میری اطاعت کرو
باطل پر دیکھو تو میری اصلاح کرو جب تک میں تمہارے معاملات
میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری تعمیری کسر
رہو اور جب میں نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر ضروری
نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ جو تم میں سے زیادہ ضعیف ہو کر
نزدیک سے زیادہ قوی ہو جب تک میں اُس کا حق نہ دلوں گا
درگزر نہ کروں گا اور جو سے زیادہ قوی ہو وہ میرے نزدیک
سے زیادہ ضعیف ہو اُس کے ذمہ جو دوسرے کے حقوق ہیں
اُن کے وصول کے بغیر چھوڑ دینگا۔)

صدیق اکبر با وصف نرمی و رحمت کے جو اُن کی طبیعت میں مرکوز تھی۔ تساوی معاملات میں اتنی سخت
ہیں۔ خلافت سنبھالتے ہی سب کو متنبہ کر دیا اور فرمایا کہ میں تم میں افضل نہیں ہوں اور میری اطاعت بھی
تم پر بھی تکمیل ہو جب تک میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کروں لیکن حقوق و معاملات میں کسی بڑے چھوٹے
قوی ضعیف کی رعایت کرنے والا نہیں ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب ابن ابیہم کا واقعہ گذرا ہے۔ جبہ غسان کا باشا
مسلمان ہو کر آیا تھا۔ اسکی ملازمت بھی زیادہ کی جاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں داخلہ کی وقت اس کا استقبال بھی
دھوم دھام ترک و شان سے ہوا تھا مگر طواف بیت اللہ کرتے ہوئے قید و زارہ کے ایک کم حیثیت شخص
کے اُس نے تھپڑ مار دیا اور وہ بھی اس جیسے کہ اُس نے جبہ کے آئندہ پر سر رکھ دیا تھا تو حضرت عمر رضی

نے اُسکے بادشاہ ہونے اور اپنے معاملات احترام و اکرام کا جو اُسکے ساتھ کئے تھے کچھ خیال نہ کر کے قصاص کا حکم دیدیا کہ فراری بھی جہلہ کے تھپڑ مارے۔

پھر مساوات محض اسی حد تک نہیں کہ ضعیف کو قوی کے ساتھ حقوق میں برابر کر دیا نہیں بلکہ یہاں تک رعایت کی کہ مجلس حکومت و قضائیں بھی کوئی امتیاز سلطان و رعیت امیر و غریب۔ رئیس و مروس میں نہیں رکھا۔ شرع شرعہ الاسلام میں ہے۔

رعیت کے تمام الفروع و اصناف میں مساوات کو ملحوظ رکھا جائے کسی کو کسی پر اس کے مرتبہ یا حال کی وجہ سے تقدیم و ترجیح نہ دے۔ قاضی کو چاہئے کہ مدعی مدعا علیہ میں کسی بات کا فرق نہ کرے نہ اُن کی مجلس میں نہ انکی طرف دیکھنے میں نہ گفتگو میں۔

ولیسوی بین اصناف الرعیۃ فی العدل ولا یقدم احداً تقدیماً ولا فی المجلس ولا فی الکلام ولا فی غیرہما الشرف و مالہ و لعدل القاضی بین المخصمین فی لخطۃ و اشترک و مقعدۃ

تساوی حقوق و معاملات کا دائرہ اہل اسلام ہی تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلم۔ ذمی۔ و مستامن کو بھی اسی طرح شامل ہے اور ہر نوع و محل کے مناسب احکام بتلا دیے گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا جس میں ایک فریق مسلمان تھا اور ایک یہودی۔ آپ کو ثابت ہو گیا کہ حق یہودی کا ہوا اسکی ڈگری فرما دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے جن کے تمام مالک اسلام پر حکومت و اختیارات عام تھے۔ ایک یہودی پر اپنے اپنے قاضی شریح کے یہاں دعویٰ دائر کیا۔ مدعا علیہ کے برابر کھڑے ہوئے دعویٰ کے ثبوت کیلئے دو گواہ پیش کئے جن میں ایک گواہ بڑے صاحبزادے حضرت حسن تھے چٹھی صاحب نے یہ کہہ کر ثبوت نا کافی ہے بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ دعویٰ خارج کر دیا۔ عدل و انصاف تسویہ مساوات کو بیان کر نیکی بعد اب ہم شرعی طور پر امتیاز اور اس کے احکام بیان کر دینا چاہتے ہیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ امتیاز دو قسم کے ہیں۔ ایک امتیاز تمدن و معاشرت۔ دوسرا امتیاز مذہب و دیانت۔ شریعت اسلام نے ہر ایک امتیاز کو اس کے درجہ پر رکھ کر جدا جدا احکام بیان فرمائے ہیں

مثلاً شیعہ نسب کے اندر اسی تغافل شرافت کی وجہ سے کفایت کی قید لگا دی ہو کہ زوجین ہم کفو ہوں ایک کا نسب عالی ہے دوسرے کا کمتر ایک کا پیشہ اچھا سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے کا بُرا۔ تو ہم کفو برابر کی جو نہیں ہو اور اس شرط کے لگانے میں اشتراک انفراد دونوں کا خیال رکھا ہے۔ لڑکی کے اولیا کو چاہئے کہ کفوئیں نکاح کریں اگر غیر کفوئیں نکاح ہو جائے تو فسخ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ شرط اس درجہ کی نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ولی راضی ہو جائے تو قائم رہ سکتا ہے۔

علی ہذا شخص بالکل ایک درجہ کے ہوں کسی کو کسی پر نسبتاً فوقیت نہ ہو مگر حق جو اسے ایک درجہ سے دوسرے پر فوقیت ہو جاتی ہے۔ جار کا وہ حق ہو جو غیر جار کا نہیں ہے۔ اخلاقی طور پر اس کی اتنی رعایت کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَدِّ حَتَّى
طَلَعَتْ أَفْقُهُ سَيُومَرُتَهُ | جب جبریل علیہ السلام نے پڑوسی کے بارے میں اس قدر نصیحت کی جس سے جھگڑ گمان ہو گیا کہ اسکو وارث ہی نہ بنادیا جائے۔

اور معاملات میں بھی اسکو تفوق دیا گیا ہے۔ جائیداد غیر منقولہ میں جار کا حق مقدم ہے اور شریک کا اس سے بھی زیادہ۔ لیکن اس حق کے اندر بھی اشتراک کی حیثیت کا لحاظ رکھا گیا ہے حق شفعہ کیلئے ایسے قیود لگا دیے گئے کہ اگر شفعہ ان شرائط و قیود کو کا محققہ اور کرے تب تو حق شفعہ ثابت ورنہ ساقط۔

والدین کی امتیاز کی اور بھی رعایت کی گئی۔ باپ اگر بیٹے کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جاتا۔ علی ہذا کوئی شخص اگر کسی کے غلام کو قتل کر دے تو امان ابو حنیفہ کے نزدیک اُس سے قصاص لیا جاتا ہے۔ مگر اپنے غلام کو اگرچہ مسلمان ہی ہو قتل کر دے تو قصاص نہیں لیا جاتا اور براہیم مخفی و سفیان ثوری اس صورت میں بھی قصاص نہ لواتے ہیں۔

سلطان و رعیت کے حقوق کو باوجود عدل و انصاف کی میزان کے صحیح پیمانہ پر قائم کر دینے اور باوجود رعیت پر ظلم و امانت کسی قسم کی تعدی و جبر کی سخت ممانعت و حرمت کے سلطان کے امتیاز کو محفوظ کر دینے کی گئی ہے۔ اسکو ظل اللہ کہا گیا۔ اُس کے احکام کی اطاعت ضروری کی گئی اُس کے خلاف فتنہ پر رازی کو اُس حد تک روکا گیا جس سے دین میں خلل نہ پڑے۔

زیاد بن کیدب عدوی سے روایت ہو کہ میں ابو بکر صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ ابن عامر منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے لباس اُن کا باریک کپڑے کا تھا۔ ابوبلال نے کہا دیکھو ہمارے امیر کو کہ فساق کا لباس پہنتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مساتو فرمایا۔ چپ ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

من اهان سلطان الله فالارض لها الله | (جو شخص سلطان کی اہانت کرتا ہے خدا اسکو ذلیل کرتا ہے)
اہانت تو ہر سامان کی کیا ہر ایک شخص کی منع ہے۔ مگر سلطان ظل اللہ کے الفاظ سے سلطان کا خاص امتیاز و احترام ثابت ہوتا ہے۔

یہ خیال نہ کیا جائے کہ ابوبلال کا کہنا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں داخل تھا۔ اور سلطان کو امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا افضل جہاد میں داخل ہے۔ پھر ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کا روکنا کیونکر جائز تھا۔ اس لئے کہ لباس امیر کو باریک تھا۔ مگر ناجائز نہ تھا اور پھر یہ صلوٰۃ امر بالمعروف کی نہ تھی۔ اگر کہنا تھا تو خود امیر سے کہنا تھا بلکہ ایک صورت غیبت یا توہین کی تھی جسکو حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روکا۔ مرد و عورت میں اشتراک انسانیت۔ کفارتہ۔ نسب و شرافت۔ جمال و کمال کے باوصف اس صنفی امتیاز کی وجہ سے احکام میں بھی امتیاز قائم کیا گیا۔ اول تو ایک اجمالی طریقہ پر مرد و عورت کی امتیاز یہ اس طرح مطلع کیا گیا۔

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله
بعضهم على بعض وبما انفقوا من
اموالهم
مرد مرد اور عورتوں میں عورتوں کی اُس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو بعض کو بعض پر ہی ہوا اس لئے کہ وہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔

اور پھر اشتراک افراد کی تفصیلی احکام کی تعلیم دی گئی۔ طرفین کے حقوق کی تعلیم دی گئی عورت کے حقوق مرد پر قائم کئے گئے اور مرد کے عورت پر مگر وہ نسبت قوامیت ملحوظ رہی۔

عقد نکاح تک ماضی طرفین کا لحاظ تو ضروری قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ ایک عقد ہے۔ مگر جب مرد کی قوامیت محقق ہو گئی۔ تو طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کو دیا گیا۔ عورت مرد سے طلاق طلب

کر سکتی ہے۔ مگر خود جُدا نہیں ہو سکتی۔ مرد کے ذمہ عورت کا نفقہ واجب کیا گیا۔ اور عورت کے ذمہ تربیتِ اولاد۔ اطاعتِ خاوند وغیرہ اور باوجود ان انفرادی احکام کے مرد کو تاکید کے ساتھ عورت کی دلجوئی۔ راحتِ مسانیِ جنس معاشرت کی تاکید کی گئی۔ اس کو زبان سے ہاتھ سے معاملہ سے تکلیف پہنچانے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔

اختلافِ نسب سے محفوظ رہنے کی وجہ سے عورت تو ایک وقت و مرد سے نکاح نہیں کر سکتی مگر مرد کو تعددِ نکاح میں یہ اندیشہ نہونکی جس سے ملکہِ مساوات ضرورۃً بقا و نسل یا تکثیرِ اولاد یا دوسرے اسباب کے لحاظ سے اسکی اجازت تو دی گئی۔ مگر عدل و مساوات کو اس پر فرض کر دیا گیا مرد کی خدمات اور اس کے ذمہ دار ہونے کو لحاظ کر کے میراث میں بھی فرق کر دیا گیا۔ علیٰ ہذا عورتوں کو بطاعتِ نذاکتِ اعضاء و مصروفیتِ خدماتِ خاصہ انجام دہی و الرض شاقہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

جب دو شخص آپس میں ملتے ہیں تو سلام کرنا سنون ہے۔ اور یہ حکم عام ہے۔ مگر اس میں بھی فرق ہے۔ و درجات امتیاز مقام و حالات کو ملحوظ رکھا گیا۔ صغیر و کبیر کی ملاقات ہو تو صغیر کو ابتدا باسلام کرنی چاہئے۔ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ دوسرے کا گذر اس طرف ہوا تو آئیو الے کو ایستادہ کا حکم ہے۔ علیٰ ہذا ایک سوا ہے۔ ایک پیادہ تو سوار کو چاہئے کہ سلام کرے۔ بغرض ہر جگہ اور ہر نوع پر جہاں جسم قسم کا امتیاز موجود ہے اسی قسم کا احکام میں بھی انفراد ہے۔

اسی طرح مذہبِ دینانت کی تفریق نے باوجود ہر قسم کے اشتراکات کے اور باوجود ان مساواتِ حقوقِ انسان کے جس کو ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں احکام میں تفریق کر دی اور ایسا کرنا عقل و فطرت کی رو سے ضروری و لازمی تھا۔

تفصیل اسکی یہ کہ نوعِ انسانی بوجہ تفرقہ مذہبِ دینانت و حصوں پر منقسم ہو سکتی ہے ایک مومن و مسلم دوسرے غیر مومن و غیر مسلم۔ اول قسم کے اندر باعتبار دینانت بہرے درجات و مراتب ہیں علیٰ ہذا دوسری قسم میں بھی درجات و مراتب ہیں۔ شریعتِ اسلام نے اول تو مسلم و غیر مسلم کے احکام میں امتیاز قائم کیا۔ پھر ان تفاوتِ مراتب و درجات کی وجہ سے ہر ایک نوع کے اصناف میں امتیاز و

تفاوت بھی دو طرح کا ہے احکام آخرت میں یا احکام دنیا میں۔

جو شخص خدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ اُس کے انبیاء و رسل کو نہیں ماننا احکام انزل کو قابل تسلیم نہیں سمجھتا۔ حقیقت اُس نے انسانی خلقت کی غرض غایت ہی کو مٹانا چاہا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام عالم کو انسان کیلئے کارآمد بنایا اور انسان کو اُس کے لئے پیدا کیا کہ اُسکی اطاعت و شکر گزاری کرے جب نوع انسانی میں دُگروہ ہو گئے تو لامحالہ ہر ایک گروہ کی انفرادی احکام جداگانہ ہونگے دو نوں گروہ کا تمام احکام میں مساوی کر دینا۔ ظلم عظیم سمجھا جائیگا۔ سرکش و نافرمان۔ متمرّد و متعنّت کو مطیع و متقاد تابع فرمان کے برابر کر دینا عقل و فطرت۔ قوانین سلطنت۔ نظام عالم کے بالکل خلاف ہے۔ خداوند عالم فرماتے ہیں۔

أَفَجْعَلِ الْمُسْلِمِينَ كَالْجَاهِلِيِّينَ
کیا ہم مسلم کو مجرم کی برابر کر دیں۔

مسلم کا غیر مسلم سے امتیاز کن معاملات اور کن امور میں ہے ہم اسکی چند مثالیں بیان کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ کسی مسلم عورت کا غیر مسلم سے نکاح درست نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ عورت مرد کے تابع ہوتی ہے اور مسلمہ جب غیر مسلم کے تابع ہو گئی تو اس کے اسلام و ایمان کو خطرہ پہنچا دینا ہے۔ مسلم کو غیر مسلم سے اس صورت میں نکاح جائز ہے کہ غیر مسلم اہل کتاب میں سے ہو۔ مشرک نہ ہو۔

یا مثلاً غیر مسلم جو مسلمانوں کے زیر حکومت رہتا ہے اُس سے اور مسلم دونوں سے محصول لیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ مسلم کے ہر قول و فعل میں عبادت کے پند کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لئے جو محصول اُس سے لیا جاتا ہے اُس کا نام زکوٰۃ یا عشر رکھا گیا۔ اگر اموال تجارت سے لیا گیا تو زکوٰۃ ہے۔ محال نہیں ہے تو عشر ہے اور ان کا مصرف بھی جداگانہ مقرر کر دیا گیا۔

غیر مسلم سے جو محصول لیا جاتا ہے اس کا نام جرّیہ و خراج رکھا گیا۔ اُن کے حفظ جان و مال کا مضبوط ہے کہ سال بھر میں کسی بہت تھوڑا محصول دیکر اپنی جان و مال عزت و آبرو کو نہ صرف محفوظ کریں بلکہ معاملات معاشرت میں مسلم کی برابر ہو کر رہیں۔

محال راہنی سے جو کچھ لیا جاتا ہے اُس کا نام خراج ہے اور ان دونوں جرّیہ و خراج کا مصرف جداگانہ رکھا گیا

زکوٰۃ و عشرتیں تو چونکہ ایک قسم کی عبادت کو دخل ہی۔ اس لئے اسکے مستحق اور میں اور جزیہ و خراج میں عبادت کا پہلو نہیں لیا گیا۔ وہ غیر مسلموں سے اس وجہ سے لیا جاتا ہے کہ اُن کو مذہب میں آزادی دیکر اُنکے عرقی عبادات میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی گئی اسلئے اُنکے مستحق دوسرے ہیں۔ معہذا بعض صورتوں میں مسلم سے بھی خراج لیا جاتا ہے۔ یعنی جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہو چکی وہ مسلم کے قبضہ میں جائے بعد بھی خراجی ہی رہتی ہے۔

اسی طرح کے اور بھی جزوی فرق ہیں جن سے مسلم و غیر مسلم اسلام و غیر اسلام کا امتیاز قائم رہا اور اس امتیاز کو خود غیر مسلم کے انواع میں بھی ملحوظ رکھا گیا غیر مسلم اہل کتاب میں یا مشرک۔ پھر ان میں منافق ہیں یا غیر منافق یعنی جو ظاہر مسلمان ہوں اور دل میں اسلام نہ ہو۔ بلکہ بغض اسلام ہو منافق کہلاتے ہیں۔ پھر غیر مسلم اصلی ہوں یا اسلام سے پھرے ہوئے ہوں ان سب کے انفرادی احکام بوجہ ان امتیازات خاصہ کے جدا گانہ ہیں۔ ہم تفصیل وار ہر ایک کو اس جگہ بیان کرنے سے بالکل معذور ہیں۔

یہ حال تو طبقہ غیر مسلم کا ہے جن میں اور مسلم میں حقیقتاً مذہب و دیانت کا تفرق ہے۔ رہا طبقہ مسلم جس میں تمام اشتراکات کیساتھ اشتراک مذہب و دیانت بھی موجود ہے اس میں بھی دیانت کے درجہ متفاوت ہونے کی وجہ سے امتیازات خاصہ ہیں اور ان امتیازات کے احکام جدا گانہ۔ اس اشتراک نے جو طبقہ مسلم کے تمام افراد میں پایا جاتا ہے مساوات کو بھی اس درجہ پر پہنچا دیا جو دوسرے طبقات میں نہیں تھا لیکن ان امتیازات کی وجہ سے احکام میں انفرادی بھی ہے۔

مساوات کا حال تو یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو باہم بھائی قرار دیا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ مناس پر ظلم کر سکتا ہے اور نہ کسی ظالم کے سپرد کر سکتا ہے۔
مسلمان کے خون باہم مساوی ہیں اُنکے عہد بیان کیلئے ان میں کا ادنیٰ بھی سہی کر سکتا ہے۔

المسلمون اخو المسلمون لا یظلمون ولا ینظلمون
المسلمون تنکافی دماءہم سیمی
بذل متھم اذا ہم

عام حقوق اسلامی ہیں مرد و عورت آقا عالم کو یکساں دکھا گیا۔ ایک مسلمان مرد یا عورت۔ آزاد۔ یا غلام تمام مسلمانوں کی طرف سے عہد و پیمان کر سکتا ہے کسی کو امن دے سکتا ہے اور تمام مسلمانوں پر اسکی پابندی لازم و واجب ہے۔ امام و سلطان کو یہ بیشک اختیار ہے کہ اگر ایسا عہد کرنا یا امن دینا مصالحت مسلمان کے خلاف ہو تو اس کو رد کر دے اُن لوگوں کو اطلاع کر دے کہ ہم اس عہد و پیمان پر قائم نہیں ہیں۔ مگر یہ اختیار نہیں کہ باوجود اس عہد و پیمان کے بلا اطلاع خلاف عہد کچھ کر بیٹھے۔ جیتک عہد باقی ہے اسکی پابندی واجب ہو عہد و پیمان کو توڑے یا اسکی مدہ شرائط میں کچھ ترمیم کرے تو بعد اطلاع کرے۔ ایک جگہ تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

خَاتَمُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَ هَلَلِي مَدَنِيهِمْ | اُن کے عہد کو اُسی مدہ تک اُن سے بھری ہو پر کر دو
دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَأَمَّا اتِّخَافُ مَنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَامْنَنْ | اور اگر تم کو کسی قوم سے خیانت و غداری کا اندیشہ ہے
عَلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ | تو عہد کو اُن کی طرف پھینکو برابر۔

ان دونوں ارشادات سے نتیجہ نکال لیا جاوے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتوں نے بعض سخت دشمنان اسلام کو جنہوں نے حضور انور کی ذات اقدس کو گزند پہنچانے اسلام کو بیخ و بن سے کھاڑنے میں کسر نہ رکھی تھی۔ امن دیا اور اپنے اسکو مقبرہ رکھا۔

اور باوجود اس مساوات کے تفاوت درجات دیانت کی جس سے امتیاز و افراد کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری رہا جیسا کہ اوپر سے چلا آتا ہے۔ تفاوت درجات دیانت کے بہت سے وجوہ ہیں ایک مسلمان عالم ہو دوسرا غیر عالم دونوں کا درجہ مساوی نہیں عالم کا جو احترام و اکرام ہو سکتا ہے وہ غیر عالم کا نہیں۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ | کہدو تم کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو ذی علم ہیں
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ | اور وہ جو ذی علم نہیں

ایک مسلمان صالح ہر ایک فاسق صالح مسلمان کی شہادت اسلامی عدالتوں میں معتبر قابل قبول فاسق کی شہادت مردود۔

یا ایہا الذین آمنوا ان تصیلحوا فما یجملہ
فتصلحوا علی ما فعلتم فادعین۔
مسلمانو! اگر تم سب پاس کوئی فاسق خبر لیا آئے تو خوب دیکھ
بھال کرو مبادا اسکی خبر پر اعتماد کر کے نادانی سے کسی قسم
کو صدر پہنچا دو اور پھر اپنے فعل پر نادم ہو۔

ایک مسلمان مظنہ تہمت ہی دو سر نہیں۔ دونوں کا حکم جہا گانہ ہے۔ باوجود دونوں کے صالح
ہونیکے موقع تہمت میں صالح کی شہادت معتبر نہیں لکھی جاتی۔ باپ کی شہادت بیٹے کے حق میں۔ بیٹے
کی شہادت باپ کے حق میں ایک مسلمان متبع سنت و سر امتیہ دونوں کا حکم جہا گانہ متبع سنت کی
توقیر و احترام ضروری۔ متبع کی تحکیم و احترام حرام حدیث شریف میں آیا ہے۔

من وقر صاحب بدعتا فقد اعلان
علی ہدام الاسلام
جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کے گروہین
میں عنایت کی۔

ایک صاحب وسیع و تقویٰ ہے۔ جو ذرا سے شہادت اور شہادت سے پرہیز کرتا ہی۔ دوسرا ایسا
نہیں ان دونوں کا حکم جہا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ معاملہ علیحدہ ہے

پھر علم و صلاحیت کے بھی درجات ہیں اور ہر ایک درجہ اپنا امتیاز لئے ہوئے ہے۔ صحابہ کرام
اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شرف صحبت میں برابر سب کے سب قابل اقتداء۔

اصحابی کا الخیوم بایہما قتلیتم
اھتدیتم۔
میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کا اقتدا
کر دو گے ہدایت پاؤ گے۔

گر یاہ نہم فرق مراتب کی جب سے ان کے اندر امتیازات کا لحاظ رہا ہے جناب باری عز اسمہ ارشاد
فرماتے ہیں۔

لا یتوی منکم من انفق من قبل الفجر
وقاتل اولئک اعظم درجۃ من
جن لوگوں نے تم میں سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا ہی
اور قتال کیا ہی برابر نہیں ہیں یہ لوگ بڑے درجے والے ہیں

الذین انفقوا من بعد وقاتلوا و
کلا وعد الله المحسنی

اُن سے جنہوں نے بعد فتح کے مال خرچ کیا اور قاتل
اور اللہ نے ثواب کا وعدہ سب کیا ہے۔

یہی وہ فرق تھا جس کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو تنبیہ کی
اور حضرت عبد الرحمن بن عوف میں کچھ تیز کلامی ہونے لگی یہ فرما کر

مهلایا خالد دع عنک اصحابی | خالد ٹھیکر میرے اصحاب کو چھوڑ دو۔

روک دیا۔ خالد بھی آپ کے اصحاب میں تھے مگر اس درجہ میں نہ تھے جس میں عبد الرحمن بن عوف تھے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب فتر عطا فرمایا۔ تو اسی فرق مراتب درجات کو ملحوظ رکھ کر ہر
ایک کیلئے اسکے درجے کے اندازہ سے سالانہ عطا مقرر فرمائی۔

علماء میں ایک یہ ہیں۔ جو راوی حدیث یا حافظ و جامع علم ہیں۔ مگر فقیہ نہیں اور پھر فقہاء کے
درجات میں بھی تفاوت ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

رأب حامل فقه غیر | بہت وہ لوگ ہیں جو عامل و راوی فقہ ہیں مگر خود فقہ
فقہ و رأب حامل فقه | نہیں اور بہت ایسے ہیں جو خود بھی فقہ ہیں مگر اپنے
الی من ہوا فقه منہ | سے زیادہ فقہ کی طرف فقہ کو پہنچاتے ہیں۔
فقہ کو غیر فقہ پر ترجیح دیکٹی۔

من یرد الله خیر لفقہہ فی الدین | جس کیلئے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتا ہو اس کو دین کی حق عطا فرماتا
ایک عالم درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہے دوسرا نہیں۔

ایک ایسا شخص جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو مگر درجہ فقہاء اجتہاد نہیں کھتا کسی واقعہ
میں رائے دینے اور کسی کو مسئلہ بتلادینے سے قابل مواخذہ ہو جاتا ہے۔

بلکہ ایسا شخص صحیح مسئلہ بھی بتلا دے جب بھی قابل مدح نہیں اور فقیہ و مجتہد اگر غلطی بھی کر جائے
تو نہ صرف قابل درگزر ہے بلکہ اس کو اجر و ثواب ملتا ہے۔ ابو داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ ہم چند آدمی ایک مرتبہ سفر میں تھے ایک شخص کے سر میں پتھر لگ جانے کی وجہ سے غم ہو گیا

شب میں احتلام ہو گیا اُس نے دریافت کیا کہ مجھے تیمم کیلئے کیا اجازت ہے یا نہیں۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک تو جائز نہیں کیونکہ تم غسل کر سکتے ہو۔ اُس نے غسل کر لیا اور یہی سبب اُسکی وفات کا ہو گیا۔ جب ہم سفر سے واپس ہوئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدت میں یہ واقعہ عرض کیا گیا آپ نے ارشاد فرمایا۔

قتلوه قاتلهم الله احسوا اذ لم يعلموا فانما شفاء العلي السؤال

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب قاضی بن کر پہنچا گیا۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فیصلہ کیونکر اور کس اصول پر کرو گے۔ عرض کیا کتاب اللہ کے موافق کروں گا۔ اور جب معاملہ میں نص کتاب اللہ نہ ہوگی تو سنت کی موافق کروں گا۔ اور جس کے متعلق سنت میں تصریح نہ ہوگی تو اپنی رائے سے اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے سن کر ارشاد فرمایا۔

الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله | خدا کا حکم ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو یہ توفیق دی۔
اس واقعہ میں تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں نے اسکو قتل کیا خدا ان کو قتل کرے۔ حالانکہ وہ بھی صحابی تھے اور اس واقعہ میں حکم صریح سنت و کتاب کا معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی رائے سے فتویٰ دینے کو کہا تھا تو اس پر شکر ادا فرمایا۔ یہ محض اس فرق کیوجہ سے تھا کہ ان مفتیوں میں ابھی مادہ فقہائیت و شرعائیت تھا پورے موجود نہ تھے۔ اور حضرت معاذ میں یہ امور جمع تھے۔ فقہائیت فی الدین و شرائط اجتہاد و یہی بنیاد

تعلیمات اسلام

مولفہ فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نہایت مفید و موثر انداز میں اسلامی تعلیمات کی حقانیت و صداقت کو ثابت کیا ہے خصوصاً مسئلہ استنشاؤ و استجارہ کی نہایت مفید علمی بحث کی گئی ہے جس سے اسلامی تعلیمات کا سکہ انسان کے قلب پر بیٹھ جائے، جدید تعلیم یافتہ و نئی روشنی کے دلدادہ اسکے مطالعہ سے مفید معلومات حاصل کر سکتے ہیں، طرز تحریر ایسا دلکش کہ حضرت مولفہ کا یہی حصہ تھا، قیمت فی جلد صرف (دھڑ) یہ اور جگہ کتب ہدایات میں ملے گی۔ ناظم کتب خانہ مطبع قاسمی دیوبند ضلع سکسپانڈا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران اذا حکم فخطا فله اجر واحد
جب حاکم حکم کرے اور اپنی پوری کوشش صرف کر لے ویصح حکم دے تو
اُس کیلئے دو ہزار اجر ہوں اور خطا کرے تب بھی ایک اجر ہے۔

در صورت صواب حاکم کو دو اجر ملتے ہیں۔ ایک اجتہاد کا دوسرا عصابت حق کا۔ اور در صورت خطا فقط
اجتہاد کا لیکن کب جبکہ اس میں شرائط اجتہاد موجود ہوں۔ اور اگر شرائط موجود نہوں کسی اجر کا مستحق نہیں۔
طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں بذیل شرح حدیث لکھا ہے۔

وهذا فيمن كان جامعاً لآلة الاجتهاد
عارفاً بالاصول۔ علماً وجوه القياس
فاما من لم يكن محلاً للاجتهد فهو
متكلف ولا يعذر بالخطا بل يخاف
عليه لو نأه
یہ ارشاد ان لوگوں کے بارہ میں ہی جو شرائط اجتہاد
کے جامع اور اصول سے واقف قیاس کے عارف ہوں
جو محل اجتہاد نہیں تو وہ تکلف حکم دینے والا ہے۔ وہ خطا کی
حالت میں معذرت نہ سمجھا جائیگا۔ بلکہ اس پر مواخذہ اور
گناہ کا اندیشہ ہے۔

اس حدیث کے اشارہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حاکم والی خواہ اس کی ولایت عامہ ہو یا خاص
ہو ایسا ہونا چاہئے جس میں نقاہت و شرائط اجتہاد موجود ہوں۔ گو یہ شرط لازمی نہیں۔
امتیاز دیانت اور اس کی انفرادی احکام کی صدا ہزار ہا مثالیں ہیں جن کو ہم بیان کر سکتے ہیں
مکمل اصلی مقصد کی توضیح کیلئے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

جب اشتراک و انفرادی کی توضیح تفصیل معلوم ہو چکی تو اب بطور نتیجہ معروضات سابق ہم عرض کرتے
ہیں کہ جو لوگ بنی آدم۔ یا ان کے کسی ایک نوع کے معاملہ میں مساوات کلی کے مدعی ہیں وہ سخت غلطی میں
مبتلا ہیں۔ اول توقع ایسا نہیں ہو سکتا۔ نظام عالم اس صورت میں بالکل دہم برہم ہو جائے دوسرے
خود ان دعویوں کا عمل ان کے قول اور دعوے کی تردید کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس زمانہ میں جبکہ تسویہ
حقوق بنی آدم کے لیے چوڑے دعوے کئے جاتے ہیں امتیازی احکام کس قدر نمایاں ہیں۔ ان کے
طرز عمل میں قوانین نظم و نسق میں۔ اصول مذہب میں اس امتیاز کو برابر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اس میں ایک

حد تک افراط کی نوبت آگئی ہے۔ قومیت و وطنیت کے وہ امتیازات بھی ملحوظ رکھے گئے ہیں جو کسی قانون عقلی اور افتضار مذہب میں داخل نہیں۔ مگر اپنی شخصیت کو قائم رکھنے کیلئے ان کا التزام ضروری سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ ایک مذہب ایک ملت ایک قوم کے افراد کی لباس ملکی رسم و رواج کی پابندی کو لازم سمجھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر سوسائٹی کے امتیازات ہیں اور جنہوں نے امتیازات کو اس حد تک پہنچا دیا کہ اشتراک مساوات کو جڑ بنیاد سے اٹھا کر دینا چاہا اور اپنی شخصیات کے مقابلہ میں دوسروں کی ہستی کو ناپید کرنا چاہا وہ تو تفریط کی اس حد میں پہنچ گئے جس کو سخت مملکت اور نظام عالم کو برباد کر نیوالا لازمی اثر ہے۔ ایسی قوموں کے حالات سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں۔ جنہوں نے اپنے اپنائے جنس کو تفریحی مشاغل کیلئے طعمہ سباع و بہائم بنانے کا معمول رکھا ہے اس گروہ نے صنفِ سار کو اس درجہ گرایا کہ گویا وہ نسل آدم نہیں ہیں۔ حقوق میراث وغیرہ سے ان کو محروم رکھا گیا۔ ان کے تفرقات جائز نہ رکھے گئے۔ شریعت اسلام نے دونوں پہلوؤں کو اعتدال سے منبھالا۔ ہر ایک کی حد مقرر کر دی۔ ہر ایک کے احکام بتا دیئے۔ اشتراک کے پہلو کا اس حد تک لحاظ کیا کہ کسی موقع پر اس کو نظر انداز نہیں کیا۔ اور امتیاز کو بقا پر نظام عالم کو قریب احکام آخرتہ کیلئے لازم و واجب قرار دیا۔ اور اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لن يزال الناس بخير ما تباينوا فاذا تساوا هلكوا

آدی ہیش خیر کی تہہ بیگے جبکہ انہیں فرق مراتب قائم رہے گا اور جب سب برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ ارشاد بالکل اصول فطرۃ کی موافق ہے۔ اور گو لفظ تباين میں دونوں قسم کے امتیاز تمدنی و دنیائی داخل ہو سکتے ہیں مگر ظاہر اس سے امتیاز تمدن مراد معلوم ہوتا ہے امتیاز دیانت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

رافضی (احد علی الحد) وبال تقویٰ | کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر جو فضیلت ہے وہ برہنہ تقویٰ پر ظاہر ہے کہ نفی فضیلت ان حقوق و معاملات کی نہیں جبکہ تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں بلکہ دیانت کے اعتبار سے ہے۔ اور اس اعتبار میں تمام نوع بنی آدم مساوی ہیں جو فرق ہوتا ہے تقویٰ کی وجہ سے ہوتا ہے اور تقویٰ کی اصل بنیاد ایمان ہے اور اسکے بعد جہائے ایمان سے تفوق مراتب ہوتا چلا جاتا ہے۔

دلائل عقلیہ و شرعیہ - عرف عام و رسوم و عادات - تجربہ و مشاہدات سے یہ ثوابت ہو چکا کہ بقائے نظام عالم و ارتباط معاملات کے لئے اشتراک افراد و دونوں کا وجود ضروری ہے لیکن ابھی ایک مرحلہ اور طے کرنا باقی ہے کہ معاملات معاشرت میں کسی ایک شعبہ کے اندر یا کسی خاص موقع و مقام پر مساوات کلی ممکن ہے یا نہیں۔

دلائل عقلیہ و شرعیہ - عرف عام و رسوم و عادات - تجربہ و مشاہدات سے یہ ثوابت ہو چکا کہ بقائے نظام عالم و ارتباط معاملات کیلئے اشتراک و افراد و دونوں کا وجود ضروری ہے۔ لیکن ابھی ایک مرحلہ اور طے کرنا باقی ہے کہ معاملات معاشرت میں کسی ایک شعبہ کے اندر یا کسی خاص موقع و مقام پر مساوات کلی ممکن ہے یا نہیں۔

اور جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔ بعض مالک امریکہ وغیرہ میں جو ایک خاص مقام کے اندر اسکی رعایت کی گئی ہے کہ وہاں مساوی طبقہ کے افراد آباد ہوں یہ صورت قائم رہ سکتی ہے یا نہیں سو ہم اس کو بھی طے کر دینا چاہتے ہیں۔ کسی ایک معاملہ میں مساوات حقوق و حالات و معاملات ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند افراد میں ایسا اشتراک قرار پائے کہ کسی کو کسی پر فوقیت یا امتیاز باقی نہ رہے۔ ایسی مساوات عقلاً بھی ممکن ہو اور وقوع ہو سکتا ہے انسانی طبائع میں جہاں ہر قسم کی ترقی ذہنی و عقلی کا مادہ موجود ہے وہاں فراغت و ثروت کی وجہ سے تفریق کا شوق بھی ہوتا ہے۔ کسی تو ضرورت اسکی داعی ہوتی ہے کہ دو یا زیادہ افراد کسی معاملہ میں مساوی شریک ہوں۔ اور کبھی تفریحی مشاغل اسکی محرک بن جاتی ہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے ابھی چند سال کا عرصہ ہوتا تھا تو نہایت قومی انجمنوں کو لڑنے کا تماشہ دیکھا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ لاکھوں روپے کا خون محض ایک تفریحی مشغلہ میں کیا گیا۔

امریکہ کے جس مقام پر ایسی مساوات جاری کی گئی ہے ہم کو اسکی پوری تفصیل معلوم نہیں کہ کن امور میں اس کا التزام کیا گیا ہے اس لئے خاص اس کی غیبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اگر معلوم ہو جائے تو اپنا خیال عرض کر سکتے ہیں کہ وہ کتنا تک اصول فطرت۔ تمدن اور معاشرت کے مطابق ہے۔

اور ایسی مساوات قیام پذیر ہو سکتی ہے یا نہیں۔

مگر شریعت نے بھی ایک خاص شعبہ میں اس مساوات کی صورت ہم کو بتلائی ہے۔ شریعت کے احکام ضرورت پر مبنی ہوتے ہیں۔ تفریح و ہوا و لعب کو اسکے اندر دخل نہیں ہوتا۔ تاہم جدجاء کے اندر تفریح و طبع کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ اور کبھی تفریح خود ضرورت کی حد میں آ جاتی ہے۔ اس لئے تقنین پسند طلبائے بھی اس صورت سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

مذکورہ معاشرت کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ چند کس میں شرکت ہو۔ شرکت کی دو قسمیں ہیں شریک الملک۔ شرکت عقود۔ شرکت الملک یہ ہے کہ کسی ملوک جائداد میں شرکت ہو۔ خواہ وہ دراختیاری ہو۔ یا کسی دوسرے ذریعہ سے ملک میں آئی ہو شرکت عقود اسکو کہتے ہیں کہ کسی معاملہ میں خواہ عقد بیع ہو یا اجارہ۔ صنعت ہو یا زراعت شرکت کریں۔

شرکت عقود کی چار قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ اول شرکت عنان۔ دوم شرکت منافع۔ سوم شرکت وجوہ۔ چہارم مفاوضہ ہماری غرض اس وقت شرکت مفاوضہ سے متعلق ہے۔ اس لئے اسی کو بیان کرتے ہیں۔

مفاوضہ فوض سے مشتق ہے۔ اور اس کے معنی مساوات کے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

مخلوق جبکہ مساوی درجہ خود سہوں کوئی ان کا فرمانبردار
نہ جو کبھی ان کی حالت رست نہیں ہ سکتی اور اگر کسی جاہل کو
سوار بنا دیں تو وہ حقیقتاً نہرے کے حکم میں ہے۔

و ایصالہ الناس فوضی (املاۃ لہم)
و (املاۃ اذ اجھا لہم ساودا۔

اسکی صورت یہ ہے کہ دو شخص یا ہم اس طرح شریک ہو جائیں کہ جو کچھ مال ہم میں سے کسی کے پاس ہو اس میں مساوی طرح شریک رہیں جو کوئی تصرف یا معاملہ ہم میں سے کوئی کر لے تو اس میں برابر کے حصہ دار رہیں گے۔ جو دین قرض کسی کے ذمہ عائد ہوا اسکے ذمہ دار دونوں مساوی ور جے کے ہوں گے۔

یہ شرکت چونکہ بہت سی معاملات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جن میں سے بہت سے ابھی مجہول ہیں اس وجہ سے امام شافعی صاحب اور دوسرے آئمہ مجتہدین نے اسکو جائز نہیں کہا مگر امام ابوحنیفہ نے

دجلی نظر دقیق اور اصول شریعت کو زیادہ مہیا و وسیع ہے۔ ضروریات و مقتضیات حوادث و واقعات کا بھی علم زیادہ ہی۔ یہی وجہ ہے کہ قبل نزول حوادث آپ نے محض احتمال وقوع پر سوالات قائم کر کے ان کے احکام اُمن کر دیئے۔ اور یہ وہی منقبت ہے جس کا ائمہ مجتہدین نے تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کیلئے تین چوتھائی علم کو سب تسلیم کر چکے ہیں۔ ایک ربع میں ان کا اور دوسرے ائمہ کا اختلاف ہے جس میں کسی جانب فیصلہ یقینی نہیں ہے۔ علم کے دو حصے ہیں۔ سوال و جواب نصف علم تو یوں اُن کیلئے تسلیم ہو چکا کہ سوالات انہوں نے قائم کئے۔ رہا دوسرا نصف یعنی جوابات اس میں سے ایک نصف کو ساری دنیا مانتی ہے کہ صحیح ہیں۔ ایک نصف میں اختلاف ہے

اس شرکت کو شرعاً جائز بتلایا اور قواعد شرع پر منطبق کر کے بتلادیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو معاملات آپ میں اس وقت مہول الحال ہیں اُن سے یہ شرکت فاسد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس قسم کی مجہولیت کا تبعاً تحمل کر لیا جاتا ہے جیسا کہ مضاربہ وغیرہ میں۔

اس شرکت کے اندر چونکہ مال اور تصرف اور دین میں مساوات ہونا شرط ہے۔ اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ ہر دو شریک تصرفات میں ایک دوسرے کے ہوں۔ یعنی نہیں ہو سکتا کہ ایک تصرفات کر سکتا ہو دوسرا نہیں کر سکتا۔ یا ایک کے تصرفات کا دائرہ وسیع ہے دوسرے کا ناقص اسی وجہ سے آزاد غلام بطلان و بطلان میں اس قسم کی شرکت نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اُس کے ہر شے شرائط و قوانین ہیں۔ مگر ہم انکی بسط و تفصیل سے اس وقت معذور ہیں۔ صرف اس قدر بتلادینا منظور تھا کہ شریعت نے بھی بعض ایسی مساوات کی صورتیں قائم کر دی ہیں۔

نتیجہ اس شرکت کا ظاہر ہو کہ جب کوئی ہر دو شرکاء میں سے کوئی معاملہ کرے گا۔ دوسرا اس میں شریک سمجھا جائیگا۔ جو مال ایک کے پاس ہے دوسرا اس میں آدھے کا شریک ہوگا۔ جو نقصان تجارت یا کسی معاملہ میں ایک کو پہنچے گا۔ دوسرا بھی اس میں شریک ہوگا۔ علیٰ ہذا جس کسی کے ذمہ جتنا قرض ہے یا عائد ہو۔ اس میں بھی دوسرا حصہ دار ہے۔

ایسی مساوات کو عقلاً ممکن ہے۔ شرعاً جائز ہے۔ مگر باعتبار وقوع کے سخت دشوار ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اس پر عمل کیا ہے۔ اور کیا ہے تو کہان تک اسکو نبھاسکے ہیں۔ ہیکو آج تک علم نہیں کہ کبھی ایسی شرکت ہوئی ہو۔ کتابوں میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اسکے قواعد و شرائط پڑھے ہیں۔ مگر نہ خود عمل کیا نہ کسی کو کرتے دیکھا۔ جب ایک عقد شرکت میں یہ حال ہو تو پھر اس مساوات کو خیال کر لیں جو بہت معاملات میں مساوات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہو مساوات کے بارہ میں ہم نے جو کچھ عرض کیا۔ اہل فہم کیلئے اسکی حقیقت اُس کے حدود اور اُس کے احکام سمجھنی کیلئے کافی ہے۔ اب ہم مسئلہ حریت کو شروع کرتے ہیں واللہ الموفق۔

مسئلہ حریت

مسئلہ حریت بھی مساوات ہی کا ایک شعبہ ہے اور اس پر متفرع ہے اسلئے ہم نے مساوات کی تحقیق کے بعد اس کا لکھنا مناسب سمجھا۔ حریت کے معنی آزادی اخلاق و ملکات معائب و رذائل سے پاکیزگی و صفائی کے ہیں اور انہیں اعتبار سے اس کا اطلاق کبھی بمقابلہ عبدیت و غلامی کے ہوتا ہے اور کبھی بمقابلہ دناؤ و رذالت کے مڑوئے ہیں اور وہ شخص مراد ہوتا ہے جسکی ذات آزاد ہو۔ غلامی کی قید میں مقید نہ ہو اور کبھی مڑوئے ہیں اور وہ شخص مراد لیتے ہیں جو شریف نفس ہو۔ کریم الاخلاق ہو اور اسی معنی کو لحاظ رکھتے ہوئے انسان کے چہرہ کو بھی حرکت دیتے ہیں۔ حریت کی تین قسمیں ہیں حریت ذات۔ حریت صفات۔ حریت معاملات۔

حریت ذات تو یہ ہے کہ انسان اصل خلقت سے آزاد پیدا کیا گیا ہو۔ ابتداء پیدائش سے وہ خلافت خداوندی کی حیثیت سے خود تمام مافی الارض کی ملکیت و تصرفات کا استحقاق و قابلیت رکھتا ہے کسی کو اس پر راجحیت کا حق نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات و منافع ذات کا مالک و متصرف ہے یہ حالت اگر اسکی آخر تک یونہی موجود ہو تو حریت ذات قائم و باقی ہے۔ اگر اس کی یہ حالت باقی نہ رہی تو حریت ذات منقوہ ہو کر بچاؤ اسکے غلامی آگئی۔

حریتہ صفات یہ ہیں کہ اس کا نفس مکارم اخلاق سے مزین ہو۔ اس میں وہ اخلاق نہ ہوں جو انسان کو داغدار بنا کر وہیمیت تک پہنچا دیتے ہیں مکارم اخلاق میں حیا مروت شجاعت سخاوت عدل و انصاف رحم و حلم سب ہی داخل ہیں۔ رذائل انسانی میں ان اخلاق کے ضدِ ظلم و ستم۔ بھینائی و بھیروتی۔ بزدلی و بخل وغیرہ داخل ہیں۔

حریتہ معاملات یہ ہیں کہ جو استحقاق تصرفات مالکانہ کا منجانب اللہ اس کو عطا ہوا تھا وہ اسی حال اور اسی طرز پر باقی ہے زائل نہیں ہوا۔

حریتہ کی ہر قسم کے متعلق چند امور قابلِ بحث و تحقیق ہیں۔

(۱) یہ حریت اس کو کہاں سے عطا ہوئی (۲) اس حریت کی حفاظت کا حق اس کو کس تک ہے (۳) اسکے استعمال کے کیا طریقے اور کیا حدود ہیں (۴) اس حریت کے زوال یا نقص کی سقد صورتیں ہیں (۵) عقل و عرف یا دیانت و مذہب کے اعتبار سے ان حریتوں کا سلب و زوال ممکن ہے یا نہیں ہے تو کہاں تک اور وہ محمود ہے یا مذموم۔

اراول انسان کو سہر قسیم کی حریتیں اسکے خالق و مالک کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔ خداوند عالم نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ جانشین و قائم مقام بنا کر بھیجا ہے۔ زمین کی حکومت اس کی ہر چیز میں حق ملکیت و تصرف اس کو عطا فرمایا ہے جو حق ملکیت و تصرفات خداوند عالم کو تمام مافی الارض پر تھا وہ ہی حق بحیثیت خلافت انسان کو حاصل ہے۔

الٰہی جاعل فی الارض خلیفہ | میں زمین پر اپنا ایک خلیفہ بنا کر بلا ہوں۔

اسکی دلیل شرعی موجود ہو اور انسان کے تصرفات کل مخلوقات پر اسکی عقلی و عرفی دلیل ہیں۔ انسان خود اپنے خالق کا ملوک بیشک ہے جیسے کہ اور مخلوقات میں۔ مگر باعتبار باقی اجزاء عالم کے وہ آزاد ہے کسی کو اس پر باعتبار اصل فطرۃ حق ملکیت نہیں ہے۔ ذات بھی اسکی آزاد ہے اور معاملات میں بھی وہ آزاد ہے۔

انسان باعتبار اصل فطرۃ و خیر کے منظر صفات کمالیہ الہیہ پیدا کیا گیا ہے۔

انسان کو جنے اچھے پیمانہ صوموت پر پیدا کیا

لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم

ارشاد خداوندی ہے اور

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی مثال و صورت پر اپنی صوموت پر
جو نوع انسان کیلئے مناسب تھی پیدا کیا۔

خلق الله ادم على صورته

ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس اعتبار سے اس کے فطری اور روحانی
اخلاق بھی تمام رذائل نفسانی سے آزاد پیدا کئے گئے۔ لیکن چونکہ وہ دار بلا میں ابتلاء و آزمائش کیلئے
پیدا کیا گیا ہے۔

اِنَّكَ اَنْتَ تَعَالٰی اَنْزَايْشِ كَرِّ كَتَمِ مِیْنِ سَوَكُنِ اِچھے عِلِّ وَاِلَہِی

لیبلو کم اِتیکما حسن عملو

اس لئے اس میں اس شائبہ ناری کے آثار بھی ظاہر ہوئے جسکی طرف ارشاد ذیل میں اشارہ ہے۔

پھر کیا ہم نے اسکو اہل نار سے گردہ لوگ جو ایمان لائے
اور اچھے عمل کئے۔

ثم من ذنابہ اسفل سافلین الذین
اصنوا و عملوا الصالحات

خداوند عالم نے اپنے بالغ و محکم حکمت کی بنا پر انسان کے اصلی اخلاق کے ساتھ دوسرے اوصاف
بھی رکھ دیئے۔ جو ان کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اور اس کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی عقل سے روحانی
و نفسانی اخلاق و ملکات میں مقابلہ کیوقت روحانی اخلاق کو غالب رکھے۔ رذائل نفسانی کو زائل کرے
فکر کرے اور اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات کے ہشتائیس داخل ہو۔

امرویم جو حریہ و آزادی انسان کو درگاہ ب العزۃ سے عطا ہوئی ہے اسکی حفاظت انسان کے
ذمہ لازم و واجب قرار دی گئی ہے۔

انسان اگر اسکی حفاظت میں کمی کرے دنیا میں ذلیل و خوار سمجھا جاتا ہے اور آخرت میں قابلِ داو گریہ
بھی وجہ ہے کہ انسان اپنی حفاظت میں مارا جائے تو اس کو دیانتہ و مذہبیت کا اجر ملتا ہے اپنی آبرو کے
تحفظ میں قتل ہو جائے تب بھی شہید ہے۔ اپنے مال کے بچانیکے لئے جان دے تب بھی۔

اگر خود اپنے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت نہ کرے تو تمام دنیا اسکو بزدل بے حیا۔ بیروت ہے
و غیرہ القاب کے یاد کرتی ہے۔ انہائے منس ہم وطن ہم قوم سب ہی میں ذلت و خواری کیساتھ رہتا ہے

برخلاف اسکے اگر دوسری صورت یعنی تو اسکی عزت و عظمت کا ڈکنج جانا ہے۔ یہ کیوں صرف اس لئے کہ اس نے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ حال تو عقل و عرف کے اعتبار سے ہو یا نہ ہو۔ اس کا فیصلہ اس طرح کر دیا ہے۔

جو شخص اپنی جان کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنی آبرو کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ اس طرح جو اپنے مال کو بچانیکے لئے قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے۔

من قتل دون نفسہ فھو شہید من قتل دون عہدہ فھو شہید من قتل دون مالہ فھو شہید

انسان کو اپنی ذات و معاملات۔ حرمت و عزت کی حفاظت جیسے کہ دوسرے کی باتوں سے ضروری ہے خود اپنے اعتبار سے بھی ایسی ہے۔ اپنی جان کو ہلاک کر ڈالے۔ تو گناہ کبیرہ ہے قاتل نفس مستحق عذاب جہنم ہے۔ خود ایسے افعال و اخلاق کا متکب ہو اور اپنی ہی ملکیت کے اندر اپنی ذات کیلئے ان اخلاق کا استعمال کرے تب بھی عرفاً و عقلاً۔ شرعاً اس کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا وہ اب بھی قابلِ نفرین ہوتا ہے۔ جیسا کہ صورت اول میں۔

علیٰ انداپنے اموال و معاملات کو اپنے ہاتھ سے اپنے اختیار سے تباہ کر دے تب بھی مجرم خاص مسرف۔ مبذر۔ اخوان شیطا میں وغیرہ خطابات کی مخاطب کیا جاتا ہے۔ بلکہ صوت اول میں جبکہ کسی دوسرے کی طرف سے جان و مال وغیرہ آبرو کو گزند پہنچ جائے۔ یہ شخص عدم حفاظت یا کوتاہی حفاظت میں مندرجی سمجھا جاتا ہے۔ مگر صورت ثانیہ میں معدوم نہیں سمجھا جاتا۔

امر سوم انسان اپنی ذات کا اور اپنی ذات کے منافع کا مالک ہے۔ اخلاق و صفات۔ تلبیع ذات ہیں وہ بھی اسکے اختیار میں ہیں۔ اس اعتبار سے تو اختیار ہی نہیں کہ وہ اپنے اندر جس خلق یا جس ملکہ کو چاہے پیدا کر سکے۔ یہ تو صرف خداوند عالم کے اختیار میں ہے جس طرح ذات انسانی کی خلقت اسکے اختیار میں نہیں ہے، اسی طرح صفات و اخلاق کی خلقت بھی اختیار میں نہیں ہے ہاں جس طرح ذات کے اندر اس کو یہ تصورات و کونکے کونکے چیزیں بلکہ خلقی قیج اور کراہت منظر کی ایک حد تک تلافی کر سکتا ہے، اسی طرح نفسانی رؤا کو مستور و مغلوب کرنے روحانی اخلاق کو تقویٰ و امتیاز دینے کا اختیار بیشک اس کو دیا گیا ہے۔ یہی مراد ہماری صفات و اخلاق کے

اختیاری ہونے سے ہے۔

معاملات میں اس کو اختیار کلی ہے۔

لیکن باوجود اس اختیار و حریت نامہ کے جو اس کو اپنی ذات و صفات اور معاملات میں حاصل ہے اس اختیار کیلئے حد و مقرر میں استعمال کے طریقے بتلا دیئے گئے ہیں عقل و عرف نے بھی اسکو مطلقاً آزاد نہیں رکھا اور دیانت و مذہب نے بھی۔

دیکھئے وہ اپنی ذات کا مالک ہے مگر اپنی جان ہلاک کرنے کا اس کو اختیار نہیں اپنی جان کو کسی کے ہاتھ فروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ علیٰ انہما منافع ذات کا مالک ہو کسی کا اجیر ملازم بن کر رہ سکتا ہے۔ اور اپنی ذات کے منافع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن یہ اختیار بھی اُس کا کلی اور مطلق نہیں کسی کی ملازمت یا اجرت ایسے مذموم افعال کیلئے کرنا جو تمام اہل دنیا کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔ عقلاً و عرفاً سخت شرمناک مذموم و معیوب ہے عقل و عرف نے اُس کے حدود و طریقے معین کر دیے ہیں۔ زنا و لواطت کی اجرت و ملازمت کو شاید دنیا کا کوئی ذلیل ترین فرد بھی پسند نہ کرتا ہو۔ حالانکہ عورت و مرد کے تعلقات میں کہیں کہیں انسانی کا مدار انہیں پر ہے اور دنیا کی تمام راحتوں سے بڑھ کر اس تعلق میں راحت ہے۔ مگر کوئی عقل تجویز نہیں کر سکتا کہ انسان اس میں آزاد مطلق الاختیار ہے۔

دیانت و مذہب نے ذات و منافع ذات کو اختیارات کو اور بھی محدود و مقید کر دیا ہے جس کے اجازات و ملازمتیں ایسی ہیں جن کو عقل و عرف نے جائز قرار دیا ہے مگر شرع نے اسکی اجازت نہیں دی۔

اخلاق و صفات کی حد و اختیار بھی محدود ہیں۔ آدمی میں جس قدر اخلاق محمودہ و ملکات مذہبہ ہیں ان میں سے بھی اسکو اختیار نہیں ہے کہ ہر موقع پر ان کا استعمال کر سکے۔ رحم و شفقت، علم و سخاوت، شجاعت وغیرہ سب اخلاق محمودہ ہیں۔ اور اختیاری ہیں۔ مگر ہر موقع میں نہ محمودہ ہیں اور نہ ان کے استعمال کی اجازت ہے عقل و عرف و دیانت سب کے اعتبار سے یہ امر واضح و بین ہے۔ حاجت تو منج و تفصیل نہیں ہے۔ ہاں عقلی و عرفی قواعد و شرعی احکام و قیود میں جو فرق ہوتا ہے وہ یہاں بھی ہو گا۔

آخر چہارم ہر حریت ذات و صفات و معاملات کے زوال و سلب بالخصوص کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) ذات کی حریت بالکل جاتی رہی۔ اور وہ مثل دوسرے اموال منقولہ وغیرہ منقولہ کے قابل بیع و شراء ہو جائے۔

(۲) حریت ذات کلیتہً تو زائل نہ ہو۔ اور نہ بالکل مثل اموال کے ہو جائے۔ مگر اُس کے ساتھ معاملہ دہی کیا جائے جو ایک مملوک شے کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے اسیران جنگ کہ گو عرف میں ان کو مثل اموال نہیں سمجھا جاتا۔ مگر اُن کے عوض مال لیا جاتا ہے۔ تبادلہ کیا جاتا ہے اور اس تبادلہ کو اصطلاح میں بیع و شراء کہیں اور نہ اُس اسیر کو غلام مگر معاملہ وہی ہوتا ہے جو مملوک ہشیما کے بیع و شراء میں۔

(۳) باوجود ذات کی کامل آزادی کے اگر انسان میں عقل نہیں ہے حد جنوں تک پہنچ گیا ہو۔ اس صورت میں حریت صفات زائل ہو جاتی ہے اس کا کوئی خلق و ملکہ قابل اعتبار نہیں رہتا اور نہ اس پر کوئی حکم مرتب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مدح و ذم کا ثمرہ ہی مرتب نہیں ہوتا۔

(۴) باوجود عقل و فہم ہونیکے اخلاق ذمہ نے اسے پسندیدہ اخلاق کو مغلوب کر دیا۔ اُس وقت شخص اخلاق ذمہ کے استعمال اور اخلاق حسہ کے ترک سے قابل ملامت و طعن ہوتا ہے اور احکام بھی اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دانشمندی اور ارباب عقول سے نا ملائم اخلاق ظلم و ستم بخل و بھائی وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کے لئے زیادہ اشد کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) کبھی دوسری قوت قاسرہ اس حریت کے استعمال میں مانع آجاتی ہے اور انسان کو یہ آزادی باقی نہیں رہتی کہ اپنے اخلاق حسہ سے جس طرح چاہے کام لے سکے۔ حق گوئی کر سکے۔ جرأت اخلاق کو استعمال میں لائے۔

(۶) حالت جنوں میں حریت معاملات بالکل سلب ہو جاتی ہے اس کا کوئی عقد و معاملہ نافذ و جاری نہیں ہوتا۔

(۷) سفاہت و کم عقلی وغیرہ حالتوں میں ناقص ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے ایسے لوگوں کو جو بچپن سے سفید ہوں اور حالت بلوغ میں بھی اُن کے اندر آثار رشد ظاہر نہ ہوں اُن کے اموال اُن کے سپرد نہیں کئے جاتے بلکہ اُن کے اولیاء کے قبضہ میں رکھے جاتے ہیں۔ اگر بعد بلوغ سفاہت ظاہر ہو تب بھی اُن کے

معاملات میں مداخلت کی جاتی ہے۔ سرف ہوا اپنے مال کو بجا طور پر ضائع کرتا ہو یا شرفاء میں خرچ کرتا ہو تب بھی حکام وقت کو اس میں مداخلت کا حق ہوتا ہے۔ قوانین دنیا میں کورٹ آف آرڈس کا حکم اسی ضرورت سے قائم ہوا۔ اس میں تو عاقل بالغ ہوشیار مدبروں کی جائدادیں بھی بوجہ دیون وغیرہ کے گورنمنٹ اپنی حفاظت کے لئے لیتی ہے اور شریعت میں مسئلہ حمال کے لئے جاری ہوا ہے۔

(۸) صغرو کم کسی بھی معاملات کی آزادی میں مانع آتے ہیں۔ علیٰ ہذا نابالغ کے معاملات میں اسی وجہ سے قاضی کو دخل کا اختیار ہے۔

مجرموں کو جیل خانہ میں ہر قسم کی اخلاقی حریت۔ و آزادی معاملات سے وکدیا جاتا ہے۔ نہ منافع ذات میں تصرف کر سکتے ہیں۔ نہ اپنے اخلاق و ملکات سے کام لے سکتے ہیں۔ نہ کوئی معاملہ کسی سے کر سکتے ہیں اس حالت میں بھڑاسکے کہ ان کی ذات کی مثل اموال کے بیع و شرا نہیں ہوتی اور سب امور منافع ذات اخلاق و صفات۔ معاملات و تصرفات میں مثل جمادات اموال کے ہو جاتے ہیں کیسی گاڑیوں میں گھوڑے بیل کی طرح لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی زراعت میں بہائم کا کام دیتے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں انسان کی ہر قسم کی حریتیں نال پذیر یا ناقص ہو جاتی یا کر دی جاتی ہیں۔

آپ دیکھنا یہ ہے کہ عقل عرف میں ان صورتوں میں سے کوئی صورت کو ناپسند کیا جاتا ہے اور کوئی کو عقلاء زمانہ نے بلا انکار تسلیم کر لیا ہے اور پھر اسکے بعد انہیں امور کے متعلق شریعت کا فیصلہ دکھلانا۔ اور عرف و شرع میں موازنہ کر کے نتیجہ نکالنا ہے۔

جستہ در صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں بعض تو قدرتی ہیں۔ مثلاً انسان میں جنوں ہو۔ ایسی صورت میں تو ظاہر ہو کہ کوئی ایک عاقل بھی اسکو معاملات کا اہل نہیں بنا سکتا اور نہ اسکے اخلاق و ملکات قابل گرفت ہوتے ہیں۔ مگر جنوں کی ذات پھر بھی آزاد رہتی ہے۔ اس میں فرق نہیں کیا جاتا بلکہ غیر جنوں سے زیادہ آزاد رہتی ہے۔ اسکے قتل کو جائز نہیں کہا جاتا وہ اسیر جنگ بنا کر مثل اموال قابل تبادلہ و معاوضہ ہوتا ہے۔ نہ اسکے منافع سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے ایسا کیا تو کسی قانون میں اور کسی عرف میں پسندیدہ نہوگا۔

اسکے علاوہ اکثر صورتیں اختیاری ہیں اور ان میں اکثر صورتیں قوانین عالم میں رائج شائع اور مستحسن ہیں

فرق ہو گا تو فروعات میں ہو گا یا طرق اجراء قوانین میں۔ البتہ اس صوت کو اس مانسکے عرف میں بالکل مذموم سمجھا جاتا ہو کہ انسان کی ذات مثل اموال کے ہو جائے جمادات و بہائم کی طرح اسکی بیع و شرا جاری کر دیا جائے اور جہان شک عقل کام کرتی ہو یہ بات ظاہر نا زیبا بھی معلوم ہوتی ہو کہ انسان جس کو قدرت نے آزاد پیدا کیا ہو اسکی ذات کو مثل جمادات و نباتات بہائم و طیور کر دیا جائے۔ گویا قدرت کا صریح مقابلہ ہو اور اسی طرح شریعت اسلام کے مسئلہ غلامی پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

دوسرے اس صوت کو بھی مذموم سمجھا جاتا ہو کہ انسان جرأت اخلاق سے کام نہ لے سکے وہ اپنے فطرتی اخلاق کو کام میں لانے سے محروم کر دیا جائے صحیح ہائے یا مفید مشورہ نہ دے سکے کسی امیر یا وزیر یا شاہ و شہنشاہ کے خلاف منشا کوئی لفظ نہ کہہ سکے۔ اخلاقی حریت بہت ہی زیادہ قابل تباہی و بربادی ہے۔ اسکے مقابلہ میں جس قدر آزادی سلوپیے۔ اگر وہ خود اس شخص کی طرف سے ہو تب دنیا میں قابل نفرت و ملامت ہو۔ اگر کوئی دوسرا مانے ہے تو وہ شخص یا وہ قانون جو سدراہ ہو ظالم و ظالما سمجھا جاتا ہے۔

ان دو صورتوں کے سوا سب صورتوں کو جن میں حریت ذات سلب ہوتی ہو یا ناقص۔ حریت صفات میں زوال آتا ہے۔ یا نقصان پسند کیا جاتا ہے اور وہ عقلاً دنیا کے معمول بہا ہیں یہاں تک کہ وہ مشورہ بھی جو حقیقتاً باعتبار عقل مذموم ہیں اور عرف عام میں بھی اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ بعض اقوام یا بعض ممالک اچھی سمجھی جاتی رہی ہیں اور زمانہ طویل تک ان پر عمل درآمد رہا اور اب بھی ہے۔

یہ فیصلہ تو عقل و عرف کا ہو اور اس فیصلہ کی رو سے شریعت اسلام کے بعض احکام پر نکتہ چینی کی نوبت آتی ہے۔ اسلئے ہم کو ضرورت ہو کہ ہم اس معاملہ میں شریعت کے احکام کو ذرا وضاحت سے لکھ کر بتا دیں کہ اسلام نے حریت ذات و صفات و معاملات کی کس حد تک حمایت کی ہو اور مسئلہ غلامی کی حقیقت کیا ہو۔ انسان میں دو حیثیتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ ایک اسکی ذات کی باعتبار موجودہ حیثیات صاحب عقل و مشورہ ہونیکے۔ ایک باعتبار منافع ذات کے جسکی وجہ سے وہ اموال میں شمار ہونیکے قابل ہو جاتا ہو تفصیل اسکی یہ ہو کہ موجودات غیر ذہنیات میں تو صرف انکے منافع کا لحاظ ہو اور اسلئے ان کی ذات کا تحفظ

یا اتلاف جو کچھ بھی ہو مالیت کے اعتبار سے ہی۔ تبار ذات فی حد ذاتہ ملحوظ نظر نہیں رہی۔ موجود ذبیحیات میں جو حصہ غیر ذوی العقول کا ہو اُس میں تحفظ ذات بھی باعتبار اُنکے ذبیحیات ذوی دم ہو نیکی مقصود ہے۔ اور اسی وجہ سے انسان کے ذمہ جو باعتبار نیابتِ خلافت اپنے مالکانہ حق رکھتا ہے۔ حفاظتِ رعایت ذات ایک حد تک لازم کی گئی ہے اور باعتبار اُن کے منافع کے ہتہ مالیت بھی مقصود ہے مگر مالیت کی ہتہ غالب ہو اور اس وجہ سے باجمل عقل و عرف تمام غیر ذوی العقول کی بیع و شلر جائز ہے کسی مالک کو بھی انکار نہیں ہے۔

انسان باعتبار موجود ذی حیات ہو نیکی کو اوروں کے ساتھ شریک اور مساوی تھا مگر اُس کے ذوی العقول ہونے نے اُس کی ذات کو دوسری ذات پر ترجیح دیدی اور حفاظتِ دم انسان سب سے زیادہ بڑھ کر ضروری و لازمی ہو گئی۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ لشکر کا سپاہی دشمن کے مقابلہ میں کارآمد ہوتا ہے ایک ایک سپاہی کی جان کی قدر و قیمت بہت زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ خبرِ افواج گوان امور میں مثل ایک سپاہی کے ہوتا ہے مگر فرائضِ خاصہ کی ذمہ داری نے اُسکی جان کو زیادہ قابلِ حفاظت بنا دیا ہے۔ اُسی کی حیوۃ پر کل افواج کی حیات کا مدار سمجھا جاتا ہے۔ اور چونکہ انسان کے منافع بھی تمام موجودات سے زیادہ ہیں اسلئے اُس میں ہتہ مالیت مغلوب ہے۔

انسان باعتبار ذاتِ منافع دونوں کے پورا پورا آزاد ہے۔ نہ اُسکی ذات پر کسی کو حق تصرف حاصل نہ منافع پر التبتہ اسکا اند نقصان آجاتا ہو۔ یا اس کا مالک امتیاز عقل و تمیز زائل ہو جاتی ہے۔ تو اسکی حریت میں کلاً و جزاً نقصان نہ زوال آتا ہو۔ شرعیہ نے دونوں پہلوؤں کی استقدار رعایت کی ہے جس سے زیادہ ممکن ہے۔ حریتِ ذات تو شرعیہ میں کسی حال زائل ہی نہیں ہوتی۔ بجز ایک صورتِ غلامی کے جس کی حقیقت ہم بیان کرینگے۔ کسی حال اسکی بیع و شلر کو جائز نہیں رکھا گیا۔ اور نہ اُسکی جان تلف کر نیکی کسی وقت اجازت دی گئی۔ جو رسم و رواجِ اہم سابقہ میں اس قسم کی طرگئی ہیں کہ لڑکیوں کو خیالِ حقیقت ننگ و ناموس نہ دگر کر دیا جاتا تھا۔ یا لڑکیوں کے نکاح میں بھاری رقمیں لی جاتی تھیں۔ یا اب بھی لی جاتی ہیں۔ یا اس طرح نکاح کر دیا جاتا تھا کہ ایک نے اپنی لڑکی کی شادی دوسرے کے فرزند سے اس طرح

کر دی کہ وہ اپنی دختر کو اسکے فرزند سے بیاہ دے اور یہی اُن کا باہم مرتہ تھا۔ اس صورت کو اصطلاح شرع میں نکاح شغار کہتے ہیں ان سب کو کلیخت شرعیہ کہے حرام قرار دیدیا اور مٹا دیا۔ یا لڑکی کو نکوح وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اسکے تصرفات مالکانہ کو کالعدم سمجھا جاتا ہے۔ شرعیہ نے اسکو بھی مٹا دیا۔ نسوان کو کامل حریت مثل رجال عطا فرمادی۔

کسی انسان کے ہلاک کرنے کی سوا، مخصوص صورتوں کے اجازت ہی نہیں دی مثلاً کسی صورت قصاص یا حدود شرعی وغیرہ مگر ان میں بھی وہ احتیاط ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں اور ذرا سے شبہ ہی حدود و قصاص کو ساقط کر دیا۔

البتہ غلامی کی صورت میں حریت ذات سلب ہو جاتی ہے لیکن اُسکے سلب ہونیکے یہ معنی نہیں کہ اسکی ذی حیات ذی دم ہونی سے قطع نظر کر لی گئی ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ جہت مالیتہ کو غلبہ دیکر مثل اموال اسکی بیع و شرا کو جائز کر دیا گیا ہو۔ بانیہ اسکی جان کی حفاظت باعتبار ذی حیات ذی دم ہونیکے اسی طرح باقی ہر سرفوق نہیں آیا۔

غلام کی بیع و شرا کو شرع نے مثل اموال جائز رکھا۔ مگر اسکے قتل یا اذیت و اہانت کی کسی حال اجازت نہیں دی۔ اور اس فرق کو اس حد تک ملحوظ رکھا کہ اگر کسی کا غلام اپنے ذمہ دین کا اقرار کر لے تو معتبر نہیں۔ کیونکہ یہ اقرار غیر کے حق میں ہے۔ یعنی اس کا اثر اسکی مالیت پر پڑتا ہے اور مالیت کا تعلق مولیٰ اور آقا سے ہے غلام کا اس میں کچھ نقصان نہیں ہے وہ اس کی ملک نہ رہیگا کسی دوسرے کی ملک ہو کر رہیگا۔

اور اپنے ذمہ کسی حد یا قصاص کا اقرار کر لے تو معتبر ہے۔ کیونکہ اس کا اثر اصالتاً و بلا واسطہ اسکی جان کو پہنچتا ہے۔ اور بلا واسطہ مالیت کو اور جب غلام نے ہلاکت جان اور اذیت کو گوارا کر لیا جسکو انسان کہی برضا و رغبت گوارا نہیں کرتا۔ تو مالک کے نقصان مالی سے قطع نظر کر لیگئی۔

منافع کی آزادی کا لحاظ اس حد تک کیا گیا۔ کہ کسی کو اس پر جبر کا اختیار نہیں دیا گیا۔ وہ اپنی خوشی سے اپنے منافع کو فروخت کر سکتا ہو۔ مگر کسی دوسرے کو اس پر حق نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ تعذیر یا حقوق عباد کی وجہ سے جس میں رکھے جاتے ہیں۔ انکے منافع سے متعلق کبھی شرعیہ نے اجازت نہیں دی۔ اسکو

جائز نہیں لکھا کہ وہ باہم دو چوپایوں کی طرح رکھے جائیں بشرطیکہ جس کی صوت اس طرح کی ہر جیسے یونانی کے قیدیوں کی۔

اور باوجود اجازت فروخت منافع شریعت نے اس کے حدود مقرر کر دیے ہیں۔ آزاد مطلق نہیں چھوڑا۔ اور اسی وجہ سے اجارہ کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ اجارہ صحیحہ۔ اجارہ فاسدہ۔ اجارہ باطلہ لکھ۔ اجارہ ایسی چیز کا جس کی شرعاً اجازت ہو اور کوئی ایسی شرط نہیں ہے جس سے اس کی حلت میں فرق آئے تو صحیحہ ہے۔ اور اگر اجارہ کسی امر حرام کا ہے مثلاً زنا کا یا شراب نکالنے کا یا اسکے پہنچانے کا تو باطل ہے اور اگر اصل سے اجارہ باعتبار معتود علیہ کے صحیح تھا۔ مگر شرط قیود نے اس میں نقصان پیدا کر دیا ہے تو باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔

یہ حال تو ذات و منافع ذات انسان کا تھا۔ یہی حریتہ اخلاق و معاملات انکی کیفیت یہ ہے۔ معاملات میں ہر ایک آزاد عاقل بالغ انسان آزاد ہے۔ اسکے حقوق و فسخ بیع و شراکت و طلاق وغیرہ صحیح و نافذ ہوتے ہیں۔ عورت و مرد اس میں یکساں ہیں۔ ہر شخص اپنے مال کو جس طرح چاہے بیچ کر سکتا ہے عورت کو بھی اپنے مال میں یہی اختیار ہے جو مرد کو معاملات کی آزادی اسی وقت سلب ہوتی ہے جبکہ عقل نہ ہو جنوں مطلق ہو جائے یعنی کسی وقت بھی افاقہ نہ توں اور اسکی اس حریت میں بچہ و جوہ نقصان آجاتا ہے۔ یرن بلوغ کو نہ پہنچا ہو یرن بلوغ کو سفاہت و کم عقلی کی حالت میں پہنچا ہو۔ یا اپنے مال میں اسراف و تبذیر کرتا اور اسکو شرف و فساد میں صرف کرتا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان امور کی وجہ سے اسکی حریت معاملات ناقص ہو جاتی ہے۔ یہی عاقل کے معاملات بغیر اجازت ولی کے نافذ نہیں ہوتے۔ موقوف رہتے ہیں۔

علیٰ ہذا سفیہ پرتقاضی حج کر سکتا ہے اسکو تصرفات معاملات سے روک سکتا ہے۔ مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس میں بھی اسکی حریت کے دقیق پہلو کو ملحوظ رکھ کر دو حالتوں میں فرق کر دیا ہے۔ اگر وہ حالت سفہ میں مانع ہو تو حسب ارشاد خداوند عالم

سفیہ او کم عقلوں کو اپنے اموال پر حرمت کرو۔

ولا توتوا السفهاء اموالکم

ولی کو اجازت نہیں ہو کہ اُس کا مال اُسکے سپرو کرے اور وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے۔ بلکہ پچیس سال کی عمر تک انتظار بردار و کمال عقل کا کیا جائیگا۔ بعد پچیس سال کے امام اعظم فرماتے ہیں کہ اب انتظار کی کوئی حد باقی نہیں رہی اب اسکے اموال کو روکنا اور اسکے تصرفات کو ناجائز رکھنا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اسکو انسانیت سے محال کر ہوا تم میں داخل کر دیا جائے۔ وہ محضوں کی طرح مسلوب العقل تو ہے نہیں۔ اس میں سفاہت و کم عقلی سے نفع و نقصان میں امتیاز و ترجیح کا مادہ کم ہو لیکن اُنکے نزدیک یہ نقصان ایسا نہیں جسکی وجہ سے اسکو انسانیت سے خارج کر دیا جائے اور اگر بعد بلوغ سفاہت ظاہر ہو تو باوجودیکہ دوسرے ائمہ مثل امام شافعی و صاحبین کے اسکے قائل ہیں کہ قاضی اس شخص کو حجر کر دے یعنی تصرفات و معاملات سے روک دے مگر امام اعظم یہاں بھی یہی فرماتے ہیں کہ ایک آزاد عاقل بالغ کو قاضی حجر نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنے میں اسکو انسانیت سے خارج کر دینا ہے۔

جو آئمہ اسی صوٹ میں حجر کے قائل ہوئے اس کا منشا بالکل صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ اپنے مال کو خلاف مقتضا عقل صرف کرتا ہو تو کیوں نہ اس کو روک دیا جائے۔ سلطان و والی قاضی و حاکم اس لئے ہیں کہ اپنی رعایا کی نگرانی کریں اور انکو مضرت کے پہلو سے بچائیں۔ ایک عاقل نابالغ پر حجر ہو سکتا ہو تو بالغ سفید پر بدرجہ اولیٰ ہونا چاہئے۔ ان حضرات نے حقیقت اس کی حریت کو زائل کرنا نہیں چاہا۔ بلکہ جیسے بچہ جنوں مجبوراً زائل ہو جاتا ہے ایسے ہی خود اسکی حفاظت کیلئے حجر کو جائز رکھا ہے۔

امام اعظم کی نظر اس جانب ہو کہ انسان میں جب تک کسی حد تک اہلیت باقی رہے اس کو ایسے حق سے محروم نہ کرنا چاہئے۔ جنوں سے اہلیت جاتی رہتی ہے۔ یہی نابالغ کی حالت قابل انتظار ہے۔ چند روز انتظار میں انسان سے خارج نہیں ہوتا اور جو بالغ ہو چکا عقل اُس میں موجود ہو۔ مگر سفاہت یہی نہیں سمجھنا کہ محض کمال خرچ کرنے میں فائدہ ہو کہ ان نہیں۔ اور اسی وجہ سے یہ مصارف میں مال کو اڑا دیتا۔ اسراف و تبذیر کرتا ہے۔ معاملات میں و شل رہیں بھی کم عقلی کی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہو۔ اسکو اگر حجر کر دیا جائے تو انسانیت سے محال ہو جائے۔ اعلیٰ حق آدمیت سے محروم کو دینا ہے مال و نفی ہوا اُنکے خیال میں کیلئے اعلیٰ حق سے محروم کر دینا ہرگز صحیح نہیں ہو۔ ہاں اگر سفید کے افعال و معاملات سے نوع اعلیٰ میں ہر قسم کا ہونیک حجر کر دیا

جائے مثلاً کوئی فن طب یا ہل بیٹہ طبابت اختیار کرے اور اس طرح مخلوق کی جان خطرہ میں پڑ جائے۔

یا وہ شخص جو لوگوں سے گھوڑا اونٹ گاڑی وغیرہ کو کرایہ پر دینے کا معاملہ کرتا ہے۔ اور یہ مفلس و نادان لوگ معاملہ کر کے حسب دستور گل یا بعض حصہ کرایہ کا پیشگی دیدیتے ہیں اور وقت پر پوجہ ناداری سوار یا نہیں دیکھتا۔ نہ خود اسکے پاس ہیں۔ نہ خرید کر لاسکتا ہے۔

اس قسم کے لوگوں کو بھجور کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں چھوٹے ضرر کو بمقابلہ بھاری نقصان کے گوارا کرنا ہے۔ اور ایسا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ دنیا عام تباہی و بربادی میں مبتلا ہو جائے۔

علیٰ ہذا اگر کوئی شخص دیون ہو جائے۔ اسکے محبوس کرنے بھجور کرنے میں بھی آمہ دین کا اختلاف ہو۔ اور منشاء اختلاف کا یہاں بھی یہی وجہ پر بیان کیا گیا۔

صورت مسئلہ یہ کہ کسی شخص کے ذمہ دین ہو گیا۔ اسکی حالتیں ہیں۔ یا صاحب مال نہیں مفلس ہے طاقت دار دین نہیں رکھتا۔ یا صاحب مال ہو مگر ادانہیں کرتا۔ صورت اول میں صاحبین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر غلام یعنی دین درخواست کریں تو قاضی اسکو جس میں رکھ سکتا ہو اور اسپر چھو کر کے تصرفات سے منع کر سکتا ہو۔ مگر امام اعظم فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک نہ جس کی اجازت ہو نہ منع تصرفات کی کیونکہ اس میں اسکی اہلیت کو زائل کرنا۔ اور اسکو انسانیت سے خارج کر کے بہائم میں داخل کر دینا ہے۔

صورت ثانی میں صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کی درخواست پڑے محبوس بھی رکھا جاسکتا ہے۔ اور قاضی اس پر چھو بھی کر سکتا ہے اسکے ساتھ ہی دیونوں سے کہا جائے کہ اپنے مال کو فروخت کر کے قرض ادا کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو قاضی کو اختیار ہے کہ خود فروخت کر کے کل قرض ادا کر دے۔ یا پھر رسد ہر قرض خواہ کو دیدے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے کسی ایک امر کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ اس اجازت میں ان کو انسانیت کے شرف اور حریت کی دولت سے محروم کر کے بہائم میں داخل کر دینا ہے۔ ہاں حاکم کو ایسا کرنے کا اختیار ہے کہ اُس کے تمام مال کو اس وقت تک قرق رکھے جب تک کہ وہ خود بیع کر کے دین کو ادا نہ کر دے۔

میری غرض مجتہدین کے اختلاف مذہبیتان کرنے سے اس وقت یہ نہیں کہیں کسی ایک مذہب کی قوت و ضعف کو باعتبار دلائل کے بیان کروں یا یہ کہوں کہ ان میں مرجع کون ہو اور فتویٰ کس پر ہو بلکہ بشر اس قدر دکھانا ہے کہ انسانیت و حریت معاملات کو کما تک ملحوظ رکھا گیا ہو۔

اور جن آئمہ جس جس مواقع میں مجروح جس جبرگرمج اموال کی اجازت دی ہو ان کو بھی انسانیت کا لحاظ لیا گیا ہو۔ مگر ایک عقلی و شرعی قاعدہ نے اسی اجازت دینے پر مجبور کیا جو یہ ہو کہ ضرر خاص کو غرضاء کے مقابلہ میں گوارا کر لیا جاتا ہو۔ اس قاعدہ میں سب آئمہ متفق ہیں اور عقل و عرف میں بھی یہ قاعدہ نہ صرف مسلم ہے بلکہ معمول بہ ہو ہر قوم کے قانون غزل میں اسکے دفعات موجود ہیں۔ یہ نہ تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ باوجود اس قاعدہ کے تسلیم کے پھر جو اختلاف ہو وہ اس ضرر خاص و عام کی تشخیص و تعیین میں ہو۔ اور اس میں کم یا یہ ضرر اس درجہ کا ہو کہ مقابلہ اس کے انسان کی انسانیت اہلیت سے قطع نظر کر لی جائے یا نہیں۔

حریت اخلاق و صفات کو شرع نے اس حد تک قائم رکھا ہو جس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہر ایک انسان اپنے اخلاق حسنہ و صفات محمودہ کے استعمال میں آزاد ہے۔ کوئی چیز اس کے حق کو زایل نہیں کر سکتی۔ ہاں جنوں یا سنفہ غالب آجائے تو اس کے اقبال و افعال و حرکات و سکنات سبھی ناقابل اعتبار ہو جاتے ہیں اور اس درجہ میں ملامت و نفرین پہنچ جاتا ہے مواخذات بھی اٹھ جاتے ہیں۔ مگر یا سنفہ شرع نے ہر ایک صفت و ملکہ کے استعمال کے طریقہ اور حدود و مقرر کر دیے ہیں عقلی طور پر بھی حدود و مقرر ہیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ مگر شریعت میں چونکہ مضیات الہی کا اتباع پیش نظر ہوتا ہے اور اس کی اطلاع محض عقل انسانی سے بلاتوسع و حقیقی یا حکمی نہیں ہو سکتی اس لئے شرع کے حدود و طرق میں بھی تفصیل زیادہ ہے اور اسکے اور اس کے مساوات ناقص عقلیں مقصر ہجاتی ہیں لیکن کامل عقل کو عقل شرع کے نطاق میں کبھی بھی وقت پیش نہیں آتی۔ یہ ممکن تھا کہ ہم اس کی تفصیل اس جگہ بیان کر دیتے۔ مگر ایسا کرنے میں تطویل بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کو چھوڑ کر حریت صفات میں سے محض اس جزو مصطلح کے متعلق کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں جس کو عرف عام میں حریت اخلاق یعنی جرأ و آزادی کہتے ہیں۔ اور اسی حریت پر آج کل زیادہ بحث ہوتی اور اس میں افراط و تفریط کی نوبت آتی ہے۔

حریت یعنی حماۃ اخلاق کے معنی شرع میں ہیں کہ آدمی حق طلب کرنے مسائل کے دریافت کرنے امر حق کے اظہار میں حیا نہ کرے کسی کا عیب و خوف مانگ نہ آئے۔ اگر صاحب حق کو طلب حق سے روک دیا جائے کسی کو اظہار حق سے منع کر دیا جائے۔ یا ایسا معاملہ کیا جائے جس سے لوگ رُک جائیں تو مطلقاً حرام ہے اور ظلم صریح ہے۔

اگر خود تقصیر کرے تو اس کا ذمہ وار و جوابدہ وہ خود ہی جس درجہ کا وجوب و لزوم یا استحباب تھا اسی درجہ کی ذمہ داری ہو۔ دوسرے کی طرف سے بندش یا ممانعت ہو تو ذمہ داری اُسکے جانب اُس درجہ کی ہے جس درجہ کا نقصان اس بندش سے پیدا ہوا ہو۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

واللہ لا یستغنی عن الحق خداوند عالم حق سے حیا نہیں کرتا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ افہام و تفہیم میں جس امر کی ضرورت ہو اس کا استعمال کرنا چاہئے نہ لوم یا طعن و طاعن کی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصار عورت کی اسی بنا پر تعریف فرمائی کہ انہوں نے مسائل متعلقہ نسوان کو خود آکر دریافت کر لیا۔ نمائشی حجاب و حیا کو اپنے اور اپنے اہل خانہ کے جہل کا پردہ نہ بنایا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

بھلی باتوں کا اکر کر۔ بڑائیوں سے منع کر اور جو بھلا صیبت پہنچے اُس پر صبر کر۔ یہی بات پختہ امور میں سے ہے۔

وَاعْلَمُوا بِالْمَعْرُوفِ وَأَقْنَعُوا عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرُوا عَلَى مَا أَصَابَ لِبْسَانِ ذَٰلِكَ مُبْعَثٌ مِّنَ الْأُمُورِ۔

کسی عالم کو بھی یہ جائز نہیں کہ بلا علم صحیح کسی مسئلہ میں فتویٰ دیدے۔ اسکو لاعلم کہدینا بہتر ہے۔ بلا علم مسئلہ بتلانیسے حجاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کی نسبت جنہوں نے ایک محکم کو غسل کا فتویٰ دیا تھا۔ اسی بنا پر فرمایا۔

ان لوگوں نے اُس شخص کو قتل کیا خدا اُن کو قتل کر رہی جہل کا علاج تو دریافت کر لیتا ہے۔

قَتَلُوهُ فَتَعْلَمُ اللَّهُ أَنَّمَا شَفَعَا عِزِّي الْمَسْأَلِ۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر ضروریات دین میں سے ہے اُمت محمدیہ کا نشان ہی یہ ہے۔

یا مہرین بالمعروف وینہون عن المنکر۔ ان کی تاکید فضائل اور وصوت ترک عیہ شدید سے

کتب حدیث بالا مال ہیں جن میں سے چند بطور نمونہ ذکر کئے جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا

تمام نیک عمل اور جہاد فی سبیل اللہ امر بالمعروف نہی
عن المنکر کے مقابل میں ایسی ہیں جیسے دریائے متوج میں
لعاب دہن کی تری۔

وما اعمال البر والجمہاد فی سبیل اللہ عند
الامر بالمعروف والنہی عن المنکر الا کففتہ
فی بحر الجہنم۔

ابو بکر صدیق فرماتے ہیں میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ جب بڑائی کو
دیکھیں اور اُسکے ذمہ کی کوشش نہ کریں تو قریب ہر
کہ حق تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل کرے۔

عن ابی بکر الصدیق قال سمعت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الناس
اذا رآوا منکرا فلم یغایرہ یوشک ان
لیمہم اللہ لعابہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ
حق تعالیٰ خاص لوگوں کو جسے عا مخلوق کو عذاب میں مبتلا
نہیں فرماتا۔ مگر جبکہ یہ لوگ کسی بڑائی کو اپنے درمیان ہوتے
دیکھیں اور باوجود قدرت کے نہ اسکو روکیں نہ سمجھیں اس
بیشک حق تعالیٰ خاص خاص لوگوں کے عمل سے عام لوگوں
پر عذاب نازل کرتا ہے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ
لا یعذب العامة بعمل الخاصة حتی
یروا المنکوبین ظہرا ینہم وہم قادرین
علی ان ینکروہ فان فعلوا ذلک عذب
اللہ العامة والخاصة۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر اس درجہ کے ضروری۔ اُنکے فضائل و مناقب اور وصورت ترک و عیہ اور
اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہر شخص کو یہ منصب حاصل ہے۔ ایک معمولی درجہ کا آدمی اپنے سوتے منصب
والیکو امر بالمعروف کر سکتا ہے اور منکرات کو روک سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر جرات اخلاق اور حریت کیا ہوگی۔
مگر شریعت جس طرح تمام احکام کے حدود و طرق استعمال مقرر فرمادیے ہیں۔ امر بالمعروف کیلئے بھی
کچھ شرائط و حدود طرق ہیں۔ مثلاً یہ شرط ہے کہ نیت اسکی درست و خالص ہو مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہو رہا
وسمعہ۔ اپنی شہرت و عزت طلبی کا دخل نہ ہو۔ یا یہ کہ جس معروف کا امر کرتا ہے اور جس منکر سے نہی کرنا چاہتا ہے

اُس کے معروف منکر ہونے کی دلیل و حجت بھی جانتا ہوں۔ اور کم سے کم باوثوق علم اُنکے معروف و منکر نہ ہونا ہو ورنہ نفع سے زیادہ ضررت کا اندیشہ ہی۔ کیونکہ جب اُمروں یا ہی خود اپنے مدعا کی دلیل یا اس کو یا وثوق ذریعے کے بیان نہ کر سکے گا تو اس کی سعی رائیگان جائیگی دوسروں کی دلیری وجہاً بڑھے گی۔

یہ کہ ماسورہ منہی عنہ کے درجات کو جاننا لازمی اور ضروری ہی۔ اگر ماسورہ واجبہ ہی۔ امر بالمعروف بھی واجب ہی سنت یا تحب ہی تو وہ بھی سنت یا تحب ہی۔ منکر میں یہ دیکھنا ہی کہ جس فعل منکر سے اس شخص کو روکنا چاہتا ہے۔ آیا وہ فعل اُس واقع ہو چکا ہے۔ یا واقع ہو نیوالا ہے۔ اگر واقع ہو چکا ہے تو روکنا ہی عن المنکر میں داخل نہوگا۔ بلکہ اب اُس کا کچھ کمنا مذمت علی المنکر میں داخل ہوگا۔ جو گو خود فی حدیث حسن ہے مگر نہی عن المنکر نہیں ہی۔

یہ کہ امر بالمعروف و نہی المنکر کرنے میں اس کو اندیشہ نہ ہو کہ میرا یہ فعل اُس شخص کیلئے اور جرأت و اصرار کا سبب بن جائے گا اگر ایسا اندیشہ ہے تو سکوت بہتر ہے۔ خواہ مخواہ اپنی حق گوئی کا اظہار ضروری نہیں ہے یا شفا ہر حکم امر بالمعروف کا ایک ہی طریقہ نہیں ہی۔ باپ کو اگر کسی منکر میں مبتلا دیکھے تو بیٹے کو چاہئے کہ ایک دفعہ نرمی کہہ دے نہ ملے تو سکوت کرے بار بار نہ کہے۔ البتہ اُسکے لئے دعا کرے۔

اسی طرح رعیت و امام۔ زوج و زوجہ۔ غلام و آقا میں اگر ضرورت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ہو تو رعیت کے ذمہ امام کی زوجہ کے فمے زوج کی غلام کے ذمے آقا کے درجات مراتب کی رعایت ایسی ہے جیسے ولد کے ذمہ والدین کی۔ اُس کے ذمہ اظہار ضروری ہی مگر رعایت مراتب بھی لازم ہی۔

علیٰ ہذا یہ بھی ضروری کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر رفیع ملامت۔ نرمی و ملاطفت کے ساتھ ہو عین و شدت نہ کرے نرمی و ملاطفت سے کہنے کا اثر اچھا ہوتا ہی۔ شدت و عنف بسا اوقات مضر ہو جاتے ہیں۔ سننے والے میں بجائے انقباض و اصرار بڑھ جاتا ہے ہاں نرمی کام نہ لے۔ اُٹھی جرأت بڑھائے تو شدت و عنف کی ضرورت ہی۔ زبان سے سختی کرے نا ملائم الفاظ استعمال کرے۔ ہاتھ سے کام لے ان سب کی اجازت ہی۔ مگر پھر بھی ایسے لفظ کہنے کی اجازت نہیں ہی جس سے اسپر کوئی فحش الزام لگتا ہو۔ جہل۔ احمق۔ کودن۔ بیوقوف۔ نادان۔ فاسق وغیرہ الفاظ کہنے کی اجازت ہے۔

زانی حرامی وغیرہ الفاظ کی اجازت نہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نضح و موعظہ کو کارگر نہ کیا
انکی قوم کا انماک شرک بت پرستی میں بڑھتا گیا۔ تو شدت و عنف کو استعمال فرمایا۔

اَفِ لَكُمْ وَاَلْعِبَادُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
اَفَلَا تَعْقِلُونَ - اُف ہی تم پر اور اللہ کے سوا جس کی تم عبادت کرتے
ہو اس پر کیا تم نہیں سمجھتے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفق و ملاطفت شدہ و عنف کے مواقع استعمال کا
فیصلہ فرمادیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب
بنی اسرائیل معاصی میں نہمک ہو گئے تو علمائے ان کو منہ کیا
وہ باز نہ رہے تو علمائے انکو منہ نہ کھینچ کر تے رہے
کھانے پینے میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ نے انکو باہم کھانا
یاہم اختلاف اور قلوب میں منافرت عداوت پیدا ہو گئی ان لوگوں
پر اللہ تعالیٰ نے داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کے ذریعہ سخت
بیماری کیوں نہ فرمائی کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد و سبوتاہز
کرتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو بگڑنے سے روک دیا
تھے یہ فرما کر سیدھی بیٹھ گئے اور فرمایا قسم ہے اُس ذات کی
جس کے ہاتھ میں محمد کا نفس ہے تم کبھی معذرت نہ سمجھے
جاؤ گے جب تک ان پر زبردستی کر کے نہ روکو گے۔

قال رسول الله صلى الله عليه و
سلم لما وقعت بنو اسرائيل في معاصي
فهم علماء هم فلم ينهوا فحاج السوهم
في مجالسهم وواكلوهم وشاربوهم
فضرب الله بعضهم ببعض فلعنهم
على لسان داود وعيسى بن مريم ذلك
بما عصوا وكافوا ليعتدون فجالس
رسول الله صلى الله عليه وسلم و
كان متكئا فقال لا والذي نفس
محمد بيده حتى تاتوا بهم
اطرا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

قسم ہے اللہ کی۔ ہرگز تم معذور نہیں ہو سکتے۔
تم کو امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا ہو گا۔
تم کو ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہو گا تم اُس کو

کلا والله لتأمروا بالمعروف
ولتنهون عن المنکر
ولتأخذن علی یدی

الظالم ولتأطرنه علی الحق
اطرا ولتقصرنه علی الحق
قصرأ اولیضربن اللہ لقلوب
بعضکم علی بعض ثم لیلعنهم
کما لعنهم۔

حق پر قائم رکھنے کے لئے جبر و زبردستی
کرو گے۔ ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری قلوب
میں اختلاف پیدا کر دیگا۔ تم آپس میں لڑو گے
اور پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت ہوگی۔ جس
طرح نبی اسرائیل پر۔

اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تمام نصوص کے جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
اول ملاطفت و نرمی ہو اور پھر شدت و عنف ہر ایک کا موقع ہو۔ ہاں ایک وقت ایسا بھی مایوسی کا آتا
ہے جب نرمی و رفق شدت و عنف دونوں سے کام نہیں چلتا۔ کوئی سنتا ہی نہیں۔ کوئی ذریعہ و
قوت مجبور کرنے کی نہیں ہوتی تب حکم ہو۔

فعلیکم بخاصۃ نفسک | تجھ کو خاص اپنے نفس کی فکر چاہئے۔

حریت ذات و صفات و معاملات کے متعلق ہم نے بہت اجمال کیساتھ بعض احکام
شرع کی تفصیل بطور نمونہ بیان کی ہے۔ اسے دیکھ کر عقل منصف کو فیصلہ شرع و فیصلہ قوانین و
رسوم اہل دنیا میں موازنہ کر لینا چاہئے انشاء اللہ تعالیٰ صاف صاف واضح ہو جائے گا کہ شرع نے
جس حد تک ہر قسم کی حریتوں کو قائم رکھا ہے کسی قانون نے نہیں رکھا۔ اور نہ کسی ملک کے رسم و رواج
میں ایسا ہے۔ بہت سوان امور کو جو قوانین سلطنت میں داخل ہیں اور حقیقت اُن سے حریت
میں فرق پڑتا ہے اور کوئی مجبوری عقلی یا عرفی اُن کے اختیار و پسند کر نیکی نہیں ہوتی نہ رعیت
نے اُن کو مٹا دیا ہے اور جہاں کہیں سخت ضرورت سوان حریتوں کے زوال یا نقصان کے حکام
صادر کئے ہیں وہ بہت ہی احتیاط کے ساتھ دوسرے ایسے قواعد پر مبنی کئے ہیں جو عقل و عرف میں
مسلم ہیں۔ ہر جگہ افراط و تفریط کے پہلو سے احتراز کیا ہے۔

اس تمام عرض و معروض کے بعد اب ہم اصل مسئلہ حریت کو بطور نتیجہ لکھتے ہیں عرف عام میں
حریت کا استعمال آج کل حریت اخلاق پر آتا ہے اور حریت اخلاق کے مفہوم میں بھی تمام اخلاق حسنہ

ذہل نہیں ہیں۔ کوئی شخص اپنے تمام اخلاق و ملکات حمیدہ سے کام نہ لے بلکہ بجائے اُن کے ملکات مذمومہ کام میں لائے تو اس کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ ہاں اظہارِ مافی الضمیر اور اظہارِ رائے میں حرم و آزاد ہو کسی کے معن و طعن کی پرواہ نہ کرے کسی کا خوف و اندیشہ اُس سے مانع نہ آئے۔ جو کام کرنا چاہے سلطنت کے حقوق کی رعایت نہ کر کے بلا دھڑک کر گزے۔ ایسے شخص کو سزا جانا۔ اُسکی حریت و آزادی کی تعریف کی جاتی ہے۔ حالانکہ جیسا کہ ہم بھی بیان کر چکے ہیں۔ ایسی مطلق آزادی ہرگز مفید نہیں ہے۔ بسا اوقات مضر و مضر ہو سکتی ہے۔ ایک طرف خود اس آزادی و حریت کے مدد اور اُس کے شاخ و برگ ہو خواہوں کو دوسری جانب سلطنت و حکام کو جو رعایا کی جان و مال و تنگ و ناموس کے محافظ ہیں تیسری جانب ملک و اہل ملک کو یہ لوگ اس وجہ سے کہ انہوں نے حریت کے مفہوم و حدود و طرق استعمال کو نہیں سمجھا افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے۔

اخلاقی حریت میں جیسے کہ تفریط نہایت مہیوب و مذموم ہے۔ اگر سلطنت نے زبان بند کر دی تو کم و بیش اس سلطنت کی بنیاد نہایت مست و ضعیف ستونوں پر قائم ہے۔ اگر خوشامدیوں نے سلطنت و حکام کو اس کا خوگر بنادیا تو وہ دنیا و آخرت میں وسیعہ قابل ہزار نقوب و ملامت ہیں ملک کے تباہ کر دینا اے حقوق کو پال کر نیوالے سلطنت و حکام کو گرا کر سنے دلے ہیں۔

ایسے ہی افراط بھی ملک ترین مرض ہے اس کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ سلطان و قوانین سلطنت کے حقوق کی حرمت قلب میں باقی نہیں رہتی۔ مواقعِ حریت اور اُسکی حدود کو نہیں سمجھتے۔ یہ نہیں جانتے کہ کونسا موقع زبان کھولنے کے دینے نکتہ چینی کر سکتا ہے اسکی تیز بھی اُن کو نہیں رہتی کہ اس کا اہل کون ہے۔ کس میں مادہ اظہارِ رائے کا ہے۔ کون وہ ہے جس کو مقلد محض بن کر باب رائے کا اتباع کرنا چاہئے۔ اس زمانہ کی سہی ہولنے حریت کا ایسا عام سوا و ماعوں میں بھر دیا ہے۔ کہ بیٹے کے دل میں باپ کا احترام باقی نہ رہتا اگر دے کے دل میں اُستاد کا ادب نہ رعایا کے دلیس حکام کی عظمت نہ قانون کی قد و منزلت نہ حقوق کی نگہداشت۔ نہ اہل حقوق کی حق شناسی ایک عام طوفانِ حریت کا ہے جس نے انسان کو ہمیت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ حریت حقیقی وہی ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہو ورنہ یہ حریت جو زبان و دعام و خاص و صریح خلافت ہی تباہی کے کنارہ پر پہنچا نیوالی ہے۔ بہتوں کو پہنچا کر

اور پہنچا رہی ہے۔ جبکہ انقلابات کی دھوم اس مفروضہ حریت کی بدولت ہے۔

ہمیں زمانہ حال کی حریت پر ایک مزید احکامیت یاد آگئی۔ جو ہم اے کرم معظم مولانا محمد حسن صاحب آبادی
مقیم بھوپال نے چشم دید بیان کی ہے۔ مولانا موصوف چند سال ہوئے عازم حج بیت اللہ ہوئے شام سی ندیمہ
بھاریلو سے سفر کیا۔ راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مسافر نے گاڑی کا تختہ اٹھا کر پیشاب کرنا شروع کر دیا
چاہتا تھا تو آخر پیشاب کر سکتا تھا۔ یا گاڑی میں جو جگہ اسکے بے بی ہوئی تھی اُس میں جاسکتا تھا۔ مگر سودا حریت
و مطلق العنانی نے اتنا موقع نہ دیا۔ اس صورت میں گاڑی کا نقصان۔ اور مسافروں کے لئے خطرہ تھا۔
مگر کسی امر کی پروا نہ کی۔ آخر مسافروں نے اُس سے کہا تو جوش اور مسرت کے نہج بولے۔ الحمیت (بیاض گانہ)
سبحان اللہ کیا حریت ہے۔ اور کیا خوب حریت کے معنی کو سمجھے۔ اور اچھے موقع میں اُس کا استعمال کیا۔
ایسے ہی حریت پر اچھل فرمیا جاتا ہے اور اسی حریت پر بڑے بڑے خطابات دیے جاتے ہیں۔ رئیس الاحرار
فدائے ملک بننے کیلئے شہرت و عظمت حاصل کرنے کیلئے کوئی ایسا فعل کر لینا کافی ہے جس سے ایک تہ
ملک بھر آواز حریت و فداکاری سے گونج جائے۔ اصل عملہ کی تحقیق کر لو والا۔ موقع محل کو دیکھنے والا۔
ایسے کرنا والوں کی حالت معاملات فعلیت و قابلیت کو جانچنے والا کون ہے۔ اور پرکھنے والا کون۔
شرعیہ کے اصل اصول شرط خلوص و ہمدی کی جانچ و پرکھ کی نوبت تو کہاں ہو آئی فاعبداللہ اول و ابوالفضل
کہاں ابجکل کا طرز عمل۔ کہاں شریعت کے معمول۔ کہاں سلف صالح کا طریقہ استعمال ہمارے
اصلی مضمون اشاعت اسلام میں بذیل واقعات گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ معرکہ قادسیہ میں عند علالت
کی وجہ سے سپہ سالار عظیم حضرت سعد بن ابی وقاص گھوڑے پر سوار ہو کر شریک معرکہ بننے کے تو ایک شخص نے
اُن پر تعریض اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا۔

وَسَوْفَ سَعْدٌ لَيْسَ مِنْهُمْ اَيْتَم

فَانْبَا وَقَدْ اَمَت نَسَاءٌ كَثِيرَةٌ

مگر سعد کی عورتوں میں کوئی بیوہ نہ تھی

ہر عورت کا شوہر جیسا کہ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں

حضرت سعد نے سن کر فرمایا کہ ابھی اگر اُس نے بطور یاد دہانہ کے ایسا کہا ہے تو اُس کی زبان بند

کر دے۔ دعا مقبول ہوئی اور تھوڑی دیر بعد ایک تیر اُس شخص کے منہ پر لگا جس سے زبان بند ہو گئی

اب ہم اس مسئلہ حریت و مساوات کو اس مجملہ ختم کرتے ہیں اگرچہ اس میں بہت سے پہلو بھی قابل بحث و تفصیل باقی ہیں۔ مگر جس قدر لکھا گیا ہے اُسکی وجہ سے بھی طول ہو گیا۔ زیادہ لکھنے میں حد سے زیادہ طول ہو جاتا۔ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہم کبھی یہ مسئلہ تعلیمات اس کو مستقل سالہ میں ذرا زیادہ تفصیل و توضیح کے ساتھ درج کرینگے۔ واللہ الموفق۔

ہم نے مسئلہ غلامی کی حقیقت کو بیان کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ناظرین ایفادہ وعدہ کے منتظر ہونگے اس لئے خیال ایفار وعدہ چند سطروں میں مجملہ اس کو بیان کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ تحقیق و تفصیل کا یہ موقع تو اس کی گنجائش اُس کیلئے دوسرے وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔

مسئلہ غلامی کی وجہ سے اسلام پر بڑے بڑے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہماری سمجھ میں یہاں تاہم منشاء اعتراض کیا ہے اور کیوں ایسا کیا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں تو معترضین نے کبھی غور و فکر سے کام نہیں لیا۔ اگر ذرا بھی غور و فکر کرتے۔ تو بجائے اعتراض کر نیکلے اسلام کی برگزیدہ خصوصیات کے اور زیادہ قائل ہو جاتے۔ ان لوگوں کو چند امور ذیل ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

(۱) انسان اصل فطرت سے باوجود یکہ آزاد و مالک و مختار پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اُس کی یہ حریت کبھی قدرتی اسباب سے اور کبھی اختیاری افعال و حرکات سے زائل یا ناقص بھی ہو جاتی ہے۔

(۲) جس قدر حریت اُس کو عطا ہوئی ہے عقل و عرفا و شرعاً اُس کے حدود و طرق استعمال مقرر ہیں۔ گو عقل و عرفا و شرع کے حدود و طرق استعمال میں فرق و تفاوت ہو۔ مگر اتنی بات میں اتفاق ہے کہ انسان آزاد مطلق ہو کر اپنی حریت کو ہر وقت استعمال میں نہیں لاسکتا۔

(۳) کسی کی حق تلفی کے وقت اس فطری حروا آزاد کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ جو ایک نہایت حقیر ذلیل جو پایہ کے ساتھ اُس سے وہی کام لئے جاتے ہیں جو بہائم سے۔ اُس کے منافع کو اسی طرح کام میں لیا جاتا ہے۔ جیسا اموال کے منافع کو۔ اُسکی ذات کی ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو بہائم یا اموال منقولہ و غیر منقولہ کے ساتھ۔

(۴) مجرم کو سزا دینے میں جبرم کی نوعیت اور مماثلت کا خیال کیا جانا عقل و عرف میں ضروری ہے اور شرع کے تو اسکی بہت ہی رعایت کی ہے۔

(۵) پولیٹیکل مجرموں کے اور باغیوں کی سزائیں اور معمولی مجرموں کی سزائیں بہت بڑا فرق ملحوظ رکھا جاتا ہے جس شخص چرہم بغاوت یا پولیٹیکل سازش کا الزم لگتا ہے اس کی سزا بھر سزا موت یا عمر بھر جلا وطنی کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ اگر ایسے لوگوں کا جرم معاف بھی کیا جاتا ہے تو اسی حالت میں جبکہ ان کی طرف سے اطمینان ہو جائے اور ایسا کرنا مصلح ملکی کے خلاف نہ ہو۔ اس کی وجہ بجز اس کے کیا ہے کہ اگرچہ دونوں قسم کے مجرموں میں قانون وقت سے انحراف ضرور ہے اور اسکی وجہ مادہ عصیان و خلاف۔ یا ترمذ و سرکشی ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ معمولی مجرم کو قاتل یا سارق یا دھوکہ باز یا جیل باز ہی ہوں مگر ان کا یہ فعل رعیت کے کسی ایک فرد یا چند افراد کے مقابلہ میں ہوتا ہے سلطان وقت سے انحراف نہیں ہوتا۔ بخلاف پولیٹیکل مجرموں اور باغیوں کے کہ ان کا ترمذ و عصیان بمقابلہ سلطان اور قانون سلطان ہوتا ہے۔ یہ شخص سلطان کے حق و تعوق و برتری۔ اس کی قوت و شوکت کو مٹا دینا چاہتا ہے۔

(۶) خداوند عالم تمام عالم کا خالق و مالک ہے۔ عالم میں جو کچھ ہے اس کی ملک ہے جس کو جس قسم کا اختیار ہے اس کا عطیہ ہے۔ جو حق ملکیت ہے۔ اس کی طرف سے نیابتاً ہی حقیقت وہی ملک ہے اس کے سوا سب کی ملکیت تصرفات و اختیارات مجازی ہیں۔

جب امور مذکورہ بالا ذہن نشین ہو چکے تو اب سنئے کہ خداوند عالم نے تمام دنیا کو انسان اور جن کے فائدہ کیلئے پیدا کیا ہے اور انسان کو عقل و علم کے ساتھ حق نیابت و سلطنت و حکمرانی کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اسکی خدائی کا اعتراف کرے۔ اس کے سامنے جہنم نیاز رکڑے۔ اپنے آپ کو عابد اور اس کو معبود سمجھے۔ اس کو خالق و رازق جانے اس کے سوا سب کو محتاج سمجھے۔ اس کے احکام کی اطاعت کو واجب سمجھے۔ اس کی رحمت کا تحسین اور اس کے عقاب سے خائف و لرزاں ہے۔

اب اگر کوئی شخص خداوند عالم کو خالق و واجب اطاعت تو جانشا ہے۔ مگر اُس کے احکام کی اطاعت میں کوتاہی کر بیٹھتا ہے۔ تب اُس کا حکم وہی ہے جو معمولی مجرموں کا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو سزا کے موافق نوعیت جرم سزا مقرر ہے اور اگر مادہ بغاوت و تردہ سے خدا کی خدائی کا منکر ہے اُس کے قانون کو قابل اتباع واجب اطاعت نہیں سمجھتا تو شخص باغی ہے۔ اُس کی سزا وہی ہونی چاہئے جو ایک پولیٹیکل مجرم اور باغی کی ہوتی ہے۔ مادہ بغاوت و نفست سرکشی و ترد و طغیان حد سے گذر کر خدا اور اُس کے انبیاء سے جہاداً مقابلہ کی ٹھہرا دیتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے یہاں سے بنا سبب نوعیت جرم یہ سزا ملتی ہے کہ اُسکی ذاتی آزادی و حریت یک لخت منسلوب ہو جاتی ہے اُسکو خدا کا بندہ بننے سے انکار ہوتا ہے جس کی سزا میں بطور نیابت خداوندی بندوں کا ملوک بنا دیا جاتا اور اُسکی انسانیت کو منسوب کر کے مثل بہائم اموال میں داخل کر کے بیع و شراء کی اجازت دیدی جاتی ہے۔ اُس کے تصرفات غیر مقبض قرار دیدیے جاتے ہیں اور پھر اُس حق خداوندی کی انکار اُسکی خالقیت و مالکیت و ترد و عصیان کی سزا ہے۔ اور یہ سزا بالکل اُسی طرح کی ہے جیسے اس المتمر و بن شیطان لعین کو دی گئی۔ اُس نے خداوند کے حکم تسلیم کرنے سے انکار و ترد کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے سے کتر سمجھ کر سجدہ کر نیسے انکار کیا جس کی سزا یہ کہ بنی آدم کے ورعلائے اُن کو معاصی و کفر میں مبتلا کرنے کا ذیل کام اُس کے سپرد ہوا۔ وہ کشتیوں کی طرح لوگوں کو فوٹش پر جمع کرنا پھرتا اور اسی کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے ایک شاعر نے اس مضمون کو خوب ادا کیا ہے۔

تاکہ علی آدم فی سجدتہ | فصبار قوا ذالذریعہ

آدم کو سجدہ کرنے میں تو سخت کی | لیکن اُن کی اولاد کا دلال و کشنایا

لیکن یہ سزا بھی مجبوری کے درجہ کو دی جاتی ہے۔ اگر کسی حد تک بھی احکام خداوندی کے اُگے سر تسلیم خم کر کے نابالغ خدا سے مدد و پیمان کر کے رہنا گوارا کرے تب بھی اُسکی آزادی برقرار رکھی جاتی ہے۔

چونکہ اُس کی ملکیت بمقابلہ حق خداوندی ہے۔ مخلوق کو بجز اُسکے کہ نابالغ حیثیت سے اُس سے

اُس پر قبضہ کر لیں اور شل وکیل اُسکی بیع و شرا کریں اور کسی قسم کی دسترس اُن پر نہیں دی گئی۔ بلکہ اُنکے ساتھ ہر قسم کی رعایت و مراعات کرنیکا حکم دیا گیا۔ شریعت نے مالیک کی رعایت و محافظت حقوق کے جو احکام ہم کو بتلائے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ اُس غلامی پر آجکل کی ہزار آزادی قریب ہے۔ سزای ملکیت برائے نام ہے۔ اول تو غلاموں کے آزاد کرنیکے اجر و ثواب اس قدر بتلائے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سزا محض تنبیہ و تادیب الیقا و تنذیم کیلئے ہے۔ اُن کو دو امارت بقعہ غلامی میں رکھنا مطلوب نہیں ہے۔ ورنہ اعتاق کے اتنے فضائل بیان نہ کئے جاتے ظاہر ہے کہ ہر مسلمان سے جس قدر بھی ممکن ہوگا۔ ان فضائل کو دیکھتے ہوئے اس عمل صالح کی طرف رغبت کرے گا۔ کفارہ صوم کفارہ ظہار وغیرہ میں سب سے اول تحریر قبہ کو رکھا گیا اسی بنا پر صلحا امت نے بیش از بیش اس عمل صالح کی طرف رغبت کی۔ ہزاروں غلام محض آزاد کرنے کیلئے خریدے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر سب مسلمان اسی طرح راغب ہوں تو دنیا میں ایک شخص بھی کسی کا ملوک بن کر نہ ہے۔

اس کے علاوہ جتنک دہ رقبہ غلامی میں ہیں۔ اُن کے ساتھ معاشرت میں مساوات کے احکام جاری فرمائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں جو وصیتیں فرمائیں اُن میں نماز کی محافظت کیساتھ حق مالیک کی رعایت کو بھی ارشاد فرمایا۔

الصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم
حفاظت کرو نماز کی اور اپنے مالیک کی۔

شریعت کا حکم ہے کہ جو ہم کھائیں وہی اُن کو کھلائیں۔ جو خود نہیں دے اُن کو پہنائیں اُن سے ایسی خدمت نہیں جس سے اُن کو کلفت و مشقت پہنچے۔ اُن کی خطاؤں و لغزشوں میں درگزر کریں۔ ضرب و شتم سے احتراز کریں۔ اگر باریکی ضرورت پیش آوے تو جیسے اولاد کو تادیب یا سزا دینا چاہی ہے۔ اس سے زیادہ نہ ہو۔ اگر غلام کو نقدی سے ضرب و شتم کرے گا۔ قیامت کے دن اُس سے قصاص لیا جائے گا۔

سلف صالح انہی وجہ سے نہایت احتیاط کرتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے غلام کا کان انیٹھ دیا۔ فوراً ملامت ہوئی اور غلام سے فرمایا تو بھی میرا کان انیٹھ دے

عسلام نے انکار کیا تو آپ نے اُس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

اس قسم کے احکامات میں جن سے کتب اہل اسلام مالا مال ہیں۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

اس عرض کو سمجھنے کے بعد سمجھ لیجئے کہ اسلام کی غلامی کیا ہے اور اُس پر کونسی وجہ اعتراض کرنے کی ہر ہم کو اپنے حقوق کے مقابلہ میں آزادی کو سلب کرنا مثل بہائم اُن کا تبادلہ و قید کرنا تو جائز ہوا اور بمقابلہ حق خداوندی اجازت نہو۔

اور پھر یہ بھی خیال کر لیجئے کہ شریعت اسلام نے اُن کے حقوق کی نگہداشت کہا شک کی ہر باوجود ملکیت اُن کی جان کی حفاظت احرار کی برابر رکھی ہو۔ اس معاملہ کی اجازت نہیں دی۔ جو بعض متہمدن مالک میں کالے رنگ کی رعایا کیساتھ کیا جاتا ہے۔

ہم مسئلہ غلامی میں اس قدر بکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ زیادہ لکھنے کیلئے مستقل تحریر کی ضرورت ہے اہل انصاف کیلئے اتنا بھی کافی ہے۔ واللہ الموفق والہادی۔

مسئلہ حریت و مساوات کا تذکرہ بذیل حالات سیف اللہ آگیا اور جس قدر اس موقع پر تفصیل و توضیح کر دی گئی اس سے زیادہ کبھی اُس وقت لکھا جائیگا جبکہ اس مسئلہ کو مستقل کسی رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائیگا۔ یہاں پر تو اسکو ختم کر کے اصل مقصود کی طرف عود کرتے ہیں۔

حضرت سیف اللہ کے حالات میں سے چار فوائد ہم بیان کر چکے ہیں۔ اُن کے طویل الذیل حالات میں سے اور بھی بہت فوائد مستنبط ہو سکتے ہیں لیکن اگر ہم اُس کے درپے ہوں تو یہ مضمون جواب بھی بہت زیادہ طویل ہو گیا ہے بہت زیادہ مبسوط ہو کر اصلی غرض سے دور ہو جائیگا۔ اس لئے صرف ایک فائدہ خامسہ کے بیان پر قناعت کر کے تذکرہ حالات سیف اللہ کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

فائدہ خامسہ۔ فتوحات شام و عراق میں حصہ لینے والے عساکر اسلامیہ کی تعداد ساٹھ ستر ہزار سے کم نہ تھی اس اسلامی فاتح و جلاؤسکو میں ہر طبقہ کے مسلمان موجود تھے۔ مہاجرین و اولین۔ انصار قدیم الاسلام و مٹاخر الاسلام صحابہ۔ قبائل عرب کے جدید الاسلام۔ انبار مہاجرین و انصار جن کو

درجہ صحابیت حاصل ہوا اور ہر ایک وہ بھی جو فتنہ ارتداد میں شریک ہو کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئے
اسلام کی صریح مخالفت و بیکینی کر چکنے کے بعد پختہ کار مسلمان ہوئے اور ان معرکوں میں حصہ دار
بنے ایک بڑی جماعت تابعین کی تھی جن کو صحابہ کا فیض صحبت نصیب ہوا تھا غرض مختلف اقسام
مختلف قبائل مختلف سن و سال مختلف طبائع و انجسہ سے مرکب یہ اسلامی لشکر تھا۔ ایک ایسے
مجمع میں ناممکن ہو کہ طبائع کا اصلی رنگ ظاہر نہ ہو کیسا ہی کچھ مزاج کو نبالیا جائے۔ تہذیب و اخلاق کا
پابند کر لیا جائے مگر طبعی اخلاق و ملکات کا ظہور نہ ہو۔ ممکن نہیں۔

ہم اس اسلامی لشکر پر جو مختلف عناصر سے مرکب تھا اقل سے آخر تک نظر ڈالتے ہیں تو معلوم
ہوتا ہو کہ جتنے منہب اخلاق تھے اُن کی طبیعت بن گئے تھے اسلامی تعلیم نے اُن کے ملکات
کی اس قدر اصلاح کر دی تھی کہ بال بال اُن کا شریعت میں بندھا ہوا تھا محدود شریعت سے ایک
قدم ادھر ادھر نکالنا ناممکن تھا۔ اخلاق و معاملات کا یہ حال کہ عرصے خشک ریگستان کے پہننے والے
ایسے جنت نظیر ممالک کو فتح کر کے اپنا قدم جاتے چلے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے سامان راحت و عزت
اُن کو میسر آتے ہیں اُن ممالک کے سرکان بطور رعیت اُنکے سامنے آتے ہیں یا بحیثیت مفتوح و مقہور
قوم کے لیکن تاریخ میں کہیں اس کا ثبوت نہیں کہ مسلمانوں نے شریعت کے قدم باہر نہ نکالا ہو کسی پر
کسی معاملہ میں ذرا بھی جبر و تشدد کیا ہو۔ کسی پر دباؤ ڈال کر کوئی چیز حاصل کی ہو کسی کے مال و متاع
پر نظر کی ہو وہ سب کے سب ایک تعلیم گاہ کے شاگرد۔ ایک خانقاہ کے مستفید تھے اُسی ایک طریقہ
نوا شریعت پر قائم و مستقیم تھے قواعد شریعہ سے جس قدر اُن کو اجازت تھی اُسے ہی پر عملدرآمد
تھا اور پھر اس جہاد عساکر اسلامی کے قوا و امراء کون تھے امین الامتہ ابو عبیدہ سیف اللہ خالد بن الولید مثنی ابن
حارثہ جن کے حالات ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان سے اوپر سند خلافت پر کون ممکن تھے صدیق اکبر
خاروق اعظم جنکی شان کا اندازہ ابھی ابھی آپ کو ہمارے بیانات سے ہو چکا ہے جو احکام ظاہری شریعت کے
سرمو تجاوز کو کیا گوارا کرتے تھے ماطنی حالات و معاملات میں بھی کسی قسم کی تغیر یا انقلاب کو جو فی الحال پیش آئے
یا مالا اسکو بھی روانہ رکھتے تھے جن کی شان صلابت اس کی اجازت نہ دی کہ سپہ سالار اعظم سیف اللہ

کے معاملہ میں ذرا بھی نرمی برتی جائے اب ذرا انصاف سے دیکھئے۔ ایسی قوم ایسے فلاح شکر الیہ نفوس
مقدس ایسے مہذب و مودب ایسے پابند احکام شرع و طبع امراء و قواد ایسے باہمداد بے مہل و زحمت کی شان
ملوک فی الخلاء و ہیکل باللیل ہو | ردن میں بادشاہ رات میں راہب عالم
اُن کی تسخیر خلاق کس درجہ پر پہونگی کیا دنیا میں کوئی سنگ دل ناحق پڑوہ ایسا بھی ہو جو اس برگزیدہ قوم اور
فاجر عسکر کے شبانہ روز حالات دیکھے اور اس کا دل متاثر نہ ہو۔ اس جماعت کی محبت اُس کے دل میں
نہ آئے۔ ناممکن ہے۔

محسن کی محبت صاحب کمال کے کمال کا اعتراف اُن آموز میں سے ہے جو بے اختیار دل میں جاگزیں
ہوتے ہیں آدمی خود بھی اُن کو دفع کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی تدبیر کرتا ہے کہ دل تک یہ اثر نہ پہنچے مگر پچھو رہتا
ہے اور وہی دل جو کسی وقت عداوت سے لبریز بغض و نفرت کا مرکز تھا اُس کی محبت و عشق و ولولہ کا ظہر
بن جاتا ہے۔ اُس کے جوارح و اعضاء سے عجاذہ انفعال و حرکات بے اختیار اُردن صادر ہونے لگتے
تو اُردن کا زور حکومت کا رعب آدمی کو مطیع بنا سکتا ہے لیکن محب و جان باز والد و شیدائیں نہیں بنا
سکتا۔ جوارح کو منفاد کر سکتا ہے لیکن قلوب کو مسخر نہیں کر سکتا۔ یہ کرامت صرف اخلاق و معاملات کی ہر کہل
مسخر ہوتا ہے۔ اعضاء و جوارح کو جو کر کش بنے ہوئے تھے رفتہ رفتہ رام ہو کر بیدرم خریدہ
غلام بن جاتے ہیں۔

دیکھئے فتح مکہ کی وقت جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں داخل ہوئے کیلئے
عثمان بن طلحہ ابن عبدالدار سے مفتاح بیت اللہ کو لینا چاہا تو اُس نے جو بوجہ بغض و عداوت کے جو ذوات
مقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتا تھا انکار کر دیا اور نہایت مستعدی و ترو سے کہہ دیا کہ ہرگز کسی کو
میں کنجی ندوں گا البتہ اگر میں جانتا کہ رسول اللہ ہیں تو بے تامل کنجیاں دیدیتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اُس کا یہ انکار
کیا اثر رکھتا تھا۔ اشرف قریش کی مجتمع قوت تو آپ کے مقابل میں کچھ کام نہ ہی نہ سکی یہ بیچارہ تنہا کیا کرنا۔ بغض
قلبی سے مجبور تھا۔ اُسکی عداوت کا سبب فقط اختلاف قلت ہی نہ تھا بلکہ اغرہ و اقارب کا جنگ بد میں
مقتول ہونا ایسا سبب تبصیر کو کسی دل سے مٹا ہی نہ سکتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ نرمی

و ملاطفت سے کنجیاں نہیں دیتا تو آپ نے اُس کے ہاتھ کو مروڑ کر چھین لیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اُسی وقت آیہ شریفہ۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّوا أَرْحَمَ النَّاسِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

خدا تعالیٰ تم کو حکم کرتا ہے کہ تم اپنا ہاتھ کو ان کے گتھوں کے حوالے کر دو۔

نازل ہو گئی آپ نے اُسی وقت یہ ارشاد فرما کر کہ ”یہ کنجیاں ہمیشہ ہمیش کے لئے تم کو دے جاتی ہیں“ کنجیاں اُس کے حوالے کر دیں۔ اسی ارشاد کا یہ اثر ہے کہ مکہ مکرمہ میں اُس وقت سے اس وقت تک کاروں انقلاب ہوئے سینکڑوں حکومتیں بدلیں۔ کل مروانیوں کی حکومت تھی اور ان کے نائب حرمین میں رہتے تھے تو آج عباسیوں کی حکومت ہے کبھی عبیدی حکمران تھے تو کبھی ابوبی۔ کبھی سلجوقی دودمان کا خطبہ پڑھا جاتا تھا تو کبھی خاندان زنگی کا۔ اسی طرح کبھی بنی حسن کی اولاد میں سے کسی ایک خاندان میں نقابت و شرافت تھی تو کبھی دوسرے میں۔ غرض اسی طرح کے گونا گوں انقلاب ہوتے رہے گرنی شبہ کی کلید برداری و حجابت بیت اللہ میں کچھ انقلاب و تغیر نہوا۔ ہر زمانہ میں یہی کلید بردار و صاحب بیت اللہ رہے اور اب بھی وہی ہیں۔ چنانچہ اسی اختصاص و امتیاز کی وجہ سے کلید بڑا بیت اللہ کا مختص لقب شہابی ہو گیا ہے۔ اس طرح کے فرد و عصیان سرکشی و طغیان کے بعد اس ملاطفت سے کنجیاں عطا فرمانا اور وہ بھی حکم خداوندی ایسا نہ تھا کہ دلپراثر نہ کرتا۔ فوراً اُس کے قلب پر ایمان کا اثر پہنچ گیا۔ دل میں محبت آئی تو زبان نے فوراً اُس کا ساتھ دیا اور بے اختیار بول اٹھا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ اور اُسی وقت ایک سچا اور پکا جانا بزواجان بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کبریاں و بغض و عداوت جس کے اس قدر اسباب تھے کہ جن سے کبھی بھی قطع نظر نہیں کر سکتا تھا کہاں پر محبت و ولایت کی فرامیہ تو سہی یہ تلوار کا اثر تھا حکومت کا نور تھا۔ یا اخلاق کی تسخیر اور معاملات و حالات کی تاثیر و زور تھا۔ اتنا ہی تھا کہ بحر اُس کے ہاتھ سے کنجیاں لے لیں لیکن انصاف سے کہنے کو اس کا اثر اُس پر کیا ہوا تھا۔ پیدا ہوئی تھی یا دیرینہ عداوت میں ترقی ہوئی تھی پھر ذقت یہ کیا کیسے پلٹ گئی اسی وجہ سے کہ وہی فاتح جو ابھی ابھی بزور کنجیاں لے چکے تھے ہمار خداوندی اُس کو کنجیاں واپس ہی نہیں دیتے۔ بلکہ خالدا

خالدؑ کی بشارت بھی دیتے ہیں یعنی اب تمہارے خاندان سے یہ خدمت کبھی منتقل نہوگی۔ کسی قوم کو حلقہ
 بگوش اسلام بنانے کی دعویٰ صورتیں ہو سکتی ہیں ترغیب و ترہیب کا حال تو ابھی معلوم ہو چکا کہ اُس کا نام
 و نشان نہ تھا کسی قسم کا دباؤ یا زور نہیں دکھلایا گیا اور نہ اُس مفتوح و مقهور کیلئے قانون کی صورت میں جبر و تشدد
 کو نافذ کیا گیا۔ جو حقوق ایک مسلمان کے تھے وہی اُس مفتوح رعایا کے تھے۔ ترغیب کا حال یہ تھا کہ
 اُن کو اسلام لانے کے لئے کسی طرح کا لالچ یا طمع دنیاوی کا کوئی معمول نہ تھا نہ ان کے لئے وظائف مقرر کئے
 گئے۔ نہ اسلاف شن اور مدارس کھولے گئے کہ وہ عموماً عورتوں بیکس اور مفلسوں کو داخل کر کے اسلام کا
 حوکر بنایا جائے۔ ہاں ترغیب تھی تو اس قدر کہ اُن کو جنت اور عیم آخرت کی طرف عام توجہ دلائی جاتی تھی۔
 اسلام کی برکات سے اُن کو مطلع کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ بھی کسی خاص انداز و پیرایہ میں نہیں۔ بلکہ عام خدار
 کے ذریعے جس سے کلام الہی بھرا ہوا ہے۔ ترہیب تھی تو یہ کہ دوزخ اور اُس کی تکالیف سزاؤں کو ڈرایا
 جاتا تھا۔ عذاب آخرت وائی مصائب سے متنبہ کیا جاتا جس کو سُن کر کوئی فہیم و عاقبت اندیش اسلام کی طرف مائل
 ہو جائے۔ اُس کی خوش قسمتی مسلمانوں کی طرف سے منوالے اور بھیجھانے کا کوئی پہلو اختیار نہ کیا جاتا تھا۔
 ان حالات کے ساتھ اسلام کا اثر و برکت پھیلتا چلا گیا۔ وہی اقوام جو ریر سپر کارتھیں ان معاملات کو
 دیکھ کر صرف مسلمان ہو گئیں بلکہ دین کو ثریا پر سے اتار لانے کی قابل بن گئیں۔ تو اس کو اسلام کی کھلی کلامت اور
 اخلاق کی واضح دین تفسیر کیوں نہ سمجھا جائے۔ ہاں اگر ایک و مثال سے معلوم ہوتا کہ اس اسلامی کثیر التفاد
 فاتح مظفر و منصور و مقبول لشکر کے طرز عمل سے کسی ایک و پر جبر و تشدد نے اسلام کی بنیاد جمائی تو پھر یہ قیاس
 آگے بھی چلتا۔ یہاں تو حال یہ تھا جو پہنے بیان کیا کہ حد شریعت سے قدم نکالنا ممکن نہ تھا۔ نرمی و ملامت
 تھی تو احاطہ شرع کے اندر سختی و شدت تھی تو اُس کی حدود میں اور پھر اُس سختی و نرمی میں مسلم و غیر مسلم شریک بلکہ مسلم ہی خدا
 سی بلاتریش پر زیادہ گرفت ہوتی تھی۔ اس کے بعد بھی کوئی سنگدل نا انصاف اسلام کے اعجاز و کرامت
 کا قائل نہ تو اُس کا علاج کچھ نہیں ہو۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ فتوحات اسلام اور تبلیغ دین کی یہ ابتداء تھی جو اس جذب
 اور با اخلاق قوم کے ہاتھوں پڑی۔ اور تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہو کہ اکثر مشہور

مشہور اور با وقعت ممالک اقلیم کی تسخیر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وقت میں ان کے ہاتھوں سے پڑھ چکی۔ اُس کے بعد جس قدر فتوحات ہوئیں وہ تکمیل کا درجہ رکھتی ہیں اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ نظر اصول و ہدایت پر ہوتی ہے۔

ابعد کے قرون میں بھی یہی طریقہ صحابہ میں اصل مقصد قرار دیا گیا۔ پھر کسی کا کیا حوصلہ ہو۔ اور اُسکے پاس کیا حجت ہو کہ ان حالات کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد یہ کہہ سکے کہ اسلام نبرد تلوار پہلا یا گیا ایسی بات وہی کہہ سکتا ہو جو عقل و دانش دین و ایمان انصاف و حق پسندی سے ماتمٹ اٹھائے اور بلا دلیل و حجت اپنی ہی بات پر اصرار کئے جائے لیکن اس کا نتیجہ اُس کے حق میں سوائے ذمات و پشیمانی کے کچھ نہیں بچتا ورنہ ان کے موقع پر نہ اُسکی بات قابل شنوائی رہتی ہو اور نہ وہ اس قابل کہہ سکتا ہو کہ عقلاء با قراست اُسکی بات پر کان نہ دھریں۔ واللہ العاظم من الضلال و ہول المصداق و الصدق والسداد والیہ المرجع والمآد و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد والہ و صحبہ اجمعین۔

کتب خانہ مطبع قاسمی دارالعلوم دیوبند

مسلمانوں کی عملی خدمات

۲۵ سال سے نہایت دیانت و امانت کے ساتھ انجام دے رہا ہے جس سے فائدہ اُٹھا نا آپ حضرات کا کام ہے۔

ذرا مزید
ناظم کتب خانہ مطبع قاسمی دیوبند

خاتمہ حصہ دوم

ہم نے اس مضمون اشاعت اسلام کی تہذیب میں لکھا تھا اس مضمون کو تین حصوں پر تقسیم کیا جائیگا
 حصہ اول حالات زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دوم حالات زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم
 اجمعین حصہ سوم حالات زمانہ تابعہ صحابہ حصہ اول کو دو حصوں پر تقسیم کیا تھا۔ ایک حالات قبل ہجرت
 اور دوسرا بعد ہجرت حصہ اول کے بیان میں اختصار ہو گیا اور بہت سی ضروری حالات لکھنے سے روک گئے
 جس کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت ہم نے اس مضمون پر قلم اٹھایا۔ تو خیال اتنی بسط و تفصیل کا نہ تھا لیکن جب
 یہ مضمون لکھا گیا اور مسلمانوں کے ہر طبقہ بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ میں زیادہ مقبولیت و پسندیدگی سے لکھا
 گیا اور بہت کم معلوم ہو گیا کہ اسکی ضرورت تھی بہت سے ناواقف مسلمان بھی اس اعتراض اسلام پر در
 شمشیر پھیلانے سے متاثر ہیں یا کم از کم ان کی حاجت ہو کہ واقعات و دلائل سے اسکی حقیقت ان پر آشکار
 کر دی جائے تو حصہ دوم میں ہم نے اختصار سے کام نہ لیا۔ اور الحمد للہ واقعات سے اشاعت اسلام
 کی حقیقت کھلا دی۔

اگرچہ حصہ دوم میں بھی ابھی اور بہت سی واقعات لکھنے اور ان کے نتائج تیار کرنے کی گنجائش تھی
 مگر اول تو اس قدر بیان کو دفعہ شہادت کیلئے ہم نے کافی سمجھا۔ اس کے علاوہ بدیں خیال کہ شاید کوئی یہ
 خیال کرے کہ یہ زمانہ تو صحابہ کا تھا تو قرب فیض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ تو کوئی امر خلاف حقیقی
 تعلیم اسلام کے نہ کر سکتے تھے مگر زمانہ تابعہ میں جبکہ مسلمانوں میں تغیر ہونے لگا اور وہ حقیقی تعلیم سے متنبہ
 متعدد زمانہ و نیز باعتبار اختلاف آثار ملک گیری یہ حالات باقی نہ رہے اور مسلمانوں نے بجائے اشاعت
 اسلام تو بہت و عصبیت کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہا اور اس طرح یہ طریقہ بھی بدل گیا ہوا اس لئے ہم کو
 ضرورت محسوس ہوئی کہ حصہ دوم کو ختم کر کے حصہ سوم شروع کر دیں اور کھلا دیں کہ جس طریقہ کی بنیاد
 زمانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑی تھی جس کی تکمیل صحابہ نے کی تھی تو ان بعد میں بھی وہی رفتار

ہی ایک طرف فتوحات ملکی کا سلسلہ قائم رہا تو دوسری جانب اسلام اپنی اُسی خاموش قنار سے سکے جاتا رہا جو عجیب و غریب حالات ہم حصّہ سوم میں بیان کر چکے ناظرین اُس سے میلن و تعجب ہوں گے اور ہمارے اس دعوے کی پوری پوری تصدیق ہو جائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ربا حصّہ اول جس میں بہت اختصار ہو گیا ہے اور اُن اظہار کا بالتفصیل مد اظہار نتائج مضبوط ہونا نہایت ضروری ہو اُسکی نسبت ہمارا خیال ہو کہ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ بہت جلد رسالہ سے علیحدہ مرتب کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کر چکے یہ وہ حالات ہیں کہ جن کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ایمان تازہ ہوتا ہے اور کسی معترض یا متعصب کے اعتراض و تعصب کے قلب تک رسائی یا تاثیر کی گنجائش نہیں رہتی۔ ناظرین کچھ عرصہ اس کا انتظار کریں اور دعا کریں کہ حق تعالیٰ اچھے کو انکی تسوید و تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان +

عہد سرت و انفوس کہ حضرت مولف رحمۃ اللہ علیہ حصّہ سوم کی تالیف سے قبل ہی داعی اجل کو لبیک کہہ کر عالم آخرت کو تشریف لے گئے اللہ تعالیٰ کسی دوسرے یا بہت عالم سے اس حصّہ کو پورا کر اوسے ناظرین کرام کا اخلاقی فرض ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے ساتھ حضرت مولف رحمۃ اللہ علیہ کیلئے دعا و رحمت مغفرت فرمائیں۔

نیا آؤند

(ناظم کتب خانہ مطبع قاسمی دیوبند)